# مکتوبات شیخ الاسلام

## حصۂ اول

یعنی

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا الحافظ الحاج السید حسین احمد مدنی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم
دیوبند کے ان خطوط کا مجموعہ جو انھون نے اپنے دوستون، عزیزون، اور ارادتمندون کو لکھے جن مین مذہبی
علمی فقہی ملکی سیاسی خیالات و افکار و مسائل کا بڑا عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے

(مرتبہ)


## نجم الدین اصلاحی



باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڑھ طبع گردید

سنہ ۱۹۵۲

# مکتوبات شیخ الاسلام

## حصۂ اوّل

یعنی

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا الحافظ الحاج السید حسین احمد مدنی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے ان خطوط کا مجموعہ جو انھوں نے اپنے دوستوں عزیزوں اور ارادتمندوں کو لکھے جن میں مذہبی علمی فقہی ملکی سیاسی خیالات و افکار و مسائل کا ایک عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے

((مرتبہ))


نجم الدین اصلاحی



باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع گردید

سنہ ۱۹۴۲ء

فہرست مضامین

# مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مع حواشی و فوائد

## مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول کے ملنے کا پتہ

(۱) نجم الدین اصلاحی، سیدھاری، اعظم گڑھ

(۲) محمد اسعد و محمد ارشد، راجہ پور سکرور، سرائے میر، اعظم گڑھ

قیمت: [illegible] علاوہ محصول ڈاک

# تصحیح اغلاط مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مع حواشی و فوائد

(مطالعہ کتاب سے پہلے اغلاط ذیل درست کر لیے جائیں)

| صفحہ | سطر | غلط | صحیح | صفحہ | سطر | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۳۲ | ۸ | بالصور | بالصوم | ۲۶۳ | ۱۸ | کردزجوابش | کردند جوابش |
| ۴۹ | ۱۱ | قناعت کر | قناعت نکرو | ۲۸۹ | ۷ | للمقربین | المقربین |
| ۵۳ | ۳ | سانخ | سانح | ۲۹۲ | ۱۳ | انکاردیہ | انکار ردیہ |
| ۶۳ | ۵ | الحار | لجار | ۲۹۸ | ۹ | وبعضے آں بارا | بعضے آن را |
| ۹۸ | ۱۱ | نس | جن وانس | ״ | ۱۷ | دن | مقرون |
| ۹۹ | ۱۹ | ذرباب | ذمہ ارباب | ۳۱۱ | ۱۷ | مدنی | مولانا مدنی |
| ۱۰۱ | ۱۴ | | تصوف | ۳۱۲ | ۱۰ | احمد | محمد |
| ۱۰۳ | ۱۲ | تطہرلنا | تطہرنا | ״ | ۱۷ | اندرکام | اندر آتے کام |
| ۱۰۴ | ۱۹ | توحہ | توجہ | ۳۲۲ | ۱۷ | بگریز | دیو بگریزد |
| ۱۱۰ | ۱۹ | اوران کا | اور زنان کا | ۳۲۸ | ۴ | جالعان | جالنعان |
| ۱۱۸ | ۹ | سکندر | سکندر را | ۳۴۸ | ۱۸ | یوسنان | یوسفستان |
| ۱۲۲ | ۴ | جہن | جُبن | ״ | ۱۹ | تن | تن |
| ۱۳۴ | ۴ | عمل | محمول | ۳۴۹ | ۳ | شیاطین | شیاطین انس |
| ۱۳۵ | ۱۲ | د | عقائد | ״ | ۱۲ | عمار | عماسو ۱۲ |
| ۱۵۸ | ۱۹ | خبر | بے خبر | ۳۶۱ | ۱۸ | ن | تین |
| ۱۶۵ | ۶ | نغنی | الغنی | ۳۶۲ | ۲ | لی ہم | لی نعم |
| ۱۶۷ | ۱ | حصو | حصہ | ۳۶۳ | ۱۸ | سول دس اوس | سول ڈین او بیدانیس |
| ۱۸۲ | ۲ | گھسا | نہیں گھسا | ۳۶۴ | ۸ | دس بار | دس بارہ |
| ۱۸۷ | ۱۲ | تنغدوا | تنفذوا | ۳۸۹ | ۱۳ | وعقلہ | وعقلاً |
| ۲۱۳ | ۱۹ | آیت | روایت | ۳۹۸ | ۱۵ | نمبر | نمبر ۱۰۴ |
| ۲۳۷ | ۲۰ | حاشیہ مکتوب نمبر | حاشیہ مکتوب نمبر ۸۶ | ۴۰۳ | ۱ | گندھوں | کندھوں |
| ۲۴۳ | ۵ | یقبلان | لایقبلان | ۴۱۰ | ۱۳ | قانولی | قانوالی |
| ۲۵۵ | ۱ | خون در | خوان اندر | ״ | ۱۷ | سوبارمرتبہ | سوبار |
| ۲۵۶ | ۱۸ | نفقہ | نفقت نفرادر | ۴۱۵ | ۱۳ | فنہ | ما تقدمہ |
| ۲۶۳ | ۹ | منعقد ہوتے | منعقد ہونیکے تم قائل ہوگئے اور انکی خلافت کے عموم و شمول کے بھی قائل ہوگئے | ۴۴۲ | ۲ | انشال | اشتغال |
| | | | | ״ | ۶ | شیح | شیخ |

۷

# تقدیم و تہدیہ

مدنی اسرار و حکم کے اس گنج گرانمایہ کو اُس ذاتِ گرامی کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں جس نے اٹھارہ برس تک حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھکر اور خود صاحبِ کتاب وسنت کے زیر نظر رہ کر کتاب وسنت کا درس دیا ہے اور جس کے فیضان کا دائرہ عجم سے عرب تک وسیع ہے۔

حقیقت میں یہ شانِ زندگی جس نے نہ پہچانی
صحابہ کی حیاتِ پاک کو اس نے نہیں جانا

گدازِ یوذرؓ و عشقِ اویسؓ و سوز سلمانیؓ
وہ جس کی خلوتِ شب کی بدولت اب بھی تازہ ہے

ننگ پاسے مدنی
نجم الدین اصلاحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اما بعد۔ امت مرحومہ کا کوئی قرن علماء ربانی اور رجال حقانی سے خالی نہین گذرا، ہر دور مین بڑے بڑے رجال علم موجود رہے ہین جنھون نے آفتاب و ماہتاب بنکر گہری تاریکیون مین امت کو راہ حق دکھائی صراط مستقیم پر ڈالا اور اپنی اپنی معنوی روشنی کی قدر حق کو کبھی بھی باطل کی اندھیریون مین چھپنے نہین دیا بلکہ شریعت اسلام کی سدا بہار روشنی کے بارہ مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سچی خبر کو "لیلھا و نہارھا سواء" سچا کر دکھلانے مین ان ہی نورانی حضرات کا بیشمار کام کرتا رہا ہے مگر پھر بھی ان مین ایسے جامع علوم ہی نہین بلکہ جامع شئون بھی ہون گنے چنے ہی رہے ہین جنھون نے اپنی جامع روشنی سے افراد امت کو دین کے ہر ہر علمی اور عملی گوشہ کی نشاندھی کی اور عملی طور پر امت کو جامعیت کے ان گوشون پر چلایا ہو، گویا ارائۃ طریق کے ساتھ من اللہ ایصال الی المطلوب کا وسیلہ بھی ثابت ہوئے۔

الحمد للہ کہ یہ قرن بھی جو باوجود عہد نبوت سے بعید تر اور عہد تجدید سے دور ہو جانے کے سبب صد الوان تاریکیون اور فتنون کا مجموعہ ہے ایسے جامع اور ربانی علماء سے خالی نہین جن کو جامعیت اجتماعیت اور جمعیۃ کی جتنا نون سے نوازا گیا ہے اور ان غیر معمولی کمالات کے سبب انھین منجانب اللہ قبول عام کی دولت عطا ہوئی ہے ان ہی گنے چنے نفوس قدسیہ مین سے حضرت اقدس مولانا حافظ الحاج السید

حسین احمد مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی ذات ستودہ صفات بھی ہے جو اپنے مخصوص فضائل وکمالات کے لحاظ سے بلاشبہ ایک فرد منفرد ہستی ہے، آپ نہ صرف عالم دین ہی ہیں بلکہ عارف باللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی ہیں، آپ کا علم عارفانہ، عمل مجاہدانہ اور اخلاق درویشانہ ہے، متضاد احوال ومقامات کو ایک دامن میں لئے ہوئے ہیں، ایک ہی وقت میں آپ دارالعلوم دیوبند جیسے مرکز علم ودین کی مسند تدریس کے صدرنشین بھی ہیں جن کے اردگرد سیکڑوں طلبہ زانوئے ادب تہہ کئے نظر آتے ہیں اسی آن آپ جمعیۃ العلماء اور سیاسی اسٹیج کے مسندنشین بھی ہیں جن کے دائیں بائیں ہزاروں مجاہد صفت انسانوں کا جمگھٹ لگا ہوا ہے اور پھر اسی ایک وقت میں آپ اپنے ریاضت کدہ میں خانقاہ نشین بھی ہیں جن کے چہار طرف سیکڑوں ذاکر وشاغل اور راہ باطن کے جویا افراد کا ہجوم ہے اور آپ کی جامع ذات ہے کہ ایک طرف آپ اپنے عالمانہ وقار ونکتہ سنجی سے دوسری طرف مجاہدانہ جوش واقدام پسندی سے اور تیسری جانب عابدانہ انکسار وتواضع آفرینی سے ہر دائرہ کے طالبوں کی پیاس بجھا رہے ہیں اور ہر میدان میں آپ کی ہمت مردانہ اس طرح یکسانی کے ساتھ کام کر رہی ہے کہ کسی ایک میدان کی تگ وتاز دوسرے میدان سے بے التفات نہیں ہونے دیتی،

غرض شریعت، طریقت اور سیاست جیسے متضاد رُخ ومقامات کی سیر اور اُن میں بیک وقت ان تھک عروج آپ کی ہمت مردانہ کا ایک عملی شاہکار ہے،

ع ،، یوں ہمہ کس نے کئے ساغر وسندان دونوں "

آپ کی اسی مجاہدانہ روش اور دین کے عملی شعبوں میں ان تھک دوڑ کے بارہ میں میں نے حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی جماعت میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کے حسن تدبر کا اور مولانا حسین احمد صاحب کے جوش عمل کا معتقد ہوں، ایک موقع پر حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی مجلس خیر وبرکت میں تحریکات وقت کا ذکر چھڑا ایک صاحب نے حضرت مدنی کے کسی مجاہدانہ عمل کا حوالہ

دیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت آپ کا اس پر عمل نہیں، فرمایا بھائی میں اُن جیسی (مولانا مدنی جیسی) ہمت مردانہ کہاں سے لاؤں؟

مجھ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں مولانا حسین احمد صاحب کو اُن کے سیاسی کاموں میں، مخلص اور متدین جانتا ہوں البتہ مجھے ان سے حجت کے ساتھ اختلاف ہے اگر وہ حجت رفع ہو جائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنیٰ سپاہی بنکر کام کرنے کے لئے تیار ہوں،

بہر حال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کے ہر بنیادی شعبہ میں آپ کو عمل، جوش عمل اور ہمت مردانہ کی توفیق عطا ہوئی ہے اور اس پیرانہ سالی میں پر عمل یہ جوش و خروش اور امنگ کے ساتھ یہ ان تھک دوڑ دھوپ واقعہ یہ ہے کہ جوانوں کی جوانیوں کو شرمائے ہوئے ہے، آپ کے یہاں راحت و آرام کا لفظ گویا لغت میں آیا ہی نہیں اور آیا ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں ہیں یا کم از کم اُن کی زندگی کی نسبت سے یہ لفظ مہمل اور بے معنی ہے،

اس دور عجز و کسل میں جو آج مسلمانوں پر چھایا ہوا ہے آپ کی اس ہمت و جوش عمل کو سوائے کرامت کے اور کس لفظ سے تعبیر کیا جائے؟ اور اگر اس کا نام استقامت ہے تو وہ بلاشبہ فوق الکرامت ہے، جو اس دور قحط الرجال میں ایک غنیمت باردہ ہے، حضرت ممدوح کی مدح سرائی میری تحریر کا موضوع نہیں ہے اور میں ان کے فضائل و مدائح کا احاطہ کر بھی کیا سکتا ہوں تذکرہ آگیا ہے تو قلم اس سے نہیں رکتا کہ اُن کی ہزار ہا مدائح و فضائل میں سے یہ کوئی کم منقبت اور تھوڑی فضیلت نہیں ہے کہ دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد جب کہ آپ ممتاز فضلاء بلاد اللہ ہ کے مقام پر پہنچ چکے تھے آپ نے ۱۸ برس تو حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بیٹھکر اور خود صاحب کتاب و سنت کے پاس اور اُن کے زیر نظر درس کتاب و سنت دیا جس سے مشرق و مغرب کے ہزارہا عوام و خواص اور علماء و فضلاء مستفید ہوئے اور حجاز و شام، مصر و عراق، ترک و تاتار وغیرہ تک آپ کے کمالات کا شہرہ پہونچ گیا،

اس دوران میں آپ دیوبند بھی آتے جاتے رہے اور احاطۂ دار العلوم میں اپنے فیوض سے طلبہ کو اور اپنے برگزیدہ استاد حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے فیوض سے خود اپنے آپ کو مستفید فرماتے رہے مگر مستقل قیام اور مسلسل افادہ کا مقام مدینہ منورہ ہی رہا، قیام مدینہ کی انتہا اس پر ہوئی کہ آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اسارت مالٹہ کے موقع پر اپنے استاد کی معیت میں پانچ برس مالٹہ کے اسارت خانہ میں رہے، گویا حرم نبوی کے اشارہ پر حرم شیخ میں کر داخل ہوئے اور اس مسلسل فیضان صحبت سے آپ کو وہ اخلاقی عروج ہونا رہا جو اس مقام پر ہو سکتا تھا، رہائی کے بعد ہندوستان تشریف آوری ہوئی تو آپ کو حق تعالیٰ نے ایک مرکز نشو و نما (دار العلوم دیوبند) کے لئے منتخب فرمایا جو درحقیقت اپنے وقت کے اولیاء و اقطاب کی نسبتوں کا مجموعہ اور مرکز ہے، گویا حرم شیخ کے بعد حرم شیوخ میں داخلہ ہوا اور اکابر و اسلاف کی گدی نے آپ کو اپنے لئے چن لیا تقریباً ۲۶ برس سے مسلسل اس مرکز علمی کی صدارت تدریس کی مسند آپ کے فیوض سے مالا مال ہو رہی ہے، پس اٹھارہ برس مرکز اسلام (مدینہ منورہ) میں رہ کر افادہ و استفادہ فرمایا، پانچ برس مالٹہ کی جہاد پر در خانقاہ میں آپ کو وقت کی سب سے بڑی شخصیت سے خصوصی استفادہ کا یکسوئی کے ساتھ موقع میسر ہوا اور ۲۶ برس سے آپ اس علم و مذہب کے ایشیائی مرکز (دار العلوم دیوبند) میں مصروف افادہ و استفادہ ہیں، حرم مدینہ نے آپ میں جمعیۃ کی روح پھونکی، مالٹہ نے آپ میں جامعیت کی لہر دوڑائی اور دار العلوم دیوبند نے آپ کو اجتماعیت کے مقام پر لا کھڑا کر دیا اس لئے قدرتی طور پر چند مرکزوں کی بنائی ہوئی شخصیت کو ایک جامع علم و عمل اور جامع اخلاق و شئون شخصیت ہونا ہی چاہیئے تھا جو ہو گئی، وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

آپ کی مرکزی شخصیت اس وقت دار العلوم کے جس عہدہ پر فائز ہے وہ روایتی طور پر محض مدرسی یا صدر مدرسی کا عہدہ نہیں بلکہ ہمیشہ ایک عمومی مقتدائیت کا عہدہ رہا ہے جس کی طرف رجوع عام ہوتا

رہا ہے، اور جس کے لئے منجانب اللہ ہمیشہ ایسی ہی ممتاز شخصیتین منتخب ہوتی رہی ہین جن کا امتیاز ہمیشہ مناسب وقت فضائل وکمالات کے معیار سے رہتا آیا ہے،

دار العلوم کے اول صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اپنی جامعیت علوم وفنون، جودت طبع، ذکاوت احساس اور رموز ولایت مین شاہ عبد العزیز ثانی تسلیم کئے جاتے تھے، اور فن حدیث مین آپ کا انداز درس حکیمانہ، عارفانہ اور ساتھ ہی عاشقانہ تھا، آپکے بعد ایک قلیل عرصہ کے لئے حضرت مولانا سید احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ صدر نشین مسند درس ہوئے آپ فنون عقلیہ ریاضیہ مین امام وقت سمجھے جاتے تھے اس لئے دنیات کے درس مین آپ کا انداز درس عاقلانہ مستدلانہ اور غکرانہ تھا، آپکے بعد حضرت شیخنا شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ اس گدی پر بٹھائے گئے آپ جامعیت علوم کے ساتھ شیخ کامل، عارف باللہ، جامع معقول ومنقول اور اخلاق فاضلہ مین راسخ القدم تھے اس لئے آپ کا انداز درس اپنے استاد حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ کے نقش قدم پر عالمانہ، حکیمانہ، فقیہانہ اور عارفانہ تھا، ان کے بعد آپکے ارشد تلامذہ آیت من آیات اللہ استاذنا حضرت اقدس علامۂ دہر مولانا السید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ مسند آرائے درس کتاب وسنت ہوئے، آپ کا غیر معمولی حافظہ، تبحر علمی حفظ کتب ومضامین اور دوامی علوم وفنون گویا ایک اعجازی شان رکھتا تھا، عقل ونقل کا ہر علم وفن اور اس کے تفصیلی اصول وفروع آپ کو اس طرح مستحضر تھے کہ آپ کو وقت کا چلتا پھرتا کتبخانہ کہا جانے لگا، اس لئے آپ کا انداز درس حدیث حافظانہ، وعیانہ، محدثانہ اور تبحرانہ تھا، آپکے بعد حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ سے اس گدی کو رونق بخشی گئی، تو آپکے جوش جہاد، ذوق عمل، ہمت باطنی اور وسعت اخلاق نے علم کو عمل کے ہر ہر گوشہ مین دوڑا کر عملی سانچون مین پیش کیا اور علمی کمالات پر دوامی عمل کو غلبہ پانے کا موقع ملا، اس لئے آپکے درس کا انداز عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ اسپرٹ سے بھر پور اور جذبات عمل سے لبریز ہوتا ہے جس سے طالبون کے قوای عمل کی قوتین بیدار ہو جاتی ہین اور جذبات عمل زیادہ سے زیادہ

مشتعل ہو جاتے ہین،

ہندوستان کی تحریک جنگ آزادی مین آپکے علم اور جوش عمل نے اہل علم کے سیاسی حلقون کی لاج رکھ لی، استخلاص ملک وملت کے لئے آپنے جو جو قربانیان دی ہین وہ جریدۂ عالم سے کبھی محو نہین ہوسکتین، عموماً سیاسی میدانون کے شناور اسٹیج پر پہونچکر غیر محتاط اور ذہنی طور پر آزاد و بے باک ہو جاتے ہین، لیکن حضرت ممدوح کا یہ کمال استقامت تھا کہ سیاسی اسٹیج پر بھی آپ کا تقشف مذہبی اس حد تک قائم رہا جس حد تک ایک مدرس کا اپنے حلقۂ درس مین قائم رہ سکتا ہے، گویا آپکا اسٹیج بھی درس کتاب وسنت ہی کا محل ومقام ہوتا تھا جس سے وہی آثار خیر و برکت ہویدا ہوتے تھے جو کتاب وسنت کے خصوصی آثار ہو سکتے ہین،

ساتھ ہی اس عامۃ الورود مقام پر جو حقیقتاً مزلت اقدام ہے آپ کی اخلاقی قوتین اس حد تک بیدار اور ہموار رہین کہ سیاسی اقدامات بجائے خود ایک اخلاقی درس کی شان سے نمایان ہوتے رہے، ہر خدمت بے لوث، ہر عمل بے لاگ، اور ہر اقدام خلوص وایثار سے پُر، نہ کسی عُہدہ کا سوال، نہ جاہ کی طلب، نہ مال کی طرف ادنیٰ التفات، نہ اقتدار کی ذرہ برابر خواہش، ہندوستان کے آزاد کرانے اور انگریزون کو نکالنے مین سر اور دھڑ کی بازی لگا دی لیکن کیا کسی وقتی صلہ کے لئے؟ کسی عہدہ کے لئے؟ یا قومی اسٹیج پر عہدہ دارون کی کسی سرگردہی کے لئے؟ معاذ اللہ۔ بلکہ ہر خدمت مین مخلصانہ جذبات، بے غرضانہ داعی بے لوث ارادے، سادگیٔ ضمیر اور محض اپنے بزرگون کے نصب العین کی تکمیل اور اپنے سلف کے نقش قدم کے اقتضاء و اقتداء کے ساتھ اسے باقی رکھنے کیلئے اور بس،

آپ اس وقت بھی جوش عمل کے ساتھ قائد میدان تھے جب کہ نعرہائے تہنیت کے ساتھ پھولون کے ہار پیش کئے جا رہے تھے، اور اس وقت بھی اسی انداز خدا پرستی کے ساتھ معروف عمل رہے جب کہ افراد و جماعات مخالف بنکر بے حرمتی اور بدگوئی کی ٹھان لی تھی، کیونکہ یہ خدمت نہ خواہش صلہ

پر مبنی تھی، نہ نعرہ ہائے تحسین و آفرین پر، بلکہ صرف اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پر۔

آپ کی رایوں اور افکار سے افراد و جماعات کو نیک نیتی کے ساتھ اختلافات بھی ہے اور آئندہ بھی رہ سکتے ہیں لیکن اس میں موافق و مخالف کی دو رائیں کبھی نہیں ہوئیں کہ آپ اپنی رایوں میں مخلص جذبات میں صادق، نیات میں بلند مقام، عمل میں صاحب عزم اور اخلاق میں صاحب حال ہیں۔ اختلاف رائے سے نیچے اتر کر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے مجاہدانہ مزاج ہے جس میں سپاہی رنگ اور انتہاپسندانہ عزائم و جذبات بطور جوہر مزاج کھپے ہوئے ہیں کسی اعتدال پسند اہل معاملہ کے دل میں کچھ خلش بھی ہو اور بعض اہل معاملہ کے نفوس کچھ گھائل بھی ہوں (چنانچہ ان مکاتیب کے بعض عنوانات اس کی غمازی بھی کر رہے ہیں) لیکن میں اس قسم کی معاملاتی خلش اور گھاؤ کو اپنی جگہ صحیح اور برمحل سمجھتے ہوئے بھی یہ ضرور عرض کروں گا کہ جو اکابر دین تکوینی طور پر من اللہ کسی خاص خدمت کے لئے مقرر اور مامور کئے گئے ہوں ان کی طبائع اور خصوصیات مزاج کے لحاظ سے ان پر اسی وصف کا غلبہ ہوتا ہے جو اس خدمت خاص اور وقت خاص کا مقتضیٰ ہو، اور وہی وصف غالب ان کے کاموں کا قدرتی معیار بن جاتا ہے گویا ان کی طبیعتیں غیر اختیاری بلکہ غیر شعوری طور پر ادھر ہی چلتی ہیں جدھر یہ وصف اور وقت انہیں لے چلتا ہے، اس لئے بظاہر تو معاملات میں ان کی طبیعت اور مزاج کارفرما نظر آتا ہے لیکن فی الحقیقت منشا خداوندی ان حضرات کی طبیعتوں کے راستہ سے اپنا کام کرتا ہے۔

مولانا مدنی کی شخصیت جس اسٹیج کے لئے منتخب کی گئی، وہ بلاشبہ ایک طاقت ور دشمن کے مقابلے اور اس کے پنجۂ استبداد سے ایک پسماندہ اور محروم آزادی ملک کے چھوڑانے کا اسٹیج تھا تاکہ اس راہ سے کسی وقت شعائر الٰہیہ بلند کئے جا سکیں، ظاہر ہے یہ کٹھن نصب العین رحم و کرم، عفو و درگذر اور محبت کے جذبات ہی سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا، بلکہ جوش، وجذبۂ فرق بین الناس اور تیز قائم دفاع، کے دواعی ہی اسے آگے بڑھا سکتے تھے، بالفاظ دیگر اس طرح کے فی سبیل اللہ تصادم اور تقابل کیلئے بغض و بعض اوقات

فی اللہ کے غلبہ کی ضرورت تھی نہ کہ حب فی اللہ کے آگے رکھنے کی اور اس کے لئے طبیعت گرم اور جہاد آگین درکار تھی جس کے ذاتی رجحانات ہی خلقی طور پر بغض فی اللہ کے اخلاق کیلئے صالح اور مستعد ہوں نہ کہ نرم اور حلم و صبر پیشہ طبیعت جس کا وصف غالب حب فی اللہ کے تحت بڑے سے بڑے دشمن سے درگذر اور عفو و مسامحت ہو. پھر یہ گرم طبیعت بھی ایسی کہ یہ وصف بغض فی اللہ اس کے حق میں استدلالی نہ ہو بلکہ حالی ہو اور خود طبیعت ہی اپنی افتاد سے اس طرف دوڑتی ہو حضرت ممدوح کے طرز و انداز اور رفتار کار سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے جو آپکے عام معاملات کے لئے و منتہی مقام کے لحاظ سے معیار کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے،

بلاشبہ ایسے حضرات جو بغض فی اللہ کے مقام پر ہوں اللہ کی ایک تلوار ہوتے ہیں کہ جو بھی مخالف رویہ سے اس کی دھار کے نیچے آجاتا ہے صاف ہوجاتا ہے ؎

پس تجربہ کردیم درین دیر مکافات  با دُردکشان ہر کہ در افتاد بر افتاد

ظاہر میں وہ مغضوب الغضب نظر آتے ہیں لیکن وہ خود ان کا غضب و بغض نہیں ہوتا بلکہ بغض الٰہی ہوتا ہے جو ان کے اخلاق میں سے ہو کر گذرتا ہے اور انھیں جارحہ الٰہیہ بنا کر ان کے راستہ سے اپنا کام کرتا رہتا ہے،

اہل اللہ کی یہ مزاجی اور طبعی خصوصیات نہ صرف یہ کہ بندگی کے منافی نہیں ہوتیں بلکہ نوع بزرگی کا مورد اور مظہر ہوتی ہیں، جن میں شئون الٰہیہ گذر کر اپنا کام کرتی ہیں گویا جن حضرات پر حب فی اللہ کے غلبہ سے عفو و درگذر، مسامحت اور چشم پوشی وغیرہ کے جذبات چھائے ہوئے ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے حلم و عفو، رحم و کرم اور فضل عظیم کا بغض فی اللہ کے تحت دار و گیر مواخذہ و مطالبہ اور تفریق حق و باطل کے جذبات غالب ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے جبر و قہر، مواخذہ و انتقام اور عدل کا مظہر ہوتے ہیں پس ایسے حضرات اگر کسی پر رحم کھائیں یا کسی پر غضبناک ہوں تو وہ درحقیقت رحمت اور

غضب الٰہی ہوتا ہے جو ان کی طبعی خصوصیات مزاج کو راہِ حق کا خادم اور کلیتہً حق کا آلہ کار بنا لیتے ہیں،
بہر حال اس قسم کے مقبول افراد کو جس میدان میں بھی کام کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے تو ان کی طبائع کو اس
میدان کی رہنمائی دیدی جاتی ہے اور اس میں ان کی یہ طبعی خصوصیات شئون الٰہیہ سے مربوط ہو کر اپنا
مفروضہ کام غیر شعوری طور پر کرنے لگتی ہیں،

دائرۂ نبوت ہو یا دائرۂ ولایت متعلقہ افراد کی طبعی خصوصیات اور مزاجی امتیازات سے الگ
نہیں رہ سکتا، موسیٰ علیہ السلام کی طبعی خصوصیات جلال آگین تھیں تو ان کی نبوت اور شریعت میں بھی
وہی شدت فی امر اللہ اور جلالی شان غالب ہے، عیسیٰ علیہ السلام کی طبع مبارک جمال آفرین تھی تو اُن کی
نبوت اور شریعت میں بھی حب فی اللہ اور تسامح کی شانوں کا غلبہ ہے، نبوت سے اتر کر دائرۂ ولایت
میں مثلاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر طبعاً رحم و کرم غالب ہے تو ان کے عام معاملات اور کاروبار میں بھی رحمت
ہی چھائی ہوئی نظر آتی ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ طبعاً متشدد اور جبار ہیں تو اُن کے عامہ امور سے وہی
سخت گیری، جلال اور تشدد فی امر اللہ نمایاں ہے، غرض انبیاء کی نبوت اور اولیاء کی ولایت اُن کے خلقی
مزاجوں اور طبعی خصوصیات ہی کے ڈھانچوں میں اترتی ہے جب کہ وہ طبائع وہبی یا کسبی طور پر نفسانی رذائل
سے پاک کر کے وابستۂ حق بنا دی جاتی ہیں اور قبول کر لی جاتی ہیں، پس ان وابستۂ حق طبائع سے جو امور
سرزد ہوتے ہیں وہ بظاہر تو طبعی جذبات نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً اُن میں منشاء الٰہی کام کرتا ہے، اور وہ
جوارح الٰہیہ ہوتے ہیں جو اپنی طبعی رفتار سے منشاء الٰہی کو پورا کرتے رہتے ہیں، گویا اس غبارے میں ہوا مرضیٔ الٰہی
کی بھری ہوئی ہے جس سے وہ اڑتا ہے پس بظاہر تو غبارہ اڑتا نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً اُڑنے والی چیز ہوا ہوتی ہے
جس کی اُڑان کا مظہر یہ غبارہ ہوتا ہے،

انت کالریح و نحن کالغبار | یختفی الریح و غبرا ہ جہار
---|---
تو بہاری - ما چو باغ سبز و خوش | او نہان - و آشکارا بخشش۔

توچو جانی ۔ ماشنال دست و پا　　قبض و بسط دست ۔ از جان تست دان

توچو عقلی ۔ ماشنال این زبان　　این زبان از عقل می یابد بیان

توشنال شادیی ۔ ما خندہ ایم　　کہ نتیجہ شادئی و فرخندہ ایم

اسی طرح مولانا مدنی کے معاملات کی نوعیت اور افتاد طبع سے واضح ہے کہ ان پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے اور ان کی خصوصیات طبع ہر اس دائرہ میں جس میں ان کا دخل ہو ایک خاص معیار کے تحت فضل اور فرق کا کام لیا گیا ہے جسے زد میں آئے ہوئے افراد طبعی جذبات سے تعبیر کرتے ہیں اور بالبصر لوگ اسے منشا حق سے تعبیر کرتے ہیں جو مولانا کے مقام کے لحاظ سے تکمیل فرائض کے وقت ان کے طبعی جذبات سے سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے اور اس لئے عموماً مخالف پر بھی اس کا اثر برا نہیں ہوتا، بنا بریں ایسے حضرات کے معاملات میں محض جذبات سے صرف سطح ہی کو نہ دیکھ لینا چاہیئے بلکہ اس کی مخفی روح کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے یہاں ان کی عصمت یا خطا و نسیان سے بالاتر ہونے کا دعویٰ نہیں بلکہ عامۃً منشا خطا کے معیوب ہونے کا دعویٰ ہے یعنی ان کی خطا انشاء اللہ کبھی عاصی کی سی خطا نہیں بلکہ ایک مجتہد کی خطا ہو سکتی ہے جو اپنے فکر میں مصیب بھی ہوتا ہے اور خاطی بھی، پس ان کی خطا سے صاحب معاملہ کی کلفت اور شکایت اپنی جگہ کتنی ہی درست اور صحیح کیوں نہ ہو مگر وہ پھر بھی اپنی خطا پر مستحق اجر و مقبولیت ہی رہتے ہیں کیونکہ اس میں طلب حق اور استرضار حق کے سوا نفسانی جذبات آگے نہیں ہوتے، اور احیاناً بمقتضائے بشریت ہوں بھی تو ایسے حضرات کی کثرت حسنات کے مقابلہ میں ان کی یہ احیانی لغزشیں شاذ اور کالعدم ہوتی ہیں جن سے ان کی مقبولیت کے مقام میں فرق نہیں پڑتا، اندریں صورت اس سے اختلافِ رائے بھی نیک نیتی سے ممکن ہے اور معاملات کے سلسلہ میں ان کا کسی غلط فہمی یا خطاء اجتہادی سے کلفت و اذیت ہو جانا بھی ممکن ہے لیکن ایسے صاحب مقام افراد سے نفسانی جذبات کے تحت کسی کی آزار رسانی عادۃً ناممکن ہے۔

اس سے میری غرض نہ ان کے تمام معمولات اور منصوبات کی حمایت ہے اور نہ ان سے اختلاف رکھنے والوں کی مخالفت ہے بلکہ ان کے باطنی رتبہ کی بلند مقامی اور ان بلند پایہ عزائم و جذبات پر روشنی ڈالنا ہے جو فکری اور عملی لغزشوں کو بھی مقبول اور این خطا از صد صواب اولیٰ تر است کا مصداق بنا دیتی ہے، اور یہ کہ وہ موافقت و مخالفت ہر حال میں یکساں بلند مقام ہیں جیسا کہ قلوب بھی عامۃً اسے تسلیم ہی کئے ہوتے ہیں،

بہر حال حضرت ممدوح کی کچھ خصوصیات ہیں جن کے جامع لوگوں سے منجانب اللہ کچھ خدمات ہی لیجا رہی ہیں اور منتسبین کی تربیت بھی ہو رہی ہے، جو بھی سچی طلب اور حقیقی استفادہ کا جذبہ لیکر آتا ہے وہ بلاشبہ اس جامع لوگوں سے بقدر استعداد حصہ لیکر لوٹتا ہے، ہاں اگر طالب ہی صادق نہ ہو یا سلسلہ میں شامل ہونے کی غرض ہی فاسد ہو تو ان جذبات سے آنے والے انبیاء کے حلقوں سے بھی محروم ہی اٹھے ہیں تا با دیگراں چہ رسد،

حضرت ممدوح کی ان خصوصیات کے پیش نظر یہ افسوس تھا کہ ان خصوصیات سے تربیت پا کر گو ایک جماعت ضرور تیار ہو گیا مگر علمی طور پر ان کا کوئی ذخیرہ سطح کاغذ پر جمع نہیں ہوا جس سے موجودہ نسل کی طرح آئندہ نسل بھی فائدہ اٹھا سکتی، خود حضرت مولانا کو بھی اپنی غیر معمولی مصروفیات مشاغل درس و تدریس، کثرتِ اسفار، واردین و صادرین کے ہمہ وقت ہجوم سیاسی خدمات اور ان کے ذیل میں ارباب معاملہ کے شبانہ روز رجوع و ازدحام کے سبب اتنا موقع نہیں ملتا کہ آپ جتنی خدمات زبان اور دست و بازو سے انجام دیتے ہیں اتنی ہی قلم کے واسطہ سے بھی انجام دیں جس سے آپ کی یہ خصوصیات میدان عمل سے گذر کر میدان تصنیف میں آجائیں اور یہ لوگ معنوی دولتیں جس طرح زبان فیض ترجمان سے سینوں میں بھر کر لیجاتے ہیں اسی طرح قلم کی بدولت سفینوں میں بھی محفوظ کر لیں تا کہ آج کی دنیا کے ساتھ آنے والی دنیا بھی اس سے مستفید ہو سکے، گو بعض اوقات مختلف علمی اور سیاسی مضامین خطبات

صدارت وغیرہ کی صورت مین خاص دواعی کے ماتحت قلمبند بھی فرمائے گئے لیکن وہ وقتی اور ہنگامی حالات سے تعلق رکھنے کے سبب صرف ان ہی حالات مین فیض رسان بن گئے جس سے لوگون نے فائدہ اٹھایا، مگر وقت کی قید سے آزاد ہوکر کوئی مستقل علمی ذخیرہ غیر معمولی مشاغل و شواغل کے ہوتے ہوئے تصنیفی صورت مین اب تک سامنے نہین آسکا پھر بھی اسے ایک غیبی امداد سمجھنا چاہئیے کہ حضرت کے متوسلین نے وقتاً فوقتاً خطوط کے ذریعہ اپنے مختلف احوال پیش کرکے استفسار نفوس کی جو تدبیر پوچھین توان کے جواب مین کچھ علمی، سیاسی اور عرفانی جواہر پارے کاغذ کی سطح پر جمع ہوگئے جس سے فی الجملہ پیاسون کی سیرابی کا کچھ مستقل سامان فراہم ہوگیا لیکن ان کی افادیت عام نہ تھی جن کے خطوط تھے صرف وہ یا زیادہ سے زیادہ ان کا قریبی حلقہ ہی ان قطرات علم و معرفت سے اپنے خطرات نفس اور وساوس شیطانی دفع کرسکا مگر ہمین ممنون ہونا چاہئیے حضرت محترم مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی کا جنھون نے کافی محنت وعرق ریزی سے ان بکھرے ہوئے موتیون کو مختلف جگہون سے چن چن کر جمع فرمایا اور پھر ایک سلسلہ مین پروکر انہین کتابی صورت مین ملک وملت کے سامنے پیش کردیا، جس سے ایک طرف تو یہ مخصوص فیض فیض عام بن گیا اور دوسری طرف ہر طالب صادق کیلئے سہل الوصول بھی ہوگیا،

ان مکاتیب اور ان کے مکنون علوم واحوال کی فہرست پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہی سے اس جامعیت کا اندازہ لگالینا مشکل نہین رہتا جو حضرت ممدوح کی ذات مین ودیعت کی گئی ہے اور جو تمام ہی دینی طبقون کے لئے یکسان شفا بخش ہے، حال وقال والے حضرات ہون یا براہین واستدلال والے ہون طالبان مسائل ہون یا عاشقان دلائل سب ہی کے لئے اس مختصر مگر جامع ذخیرہ مین سامان سیرابی موجود ہے، ان جامع ہدایات سے اگر ایک طرف طریقت ومعرفت کے مسائل حل ہوتے ہین تو دوسری طرف شریعت کے حکمیات پر بھی روشنی پڑتی ہے، اور جہان شریعت وطریقت کے مقامات کھلتے ہین وہین سیاست وادارت اور قومی معاملات کے دقائق بھی وا شگاف ہوتے ہین، غرض بیک وقت شریعت

طریقت اور سیاست کے دقیق اور حیات بخش نکتے اس طرح زیب قرطاس ہوگئے ہیں کہ ایک جویائے حقیقت و معرفت ایک متلاشئی احوال طریقت اور ایک طالب گار شریعت و سیاست کے لئے یکسان تسفا، اور سکونِ روح کا سامان بہم پہنچا سکتے ہین

حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا نجم الدین صاحب کو جن کی علم پرورانہ کاوش اور جذبہ افادیت نے یہ مشکل آسان کر دی اور جو روشنی محدود ہو کر رہ گئی تھی اسے ایک چمکدار فانوس مین منظر عام پر لاکر رکھدیا تاکہ متوسلین کیلئے خصوصاً و منہو مان علم کیلئے عموماً ضیاء افروز اور نور افشان ثابت ہوا اور اس طرح بہت سون کے شوق بیتاب کی تسکین کا سامان بہم پہنچ جائے،

امید ہے کہ وقت کے اس زبردست مجاہد جلیل (مولانا مدنی) کے ان علم پرورانہ حقائق اور عمل آفرین دقائق سے جن مین شرعی رہنمائی کے ساتھ عرفانی ارشادات اور سیاسی ہدایات ایک جگہ جمع ہین نیز ضمناً اور بھی بہت سے کارآمد فوائد آگئے ہین لوگ منتفع ہونے مین کوتاہی اور سستی سے کام نہ لین گے اور اس زلال حیات سے ابدی زندگی حاصل کرین گے،

ترتیب مکاتیب کے ساتھ مولانا نجم الدین صاحب نے بطور تعارف حضرت مدنی کی مختصر مگر جامع زندگی خاندانی حالات و خصوصیات، آپ کے سلاسل طیبہ اور آپ کی صفات محمودہ پر جو سطرین سپرد قلم فرمائی ہین وہ بجائے خود ایک مستقل علمی اور عرفانی ذخیرہ ہے جو قابل استفادہ ہے مرتب ممدوح چونکہ براہ راست حضرت اقدس مولانا سعید علی رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث مین شاگرد اور بواسطہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے تلمیذ ہوتے ہین اس لئے آپ کو جو روحانی اور طبعی مناسبت حضرت مولانا مدنی خلیفۂ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے علوم و کمالات سے ہوسکتی تھی وہ ظاہر ہے، ایسے ہی صلحائے افراد ان حضرات کے علوم و کمالات کو جامعیت اور سلیقہ کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر لاسکتے تھے، چنانچہ مولانا نے اپنے مرتبہ دیباچہ اور سطور تعارف مین حضرت مولانا مدنی کے علوم و کمالات

اور نسبتوں کو مشبع اور حاوی الفاظ میں کھول دیا ہے، اس لئے مکاتیب پڑھنے سے پیشتر ان کی اس تحریر کا پڑھ لیا جانا استفادہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہے، حق تعالیٰ ممدوح کو ہم سب مستفیدین کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے، (آمین)

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نزیل بمبئی،

۲۸ رمضان ۱۳۷۰ھ یوم چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دیباچہ

الحمد للہ الذی جعل النبل فی معرفۃ لاھل الیقین واکاثر وسیر من غاب وحضر من اعظم العبر والصلوٰۃ والسلام علی صفوۃ الصفوۃ ونخبۃ النخبۃ مختارۃ الخیرۃ من نوع البشر وعلی الہ الکرام البررۃ قرنلوا القران کما صح بذالک الخبر وعلی صحبہ الذین ارغم اللہ بعمارۃ ہم ومعارفہم انف کل من جحد وکفر ما اتصلت عین بنظر واذن بخبر اما بعد۔

طفل کم سواد و سبق تعہلے دوست — صد بار خواندہ دگر از سر گرفتہ ایم

پیش نظر کتاب حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کے مکتوبات کی پہلی جلد ہے جو افادۂ عام کی غرض سے شایع کی جارہی ہے، اس کے بعد اگر خدا نے چاہا تو مکتوبات کی اور جلدین بھی یکے بعد دیگرے چھپتی رہین گی، مکتوبات کا جو سرمایہ فی الحال خاکسار کے پاس موجود ہے، وہ امید ہے کہ ابھی کم از کم دو جلدون کے لئے کافی ہوگا، احباب و بزرگون سے درخواست ہے کہ اگر یہ سلسلہ ملک و ملت کے لئے مفید نظر آئے تو خدارا اس خزانہ کے ان جواہر پارون کو بھی اب وقف عام کردینا چاہیئے جو ابھی تک لوگون کے پاس بطور تبرک رہ گئے ہین، تاکہ ان کی افادی حیثیت بھی محدود نہ رہے اور یہ گنج گرانمایہ حوادث زمانہ سے بھی محفوظ ہوجائے،

سنہ ۱۹۴۹ء مین حضرت مولانا سید محمد میان صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند کی مشہور تصنیف "حیات شیخ الاسلام" جب چھپ کر شایع ہوئی پوری کتاب کئی بار پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی

لیکن ہر مرتبہ یہی محسوس ہوا کہ اس کے مباحث تشنۂ تفصیلات ہیں، اور امام عصر پر ابھی مستقلاً بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے، حتی کہ اپنا یہ تاثر، میں نے مصنف کی خدمت میں بھی لکھ بھیجا، موصوف نے میرے اس خیال سے اتفاق فرمایا اور خاکسار کو بھی اس بزم میں شریک ہونے کی دعوت دی، مولانا مدنی جیسی بلند پایہ شخصیت کی زندگی کے کسی گوشہ کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا میرے لئے اپنی بے بضاعتی کے باعث، چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق تھا، اس لئے اس کی تو جرأت نہ کر سکا لیکن "حیات شیخ الاسلام" میں امام عصر کے جو عالمانہ اور محققانہ مکاتیب میں نے پڑھے، اس نے یہ خواہش ضرور پیدا کر دی کہ اگر امام عصر کے مکاتیب، جس میں باتوں، باتوں کے اندر نہایت ہی اہم علمی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، تہذیبی اور تمدنی حقائق بیان کئے گئے ہیں، ایک مناسب ترتیب کے ساتھ جمع کر کے شائع کر دیئے جائیں تو وقت کی ایک نہایت ہی اہم اور مفید خدمت ہو، چنانچہ اسی جذبہ کے ماتحت ۱۱ جولائی ۱۹۴۹ء کو میں نے ایک اپیل مکاتیب مدنی کے جمع و ترتیب کی ضرورت کے عنوان سے مختلف اخباروں میں شائع کرائی، حضرت مولانا محمد میاں صاحب اور حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب نے اخبار الجمعیۃ میں اس تجویز کی پرزور تائید فرمائی، اور خود اخبار مذکور نے بھی اپنے اڈیٹوریل کالم میں اس کی ضرورت پر زور دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ملک کے طول و عرض میں امام عصر کے مکتوبات کے جمع و ترتیب کا ایک چرچہ پھیل گیا، معہ خاکسار کے پاس مکاتیب کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا، صورت حال کا یہ نقشہ دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ کوئی اور طاقت ہے جو بے اختیار یہ کام لے رہی ہے،

مری طلب بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے      قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

بزرگان دین اور علماء سلف کے ملفوظات اور مکتوبات، اپنی غیر معمولی افادیت کے باعث ہر دور میں جمع کئے گئے ہیں، خیر المجالس سرور الصدور، انفاس رحیمیہ، مکتوبات امام ربانی، اور مکتوبات و ملفوظات

شیخ عبد القدوس، مخدوم الملک بہاریؒ، شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر جانجاناںؒ وغیرہم آج تک جادہ پیمار سلوک و تصوف کیلئے شمع راہ ہیں،

حضرت امام العصر مولانا سید حسین احمد مدنی دامت فیوضہم کی ذات گرامی درحقیقت ہندوستان میں اسلاف کرام کی آخری یادگار، علم و عمل، حریت و جہاد، زہد و تقویٰ، عرفان وہدایت کی وہ زندہ کتاب ہے جس کی نظیر صرف کتابوں یا صدر اول میں ملتی ہیں۔ بس آپ کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق افادہ و فیضان کا ایک عظیم الشان دفتر ہے، بڑی حرمان نصیبی ہوتی اگر اس کو محفوظ نہ کر دیا جاتا، چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کام کو ایسے حضرات کرتے جو خود بھی کچھ ہوتے جیسا کہ سلف کا طریقہ رہا ہے، یہاں اپنا حال یہ ہے کہ امام عصر کی طرف اپنا انتساب ہی خود اس مبارک سلسلہ کی توہین ہے مگر اس کو کیا کیا جائے ؎

داد او را قابلیت شرط نیست  بلکہ شرط قابلیت داد اوست

# علماء ربانی کا حقیقی مقام

جاننے والے جانتے ہیں کہ ہر دور میں مسلمانوں کی مذہبی وسیاسی مشکلات کا علاج باوجود تقوی و طہارت شان حضرت علماء نے کیا ہے، کیونکہ علماء کسی خاص نسل یا خاص ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اگر ایک آدمی کو اپنی تن پروری کے سوا کی فکر نہ ہو اس کو ہم ایک ذی عقل حیوان سے زیادہ حیثیت نہیں دے سکتے جو شخص یا جماعت محض اپنا گھر بچانے کی فکر تو کرے مگر دوسری قوموں کی بربادی پر ٹس سے مس نہ ہو، ایسے آدمی کو آدمی کہنا انسانیت کے قانون میں جرم ہے، خادمین قرآن اور مجاہدین نے قرآن کی روشنی میں انسانیت کی غیر طبعی تقسیم کو منسوخ ... تنگ خیالی کے طلسم کو توڑ کر فرض شناسی کے ایک وسیع عالم کی راہیں کھول دی ہیں تاریخ

سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیزؒ اور امام ابو حنیفہؒ اپنے اپنے زمانون مین نہ صرف علم و فضل کے امام رہے بلکہ دینی سیاست کے مقتضیات کے مطابق دنیا کی رہنمائی اور حجرون سے نکل کر میدانون کی جادہ پیمائی و نبرد آزمائی اُن کا اہم کارنامہ ہے قاضی ابو یوسف کا دربار رشید مین فایز ہونا اور امام زہری کا عبد الملک کے زمانہ سے لیکر یزید بن عبد الملک کی حکومت تک رہنا، عبد الملک کے دربار سے امام شعبی کا قیصر روم کی طرف سفیر ہو کر جانا، علامہ ابن حزم کا پانچوین صدی ہجری مین وزارت کے بار خطیر کو برداشت کرنا، شیخ عبد القادر جیلانی و ابن عربی کا باوجود استغراق و تبتل اپنے زمانہ کے سلاطین کے احکامات پر تنقید کرنا اور امت کی ضرورتون کے پیش نظر زمین و آسمان کو ایک کر دینا، امام رازی اور خواجہ اجمیری کا غوری کے ساتھ اشتراک عمل کرنا تاریخ کی اہم روداد ہے، دور کیون جایئے خود ہندوستان مین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ذات گرامی کو جو حیثیت ہر اعتبار سے حاصل ہے وہ اب تک کسی عالم ربانی کو حاصل نہ ہو سکی، آپ کے ہمعصر سلاطین مغلیہ مین عالمگیر سے لیکر گیارہوین تاجدار شاہ عالم تک کا زمانہ آپ کی آنکھون کے سامنے گذرا ہے اور کم و بیش احمد شاہ ابدالی کے سات حملے ہندوستان پر آپ ہی کی زندگی مین ہوے ہین، کیا آپ ایسے نازک دور مین گوشہ نشین ہو گئے تھے، ہرگز نہین بلکہ احمد شاہ ابدالی کا ہندوستان آنا نجیب الدولہ کا امیر الامرا ہو جانا سب شاہ ولی اللہ کی سیاسی بصیرت کا نتیجہ تھا، شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات کا دوسرا خط اسباب سیاست کو پڑھنا چاہیئے کہ شاہ صاحب نے کس طرح سیاسی انتشار اور زوال کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے، اور سیاسی بصیرت کے ساتھ سمجھا اور سمجھایا ہے شاہ صاحب ہی کا کام تھا کہ اُس زمانہ کی مختلف سیاسی طاقتون سے کام لیکر ہندوستان کی فضا سے سیاسی بدامنی، قتل و غارت گری، فتنہ اور مفسدانہ عناصر کی بیخ کنی مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا، بقول مولانا خلیق احمد نظامی ،، پانی پت کا میدان کارزار حقیقت مین شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا سجایا ہوا تھا، اگر سلطنت مغلیہ مین تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت

کے نتائج سے فائدہ اٹھاکر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کیلئے قائم کرسکتی تھی، اس کے ساتھ شاہ ولی اللہؒ اور احمد شاہ ابدالی، انگریزوں سے بے خبر نہ تھے، بلکہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ کہیں مغل بادشاہ کے تساہل سے انگریزوں کو اپنا اقتدار قائم کرنے کا موقع نہ مل جائے جس کے روک تھام کی تدبیریں کیں اور بہار سے شاہ عالم ثانی کا دہلی بلانا اسی لئے تھا کہ وہ انگریزوں کے اثر سے نکل آئے اور دہلی آکر اپنی سلطنت کا استحکام کرے، یہ تھے حکیم الامت اور امام شریعت و طریقت شاہ ولی اللہؒ

# تحریک آزادی ہند کا آغاز اور سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ

## و شاہ عبدالعزیزؒ

پوری صدی گذر جانے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ دار الاسلام ہندوستان پر جب انگریزی حکومت نے تغلب کیا تو سب سے پہلا کون شخص تھا جس نے قانون اسلام کی پیروی کرتے ہوئے ہندوستان کو دوبارہ دار الاسلام بنانے کی سعی کی؟ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگزیب کے بعد جب ہندوستان کی حکومت کو گھن لگنا شروع ہوا تو سیدنا شاہ ولی اللہؒ ہی نے پوری فراستِ ایمانی اور سیاست دانی کا ثبوت دیتے ہوئے اسباب و علل پر بحث فرمائی اور حکومت، امراء، وزراء اور سوسائٹی کے دوسرے طبقات کو مخاطب کرکے ایک پروگرام دیا جس کا متن سید سلیمان صاحب کے الفاظ میں یہ ہے،

"ہندوستان پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہوئی کہ میں تنزل اور سقوط کے آغاز میں شاہ ولی اللہؒ کے وجود نے مسلمانوں کی اصلاح و دعوت کا ایک نیا نظام مرتب کر دیا تھا،، (مولانا سندھیؒ کے افکار و خیالات پر ایک نظر ص ۹)

اس متن کی شرح مولانا موصوف ہی سے سننے کے لائق ہے،

دلی میں اسلامی حکومت کا آفتاب جب غروب ہو رہا تھا تو اسی کے مطلع سے اسلام کا ایک اور آفتاب طلوع ہو رہا تھا، یہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا خانوادہ تھا، سچ یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی پیشین گوئی کے مطابق اس کے بعد جس کو لا اسی دروازہ سے لا، ہندوستان میں رد بدعات کا ولولہ ترجمہ قرآن پاک کا ذوق، صحاح ستہ کا درس، شاہ اسمٰعیل اور مولانا سید احمد بریلوی کا جذبۂ جہاد، فرق باطلہ کی تردید کا شوق، دیوبند کی تحریک ان میں سے کون چیز ہے، جس کا سررشتہ اس مرکز سے وابستہ نہیں،

(حیات شبلی ص ۲۹۸)

چنانچہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ جب ہندوستان میں اورنگزیب کے بعد یہاں کی حکومت میں ابتری پیدا ہوئی تو حضرت شاہ ولی اللہؒ نہ صرف یہ کہ اس کو محسوس کیا بلکہ اس کے اسباب و علل پر بڑی دیدہ وری اور جامعیت کے ساتھ بحث کی، اور ان کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے اس کی طرف حکومت کو، امراء اور وزراء کو عمال اور سوسائٹی کے دوسرے طبقات کو توجہ دلائی اور پھر آپ کے بعد حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے زمانہ میں دہلی کے حالات اور زیادہ بگڑے اور حکومت شاہ عالم از دہلی تا پالم کی مثل صادق آنے لگی، انگریزوں کا اقتدار اور ان کا ظلم و ستم اور اس کے بالمقابل لال قلعہ کے بادشاہ کی طاقت و قوت کا اضمحلال روز افزوں ہو گیا تو شاہ عبد العزیزؒ نے دہلی کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا خاص دہلی کے متعلق ارشاد ہے،

| | |
|---|---|
| دریں شہر حکم امام المسلمین اصلا جاری نیست | امام المسلمین کا حکم اس شہر میں بالکل جاری نہیں ہے |
| و حکم رؤسا نصاریٰ بے دغدغہ جاری است | اور بڑے بڑے عیسائیوں کا حکم بے دغدغہ |
| و مراد از اجراء احکام کفر اینست کہ در | جاری ہے اور احکام کفر کے اجراء سے مقصد یہ ہے |
| مقدمہ ملک داری و بندوبست رعایا | کہ ملک داری رعایا کا بندوبست خراج اور باج کا وصول |
| و اخذ خراج و باج و عشور اموال تجارت | کرنا، کسٹم ڈیوٹی لینا، رہزنوں کو سزا دینا اور |

| | |
|---|---|
| وسیاست قطاع الطریق وفیصل مقدمات | مقدمات کا فیصلہ کرنا اور جرمون کی سزا دینا۔ |
| وسزائے جنایات کفار بطور خود حاکم باشند | تمام معاملات یہ لوگ خود ہی کرتے ہین، |

فتاوی عزیزی جلد اول ص۱۷

آگے چل کر فرماتے ہین کہ

"کوئی مسلمان یا ہندو ان سے پروانہ امن لئے بغیر دہلی یا اس کے اطراف وجوانب مین نہین آسکتا،"

اس فتوی سے دو باتین روز روشن کی طرح واضح ہین،

(۱) حضرت شاہ صاحب نے انگریزون کے خلاف جو ظلم وستم کی شکایت کی ہے اس مین مسلمانون کے ساتھ ہندوؤن کا ذکر کیا ہے کہ دونون شہر دہلی اور اس کے نواح مین امن کا پروانہ حاصل کئے بغیر نہین آسکتے اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ شاہ صاحب انگریزون کے مظالم سے صرف مسلمانون کو نہین بلکہ ہندوؤن کی بھی گلو خلاصی چاہتے تھے،

(۲) شاہ صاحب کسی ملک کے دارالاسلام ہونے کیلئے اس مین محض مسلمانون کی آبادی کو کافی نہین سمجھتے بلکہ اس کے لئے یہ بھی ضروری جانتے ہین کہ مسلمان باعزت طریقے پر رہین اور ان کے شعائر مذہبی کا احترام کیا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی ملک مین سیاسی اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھون مین ہو لیکن مسلمان بھی بہرحال اس اقتدار مین شریک ہون اور ان کے مذہبی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک شاہ صاحب کے نزدیک قطعاً دارالاسلام ہوگا،

اور از روئے شرع مسلمانون کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کرین،

اس فتاوی کی تائید علماء جونپور کے فتوی سے بھی ہوتی ہے جس کو مولانا طفیل احمد مرحوم نے ڈاکٹر ہنٹر کے حوالہ سے لکھا ہے، (ملاحظہ ہو مدینہ) ستمبر ۴۲ء

اس فتوی کے بعد دو ہی راہیں رہ گئی تھیں یا تو جہاد کیا جائے یا بصورت عدم استطاعت ہجرت اختیار کی جائے۔

## ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء - ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ حضرت سید احمد شہید بریلوی اور ان کے ساتھیوں نے جس دینی تجدید و انقلاب کی کوشش کی تھی، اس کی داغ بیل شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیزؒ نے بہت پہلے ڈال دی تھی، ان بزرگوں نے علم کو بنیادی حیثیت دی تھی اس لئے بہتوں کو ان کے کاموں کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی حالانکہ بات صاف تھی کہ جو انقلاب صحیح علم کے بعد لایا جاتا ہے وہ بہت پائدار اور ناقابل تسخیر ہوتا ہے کیونکہ امامت، نیابت، خلافت، اصلاح و تجدد کا رشتہ ہمیشہ علم سے وابستہ رہا ہے اور جو طبقہ یا گروہ علم کی صفت میں بڑھ جاتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے اگرچہ اس کی کامیابی میں دیر بھی ہو جائے مگر وہ کامیاب کہا جائے گا حضرت شاہ صاحب کی دعوت نے ہندوستان میں فروغ حاصل کیا، چنانچہ نظری و مذہبی اور علمی اعتبار سے اس کی جڑیں مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں جن کو ہندوستان کا سیاسی انقلاب اپنی جگہ سے ہلا نہ سکا، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب یا سید احمد شہید کی تحریک سیاسی حیثیت سے ناکام رہی میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے یہ بات بند میں کہدی ہے، ناکامی اصول کی خرابی کا نام ہے جب اصول صحیح ہیں تو پھر ناکامی اور شکست کے کیا معنی؟ صحیح اصول کو نہ تو تاریخ میں کبھی شکست ہوئی ہے اور نہ ہو گی کیونکہ افراد یا جماعت کی غلطی سے جو وقتی شکست ہو جایا کرتی ہے اس کو تم اپنی بولی میں شکست کہہ لو مگر وہ شکست و ہزیمت ہے نہیں، اس فرق کو سمجھ لینے کے بعد یہ تاریخی حقیقت کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کا مقصد جہاد ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کو کمپنی بہادر کے اقتدار سے نجات دلانا تھا مگر ہندوستان کی یہ بدقسمتی تھی کہ پنجاب کے مسلمانوں کی زبوں حالی سے رنجیت سنگھ سے مقابلہ کرنا پڑا، اور بالاکوٹ میں شربت شہادت پی کر ملک کے اندر ایسی روح پیدا کر دی جو

اب تک کام کر رہی ہے۔ انگریز بہادر سید صاحبؒ کے اس منصوبہ سے خوفزدہ تھا اور جب معلوم ہو گیا کہ ان کا رخ سکھوں کی طرف ہے تو اس راہ میں سہولتیں بھی پیدا کر دیں۔ سید صاحبؒ کے مقصد کو نہ سمجھنے کی بنا پر بعض مدعیان اصلاح و تجدید کو دانستہ یا نادانستہ طور پر دھوکا ہوا اور ایک الگ راہ پیدا کر کے امت کے اندر انتشار و تشتت کے ساتھ ساتھ اکابر امت کے کاموں کی تحقیر و تذلیل بڑے پیمانہ پر شروع کر دی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

سید صاحبؒ کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے، اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی اس سے آپ کو غرض نہیں ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں سرحد ریاست گوالیار کے مدار المہام اور مہاراج دولت راؤ سندھیہ کے وزیر اور برادر نسبتی راجہ ہندو راؤ کو آپ نے جو خط تحریر فرمایا ہے وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے، ملاحظہ ہو یکم ستمبر ۱۸۲۸ء مدینہ بجنور

## ۱۸۵۷ء

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی شہادت کے بعد یہ شیرازہ بکھر گیا مگر آپ جو جذبہ ملت اور اسلام دشمن کا پیدا کر گئے تھے وہ مرنے والا نہ تھا اور ۱۸۶۴ء تک اس جماعت کی سرگرمیاں برابر جاری رہیں، ان کے علاوہ جو ارباب عزیمت ہندوستان میں تھے انہوں نے ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کا نقارہ بجایا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور حضرت ضامن شہیدؒ جو حضرت میانجی کے بڑے خلیفہ اور تمام خلفاء میں سب سے معمر اور سلوک میں افضل تھے، جہاد کی طرف راغب تھے اور شیخ محمد تھانوی انگریزوں سے جہاد کے مخالف تھے، مولانا محمد صاحب علم ظاہر میں مشہور اور صاحب فتویٰ و تدریس تھے، اس لئے عوام میں آپ کا فتویٰ چلتا تھا مولانا قاسم اور مولانا رشید احمد رحمہما اللہ بھی اطراف و جوانب میں صاحبِ فتویٰ و تدریس مانے جاتے تھے

اس لئے حضرت حاجی صاحب نے سب کو اکٹھا کیا، مولانا نانوتوی و مولانا گنگوہی نے جہاد کے وجوب کا حکم دیا، مولانا محمد صاحب نے اہل ہند کی بے سروسامانی کا ذکر اور شرائط فرضیت مین ہتھیار، عدد وغیرہ کا عذر کیا کہ انگریزون کے مقابلہ مین ہمارے پاس کچھ نہین ہے اس کے بعد مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ کیا وہ استطاعت جو کہ غزوۂ بدر مین مسلمانون کے پاس بمقابلہ کفار موجود تھی وہ بھی نہین ہے اور کیا ہم ان سے بھی کمزور ہین آخر مولانا محمد صاحب مرحوم خاموش ہو گئے، اس کے بعد حاجی صاحب و حافظ صاحب دونون کو شرح صدر ہو گیا اور جہاد کی تیاریان شروع ہو گئین اور حکم دیدیا گیا، اور شیخ محمد صاحب طبعی ضعف وغیرہ کی بنا پر اپنی رائے پر قائم رہے یا ہو سکتا ہو کہ مولانا محمد صاحب سکھون اور انگریزون مین فرق کرتے ہون گے کیونکہ سکھ بمقابل انگریز عدد اور عدد دونون مین کم تھے، حضرت حاجی صاحب نے امامت منظور فرمائی جسمین اس دور کے اکابر علمار مولانا فضل حق، مولانا قاسم، مولانا رشید احمد، مفتی عنایت احمد صاحب وغیرہم نے شرکت فرمائی اور دست بدست جہاد کر کے حافظ ضامن صاحب وغیرہم شہید ہوئے، تھانہ بھون پر قبضہ کر کے قصبہ شاملی ضلع مظفر نگر تک مسلمانون نے فتح کر لیا، کہا جاتا ہے کہ علماء کو سیاست نہین آتی، حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات بالکل غلط ہے، کیا سلاطین کا عزل و نصب جنگ و مصالحت، امراء اور وزراء کا تقرر وغیرہ یہ سب سیاسی کام نہین ہین اور کیا یہ علمار کے مشورون سے انجام نہین پائے اور کیا کوئی چھوٹا بڑا انقلاب ایسا بھی ہوا جو علماء کا مرہون منت نہین؛

اس جنگ ۱۸۵۷ء مین سب سے زیادہ قتل علمار اور مسلمانون کا ہوا حسب تصریح ثورۃ الہندیہ ہندو کم تھے، جب انگریزون نے یہ معرکہ جیت لیا تو اس کا انتقام بھی اتنا لیا کہ انسانیت کو شرم آتی ہے، غرض اس جنگ مین جہان مسلمان علمار اور امراء کے نام آتے ہین وہین ہندؤن مین مہاراجہ شمبھو عرف نانا صاحب اور رانی جھانسی وغیرہ کے نام آتے ہین، ملک اور وطن کے غدار تھے تو حکیم احسن اللہ خان اور بلدیو سنگھ بھی اُس کی طرح دو تون تھے، اس جنگ میں ہندو مسلمان کی کوئی تفریق نہ تھی بلکہ پردیسی راج کو ختم کرنے میں دونوں متفق

باقی جو لوگ مخالف تھے یا ضعف وغیرہ کا عذر لنگ کر کے کنارہ کشی اختیار کی ایسے لوگون کے بارے مین شاہ ولی اللہ صاحب نے بہت پہلے ہی یہ تحریر فرما دیا تھا،

اگر بعض مسلمانان کہ نیت ایشان در اعلاء دین محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات ضعیف است اندیشہا دور دراز ستولی کنند آن، ابنزا سماع نہ باید نمود[1] ترجمہ یہ ہے کہ اگر بعض مسلمان جنگی اعلاء دین محمدی کے سلسلہ مین نیت کمزور ہے لمبے چوڑے خطرے سامنے لاکر پیش کرین ان کی بھی نہ سننا چاہیے۔

شیخ الکل حکیم الامت و مجدد ملت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی جانشین وہی کہے جا سکتے ہین جنھون نے آپکے پروگرام کو کامیاب بنایا باقی جنھون نے جنگ آزادی مین اپنی کمزوری کا عذر پیش کیا جنز تو بقول ..... شخصے ..... ضعف ایمان اور خامی عشق کی دلیل ہے۔

## تحریک دار العلوم دیوبند

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ کا خاندان گویا ابراہیمی خانوادہ ہے اور یہ کہنا کسی طرح خلاف نہ ہوگا کہ "اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ" آپکے بعد کے کامون کو اگر سمجھنا ہے تو ذرا ماضی پر ایک اجمالی نظر کرنے کی ضرورت ہے جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی ادارہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی ہندوستان مین سب سے پہلا کالج ۱۷۱۲ء مین قائم ہوا، اس کے بعد ایکلیے چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے تقریباً بیس اسکول کھل گئے اور پبلک کے چندہ سے جو انگلستان مین جمع ہوا ۱۸۲۰ء مین کلکتہ مین بشپ چرچ کا افتتاح ہوا، پھر ۱۸۴۹ء مین کلکتہ کے اندر سب سے پہلا زنانہ مدرسہ کھولا گیا، یوپی اور پنجاب مین بیسون ایسے مرکز قائم ہو گئے جن سے مشن کے لٹریچر کی اشاعت ہوتی تھی، ان عیسائی مشنون کو عیسائیت

---

[1] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات

پھیلانے مین کوئی زیادہ کامیابی ابتداءً نہ ہوئی البتہ انھین اس باب مین یقینی کامیابی حاصل ہو گئی کہ لوگون کے سامنے جب مذہب کا نام لیا جائے تو ذہن ایک ایسے نظریہ کی طرف منتقل ہو جائے جس مین عقل کو کوئی دخل نہ ہو، اور جاہلانہ تعصبات کا مجموعہ ہو،

غرض وہ تحریک شروع ہوئی جسے انگریزی ذریعہ تعلیم کی تحریک کہا جاتا ہے۔ ۱۸۲۹ء مین الکزنڈر ڈف نے چاہا کہ ایک ایسا اسکول کھولا جائے جس مین ذریعہ تعلیم انگریزی ہو اگرچہ اس وقت کی حکومت نے مصلحۃً اس کی مخالفت کی مگر ۱۸۳۹ء مین لارڈ میکالے کو اس امر کی تحقیق کے لئے مقرر کیا گیا کہ طریق ذریعہ تعلیم کیا ہونا چاہیئے؟ انگریزی ذریعۂ تعلیم کے حامی اپنے خیال کی تائید مین یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ اس سے ایک ایسی قوم پیدا ہو جائے گی جو رنگ و خون مین تو ہندوستانی ہو گی لیکن مذاق، خیالات، اخلاق اور ذہنیت کے لحاظ سے انگریزی ہو گی، چنانچہ اس دلیل کو وزنی سمجھا گیا، انگریزی ذریعہ تعلیم قرار دیدی گئی ہو لارڈ ہینٹنگز نے ۱۸۴۴ء مین اعلان کر دیا کہ سرکاری ملازمت کے لئے انگریزی خوان کو ترجیح ہو گی،

ایک طرف انگریزی زبان کی اشاعت و ترویج کے لئے یہ کچھ کیا جا رہا تھا دوسری طرف عربی اور فارسی کو مٹانے کے لئے کم کوششین صرف ہو رہی تھین، مسلمانون کو لائبریریون سے خارج کیا جا رہا...... ان کے اوقاف تک جو خاص ان ہی کے لئے وقف تھے غیر مسلمون کی تعلیم مین صرف ہونے لگے، چنانچہ محسن ٹرسٹ پریذیڈنسی کالج کلکتہ پر صرف ہونے لگا، اعتماد الدولہ ٹرسٹ کا بھی یہی حال ہوا، قدیم زبانون کی تخریب اور جدید تعلیم کے حاصل کرنے کے مواقع پیدا کئے گئے،

یہ بات قطعاً غلط ہے کہ مسلمانون کا مذہب انھین تعلیم جدید سے روکتا تھا بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ تمام مدرسے عیسائی مشنریون کے تھے اور وہان بچون کو عیسائیت کی تعلیم دے کر انھین اسلام سے دور کیا جاتا تھا چنانچہ ۱۸۵۶ء کا واقعہ ہے کہ حیدرآباد سندھ کے ایک مدرسہ مین مسلمان بچون کو عیسائی بنا یا گیا اور دوسرے ہی دن دو سو بچون نے تعلیم چھوڑ دیا...... یہ تھے وہ حالات

جن کے تحت یہاں نئی تعلیم کا اجرا ہوا، دل میں درد، آنکھوں میں بینائی اور دماغ میں فہم و ادراک رکھنے والے مسلمان ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتے تھے لیکن اس وقت بھی خدا کے ایسے بندے تھے جو مسلمانوں کی متاع ایمان کو یوں دن دھاڑے لٹتے نہ دیکھ سکتے تھے چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی زیر قیادت اس تحریک عظیم کی بنیاد پڑی جس کو تاریخ میں ترغیب محمدیہ کہتے ہیں یہی آگے چل کر جمعیۃ العلماء بنی اور آپ کے بواسطہ شاگردوں میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء یوم پنجشنبہ ہندوستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند قائم کی۔ اس شجرِ طوبیٰ کی شاخیں بساط ارض اور فضائے آسمانی سے گذر کر وہاں تک پہونچ گئیں جو حضرت نانوتویؒ کا منتہائے نظر تھا۔ فللہ الحمد والمنہ۔

الزام دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ملاؤں اور مولویوں نے انگریزی پڑھنے سے روکے رکھا اس لئے یہ قوم تعلیم میں پیچھے رہ گئی لیکن مذکورہ بالا واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے پھر فیصلہ کیجئے کہ مسلمانوں کو تعلیم سے روکنے والے مولوی تھے یا ایک منظم اسکیم تھی؟ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تو اپنے زمانہ میں یہ فتویٰ دے دیا تھا،

"انگریزی پڑھنا علوم جدیدہ کا حاصل کرنا اسلام کی روایات اور روح کے بالکل مطابق ہے"

ممکن ہے کہ کسی عالم نے یا چند مولویوں نے حسب عادت اس طرح کا فتویٰ دیدیا ہو مگر جہاں تک مولانا نانوتوی وغیرہم علماء حق کا تعلق ہے اس طرح کی باتیں قطعاً بے بنیاد ہیں، یہ علماء نہ تو ملک کے سفید آقاؤں کی تلوار سے خوفزدہ ہوئے اور نہ ان کو ہندوؤں کی عددی اکثریت نے اس پر مجبور کیا کہ وہ اس کی زد سے بچنے کیلئے حاکم وقت کے دامانِ کرم میں پناہ ڈھونڈتے بلکہ انہوں نے کمال خود اعتمادی اور اطمینان قلب کے ساتھ مسلمانوں کے ذہنی اور دماغی تربیت کا کام شروع کر دیا اور الحمد للہ صحیح اسلامی فکر پیدا کرنے میں ان کو کامیابی بھی ہوئی،

---

# کانگریس اور علماءِ حق کے نقطۂ نظر میں فرق

یہ خیال بالکل غلط اور حقائق سے چشم پوشی کے مرادف ہے کہ ملک کی آزادی کا اولین جنگ بنیاد کانگریس کا قیام ہے، حالانکہ کانگریس کی ابتدا ۱۸۵۷ء کے بعد ہوئی جس کے اولین مقصد مین ملک کا آزاد کرانا نہ تھا بلکہ کچھ انگریزون اور ہندوستانیون مین باہمی اعتماد پیدا کرنا اور ان کے دلون کو ایک کرنا تھا[1]

(۱) ہندوستان کی آبادی جن مختلف عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متحد و متفق کر کرکے ایک قوم بنانا،

(۲) اس طرح جو ہندوستانی قوم پیدا ہو اس کی دماغی، اخلاقی، اور اجتماعی صلاحیتون کو بیدار کرنا،

(۳) ایسے حالات کی اصلاح و ترمیم کرنا جو ہندوستان کے لئے نقصان کا باعث اور غیر منصفانہ ہون اور اس طرح ہندوستان اور انگلستان مین اتحاد و یگانگت کو استوار کرنا،

اس واقعہ سے دو باتین معلوم ہوئین،

(۱) مسلمان اور ہندو اور دوسرے مذاہب کے ارباب نظر نے ۱۸۵۷ء کے بعد ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ انگریز اپنی حکومت مضبوط اور دیرپا بنانے کے لئے ہندو اور مسلمانون کے مذہبی اختلافات سے فائدہ اٹھا سکتے ہین جیسا کہ انھون نے کیا، اس بنا پر انھون نے کانگریس کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی قرار دیا تھا کہ ہندوستان کی سب قومون کو ملا کر ایک ہندوستانی قوم بنایا جائے،

[1] ملاحظہ ہو پہلا خطبۂ صدارت مسٹر بنرجی وکیل کلکتہ اجلاس منعقدہ ۲۰ دسمبر ۱۸۸۵ء

(۲) کانگریس کے بنام کا مقصد انگریزون سے ملک واپس لینا نہین تھا ملکہ رانی اور رعایا دونون کے باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھنا تھا،

بہرکیف کانگریس کے عالم وجود مین آنے سے بہت پہلے ۱۸۰۳ء مین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور دیگر علماء کی رہنمائی مین ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی، جو ہندوستان کو انگریزون کے اقتدار سے نجات دلانا اپنا فرض سمجھتی تھی،

علماء کے نصب العین کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت کو ہمیشہ جمہوریت کے اصول پر چلنا چاہیئے تاکہ حکومت ہر مذہب وملت کی خدمت کا ذریعہ بن سکے نہ کہ تغلب اور جبر وتشدد کا ۔۔۔۔ قرآنی دعوت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسانیت کو اس کے نشو ونما مین مدد دینا، خدا کی پاک زمین سے ظلم وفساد کی گندگی کو دور کرنا، عدل وانصاف کا راج قایم کرنا حق اس کے حق دار کو پہنچانا، خدا کے مختلف المذاہب بندون مین خلوص اور محبت اور صلح وآشتی پیدا کرنا وغیرہ چنانچہ جب تک سلطنت مغلیہ قایم رہی اور دربار پر علماء کا اثر واقتدار رہا سلطنت انتظامی معاملات مین اسی عدل وانصاف کے اصول پر عامل رہی، جس کا اعتراف مشہور مقرر اڈمنڈ برک نے پارلیمنٹ مین کیا کہ عیسائی بادشاہون کے مقابلہ مین مسلمانون کے قانون مین بدرجہا مضبوطیان ہین ۔۔۔۔۔۔ اس قانون کی شرح کرنے والے علماء یا قاضیون کا طبقہ موجود ہے جو اس کا محافظ قرار دیا گیا ہے، اور اسکی رو سے بادشاہون تک کو حقیقی اعلیٰ طاقت حاصل نہین ہے ۔۔۔۔۔ (مدینہ) ستمبر ۱۹۴۸ء

# حضرت شیخ الاسلام کے اجمالی حالات

حکایت مدح آن یار دلنواز کنیم ۔۔۔۔ باین فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی عمت فیوضہم کی ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۹ء کو دوشنبہ اور سہ شنبہ

کی درمیانی شب مین بوقت ۱۱ بجے بمقام بانگرمئو ضلع اناؤ مین ہوئی جہان آپکے والد ماجد مولانا حبیب اللہ
(خلیفۂ مجاز مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ) مدرس تھے تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا، آپ نسباً حسینی سید ہین
سنہ ۱۳۱۶ھ مین جب آپکے والد ماجد بقصد ہجرت مع اہل وعیال عازم حجاز ہوئے تو حضرت والا کو
بھی اپنی معیت سے سرفرازی بخشی اور اس قافلۂ مہاجرین نے حجاز مقدس پہنچکر رحمۃ للعالمین کے جوار رحمت
کو اپنے لئے فلاح دارین سمجھا اور وہین پر اقامت فرمائی اس طرح حضرت والا کو مشیت ایزدی نے اکتساب
فیض نبوت اور تحصیل مجد وشرف کے وہ گران قدر مواقع عطا فرمائے جو سب کو نہین ملا کرتے صرف ان ہی
کو بخشے جاتے ہین جنھین اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے لئے مخصوص فرمالے، اس وقت مدینہ منورہ مین دو کتبخانے
غیر معمولی اہمیت رکھتے تھے، ایک کتب خانہ شیخ الاسلام اور دوسرا محمودیہ ان دونون ہی کتبخانون مین علاوہ
مطبوعات کے مختلف علوم وفنون پر نایاب قلمی کتابین بھی تھین جن سے حضرت کو استفادہ کا پورا موقع ملا
عسرت اور معیشت کی تنگی قیام مدینہ مین آپکے شامل حال رہی اس لئے بیشتر ایسا بھی ہوا کہ آپنے کتابین
نقل کرکے اپنی معیشت کے سامان مہیا فرمائے، مگر کوئی ایسا ذریعہ اختیار نہ فرمایا جس سے اپنی خودداری
اور عزت نفس کو ٹھیس لگے، مدینہ منورہ مین آپ کا خانوادہ تیرہ افراد پر مشتمل تھا مگر صرف بارہ چھٹانک
مسور کے پانی پر یہ تمام حضرات قناعت فرماتے تھے۔

ادبیات کی تکمیل آپنے مدینہ منورہ کے معمر ادیب مولانا شیخ آفندی عبد الجلیل برادہؒ سے یہین پر
فرمائی، جو علمائے حجاز مین اپنی ادبیت کی وجہ سے نمایان حیثیت رکھتے تھے، تکمیل علوم کے بعد آپنے
تدریس کی خدمت شروع کردی اور تقریباً اٹھارہ برس تک مسجد نبوی مین درس حدیث دیتے رہے؛
تشنگان علوم دین ہزارون کی تعداد مین آپسے سیراب ہوئے، حرمین اور نجد وحجاز دیگر مقامات پر آپ
بھی آپکے تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے، سنہ ۱۳۳۲ھ مین حضرت شیخ الہندؒ بھی حجاز تشریف لے گئے
اور حج کے بعد دربار نبوت مین حاضری دی، اُسی سال جمال پاشا، انور پاشا مرحوم بھی دربار رسالت

لہ تفصیلی حالات کے لئے حیات شیخ الاسلام ملاحظہ ہو،

مین حاضری دینے آئے، اس کے کچھ ہی عرصہ بعد شریف حسین نے انگریزوں کی شاطرانہ اور پرفریب سازش مین آکر ترکون کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا حضرت شیخ الہند نے اپنے خدام اور رفقاء کی معیت مین اس موقع پر ترکون کی حمایت مین سرحدی قبائل کو آراستہ کیا، انور پاشا اور جمال پاشا کو نقشہ کار کی تشکیل مین کافی مدد پہنچائی، حاجی ترنگ زئی مرحوم، مولانا لطف الرحمن، مولانا فضل ربی مولانا فضل محمود، مولانا محمد میان عرف مولانا محمد منصور، مولانا عبیداللہ سندھی، اور دیگر اشخاص سے اس موقع پر بہت کچھ کام لیا، مگر مشیت کسی اور ہی نقشہ کی تشکیل کر رہی تھی، ادھر عرب کی بساط سیاست الٹ جانا قضائے مبرم بن چکا تھا اور ادھر ان مردان کار کے لئے ابتلاء و آزمائش کی نئی راہین باز ہو رہی تھین، انگریزی چالین کامیاب ہو گئین حضرت شیخ الہند مالٹا مین ساڑھے چار برس مع دیگر رفقاء و تلامذہ جن مین حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی، مولانا عزیز گل، مولانا عبدالوحید مدنی مقید رہے۔

## اسارت مالٹا سے رہائی

بالآخر ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ الہند مع اپنے خدام کے مالٹا سے رہا کئے گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان مین تحریک خلافت اور استخلاص وطن شروع ہو چکی تھی، حضرت شیخ الاسلام اپنے شیخ محترم کی ہمرکابی مین ہندوستان آئے، حکومت ترکی جو جنگ عظیم سے پہلے دول عظمیٰ مین شمار ہوتی تھی اس کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس کے ممالک محروسہ پر عمل جراحی کر کے ہر ایک حصۂ جسم کو یورپ کے کفن فروشون نے تقسیم کرلیا تھا، حجاز، عراق، شرق اردن کے علیحدہ علیحدہ پاکستان بنا کر برطانوی تولیت مین دیدیئے گئے تھے، حضرت شیخ الاسلام کے نزدیک آزادی ہند ملت اسلامیہ کے نزدیک ممالک اسلامی کی آزادی کا واحد ذریعہ تھا، اس لئے آپ نے مدینہ طیبہ جانا مفید نہین سمجھا اور مصروف کار ہو گئے جیسا کہ آپ کے عربی مکتوب مین وجہ اقامت ہند مصرح ہوتی ہے و انی ایضاً حسب الارادۃ

الالابیۃ مسافرت الی اقصی الدیار الہندیہ) آپ بغرض اعلاء کلمۃ الحق ارض مقدسہ سے آزادی ہند کا پروانہ لیکر وارد ہندوستان ہوئے اور کارکنان قضا و قدر کے فیصلۂ ازلی کے مطابق حضرت شیخ الہند کی تحریک اور آپکے مشن کی کامیابی کا سہرا شیخ الاسلام کے ناصیۂ جمال احمدی کا طغرائے امتیاز بنا۔ فالحمد للہ الحمد والمنۃ۔

# امام الہند مولانا آزاد کے دارالعلوم کلکتہ کی صدارت

حضرت شیخ الاسلام پر اپنے شیخ اور مرشد کی اطاعت و محبت کا وہی غلبہ ہے جو سلف میں علامہ سخاوی کا ابن حجر کے ساتھ اور علامہ ابن قیم کا ابن تیمیہ کے ساتھ تھا اور علی ہیثمی کا اپنے شیخ عراقی کے ساتھ تھا، علمائے رسوم کو بڑا دھوکا ہوا کہ انھوں نے حاشیہ نشینی اور حاضر باشی کا نام ارادت و محبت رکھا حالانکہ ارادت و محبت کا معیار اطاعت شعاری ہے جو کیفیت بے خودی اور مرضی محبوب کے سامنے تسلیم و رضا کے سوا دوسری اور کوئی چیز نہیں ہے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بجائے شیخ الاسلام کو دارالعلوم کلکتہ کی صدارت سے نوازا، اور کلکتہ رخصت کرتے وقت شیخ الہند نے شیخ الاسلام کا ہاتھ پکڑکر اپنے سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا سینے سے چمٹایا اور تمام بدن پر اس کو پھیرا اس وقت کا عالم ہی اور تھا جو ان ناسوتی آنکھوں سے وراء الوراء اور واقفین رموز طریقت کے نزدیک عطاء فیوض روحانی کی خاص صورت تھی جس کے شواہد سلف سے متوارث ہیں، حضرت شیخ الاسلام کو خدمت شیخ سے جدا ہونا حد درجہ شاق تھا جس کے لئے سب کچھ قربان کر چکے تھے زندگی کے آخری لمحات میں اس سے جدائی دردانگیز سانحہ تھا، بعض حضرات جو شیخ الہند سے خصوصی تعلق کے دعویدار تھے، جب شیخ الہند نے مامور فرمانا چاہا تو یہ عذر کر کے جان چھڑالی کہ اس حالت میں جدائی شیخ سخت سوہان روح ہے، حالانکہ اسارت مالٹا میں اس مفارقت کو خندہ پیشانی سے برداشت

کرچکے تھے بلکہ بعض تو وہ تھے کہ انھون نے ذلت آمیز جد وجہد کرکے خطرہ زنانت سے جان بچائی تھی.
یہ واقعات نہ صرف شیخ الہند کی جانشینی کی غمازی کرتے ہین بلکہ بعض ہین کہ آپکے سوا کسی اور پر یہ
منصب نہ صادق آیا اور نہ آنا چاہیئے تھا، چنانچہ آپ کی مجاہدانہ زندگی، خلوص، ایثار، صداقت،
حق پرستی، فراخ حوصلگی، بلند ہمتی، تواضع وخاکساری اور آپ کا علم وعمل زہد وتقوی وغیرہ ایسے
اوصاف کمال تھے کہ جو لوگ شیخ الہند سے تعلق رکھتے ہین، انھون نے حقیقی جانشین قرار دیا، "سچ
ہے یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا، عربی شاعر کہتا ہے ؎

مجد کا بجد کل مجد — وماجد بلا مجد مجد

ہر طرح کی بزرگی کوشش سے حاصل ہوتی ہے نہ اس وجہ سے کہ اس کے باپ دادا بزرگ تھے اور نہ کوئی
دادا بزرگی کے بغیر دادا بننے کے قابل ہے،

# سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء کے پہلے تک ملک مین کام کرنے والون کا ایک
ہی کا طبقہ تھا وہ علماء اور مذہبی مسلمانون کا طبقہ تھا ۱۸۵۷ء مین علی گڈھ قایم ہوتا ہے اس وقت سے
جدید وقدیم تعلیم کا فرق ہونے لگتا ہے، حجۃ الاسلام مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو پہلے
دن سمجھ لیا تھا کہ ہندی مسلمانون کی خیر نہین ہے اور اب ذہنی ودماغی، مذہبی اور سیاسی اعتبار سے
ہندی مسلمانون کے رجحانات مین ایسا فرق ہو جائے گا کہ اگر بروقت علی گڈھ کے قیام کی تحریک مین
اصلاحات نہ کی گئین تو آیندہ چل کر نہ صرف ملک کے حصے بخرے ہو جائین گے بلکہ دیوبند اور علی گڈھ
کی وہ کشمکش پیدا ہوگی جو پھر ہندی مسلمانون کے رہے سہے بھرم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گی مولانا
نانوتوی کی فراست ایمانی اور نگاہ مرد مومن کے سامنے ہندوستان کی پچاس سال قبل اور

اور پچاس سال بعد کی سیاست تھی اس لئے آپ نے سرسید مرحوم سے خط و کتابت شروع کی اور چاہا کہ جدید و قدیم تعلیم کے فرق کو بیچ سے نکال کر صحیح اسلامی فکر کو اصول تسلیم کر کے میدان کو جیت لیا جائے، کیونکہ دین کی بنیاد صحیح علم و عمل پر ہے اور علم نام ہے خود شناسی اور خدا شناسی کا، سرسید مرحوم اس بنیادی اساس کے خلاف تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ سرسید اپنے خیالات پر سختی سے اڑ گئے اور مولانا نانوتوی کو اشتراک اور تعاون کا خیال جاتا رہا جس کا قصہ طویل ہے،

اس چیز کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا قاسم کی ایسی کمائی تھے کہ جو علوم و فنون افکار اور خیالات میں اپنے استاد حقیقی کے جانشین اور چھوٹے ہوئے کاموں کے پورا کرنے والے تھے، یہ شیخ الہند تھے کون؟ ایک عالم ربانی و عارف یزدانی تھا جو اپنے کام و دہن میں نہ ابو الکلام کی زبان رکھتا تھا نہ ہاتھ میں شبلی کا قلم، اس نے نہ انقلاب فرانس کی تاریخ پڑھی تھی اور نہ روسو اور رانٹسکو کے انقلاب انگیز لٹریچر کا مطالعہ کیا تھا وہ نہ گلیڈسٹون کے مجموعۂ قوانین سے واقف تھا اور نہ ملٹن اسپنسر کے افکار و نظریات سے اس نے کسی دل کشی کا حظ اٹھایا تھا اور نہ عشرت کدہ فرنگ کی کسی لذت سے کام جوئی کی تھی، ان سب چیزوں کے برعکس ان کا شیرازۂ حیات قال اللہ و قال الرسول اور اس کی زندگی کا خمیر اتباع سنت نبویہ تھا، اس کے فکر و نظر کا تار پود احکام الٰہی کے انوار سے بنا اور شریعت اسلام کے آفتاب و جہانتاب کی شعاعوں سے گوندھا گیا تھا...... سینہ میں صبر و استقامت کا ایک کوہ گراں رکھتا تھا، بظاہر وہ اپنے گوشۂ عزلت میں سب سے الگ تھا لیکن اس کی نظر جہاں بین میں زمانہ کی تمام کروٹیں اور لیل و نہار کی تمام گردشیں سمٹ کر جمع ہو گئی تھیں...... نیشنل کانگریس حکومت سے حقوق طلبی کی جنگ لڑ رہی تھی لیکن شیخ الہند یہاں اس حکومت کا تختہ الٹ دینے ہی کا نقشہ تیار کر رہے تھے،، (مدینہ)

ہم کو تسلیم ہے کہ مولانا شبلی مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد کے زبان و قلم نے غفلت کدۂ ہند کے خس و خاشاک میں آگ لگا رکھی تھی لیکن حریت طلبی کے ذوق کی خامی کا ابھی یہ عالم تھا کہ ملک کی سب سے بڑی ترقی پسند جماعت کا قدم بھی حقوق طلبی کی منزل سے آگے نہ بڑھنے پایا تھا مگر علمارِ حق آنے والی جنگ آزادی کے لئے خاموشی سے بہادر سپاہی تیار کرنیکی مہم میں مصروف تھے۔ ان کا نصب العین نہ تو دین و دنیا باہم آمیز تھا اور نہ ان کا مطمح نظر "خُذ ما صفا ودع ما کدر" تھا بلکہ ان کا طرۂ امتیاز "زمانہ باتو نہ سازد تو بازمانہ ستیز" پر تھا، اور ان کے نزدیک دین کا مفہوم ایک مکمل نظام زندگی تھا جسکی پہنائی اور وسعت کا ایک گوشہ زمین و آسمان ہے،

اوپر گذر چکا ہے کہ مولانا نانوتویؒ نے چاہا تھا کہ جس تعلیم و تہذیب کے ذریعہ مسلمانوں میں اختلاف کی داغ بیل پڑ رہی تھی اس پر پہلے ہی دن تیشہ چلا دیں اور علی گڈھ و دیوبند کے بنیادی تصادم کو ختم کر دیں مگر ناکامیابی ہوئی، حضرت شیخ الہندؒ چونکہ حضرت نانوتویؒ کے ساختہ پرداختہ اور پوری اسکیم سے واقف تھے، بانی مالٹا کے بعد علی گڈھ کے طلبانے مسلم نیشنل یونیورسٹی قائم کرنی چاہی تو صدارت کی ذمہ داری شیخ الہندؒ نے قبول فرمائی اور چاہا کہ کسی طرح ایک کو دوسرے سے قریب لایا جائے اور نصف صدی سے جو حکومت پرستی کی تعلیم و تربیت ہو رہی ہے خدا پرستی میں اس کو تبدیل کر کے مسلمانوں کے باہمی اختلاف و تفرق جس کو قرآن نے "کفر" سے تعبیر کیا ہے، اس کا دروازہ بند کر دیا جائے، پوری تفصیل "علمارِ حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے" میں ملاحظہ کی جائے، شیخ الہندؒ کے خطبہ صدارت کی چند عبارتیں پیش ہیں، ارشاد ہوتا ہے،

"بہت سے نیک بندے جن کے چہروں پر نماز کا نور ہے اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور امت مرحومہ کو نرغہ سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف مسلط ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ ناپاک طاقتوں کا اور اس کے سامان حرب و ضرب کا"

اُے نونہالان وطن (طلبا علی گڈھ) جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کی غمخوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلتی جا رہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے دیوبند اور علی گڈھ کا رشتہ جوڑا، کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں علی گڈھ کی طرف آیا اس سے کہیں زیادہ علی گڈھ میری طرف آیا۔ (مدینہ ۱ دسمبر ۱۹۲۰ء)

چنانچہ اسی درمیان میں جامعہ ملیہ دہلی کی بنیاد بھی شیخ الہندؒ نے رکھی جو اس نظریہ کے بموجب قائم کیا گیا تھا کہ علوم عصریہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایسی آزاد درسگاہ ہو جو گورنمنٹ کی اعانت اور اس کے اثرات سے بالکل آزاد ہو، اور جس کا تمام تر نظام عمل اسلامی خصائل اور قومی احساسات پر مبنی ہو، بلاشبہ شیخ الہندؒ کی تشریف آوری پر مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ گردش سے نکل چکا تھا اور امید تھی کہ ہندوستان کا نقشہ جلد سے جلد بدل جائے گا اور صدیوں کا دلدر جاتا رہے گا کہ آپ کی وفات نے بزرگوں کے کام کو بہت پیچھے ڈالدیا اور مولانا محمد علی مرحوم نے روتے ہوئے فرمایا "آپ کی وفات نے کمر توڑ دی" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

## امام العصر اور دیگر مشائخ

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمانوں میں اعلاء کلمۃ الحق کی خدمت انجام دیکر تقرب الی اللہ کا جذبہ کار فرما اور قرآن عزیز کو سارے عالم پر حکمران بنا کر اپنے خدا کو راضی کرنے کی خواہش تھی اس وقت تک ان کی تمام عبادتوں میں جان اور روح باقی تھی اور جب سے دین کے متعلق ان کا تصور یہ ہو گیا کہ وہ صرف انفرادی اعمال کی اصلاح اور شخصی نجات کا ایک ذریعہ اور صوم و صلوٰۃ، درود و وظائف، تلاوت قرآن کی پابندی مذہبیت کی علامت ہے، اس وقت سے ان کے

اندر دھن اور حب الدنیا وکراہیتہ الموت نے لے لیا ہے ہم کو مذکورہ بالا امور شرعی کی فرضیت و استحباب سے انکار نہین بلکہ ہمارا ادعا یہ ہے کہ مذہب ایک باطنی جذبہ ہے جس کا اظہار زندگی کے جملہ اعمال سے ہونا چاہیئے تاکہ اسلام کی مخالف طاقتون کا مقابلہ کرنے اور دین حق کو غالب بنانے کا بنیادی تخیل بروئے کار آئے،

پس دینی کام یہ ہے کہ کوئی دنیوی کام جب جذبۂ دینی کے تحت اور اسلامی نصب العین کی محبت مین کیا جائے تو پھر وہ دنیا کا کام نہین رہتا بلکہ یہ دینی کام بن جاتا ہے بخلاف اس کے دنیاداری یہ ہے کہ ایک طرف ہم نمازین پڑھین، عبادات کرین اور خدا کی محبت کا دعویٰ کرین اور دوسری طرف ہم کفر و شرک کی طاقتون سے مداہنت کرین، اکافرانہ تہذیب کے غلبہ پر راضی رہین اور ارباب اقتدار کی برائیون اور ناحق شناسیون کو خاموشی سے دیکھا کرین کہ مبادا اظہار حق سے ہمین نقصان پہنچ جائے تو یہ دنیوی کام ہے اور ایسی برائی ہے کہ سارا کیا دھرا برباد گناہ لازم ہے اسی کو تعبیر کرتے ہین،

ہو سکتا ہے کہ [illegible] پھر بھی کو میرے مذکورہ بالا معروضات پر اطمینان نہ ہو سوان کی تسکین کے لئے صرف سورۂ توبہ کی چند آیات پیش ہین ارشاد ہوتا ہے،

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ

[illegible]

(اے رسول) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی، تمہاری بیویان، تمہارے اہل خاندان اور وہ مال جنہین تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور وہ قیام گاہین جو تمہین پسند ہین، اگر یہ سب چیزین اللہ اور رسول سے اور اللہ کی

............ تمہارے سامنے نہ آئے،

غور کا مقام ہے کہ یہ مخاطبت کن لوگوں سے کی جا رہی ہے؟ ان سے جن کی نمازیں، اور عبادتیں کیسر خلوص وللہیت سے معمور تھیں، جن کے اعمال صالحہ وفضائل اخلاق دنیا کی ساری تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے باوجود اس کے انھیں چیلنج کیا جاتا ہے کہ اگر زندگی کی محبتوں اور الفتوں نے دین حق کی راہ میں اور علاء کلمۃ الحق کی طلب میں ادنی سی رکاوٹ بھی پیدا کی تو خدا کے حکم کے منتظر رہو آج جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری نمازیں، دعائیں اور ریاضتیں نجات کے لئے کافی ہیں انھیں غور کرنا چاہیئے کہ جب صحابۂ کرام کو ان نمازوں اور عبادتوں اور اعمال صالحہ کے باوجود انجام سے اس لئے ڈرایا جاتا ہے کہ مبادا اسلام کی سربلندی اور دین حق کے غلبہ کی کوشش میں ان کے قدم سست پڑ جائیں تو ہم لوگوں کی عبادتیں اور شاہی تصوف کس شمار وقطار میں ہیں جب کہ ہم اپنے خدا کے دین کو سربلند کرنے اور اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کیلئے ادنی ترین قربانی دینے پر تیار نہیں اجی چاہے تو غزوہ تبوک کے متنوبین کو بھی اسی میں شامل کر لیا جائے،

خلاصہ یہ نکلا کہ اگر دنیا میں اپنی آنکھوں کے سامنے اسلامی؛ تمدن مٹ رہی ہوں کعبہ پر گولیاں برس رہی ہوں اور آپ مسجدوں اور خانقاہوں میں لمبی لمبی تسبیحیں جپتے رہیں اور تہجد گذاری میں مصروف ہوں تو حقیقتاً آپ کو نہ اسلام سے محبت ہے اور نہ کفر سے نفرت، لہذا اپنے ایمان کا امتحان کرنا ہو تو دیکھو کہ خدا کی راہ میں تکالیف ومصائب برداشت کرنے کی خواہش تم میں کتنی ہے یہ وہ کسوٹی ہے جس پر کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے چونکہ ہم مذہب کے کچھ فرائض اور واجبات پر فارغ ہو گئے ہیں اس لئے خدا کی راہ میں صعوبتیں برداشت کرنے اور کلمۂ حق کے بلند کرنے کے فرق کو نہیں سمجھا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرح کی ترقی کی خواہش سے ہم کو دست بردار ہونا پڑا،

حدیث میں آتا ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور اللہ کی

راہ میں جدوجہد ترک کردو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جس سے کبھی نہ نکل سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین کی طرف واپس آؤ،

چونکہ امام العصر کی زندگی کامل اتباعِ نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کی تقلید ہے اس لئے آپ میں مقصد کی لگن اور نصب العین کا وہ عشق ہے کہ جس کے لئے کوئی قربانی نہ تھی جس کو آپ نے گوارا نہ فرمایا ہو اور کوئی مشقت نہ تھی جس کو آپ نے دین حق کیلئے نہ سہا ہو اور کوئی تکلیف نہ تھی جس کا استقبال مسکراتے ہوئے نہ کیا ہو یعنی عشق کا وہ جنون ہے کہ جب سر پر سوار ہوتا ہے تو محبوب کی طلب میں کوئی مزاحمت مزاحمت نہیں رہتی اور شوقِ منزل راہ کی تمام دشواریوں سے بے نیاز کردیتا ہے، خلاصہ یہ کہ امام العصر کی زندگی کا خمیر عشق کی ولولہ انگیزیوں اور جنون نوازیوں سے تیار ہوا ہے اور آپ کی ذات میں ایثار و قربانی اور سرفروشیوں کی ایک دنیا آباد ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جو آپ کو دوسرے مشائخ سے ممتاز کرتی ہیں کیونکہ صحابہ کرام کے اتقاء و اخلاص کا پیمانہ جہاد فی سبیل اللہ تھا وہی روح اور یہی تڑپ آپ کے اندر بھی اپنا برابر کام کرتی رہی ہے،

اس موقع پر ایک بات کا صاف کردینا ضروری ہے جو کہی جاتی ہے کہ اربابِ تصوف و سلوک اور اولیاء کرام نے اپنے زمانہ کے سیاسی اور تمدنی نظام کو کبھی اپنے ہاتھوں میں نہیں لیا بلکہ صرف وہی نماز روزہ، درود وظائف وغیرہ کی تلقین کرتے رہے اور اخلاقی تعلیمات پر چلنے اور دنیاوی بکھیڑوں سے الگ تھلگ رہنے پر ساری توجہ مرکوز کردی، صوفیاء کرام پر یہ الزام غلط ہے، اُن کو معلوم نہیں کہ صوفیاء کرام کی نشو و نما جس نظام میں ہوئی تھی وہ اصلاً اسلامی نظام تمدن تھا، مانا کہ حکومت کا طرز اور سیاست کا نظام ضرور بدل گیا تھا لیکن معاشرت و تمدن کا پورا ڈھانچہ اسلامی طریقہ پر بدستور قائم تھا اور اسلامی عنصر غیر اسلامی عنصر پر غالب تھا حتیٰ کہ حکومت کا مذہب اسلام تھا جس کو قطعاً بدلنے کی ضرورت نہ تھی لیکن کیا ہندوستان کے حالات بدل سے گئے ہیں۔

"سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست"

باقی رہا امام العصر کی زندگی پر مستقلاً الگ الگ گفتگو کرنا میرے موضوع سے خارج ہے اگر کسی کو شوق ہو وہ اس شعر کو جسقدر بھی ممکن ہو وسعت دے لے آپ کی زندگی سامنے آتی جائیگی ؎

زیستن طفل صفت پاک ز آلایش دہر　　راۓ چون پیر زدن کار چو برنا کردن

تمہید

# حضرت شیخ الاسلام کے بعض اقتباسات کا نمونہ

مسلمانوں کے تنزل نے عرصہ سے منکرین اسلام کو پریشان کر رکھا ہے کہ وہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اسلام کا عروج ہو اور مذہبی و سیاسی اعتبار سے اسلام ایک ہمہ گیر دعوت بنجائے، علامہ سید جمال الدین افغانیؒ نے اس کا علاج اتحاد اسلامی تجویز کیا، اس پان اسلام ازم کی خاطر در بدر کی خاک چھانی اور اسی دعوت کی سعی میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی، رحمۃ اللہ علیہ۔ قریب قریب اسی تصور کو لیکر ٹرکی میں مدحت پاشا بلاد روسیہ و ترکستان میں شیخ صدر الدین مصر میں شیخ محمد عبدہ، شام میں عبد الرحمن کواکبی اٹھے اور بہت حد تک کامیاب رہے، اس کے بعد مصر، ٹرکی اور ایران میں اسلامیت کے بجائے یورپ کی وطنیت کی چیخ پکار شروع ہوئی جس کے علم بردار، ون میں مصطفیٰ کامل اور مفتی زادہ ایران ہوئے اور ٹرکی نوجوانوں نے اسی راستہ کو اپنایا، ہندوستان میں سرسید مرحوم نے مسلمانوں کے تنزل کا علاج تجویز کیا کہ مذہب کے سوا ہر چیز میں انگریز بنجاؤ، مگر ہندی مسلمانوں پر خدا کی بڑی رحمت ہوئی کہ عین تنزل اور سقوط کے آغاز میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجود نے مسلمانوں کی اصلاح اور دعوت کا ایک نیا نظام مرتب کر دیا تھا، شاہ صاحب کی دعوت کا محور و مرکز علم و عمل میں سلف صالحین کا کامل اتباع

تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا یہ فیض تھا کہ آپ کے تربیت یافتہ تلانذہ و مسترشدین بواسطہ اور بلا واسطہ بزرگون مین سے ایک مجاہد اعظم سرفروشی و جانبازی کا تصور لیکر اٹھتا ہے جو صحیح تجدید و اصلاح کر کے ایک ایسی صالح جماعت پیدا کر دیتا ہے جس کی نظیر صحابہؓ کے بعد اب تک نہ تو دیکھنے مین آئی اور نہ سننے مین یہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی ذات گرامی تھی رحمۃ اللہ علیہ و علی اتباعہ الی یوم الدین

تنبیہ۔ دو مصلحین اور علما و مشائخ نے بے شبہہ اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دی ہین اور ہزارون بندگانِ خدا کو ان سے ہدایت ہوئی، ہزارون کو ان کی وجہ سے کلمہ نصیب ہوا، ہزارون کے خاتمے اچھے ہوئے، آج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ان سے جاری ہے لیکن ان سب کے محدود حلقے اور عمل کے دائرے ہین،

حضرت سید صاحبؒ نے جماعت سازی کے بجائے افراد سازی فرمائی اور ماحول کی تبدیلی پر اپنی ساری قوت مرکوز کر دی اور یہ نسخہ پیدا کر دیا کہ روحانی ترقی ہو یا کمال باطنی، ذہنی سیاست ہو یا مذہبی انقلاب بدون شوقِ شہادت ناممکن ہے کیونکہ مجاہدہ کی تکمیل جہاد ہے اور سرفروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور تجدید و انقلاب تسخیر و تسخیر کے لئے جس روحانی و قلبی قوت جس وجاہت و شخصیت، جس اخلاص و للہیت، جس جذب و کشش اور جس حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہے وہ بسا اوقات روحانی ترقی، صفائی باطنی، تہذیب نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہین پیدا ہوتی اس لئے تم دیکھوگے کہ جنھون نے اسلام مین مجددانہ و مجاہدانہ کارنامے انجام دئے ہین ان مین سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بھی بلند مقام رکھتے تھے، اور شوق شہادت سے لبریز تھے: ان آخری صدیون ہی پر نظر ڈالو، امیر عبدالقادر الجزائری مجاہد جزائر، محمد احمد السودانی (مہدی سوڈانی) سیدی احمد الشریف السنوسی (امام سنوسی) سید احمد شہید اور آپ کے خلفا مین سلسلہ چشتیہ صابریہ

کے نامور شیخ حاجی عبد الرحیمؒ ولایتی، میانجی نور محمد جھنجھانویؒ اور اس سلسلہ کے دوسرے حضرات مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند اور شیخ الاسلام مولانا مدنی کو حضرت سید شہیدؒ سے ایسا گہرا روحانی وجہادی رابطہ ہے کہ جس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ؎

ہوتے سیرت میں ہیں مردان دلاور ممتاز ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

خلاصہ یہ کہ روحانی ترقی اور باطنی کمال میں شوق جہاد اور ولولۂ شہادت کو جو دخل ہے، قرآنی صداقت اس پر مہر تصدیق ثبت کر چکی ہے وہ غیر مجاہد کو کہاں نصیب ہو سکتی ہے، فن سلوک اور قوت نسبت میں حضرت حاجی عبد الرحیمؒ مشہور شیخ اور عارف تھے آپ کی شہادت ہے کہ "اگر میں سید احمد شہیدؒ سے بیعت بغیر مرجاتا تو میری موت بری ہوتی، یہ کون سی چیز تھی یا کون سی کمی تھی؟ وہی جذبۂ جہاد و اعلاء کلمۃ الحق کی کمی، خود حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تیاری جہاد کی بدولت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی اس کے دسویں حصہ کے برابر ان اوّل معاملات کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہوں۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرت شہیدؒ)

---

# من از سر نو زندہ کنم دار و رسن را

تحریک ترک موالات کا اہم واقعہ کراچی کا مقدمہ ہے جو زیر دفعہ ۱۲۰ و ۱۳۱ و ۵۰۵ حضرت شیخ الاسلام، علی برادران مرحوم، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولوی نثار احمد کانپوری مرحوم اور جگت گرو سوامی کرشن تیرتھ (شنکراچاریہ) اور غلام محمد مجدد صاحب سندھی پر چلایا گیا، بنا مقدمہ شیخ الاسلام کی وہ تجویز تھی جو آپ نے آل انڈیا خلافت کانفرنس ۱۹۲۱ء میں پیش فرمائی تھی اس تجویز کا حاصل یہ تھا کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے سرکاری فوج میں ملازم رہنا یا بھرتی ہونا یا دوسروں کو بھرتی کی ترغیب دینا حرام ہے۔ مولوی محمد علی مرحوم اور دوسرے حضرات اس کی تائید یا اشاعت کے الزام میں ماخوذ تھے۔ تفصیل کے لئے روداد کراچی اور حیات شیخ الاسلام ملاحظہ ہو،

مقدمہ کراچی شیخ الاسلام کی زندگی کا وہ مجاہدانہ کارنامہ ہے کہ جس کی نظیر مشکل سے سلف میں ملتی ہے، برطانیہ کی حکومت اور اس کے قوانین سے اسلام کا مقابلہ ہے، پھر سنگینوں کے سایہ اور زنجیروں کی جھنکار میں حکومت کو اپنی شوکت کا مظاہرہ بھی کرنا ہے، ایسی حکومت جس کے حدود کے بلند سورج کو آرام نصیب نہیں فرعون سے بڑی اور جابر حکومت جس کے لئے موسیٰ جیسے اولو العزم پیغمبر کو نجات دہندۂ بنی اسرائیل بنا کر بھیجا گیا تھا، برطانیہ دمن اخواتھا کے مقابلہ میں علما امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مظاہرہ پوری بلند آہنگی اور کمال آزادی کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی جو بظاہر بے سروسامان ہے لیکن جس کے قلب میں حسین ابن علی کی شجاعت، اور دماغ میں امام احمد کا نشۂ سنت ہو منصور اور مجدد الف ثانی کے دار و رسن کی لذت ہنوز تازہ ہے اس کو سلف کی

سنت کو از سر نو زندہ کرنا اور خوف سلطان و امیر کو اپنے جوتوں کی ٹھوکروں سے پامال کرکے اور

افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر پر عمل کرنا ہے ؎

غربیست کہ افسانۂ منصور کہن گشت من از سر نو زندہ کنم دار و رسن را

دوستو یہ شاعری نہیں واقعات ہیں، مقدمۂ کراچی کے بیان کے یہ آخری کلمات، "اگر گورنمنٹ مذہبی آزادی چھیننے کو تیار ہے تو مسلمان اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار رہیں گے اور میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی جان قربان کروں گا اور جو میدان جہاد میں سر بکف نظر آئے گا وہ حسین احمد ہوگا،" مولانا محمد علی مرحوم نے شیخ الاسلام کے قدموں کو چوم لیا، اللہ اکبر العظمة للہ ؎

فقتل امرئ فی اللہ بالسیف اجمل وان یک للابدان للموت للفنی

(حسین ابن علیؓ)

باتیں بنانا، ترک دنیا کا مشورہ دینا، تصوف و سلوک کی گتھیوں کو سلجھانا، سالہا سال اعتکاف و مکاشفہ میں گذار دینا، مراقبات میں لگے رہنا، استغراق و تبتل کی زندگی بسر کرنا، خلوت نشینی و عزلت گزینی اختیار کرنا، مطالعہ کتب سے تبحر پیدا کرنا کسی علمی ادارہ میں تصنیف و تالیف کی قابلیت بہم پہنچانا بہت آسان ہے لیکن جو چیز سب سے زیادہ مشکل روح فرسا اور صبر آزما ہے، وہ میدان میں نکل کر زہد و تقویٰ، علم و فضل کے ساتھ خدمت خلق، نوع انسانی کی ہمدردی، عزم و استقلال، صبر و تحمل، رضا و تسلیم کے ساتھ دعوت عمل، مخلوق کی سچی بہی خواہی، تو کبھی مسجدوں میں لے جائے کبھی حلقۂ درس میں، کبھی منبر پہ کھڑا کرے کبھی سیاسی پلیٹ فارم پہ کبھی اپنوں کی گالیاں سنوائے اور کبھی پابہ زنجیر جیل خانوں میں لیجائے،

راتوں کو "ہم باللیل رہبان" اور دن کو "بالنہار فرسان" کا منظر آنکھوں کے سامنے پیش کرے، ٹلوار کی مسلم کی ونشتر، جو نیند کو حرام کردے اور مجلس احباب کو سوز و گداز سے بھر دے، افق پہ

صبح صادق کی کرنین چمکین تو وہ توبہ و استغفار مین مشغول ہو جب آفتاب روپوش ہو جائے تو مخلوق اپنی آرام گاہون کی طرف دوڑین اور اہل و عیال کی چہل پہل سے دن بھر کی کوفت دور کرین لیکن یہ مبتلائے سوز علق امت مرحومہ کا تنہا مرثیہ خوان، دور دراز کے سفر پر حریت عمل اور آزادیِ ضمیر کا درس دیتا، مردہ دلون کو زندگی بخشتا، در بدر کی خاک چھانتا، اپنے پروردگار کے سامنے سربسجود و مصروف گریہ و بکا ہو اور اپنے بطول طویل قیام و سجود سے زاہدانِ خشک اور شاہی تصوف کے مدعیون کی خلوت خانون کو شرما رہا ہو اور سارے رشتے توڑ کر عشق حق کا یہ ترانہ گا رہا ہو ؎

بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن      چون پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

غرض یکم نومبر ۱۹۲۱ء کو اس تاریخی مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا گیا، بغاوت کے جرم سے ملزمین کو بری قرار دیا گیا البتہ زیر دفعات ۵۰۵ اور ۱۰۹ التعزیرات ہند حضرت شیخ الاسلام اور آپکے تمام رفقاء کو دو دو سال قید بامشقت کا حکم سنا دیا گیا اسی سلسلہ مین محمد علی مرحوم نے حضرت شیخ سے ترجمۂ قرآن مجید پڑھا اور حضرت امام العصر کی زندگی کا اثر محمد علی مرحوم پر یہ تھا کہ برسر اجلاس حضرت کو اپنا آقا کہا اور پھر ہمیشہ اپنا چہیتا بھائی کہا کرتے تھے،

جیل خانون مین حضرت شیخ کا محبوب مشغلہ قرآن حکیم اور مراحل سلوک رہا، چنانچہ آپکے مالٹا اور کراچی سے علم و تقوی کے ساتھ حفظ قرآن عزیز کی دولت لیکر واپس آئے، مکتوب کراچی اس سلسلہ کی بڑی دستاویز ہے جو اس پہلی جلد مین کہین درج ہے مفصل مکتوب نقش حیات شیخ الاسلام صفحہ ۵ مین موجود ہے، غرض حضرات انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی اور بالخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے یہ بات معلوم ہے کہ ان منعم علیہم السلام پر جو جسمانی مصائب آئے اور جس قدر ان بزرگون نے جانبازی و سر فروشی کی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہین تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ دنیا مین کسی کو اتنی اذیت نہین برداشت کرنی پڑی جتنی حضرات انبیاء کو تو کوئی وجہ نہین کہ جو منصب امامت پر فائز ہو

نیابت و وراثت کے مقام پر متمکن، تجدید و اصلاح کا علمبردار ہو اور وہ بغیر اس راہ سے گذرے مجدد ہو جائے بڑی غلط بات ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا جزو لاینفک حریت اور جہاد کا احیاء رہا ہے خلا ہو مکاشفات یوحنا، اگر انبیاء اور ان کے جانشینوں کی زندگی سے جسمانی مصیبتوں کا اٹھانا، جان پر کھیلنا، سرفروش ہونا نکالدیا جائے تو پھر "تواصی بالحق کے ساتھ تواصی بالصبر" اور "وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک" کی حقیقت کس طرح جلوہ گر ہوسکتی ہے، اور افضل الجہاد کلمۃ حق کا مظہر کون ہوگا؟ وہ جس کو دار و رسن سے لرزہ آئے یا وہ جو کراچی اور مالٹا کے قید خانوں میں انبیاء کی زندگی کا ثبوت پیش کر رہا ہو؟ سچ فرمایا گیا ہے۔ ؎

نازنینان جہان ناز فراموش شدند — کہ گدائے تو باندازہ دگر می نازد
پارسایان ہمہ نازند بزہد و طاعت — اک ندیم است کہ بر دامن تر می نازد

## شیخ الاسلام اور تبلیغ اسلام

اسلام ایک ابر کرم تھا اور سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا لیکن فیض بقدر استعداد پہونچا، جس خاک میں جس قدر قابلیت تھی اسی قدر زیادہ وہ فیضیاب ہوئی، یہ ایک ایسی نفسیاتی علت ہے جو تبلیغ اسلام اور توسیع مذہب کے اسباب کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ اسلام ابر کرم ہے، پریم و محبت ہے اخلاق اور رواداری ہے، خلوص اور للہیت ہے، ہمدردی خلق اور بنی نوع انسان کی خدمت ہے، تواضع اور خاکساری ہے، حق پرستی اور حق شناسی ہے، سچائی اور ایمان داری ہے یہ اوصاف انسانیت کا زیور، جذب و کشش، گرویدگی و میلان طبع کے وہ ہتھیار ہیں جن کا نہ کوئی روک ہے اور نہ جن کے رد عمل کے لئے کوئی حربہ کارگر ہے، بس جس طریقے سے اسلام ہندوستان کے مختلف حصوں میں پہونچا، ان میں علماء حق اور صوفیاء کرام کی زندگی کو سب سے بڑا دخل ہے، اگر یہ کہا جائے کہ حکومت

کے زور روزر سے اسلام پھیلا تو اتنا کہدینا اس کی تردید کے لئے کافی ہوگا کہ دہلی، آگرہ، اور لکھنؤ، احمدنگر
اور احمد آباد وغیرہ کے نواح مین جو صدیون مسلمانون کی حکومت کے مرکز رہے اب بھی مسلمانون
کی تعداد دوسری قومون کے مقابل مین کم ہی ہے حالانکہ مسلمانون کو زیادہ ہونا چاہیئے تھا،

ہندوستان مین مسلمانون کی آبادی بیشتر دو علاقون مین ہے شمال مغرب یعنی صوبہ سرحد،
سندھ، کشمیر پنجاب اور شمال مشرق یعنی بنگال اور آسام مین بنگال مین مسلمانون کی اکثریت
کی کیا وجہ ہے؟ صاف جواب ہے کہ یہ اسلامی تعلیم کا اثر ہے، چنانچہ مالابار، گجرات، کچھ اور شمالی
ہندوستان کے بعد سب سے پہلے جس علاقے مین اسلام پہنچا وہ بنگال اور آسام ہے یہ علاقہ قطب الدین
ایبک کے عہد ہی مین بختیار خلجی نے فتح کر لیا تھا، سب سے پہلے بزرگ جو دہلی چھوڑ کر بنگال گئے، وہ مولانا
جلال الدین تھانیسری تھے، جو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید اور مایہ ناز نسل کے تھے بنگال
مین آپ کی ذات سے بڑا فروغ ہوا جس جگہ آپ کی خانقاہ ہے وہان پہلے بت خانہ تھا یہان کے
تمام پجاری آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، آپ کی وفات ۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء مین ہوئی مزار سلہٹ
مین ہے،

شیخ الاسلام کی تبلیغ کا سب سے اہم محور صوبہ بنگال و آسام رہا ہے یہی صوبہ حضرت سید شہیدؒ اور
آپکے خلفاء کے دائرۂ رشد و ہدایت کا بھی مرکز تھا، چنانچہ مولانا کرامت علی جونپوری اکاون سال
تک ان صوبون مین ہدایت کرتے رہے اور وہین رنگپور مین رحلت فرمائی ان اکابر کے صحیح جانشین
نے بھی اس علاقہ کو اپنی جد و جہد کا مرکز بنایا، جہان سے گم گشتگان راہ کو دعوت اسلام دی جاتی اور
رہ نوردان معرفت کو دوبارہ زندگی عطا کی جاتی تھی،

"۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۷ء تک تقریباً ۶ سال آپ بنگال مین اور سلہٹ (آسام) کے جامعہ
اسلامیہ مین شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علاقہ کی اصلاح

کے لئے آپ کا قیام رحمت خداوندی اور تائید غیبی تھا، اس عرصہ میں درس و تدریس کے علاوہ آپ کا نرا مشغلہ تبلیغ و اصلاح تھا صوبہ آسام کی مرطوب آب و ہوا میں کافی احتیاط کے بغیر صحت کا باقی رکھنا بالخصوص غیر بنگالی اور غیر آسامی کے لئے امر محال ہے، ندیوں نالوں، اور سیلاب زدہ نشیبی زمینوں کا ایک سلسلہ ہے جس کا نام آسام اور بنگال ہے، قدرت نے گویا اس کو طوفانوں سیلابوں اور بارشوں کے لئے بنایا ہے، مگر انسانوں نے زبردستی رہنا شروع کر دیا ہے اور سطح زمین نہیں ملتی تو سطح آب پر کشتی کے سینہ ہی کو مسکن بنا لیا ہے، ایسی سرزمین میں کسی خشک ملک کا باشندہ کس طرح صحت باقی رکھ سکتا ہے، مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو خداوند عالم نے فوق العادت ہمت عطا فرمائی ہے آپ نے چھ سال تک وہاں قیام ہی نہیں کیا، بلکہ سطح آب کو سطح زمین کی طرح تبلیغی دوروں کا جولان گاہ بنا لیا۔

وہ ندی اور نالے جو ہر آبادی کے گرداگرد ہیں اور ایک آبادی کو دوسری آبادی سے جدا کرتے ہیں اور بسا اوقات ایک ہی آبادی کے سینہ کو چاک کرتے ہوئے گذرتے ہیں گویا شہر کی گلیاں تھیں جن کو بلا تکلف حضرت شیخ الاسلام راتکے وقت طے کر کے قرب و جوار کی آبادیوں میں پہنچتے اور وعظ و تبلیغ فرماتے،

ایسا بھی ہوتا کہ ان خطرناک ندیوں اور نالوں کو طے کرنے کے بعد جس گاؤں میں پہنچتے وہاں مٹھی بھر انسانوں ہی کا اجتماع ہوتا، مگر آپ مجمع کی قلت سے کبھی بھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے اور سات آٹھ آدمیوں کی مجمع کو بھی اسی بشاشت کے ساتھ اللہ کے احکام سناتے جس مسرت اور ولولہ کے ساتھ ہزاروں کے مجمع کو ان مجاہدات کا اثر بہت خوشگوار رہا، تھوڑے عرصہ بعد ہی سلہٹ اور کچھار وغیرہ کے اضلاع آپ کی طرف متوجہ ہو گئے اور آپکے اخلاص و ایثار سے متاثر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگے، چنانچہ یہ علاقہ جہاں بیس سال پیشتر دو چار عالم ہی ہوں گے بفضلہ تعالیٰ

گلشنِ علم بن گیا ہے، دو درجن کے قریب عربی مدارس صرف ضلع سلہٹ میں قائم ہو چکے ہیں جن میں ہزاروں بچوں کو نہ صرف یہ کہ دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بلکہ بعض مدرسوں میں عربی کی انتہائی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ تجوید اور قرأت تعلیم کا لازمی جزء قرار دیدیا گیا ہے، جس کا ثمرہ یہ ہے کہ اس علاقہ کا ہر ایک بچہ متوسط درجہ کا قاری ہوتا ہے، بالگھاٹ وغیرہ کے مدرسوں میں کئی کئی سو طلبہ تعلیم پاتے ہیں جن کو تعلیم کے ساتھ رضاکارانہ پریڈ بھی سکھلائی جاتی ہے اور ہنوٹ وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔" (حیاتِ شیخ الاسلام)

# فریضۂ آزادیٔ ہند

آزادی ہند کا فریضہ عام باشندگان ہند سے زیادہ مسلمانوں پر ضروری اور لازم تھا۔ اس لئے ہندوستان کی اکثریت و اقلیت دونوں نے اس میں حصہ لیا اور علماء کی اکثریت ہمیشہ پیش پیش رہی اور جب کبھی کوئی کمزوری محسوس ہوئی تو اس کو آگے بڑھنے نہیں دیا گیا، چنانچہ شیخ الہندؒ نے ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اکٹھا کرکے زمانہ کی موجودہ ضرورتیں ان کے سامنے پیش کیں، سب نے موافقت فرمائی اور صرف مولانا تھانویؒ نے ضعف قلب کا عذر کرکے معذرت کر دی۔ (ملاحظہ ہو علماء حق صفحہ ۱۲۵) اسی طرح مولانا منظور نعمانی مدظلہ نے حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمت میں حاضری دی تو اور باتوں کے ضمن میں موجودہ دور کے فتنوں کی قوت اور مسلمانوں کی موجودہ شکستہ حالی وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا "یہ ایسا وقت آگیا ہے کہ اگر کوئی شخص حالات کی انتہائی خرابی کی وجہ سے مایوس ہو جائے اور اس لئے اصلاح حال کے واسطے کوئی بڑا اور اہم قدم اٹھانے کی ہمت نہ کرے تو اس کو صاحب رخصت سمجھ کر معذور سمجھنا چاہئے۔"

اور اس کو طعن و تشنیع اور ملامت نہ کرنا چاہیے ........ لیکن جو باہمت اور اصحاب عزیمت مثلاً حضرت مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم) ان حالات میں بھی مایوس نہ ہوں اور نہ ان کو بدل ڈالنے اور شر سے خیر کی طرف زمانہ کا رخ پھیر دینے کا عزم اپنے اندر رکھتے ہوں اور اس لئے وہ کوئی جد وجہد کرنا چاہیں تو ان کو متوکلاً علی اللہ اپنے عزم کے مطابق کام کرنا چاہیئے اور اصحاب رخصت کو چاہیئے کہ وہ ان کی راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالیں اور ان کے اس اقدام کی مخالفت نہ کریں"

(الفرقان جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ)

مگر تھانہ بھون اور متوسلین حضرت مولانا تھانویؒ نے موقع بموقع تحریک آزادی ہند کے بارے میں جو کچھ کیا ہے اس کی داستان بڑی دردناک ہے اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے حالانکہ آج تک ہندوستان کی وسیع فضا میں کسی مسلمان کی حلق سے جو آواز مذہب کے نام سے بلند ہوئی ہے یا ہند کی وسیع سطح پر کوئی قدم مذہب کی طرف بڑھا ہے وہ درحقیقت علماء حق کی صدا یا ان کا قدم رہا ہے۔

باقی رہ گیا تقسیم ہند کی روداد سو یہ کہانی بڑی طول ہے اگر کسی کو اپنے شبہات کا ازالہ کرنا ہو کہ حضرت امام عصر نے ۱۹۳۶ء میں لیگ کو کیوں اپنایا اور پھر اس کی مخالفت فرمائی تو اس کو چاہیئے کہ وہ اسی جلد میں آپ کا مکتوب گرامی بنام بابو فضل الرحمٰن صاحب بغور ملاحظہ کرے ...

...... مزید تفصیل کے لئے حیات شیخ الاسلام مرتبہ مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ علماء ہند کو پڑھنا چاہیئے۔ میرے نزدیک تو ملک کی تقسیم کی داغ بیل ۱۸۵۷ء کے بعد علی گڈھ کے قیام سے شروع ہو چکی تھی اور صاف بات تھی کہ اس بٹوارہ میں مسلمان ہی سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے تھے مثلاً سرحدات کا تعین دو کمیشنوں پر چھوڑ دینا۔ صدر غیر جانبدار قوم کا آدمی نہیں بلکہ انگریز اور جو گورنر جنرل رہ جانے والا تھا، اور ہماری قیادت عظمیٰ نے پیشگی یہ قول دیدیا تھا اس شدید غلطی

ہوئی کہ بنگال اور پنجاب دونوں میں مسلمان اکثریت کے متعدد علاقے ہندوستان کے ساتھ ملحق کردئے گئے مشرقی پنجاب کی پوری تحصیلیں جن میں مسلمان اکثریت میں تھے سکھوں وغیرہ کے قبضہ میں چلی گئی اور سب سے زیادہ یہ کہ گورداسپور کا ضلع ہندوستان میں شامل ہوگیا جس کی وجہ سے کشمیر کے ہندو رئیس کو ہندوستان کے ساتھ تعلق جوڑنے کا راستہ مل گیا ؎[1]

خشت اول چون نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

واقعات شاہد ہیں کہ مسلمانوں کو بدترین مظالم کا تختۂ مشق بننا پڑا اور تقسیم کے بعد اس تحریک کے مقامی لیڈر اور قومی کارکن ۹۰ فی صدی سخت ناقابل اعتماد نکلے۔ غرض قیادت عظمیٰ کے سارے نامۂ اعمال میں اگر کوئی چیز نفع کے خانہ میں رکھی جاسکتی ہے تو یہ کہ نصف مسلمانوں کو بچالیا اور ان کی ایک ملی ریاست بنوادی لیکن ہندی مسلمان اپنے سابق حریف کے قبضہ میں ہیں جو غدار اور جاسوس کہے جاتے ہیں، ہر ایک کی وفاداری مشتبہ اور ہر ایک کے لئے خانہ تلاشی و گرفتاری مقدر ہے تقریباً چار کروڑ مسلمانوں کی یہ عظیم الشان قوم اس وقت بے سہارا ہے جمعیۃ العلماء مسلمانوں کے مستقل وجود اور حقوق کے لئے میدان میں پوری ہمت اور غیر متزلزل عزائم کے ساتھ ڈٹی ہوئی ہے اور آج بھی اسی جماعت سے مسلمانوں کا بھرم قائم ہے، اس جماعت کا نصب العین خود جینا نہیں ہے بلکہ اسی کے ساتھ دوسرے دن کو جلانے کا کام بھی تو اسی کے سپرد ہے۔ اس جماعت کے روح رواں امام العصر حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ العالی ہیں، اس مجاہد جلیل نے ۱۹۴۵ء کے الکشن میں جس کمال استقامت اور طمانیت قلب کے ساتھ اپنوں کی گالیاں سنیں اور ہر طرح کے مصائب و آلام برداشت کئے حق یہ ہے کہ ۱۳ سو سال قبل واقعۂ ہائلہ کربلا کی یاد تازہ کردی جو آپ کے امتیازی کارناموں میں تاریخ کی اہم سرگذشت ہے، دنیا نے دیکھ لیا کہ اسیران مالٹا کی دل کشی روز بروز بڑھتی گئی اور برطانیہ کے جادو اقتدار کی فضا چشم زدن میں اڑ گئی، مجاہدین کی قربانیوں اور شیخ الہندؒ کے مشن کو کامیابی حاصل ہوئی اور آزادی

[1] ماخوذ از ترجمان القرآن

ہند کا سہرا ہندو مسلمانوں دونوں کے سر بندھا، لہذا ہندوستان کی خیریت دونوں قوموں کے انسانی میل جول اور صحیح مذہبی زندگی کے اندر منحصر ہے، اور جواہر و لیاقت پیکٹ و معاہدہ ہی میں دونوں ملکوں کا مستقبل درخشان ہو سکتا ہے، کیونکہ تقسیم سے پہلے قیادت عظمیٰ نے کوئی حل تجویز نہیں کیا تھا جو ہندوستانی مسلمانوں کی قسمت پر کوئی اچھا اثر ڈال سکے تقسیم ہند سے جو بربادی، تباہی اور ہلاکت و عصمت دری عورتوں کی ہوئی اس سفاکی کی نظیر تاریخ میں فرانس کے بارتھلمی ہنگامہ اور پیرس کی گلیوں کے خون میں ملتی ہے کہ جس سے دریائے سین کا پانی لہو بن گیا تھا، خدا کے حضور میں یہ خون ضرور رنگ لائیگا

# ایک عارف باللہ کی شہادت

چونکہ امام العصر کا اسم گرامی دو اسماء مبارکہ کا مجموعہ ہے یعنی حسین اور احمد شان احمدیت کا ذکر اپنے موقع پر ہو چکا ہے، شان حسینیت پر حافظ سید عطاء المنعم بن حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مدظلہ العالی سے یہ روایت مجھ ناچیز تک بطریق ثقات پہونچی ہے کہ شہر جالندھر مسجد غلام رسول صاحب میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری دامت فیوضہم تشریف فرما تھے اور مجمع علماء اور صلحا کا تھا حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ بھائی حضرت شیخ مدنی کا ذکر کیا پوچھتے ہو پہلے تو ہم یوں ہی سمجھتے رہے مگر وقت کی نزاکتوں اور ہنگامہ آرائیوں میں جب ہم نے اس مرد مجاہد کو آنکھ اٹھا کر دیکھا، تو جہاں شیخ مدنی کے قدم تھے وہاں اپنا سر پڑا دیکھا، آج حضرت اس وقت ہر دو منصب پر فائز المرام ہیں اور ملک و ملت کی خاطر باطل کے مقابلہ میں حق کا دامن تھام کر جس مردانہ وار صورت میں استقامت اور استقلال کے ساتھ قربانیاں پیش فرما رہے ہیں یہ شان حسینیت کا مظاہرہ ہے،

حضرت امام العصر کا صحیح موقف اور مقام نہ سمجھنے کی بنا پر خواص تک کو دھوکا ہوا اور

انھون نے اپنے اوپر قیاس کر کے جو جی مین آیا کہہ ڈالا اور کر دکھایا اور اس پر اصلا توجہ کی ضرورت نہین سمجھی کہ آپ کی باتون کو سنتے، تقریرون پر غور کرتے، کیا مدینہ منورہ اور مالٹا کی زندگی قدرت کی طرف سے ایک ٹریننگ نہ تھی جو آپ کو دی جارہی تھی؟ خود مدینہ منورہ مہبط وحی اور مرکز اسلام ہونے کی وجہ سے دنیائے اسلام کے مشاہیر اور یگانہ روزگار اشخاص و رجال کی آمد و رفت کا ذریعہ تھا اور امام العصر کو ان سے تبادلہ خیالات کا موقع ملتا تھا، مالٹا مین غازی احمد پاشا والد ماجد غازی انور پاشا ولیعہد جرمنی اور دیگر جرمن و ترک ماہرین سیاست سے مذاکرہ جاری رہتا جن کا لازمی نتیجہ تھا کہ انگریز کی اسکیم اور دنیائے اسلام کی بربادی کے تمام منصوبون اور ارادون کا حقیقی علم حاصل ہوتا رہتا تھا، مزید بران حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت اور خصوصی توجہ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور آپ کی انگریز دشمنی کی سب سے بڑی وجہ یہی چیزین قرار پائین، اسلام مین اس طرح کی قومی عصبیت اور ملکی و نسلی تعصب کے لئے کوئی جگہ نہین ہے بلکہ انگریز دشمنی کی وجہ خود ان کے غیر انسانی کارنامے ہین، بھلا جن نگاہون مین جاہ و جلال محمدی نے گھر کر لیا ہو اور آپ کا دل قدرت لم یزلی کی بے پناہی کا نشیمن بن گیا ہو، وہ دولت سکندری و دبدبۂ خسروی کو کوئی اہمیت دے سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ امام العصر کی ذات گرامی جدید و قدیم افکار و نظریات کا ایسا سنگم اور جنرل معلومات کا وہ خزانہ ہے کہ جس کی نظیر خانقاہون اور مدارس مین گویا ناپید ہے اور اگر یہ کہا جائے تو خلاف نہ ہوگا کہ شاہ ولی اللہؒ کے بعد حضرت امام العصر نے علما کے طبقہ مین جس چیز کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور معاش و معاد کو یکسان اہمیت دیکر پہلے اس تخی کو کم کیا جو ۱۸۵۷ء کے بعد پیدا ہوگئی تھی وہ امام العصر کی ذات گرامی تھی آپ نے قوم و ملت کے سامنے معاشی و اقتصادی پروگرام رکھا اور بتایا کہ انگریز نے ملک و ملت کو غلام بنانیکی دو تدبیرین کین تھین، ایک اقتصادی اور معاشی لوٹ دوسرے تعلیم کے ذریعہ خیالات مین تبدیلی، چنانچہ آپ کی شاید ہی کوئی تقریر اس سے خالی رہی ہو، معاشی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے آپ کی تقریرون مین

جو غیر معمولی معلومات اور یادداشت ہوتی تھین گو کھلے انجانی کے بعد اور کوئی دوسری نظیر نہین مل سکتی
سوت، کپاس، غلہ کا کیا نرخ سلاطین ہند کے وقت مین تھا اور اب انگریزون کے زمانہ مین
گیا ہے، ایک مسلسل سلسلہ ہوتا تھا، اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ غلامی کی زنجیر کو جلد از جلد
توڑا جائے، سیکڑون ناعاقبت اندیش لوگون نے اعتراضات کئے کہ کیا علماء کرام قرآن وحدیث
بھول گئے اور صرف آٹے دال کا بھاؤ ان کو یاد رہ گیا، مگر خدارا بتاؤ کہ ہندوستان کے یہی غیور مسلمان
جو علماء ملت پر ہندو پرستی کا الزام لگاتے ہین، گذشتہ جنگ جرمنی مین انہون نے عراق، شام،
ایران وغیرہ اسلامی ممالک کو انگریز کے لئے کیون تباہ کیا خاص قبلۂ ایمان اور کعبۂ اسلام پر کیون
گولیان چلائین، کیا اس کا سب سے زبردست سبب بھوک اور فاقہ، بے روزگاری اور تہیدستی نہ تھی،
یا ان کے دلون مین اسلام اور ایمان حرمین شریفین عربون اور ترکون سے کوئی بغض پیدا ہو گیا تھا؟

زمانہ شاہد ہے کہ امام العصر کی ان تقریرون اور تحریرون کا اثر بیکار نہین گیا اور لوگون نے
دیکھ لیا کہ انگریز بڑی ہشیاری کے ساتھ اپنا بوریہ بستر سنبھال کر چلتا بنا اور شیخ الہند کا مشن کامیاب
رہا باقی جنھون نے محض دنیاوی اقتدار کی خاطر منافرت کے جذبات پیدا کر کے ملک کا بٹوارہ کرایا،
ان ہی کو مبارک رہے ؎

بیکاری جنون کو ہے سر پیٹنے کا شغل　　　جب ہاتھ ٹوٹ جائین تو پھر کیا کرے کوئی

## سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کیلئے

امام العصر کے اوصاف کمال کے چند واقعات آپکے نواسہ فکری ذیل کے بہترین ترجمان
ہین ان ہی پر دوسرے اوصاف اور اخلاق کو سمجھا جا سکتا ہے، تمام کے حصر کا موقع
نہین،

(۱) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے روایت ہے کہ جب حضرت مولانا مدنی آخری حج سے تشریف لارہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن لاہور پر شرف زیارت کے لئے حاضر ہوئے، حضرت کے متوسلین میں صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ بھی تھے جو دیوبند تک ساتھ گئے ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی وہ رفع حاجت کے لئے گئے اور الٹے پاؤں بادل ناخواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مولانا مدنی سمجھ گئے فوراً چند سگریٹ کے ٹوٹے ہوئے ڈبے اور پانی کا لوٹا لیکر اس پاخانہ میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور پھر ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے پاخانہ تو بالکل صاف ہے شاید آپ کو رات کی وجہ سے صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔ نوجوان نے کہا کہ مولانا میں نے دیکھا ہے پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا بہت متاثر ہوا اور بھر پور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا "حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے"

اسی ہاتھ لگے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس یہودی مہمان کی روایت کو سامنے رکھنا چاہیئے جس نے رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر اقدس پر گندگی کر دی تھی اور آپ اپنے دست مبارک سے اس کو صاف فرما رہے تھے تو اس پیکر خلق نبوی اور مظہر جمال محمدی کی بے نفسی اور نفس کشی کا کچھ سراغ مل سکتا ہے،

(۲) مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے صاحبزادہ مولوی حبیب اللہ صاحب دورۂ حدیث میں شریک تھے کسی گستاخ نے ایک رقعہ بھیجا تھا جس کا جواب امام عصر نے دوسری نشست میں نہایت نرم و شائستگی سے دیا اور فرمایا کسی دوست نے مجھکو رقعہ لکھا ہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے تمام مجلس میں ہیجان برپا ہو گیا اور ہر طالب علم غیظ و غضب میں بھر گیا آپ نے فرمایا کہ خبردار کسی کو غصہ کرنیکی ضرورت نہیں میرا حق ہے کہ میں اس کی تسلی کر دوں، فرمایا میں ضلع فیض آباد قصبہ ٹانڈہ

محلہ اللہ پور کا رہنے والا ہوں اس وقت بھی میرے والدین کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں خط بھیج کر یا جاکر سمجھ لیا جائے۔ الغرض للہ بردباری کی انتہا ہے اگر جی میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو سامنے رکھ لیا جائے جس کا مفہوم یہ ہے کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے کہ غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔ اور اپنے نفس کو مغلوب کر دے۔

(اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

(۳) مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے روایت ہے کہ یوپی میں میری تقریر تھی رات کو تین بجے تقریر سے فارغ ہو کر لیٹ گیا۔ بین الیقظہ والنائم مجکو محسوس ہوا کہ کوئی میرے پیروں کو دبا رہا ہے۔ میں نے کہا خیر مجکو عادت بھی ہے کوئی دوست ہوگا۔ مگر اسی کے ساتھ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مٹھی تو عجیب قسم کی ہے باوجود راحت کے نیند رخصت ہوتی جا رہی ہے سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضرت شیخ مدنی ہیں۔ فوراً بھڑک کر چارپائی سے اتر پڑا اور ندامت سے عرض کیا حضرت کیا ہم نے اپنے لئے جہنم جانے کا خود سامان پہلے سے کم کر رکھا ہے کہ آپ بھی ہم کو دھکا دے کر جہنم بھیج رہے ہیں، شیخ نے جواباً فرمایا آپنے دیر تک تقریر کی تھی آرام کی ضرورت تھی اور آپ کی عادت بھی تھی اور مجھ کو سعادت کی ضرورت، ساتھ ہی نماز کا وقت قریب تھا میں نے خیال کیا آپ کی نماز چلی نہ جائے تو بتائیے حضرت میں نے کیا غلطی کی ہے۔ سچ فرمایا گیا ہے ؎

فروتنی است دلیل رسیدگان کمال ۔۔۔ کہ چون سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی ایک پیکر حلم و آشتی، کریم النفسی و فراخ چشمی کا مرقع حق گوئی و حق پرستی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جس کی جنبش لب اور عرش اعظم کے درمیان وہ سلسلۂ ربط اس کی عبدیت نے قائم کر دیا ہے جس کی فہم و دید سے عقل و علم کی آنکھیں محروم ہیں اور جس کے تسلیم و رضا کے شیوہ نے ہر زخم کو

شیرین اور ہر مصیبت کو راحت اور ہر آگ کو پانی بنا دیا ہے پس قابل رشک ہے وہ سینہ جو اس بار امانت کا متحمل ہے اور بمبارک ہین وہ لوگ جو صحیح نذر عقیدت اور اخلاص ومحبت کے ساتھ آپ کی زیارت اور آستان بوسی پر فخر کرتے ہین کیونکہ ایسے دربارون مین صرف خلوص نیت وصدق عمل کی نذر مقبول ہوا کرتی ہے اور طمع سکون کا اس دربار مین چلن نہین۔ لذت آشنایان عشق جانتے ہین کہ اگر کسی کو شوق لقا ہے تو امام عصر کی طرح اپنے آپ کو اس راہ مین فنا ہونے اور مٹا دینے کے لئے تیار رہنا چاہئیے۔ غرض چشم فلک نے شاید دیکھا ہو لیکن اپنے جیسی ہزارون، لاکھون اور کرورون آنکھون نے حضرت امام عصر سا بردبار، جفاکش، مجاہد، متواضع منکسر، بے نفس، پاک مشرب، بے غرض سلوک کرنے والا، اپنے اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھنے والا، مخلوق الٰہی کا بہی خواہ دیکھا نہین جا سکا۔

ے مضت الدھور وما اتین بمثلہ ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

## زندہ کرامت

کرامت اولیاء اللہ سے کبھی انکار نہین کیا جا سکتا لیکن ولایت کا جو مفہوم عام ذہنون کا مسجود بنا ہوا ہے وہ یقیناً دین الٰہی کے نزدیک ضلالت اور کھلی ہوئی گمراہی ہے وہی کرامت معتبر ہے جو اوامر و نواہی شرعی کے تحت صادر ہو نہ وہ کہ جس کی ہر ایک حرکت سے مذہب بیزار اور عقل ملامت کنان ہو۔ حضرت امام العصر دامت فیوضہم کی سیاسی، تبلیغی، تدریسی خدمات وغیرہ فوق العادت روحانی قوت اور عزیمت، راتون کو مسلسل تقریر، صبح کو درسگاہ مین پہونچکر کئی کئی گھنٹہ ڈھائی سو طلبہ کو درس دینا جس مین ہر استعداد و قابلیت، مذاق اور مشرب کے موجود ہون حتی کہ بعض مدرسی کرکے سماعت حدیث کے لئے آئے ہون، پھر اسی طرح بعد ظہر وبعد عصر اور بسا اوقات بعد عشا ایک دو دن نہین بلکہ ہمیشہ یہ قدرتی مشین چلتی رہتی ہے اور فی صدی ۹۵ طلبہ حضرت اقدس کے گرویدہ وجان نثار

بنکر واپس ہوا کرتے ہین، زندہ کرامت ہے،

گلشن مدنی کے یہ گلچین صرف ہندوستان کے نہین ہوتے بلکہ افغانستان، ایران، چینی ترکستان حجاز، یمن اور برما، ملایا، جاوا، وغیرہ جزائر شرق الہند کے ہوتے ہین تخمینہ یہ ہے کہ اس ۲۶ سال کے عرصہ مین آٹھ یا دس ہزار طلبہ بلا واسطہ آپ سے فیضیاب ہو کر تمام عالم اسلامی مین پھیلے ہوئے ہین اور علمی خدمات مین مصروف ہین،

اس عرصہ مین اگر ہر ایک فیض یافتہ کے سلسلہ درس سے دس طلبہ بھی فیضیاب ہوے، تو آپکے بلا واسطہ تلامذہ کی تعداد پچاسوں ہزار سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ اور ۱۸ سال قیام مدینہ کو بھی اگر شامل کر لیا جائے تو ان مسترشدین و متوسلین اور تلامذہ کی تعداد لاکھوں سے زیادہ ہو جاتی ہے، جو حضرت امام العصر کے مشکوۃ علم و فضل سے نور و ضیا حاصل کر رہے ہین وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ۔

آپ ہی کے بارے مین مرشد رومیؒ بہت پہلے فرما گئے ہین ؎

صورتش بر خاک    جان در لامکان    لامکانے فوق وہم سالکان

## امام العصر پر گرانقدر شہادتین

(۱) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد عالی۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب بہت شریف طبیعت کے ہین باوجود سیاسی اختلاف رکھنے کے بھی کوئی کلمہ خلاف حدود ان سے نہین سنا گیا۔ (اشرف العلوم)

(۲) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کا فیصلہ

میرے نزدیک ابو حنیفہ زمانہ بخاری اوانہ جنید و شبلی عصر حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کی مدح مین کچھ لکھنے والا مادح خورشید مداح خود است

کا مصداق ہے ...... میرا خیال ہے کہ حضرت کے فضل و کمال تبحر فی العلم والسلوک سے شاید
ہی کسی اہل بصیرت کو بھی اختلاف ہو ...... آپ نے سنا ہو گا کہ مولانا کی اسارت کی خبر پر حضرت
مولانا تھانوی قدس سرہ نے کس قدر رنج وحزن کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے
خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے "اور جب حضار مجلس میں سے کسی نے عرض
کیا کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے ہیں تو حضرت نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے اس
جملہ سے تسلی دینا چاہتے ہیں کیا حضرت حسینؓ یزید کے مقابلہ میں اپنی خوشی سے نہیں گئے تھے مگر
آج تک کون ایسا شخص ہو گا جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو"
مختصر یہ کہ اس ناکارہ کے نزدیک حضرت مدنی ہی رشد و ہدایت اور علم و فضل کے درخشان
آفتاب ہیں۔

حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی کا ارشاد۔

"حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی آسمان علم و ہدایت کے آفتاب اور
زہد و ورع میں یگانۂ زمانہ اور جہاد تخلیص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں ہندوستان کے مسلمان
ان کی ذات گرامی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے، وہ علم ہدایت اور مستحق منصب قیادت ہیں،
ان کی مذہبی اور وطنی خدمات سے تمام مسلمانان ہند واقف ہیں اور ان کے اخلاص و دیانت
کے مخالف بھی معترف ہیں اور ان کی بے غرضانہ محبت کا لطف وہی حاصل کر سکتا ہے جو ان کی
صحبت و معیت سے بہرہ ور رہا ہو۔



(۴) حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا اعتراف حق۔ ۹.۱۲



شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کے فضل و کمال،
کے مرتبہ و مقام پر گفتگو تو وہ کرے جو خود بھی کچھ ہو ...... مجھے ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ تو مولانا

ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے اور وہ آپ کی بے نفسی، سادگی، تواضع اور انکساری اور خدمت خلق کا عشق ہے...... کہتا ہون اور گویا خانۂ شہادت مین کھڑا ہوا بیان دے رہا رہون کہ وہ بہترین دوست مین بہترین رفیق سفر ہین، مہمان ہو جئیے تو آپ کی میزبانی مین اپنے معمولات تک ترک کر دین گے، روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آجائے تو خود قرض دار ہو جائین گے لیکن آپ کی حاجت ضرور کہین سے پوری کر دین گے... خدانخواستہ بیمار پڑ جائیے تو تیمارداری مین دن رات ایک کر دین گے۔ نوکری کی ضرورت پیش آجائے، کوئی مقدمہ کھڑا ہو کسی امتحان مین بیٹھ جائیے تو سفارش نامون مین اور عملی دوڑ دھوپ مین نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کرین گے نہ اپنی صحت کا اور نہ خرچ کا جس طرح بھی ہو گا آپ کا کام نکلنے پر تل جائین گے....

اپنے بزرگون کے ساتھ معاملہ جو بھی رکھتے ہون اپنے خوردون، شاگردون اور مریدون کے ساتھ روش یہ رکھتے ہین کہ خادم کو مخدوم ہی بنا کر چھوڑتے ہین، حالی کے شعر کے معنی اب جا کر روشن ہوئے ہین ؎

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا      خاکساری اپنی کام آئی بہت

سنا ہے کہ یہ شان، محمود حسن شیخ الہند دیوبند کی تھی، اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق ان سے زائد کسی کو نہین پہنچتا.... فرصت میسر آتی تو اس متن کی شرح بھی اپنے قلم سے کرتا اور پھر نوبت شرح پر حواشی کی آتی اور ایک مختصر المعانی پر کئی کئی مفصل اور مطول تیار ہو جاتے

ع "سفینہ چاہیے اس بحر بیکران کے لئے"

(۵) مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی لاہور کی رائے۔

عرب و عجم کے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی ذات گرامی مسلمانان عالم کے لئے قدرت کا ایک بے بہا انعام ہے جو دن رات ملک و ملت کی فلاح و بہبود کی خاطر

مصائب و مشکلات میں مبتلا رہتے ہیں ...... خدا اس مرد مجاہد کا سایہ تا دیر قائم رکھے"

(۶) مولانا نصر اللہ خان صاحب عزیز بی۔اے لاہور کا سچا تاثر۔

امام برحق حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو لوگ اُن کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کی بنا پر جانتے اور عقیدت و احترام کا سر اُن کے سامنے خم کرتے ہیں ..... لیکن مولانا کی حقیقی عظمت ان کا محض علم و فضل، عبادات و اشغال وغیرہ نہیں بلکہ اُن کی پاکیزہ تھی سیرت ہے اس معاملہ میں ہندوستان تو در کنار غالباً عالم اسلام میں بھی ان کی مثال نہ ملیگی .....

جس طرح مولانا مدنی مدظلہ کی طرف دل کھنچتا ہے اس طرح کسی اور کی طرف نہیں کھنچتا .....

یہ تمام رائیں حسین احمد نمبر مرتبہ محمد یوسف صاحب جو ہر نگینوی ضلع بجنور سے ماخوذ ہیں،

خلاصہ یہ کہ جو لوگ علم الاحسان یعنی تصوف و سلوک سے دلچسپی رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ انسانی شرف و مجد اور کمال انسانیت کا دار و مدار قوائے فکری و عملی کے اعتدال پر ہے اور فن سلوک میں جن اصول اخلاق سے بحث کی جاتی ہے وہ چار ہیں، طہارت، عجز و نیاز، سماحت اور عدالت آخر الذکر وہ ملکہ ہے جب انسان افراط و تفریط سے بچکر فکر و عمل دونوں میں اعتدال پر قائم رہتا ہے تو یہ عطیۂ خداوندی خوش قسمتی سے نصیب ہوتا ہے اس ملکہ کے پیدا ہو جانے کے بعد ایک انسان مجموعہ اضداد بن جاتا ہے ..... لیکن ہر جذبہ اور ہر فعل کا محل الگ الگ ہوتا ہے اور اس بنا پر اس میں موزونیت اور حسن تناسب پیدا ہو جاتا ہے حضرت امام العصر کی شخصیت کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کا یہی وصف جامعیت سب سے زیادہ نمایاں ہو کر نظر آتا ہے اور اسی بنا پر بلا خوف تردد کہا جا سکتا ہے کہ امام العصر اپنے عہد میں انسانی شرف و مجد کے ایک اعلیٰ پیکر ہیں اور ایسے لوگ روز روز نہیں پیدا ہوا کرتے بلکہ کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔

پس بقول مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایم۔اے کہ میں ہندوستان کے باہر عالم

اسلام کے بہتیرے علماء اور مشائخ سے اور ان کے حالات و سوانح سے باخبر ہون اور ان مین بعض ہین جن سے مجکو ذاتی طور پر ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اس کے باوجود موجودہ زمانہ مین جامعیت اوصاف و فضائل کے اعتبار سے اگر کوئی شخصیت پیر و مرشد بنانے کے قابل ہے تو مین یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ وہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی ہی شخصیت ہے لیکن با این ہمہ مجھ کو آج تک نہ مولانا مدنی سے شرف بیعت حاصل ہوا ہے اور نہ شرف تلمذ اس بنا پر مین جو کچھ کہہ رہا ہون وہ محض زیدی عقیدت کا نتیجہ نہ سمجھنا چاہیئے" اصل یہ ہے کہ امام العصر دہست بر کا تہم ان افراد مین ہین جو اپنی جامعیت مین ایک پوری امت ہین اگرچہ زمانہ کے لحاظ سے پیچھے ہین لیکن مرتبہ کے اعتبار سے بہت آگے ہین

## امام الہند اور شیخ الاسلام

شورش عندلیب نے روح چمن مین پھونکدی ورنہ یہان کلی کلی مست تھی خواب ناز مین

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانون کے اندر سے آزادی رائے آزادئ ضمیر غلط اور صحیح قیادت کی تمیز کے جوہر کا مفقود ہو جانا غیر معمولی انقلاب اور ایسا حادثہ ہے کہ جس پر جتنا ماتم بھی کیا جائے کم ہے اور جو بدقسمتی سے ادھر چند سالون سے اور ترقی کر گیا ہے جس کو اکبر مرحوم کی حقیقت بین نگاہ نے پہلے دن تاڑ لیا تھا کہ

"دل بدل جائین گے تعلیم بدل جانے سے"

اگر قائدین کے اعمال پر اسلامی نقطہ نگاہ سے تنقید کی گئی ہوتی تو صاف نظر آجاتا کہ جو مسائل اسلامیہ مین اعلیٰ بصیرت و رسوخ اور سیاست اسلامی مین تقوی اور تدین کے ساتھ تفقہ و اجتہاد کی قابلیت نہ رکھتا ہو امت کو اس کے حوالہ کرنا بڑے گناہ کا کام تھا۔ مولانا ابو الکلام آزاد مسلمانون کی وہ متاع تدبر ہین کہ جن کی رہنمائی پہ ایشیا و یورپ کو ناز ہونا چاہیئے اور جس کی سحر نگاری نے ملک کے گوشہ گوشہ مین حکومت برطانیہ سے متصادم ہونے کی جرآت پیدا کر دی اور حضرت شیخ الہند جیسے عارف کو

اس شعر کو پڑھنے پر مجبور کر دیا ؎

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی　　　کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

برادران وطن اب تو معلوم نہین کہ ان کی نسبت کیا رائے رکھتے ہین لیکن دنیا جانتی ہے کہ ہندو لیڈرون مین مہاتما گاندھی اور آنریبل جواہر لال نہرو مولانا ہی کی سمجھ بوجھ، تدبر اور غیر معمولی ژرف نگاہی کے نہ صرف قائل بلکہ مستفید اور خوشہ چین رہے ہین، ماضی قریب مین کانگریس کی زندگی مین ایسے نازک دور آئے کہ مولانا ہی کی ذات تھی جو خضر راہ بنی، اور آج بھی صرف یہی ایک ذات ایسی ہے کہ اگر اس کے مشورہ کو ترجیح دی جائے تو حکومت کی کشتی ساحل مراد تک پہنچ سکتی ہے کیونکہ نصف صدی قبل سے بھی کسی قوم مین اتنا بڑا آدمی پیدا نہین ہو سکا اگر کسی کو شبہہ ہو تو اس کو چاہئے کہ مکتب سیاست مین داخل ہو کر تعمیر اور تخریب ملک کے فرق کو ایمان داری سے سمجھئے اور مولانا آزاد کے تدبر کی داد دے۔

حضرت شیخ الاسلام دامت فیوضھم کی ذات گرامی اس الحاد کدۂ ہند مین مشعل ہدایت ہے عام طور پر علما اپنی یبوست مزاجی اور غیر ضروری سنجیدگی کے لئے بدنام ہین مگر عالم اسلام کی یہ سب سے بڑی شخصیت ہر وقت مسکراتی رہتی ہے جس کا سرمایۂ کمال محض علم و فضل ہی نہین ہے بلکہ اس کی پاکیزہ سیرت ہے اور بقول مولانا آزاد جس کا قلب ہمہ تن خدا کی طرف مائل اور جھکا ہوا ہے، آپ پلیٹ فارم کی زندگی مین جتنے اچھے معلوم ہوتے ہین اس سے کہین زیادہ جاذب اور دلکش ہو جاتے ہین جب قریب سے مطالعہ کیا جائے غرض ملک کی تسخیر اور حکومت کے عزل و نصب مین ہمیشہ اللہ والون کی روحانیت اور فضل و بزرگی کے ہاتھ کام کرتے رہے ان مین مجاہدین ہند کے غیر مرئی ہاتھ اور شیخ الاسلام کی نہ جھکنے والی روحانی قوت کو سب سے زیادہ دخل تھا اور ہے، لیکن قوم کے ذہین طبقہ کو مدت سے جس طرح کی ٹریننگ دی جا رہی تھی اور جس تمدن و تہذیب کا ان کو خوگر بنا کر لادینیت پھیلا دی گئی تھی اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اتنی بڑی عظیم المرتبت شخصیت کی اطاعت کے بجائے

اس کے خون کے پیاسے اور آبرو کے دشمن بن بیٹھے اور اس کی پگڑی کو اچھالنا شروع کر دیا آخرت کا معاملہ تو خدا کے ہاں ہو کر رہے گا دنیا ہی میں کتنوں کو اس کی پاداش مل گئی بھلا جس قوم و ملک کے پاس ایسی ایسی متاع ایمان موجود ہو اس کی دس کروڑ تعداد کی بدنصیب قوم تین کروڑ کی اکثریت سے اس درجہ خائف ہو جائے کہ ملک کے حصے بخرے کرا کے چوروں کی طرح بھاگ نکلے اس کا واحد سبب وہی تھا جو اوپر ذکر کیا گیا، اگر ان دو بزرگوں پر اعتماد کر لیا گیا ہوتا تو خدا کی قسم ہندوستان کا نقشہ اس سے بہتر ہوتا جو آج دن ہے کیونکہ ان ہر دو بزرگوں کو ایک طرف رکھدو اور دنیا کے علما و فضلاء سیاسیین کو ایک طرف تو انشاء اللہ ہندی علماء ہی کا پلہ راجح ہوگا۔

## ماخذ مکتوبات جلد اوّل

میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے ۳۵ء کے لگ بھگ جناب مولانا حاجی احمد حسین صاحب لاہرپوری مدظلہ نے ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ مکتوبات کے جمع و ترتیب کا خیال ظاہر فرمایا تھا مگر یہ ایسا دور تھا کہ کسی ایسی تحریک کے اندر جس میں حضرت امام العصر کا تعلق ہو لوگ حصہ لینے سے خائف تھے اس وقت یہ کام آگے نہ بڑھ سکا، لیکن مولانا لاہرپوری کا خلوص ایسا نہ تھا کہ رنگ نہ لاتا چنانچہ جس طرح بڑوں کے باقی ماندہ کاموں کو ان کے چھوٹوں نے پورا کیا ہے احقر کو کرنا پڑا جو فی الحقیقت وہی کر رہے ہیں نہ کہ ناچیز ؂

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ۔۔۔ آنچہ اجاب کرم گفت ہماں می گویم

اگر مولانا لاہرپوری کی مسلسل ہمت افزائی اور ہر ہفتہ اپنے والا ناموں کے ذریعہ مفید مشورے اور بزرگانہ ہدایات شامل حال نہ ہوتیں تو بلاشبہ میں اس کام کو جاری نہ رکھ سکتا کیونکہ موصوف کے سوا ایک آدمی بھی ایسا نظر نہیں ... جس کام سے اس درجہ عشق رہا ہو،

اس لئے ناچیز مولانا لاہرپوری کی خدمت میں اپنا پرخلوص شکریہ پیش کرنے پر مجبور ہے اور درخواست ہے کہ وہ اپنے کام کو بدستور جاری رکھیں ابھی ان کی بہت ضرورت ہے۔

آپکے بعد مولوی حافظ فرید احمد صاحب (خلف حضرت مولانا وحید احمد مدنی اسیر مالٹہ مرحوم) نے مکتوبات کی طرف توجہ فرمائی اور مکاتیب شیخ الاسلام کے نام سے ایک مختصر مجموعہ شایع فرمایا حالات کی ناسازگاری کی بنا پر موصوف اس کی حسب دلخواہ ترتیب وغیرہ نہ کر سکے مگر نقش اوّل کے طور پر موصوف نے ایک مستحکم بنیاد رکھدی جو لائق تحسین ہے آپکے اس مجموعہ سے ناچیز نے ۲۔۳ مکتوب با اجازت اپنے مجموعہ کے اندر داخل کر لئے ہیں۔ اور اسی طرح حیات شیخ الاسلام سے بھی چند خطوط نہ کر گئے ہیں۔

مولانا ابوالحسن حیدری غازی پوری کا مجموعہ } افسوس کہ ناچیز کو مولانا موصوف سے شرف ملاقات حاصل نہیں اور نہ موصوف کے متعلق کوئی تفصیلی علم ہے۔ ورنہ ان کا تعارف کراتا۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ موصوف امام العصر کے مخصوص خدام میں ہیں اس لئے یہ انتساب سب سے بڑا تعارف ہے، آپنے امام العصر کے ان والا ناموں کا ایک مجموعہ فراہم کیا تھا جو آپکے نام ہیں، مگر اسی کے ساتھ تمام عربی و فارسی عبارتیں بلا ترجمہ اور بعض حصے لائق حذف اور اکثر و بیشتر تشریح و حواشی کے محتاج تھے چھوڑ دیا تھا جن پر کئی ماہ مسلسل وقت دینے کے بعد بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی، ہم نے اس جلد میں اس مجموعہ کو مخصوص جگہ دی ہے اور بہت سے دوسرے حضرات کے اہم خطوط کو دوسری جلد کے لئے مؤخر کر دیا ہے کیونکہ مولانا حیدری نے غیر معمولی ایثار سے کام لیکر یہ مجموعہ ہمارے حوالہ کر دیا ہم موصوف کے حکم کے مطابق اپنی صوابدید سے اس مجموعہ کو مکمل کر کے شایع کر رہے ہیں اور تہ دل سے شکر گذار ہیں۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

مکتوبات شیخ الاسلام کی یہ جلد اوّل مکمل نہ ہو سکتی اگر حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ و حضرت مولانا حکیم النظار احمد مراد آبادی و حضرت مولانا عبد الحق مدنی و حضرت مولانا اعزاز علی و حضرت حاجی اصغر علی و حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی

وحضرت مولانا پروفیسر عبد الباری ندوی وحضرت مولانا احمد علی لاہوری وحضرت مولانا منت اللہ خانقاہ مونگیر ومولانا فخر الدین گیا وعزیز محترم مولانا حامد میاں سلمہ وبرادرم مولانا اویس ندوی ومولانا عبد الرحمن صاحب وغیرہم کی خصوصی توجہات نہ ہوتیں، ان بزرگوں اور احباب کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں کہ ان کا شکریہ ادا کروں فجزاہم اللہ احسن الجزاء،

مکتوبات شیخ الاسلام کی پہلی جلد — امام العصر کے ان مکتوبات کی اہمیت کا تقاضہ تھا کہ کوئی ایسی ہستی اس کا مقدمہ اور بعض ضروری اشارات — پر مقدمہ لکھے جو خود احوال ومقامات کی حامل اور امام العصر کی زندگی پر گہری نظر رکھتی ہو تاکہ مقدمہ کے ذریعہ آسانی سے ناظرین کو مکتوبات تک پہنچا دے، اسی فکر میں تھا کہ میری نگاہ آرزو ایک ایسی ذات گرامی پر پڑی جو علم وعمل کے موروثی مالک، دار العلوم دیوبند کے مہتمم اور جن کو دنیا حضرت مولانا الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کے نام نامی واسم گرامی سے یاد کرتی ہے، الحمد للہ کہ میری درخواست کو آپ کی جناب تک شرف قبول نصیب ہوا اور مقدمہ لکھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی گئی، امام العصر کی آخری زندگی سے قاری صاحب ممدوح کو جو قریبی تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں ایک دار العلوم کا شیخ اور صدر مدرس، دوسرا مہتمم اس رابطہ نے ایک کو دوسرے سے ملنے جلنے کا زیادہ موقع بخشا ہے اور مہتمم صاحب قبلہ کا مقدمہ خود ان باتوں کا غماز ہے یہ ناچیز جناب مہتمم صاحب کے مورد اخلاق کا تہ دل سے شکر گذار ہے اور اس ذرہ نوازی کا دل میں سچا احترام، ادام اللہ فضلہ واجل قدرہ وزاد لطفہ اجرہ۔

مکتوبات جلد اول کی ترتیب — خیال تھا کہ مکتوبات کی ترتیب عنوانات کے تحت قائم کی جائے لیکن بعض ایسی دشواریاں حائل ہوئیں کہ ایسا کرنا ناممکن ہوگیا، مثلاً ایک ہی والا نامہ میں مختلف سوالات اور کئی کئی استفسارات وغیرہ، اگر اکثر وبیشتر خطوط حاصل ہو گئے ہوتے تو پھر بڑی آسانی سے یہ کام ہو جاتا انشاء اللہ یہ کام کسی دوسری فرصت میں بقیہ خطوط کے حاصل ہو جانے پر اداراتی

مدنی کے نام سے کیا جائے گا۔ بروقت مندرجہ ذیل صورت اختیار کی گئی ہے۔

(۱) تعارف۔ حضرت امام العصر کے ایک بیان سے کرا دیا گیا ہے۔

(۲) خاندانی حالات۔ امام العصر کے مکتوب گرامی سے۔

(۳) پہلا عربی مکتوب۔ امام الہند مولانا آزاد وزیر معارف ہند کے نام ہے، اس کے بعد تمام عربی خطوط حضرت مولانا عبد الحق مدنی کے نام ہیں عربی خطوط کو مقدم رکھا گیا اور ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

(۴) جو مکتوبات ایسے تھے کہ جن میں کوئی خاص اصطلاح تھی یا ایسے جملے تھے کہ جن کی تشریح کے بغیر نفس مکتوب سے استفادہ دشوار تھا حتی الوسع ان کو واضح کیا گیا ہے، اور عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ خود راقم الحروف کا ہے۔

(۵) اردو مکتوبات میں حتی الوسع ان کو مقدم رکھا گیا ہے جن کی تعداد زیادہ ہے، اور حتی الوسع سنہ وار ترتیب رکھی گئی ہے۔

(۶) کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ مکتوب اور مکتوب الیہ کی اہمیت کی بنا پر تقدیم و تاخیر کر دی گئی ہے۔

(۷) دیباچہ میں امام العصر کے حالات اور آپ کی خدمات کا ماخذ "حیات شیخ الاسلام" اور "علماء حق" وغیرہ ہے۔

(۸) آیندہ جو مکتوب عنایت فرمائے جائیں سوالات بھی اسی کے ساتھ بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائی جائے، ورنہ مرتب کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور پھر بھی سبب نزول کا پتہ نہیں چلتا۔

(۹) مکتوب نمبر ۱۴۴ حیدر آباد میں ایک بزرگ مولانا محمد حسین مرحوم تھے، ان کا خیال تھا کہ حج عبدیت و انکسار کی تربیت کا ذریعہ ہے، ہمارے مولانا مدنی دامت برکاتہم کے یہاں زور حج کے عاشقانہ پہلوؤں پر ہے، یہ والا نامہ بجنسہ سفر عشق کے عنوان سے الفرقان نمبر ۸ سنہ ۱۹۵۰ء میں شایع ہو چکا ہے جو اسرار و معارف اور حقائق کا ایک بے پایان سمندر ہے، یہ حاشیہ درج ہونے سے رہ گیا تھا امید کہ معذور سمجھا جائے گا۔

(۱۰) اگر کسی مکتوب کے اندراج اور فوائد و حواشی میں کوئی چیز فروگذاشت ہو گئی ہو براہ کرم اس سے

مطلع کر دیا جائے گا ناچیز کو اعتراف ہے کہ یہ کام میرے جیسے طالب علم کا نہین تھا بلکہ عہد حاضر کے ممتاز علماء اور صلحاء کا تھا کیونکہ صاحب مکتوب ایک وقت مین امام، مفسر، محدث، فقیہ، تصوف وسلوک کے عارف، شریعت وطریقت کے معلم، اور دمیات کے فاضل سب کچھ ہین لیکن دنیا ان کو، ان حیثیتون سے قطع نظر جو قدرت نے کمال فیاضی سے ان مین جمع کر دی ہین صرف ایک سیاسی رہبر وپیشوا جمیعۃ علماء کے روح رواں اور کانگریس کے نقیب سود وساز کی حیثیت سے جانتی اور پہچانتی ہے لیکن ان مکاتیب سے اندازہ ہوگا کہ ان تمام حیثیات گوناگون کے ساتھ وہ عربی کے ادیب فارسی کے اداشناس اور اردو زبان کے نثار دانشا پرداز بھی ہین اور اپنے مفہوم ما فی الضمیر کے بہترین الفاظ فصیح وبلیغ عبارت مین ادا کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہین یہ سارے خطوط مسلمانون کی ایک صدی کی جد وجہد آزادی کی ایک مکمل ومرتب تاریخ ہی جو میری جیسے کم مایہ علم وعمل کے فہم وادراک سے درا را اور اء ہے اس لئے فروگذاشت کا بہت زیادہ امکان ہی مقصود متن کی افادیت ہے نہ کہ حواشی وفوائد

اس طرح کے علمی کام کرنے کی راہ مین ہمیشہ مالی زحمتین سد راہ ہوتی ہین چنانچہ یہ زحمت ترکہ کے طور پر اپنی زندگی کا جز لاینفک بنگئی اور طباعت کی صورت اپنے امکان سے باہر ہوگئی ساتھ ہی اپنی خودداری اور مکتوبات کی عظمت کا تقاضہ تھا کہ سوال سے گریز کرکے قرض سے کام چلایا جائے چنانچہ سب سے پہلے حضرت حاجی شیخ ولی محمد صاحب مدظلہ رئیس جونپور نے ہمت افزائی فرمائی اور پانسو کی رقم عنایت فرماکر مالی مشکلات کے حل کی راہ پیدا کردی پھر مولانا نبی احمد، مولانا امام مرائے میری، مولانا عبد الجبار بنارس، مولانا عبد الباری مبارکپور، مولانا محمد اسعد دیوبند نے مکتوبات کی طباعت واشاعت مین ہاتھ بٹایا، تاہم دشواری بہت حد تک قائم تھی اگر تائید ایزدی کے طور پر شہر اعظم گڈہ کے محبوب طبیب جناب حکیم محمد اسحق صاحب سید ھاری کے رئیس اور اپنے محسن خاص بابو سراج الحق صاحب اور حضرت مولانا مسعود علی صاحب ندوی منیجر مطبع معارف اعظم گڈہ کی مساعی شریک حال نہ ہوتیں تو میری لیے غیر ممکن تھا کہ گھر بیٹھکر اور بہت سی دشواریوں کے بجائے پہلی جلد کی اشاعت سے عہدہ برآ ہوتا اور ۰۰ ہ صفحات کے بجائے ۰۰ ہ صفحات زیادہ شائع کر سکتا میں ان تمام حضرات کا تہ دل سے شکر گذار ہوں جنھوں نے اس ورطے سے نکلنے میں مدد فرمائی ہے جزاھم اللہ احسن الجزاء

قصۂ شوق مدیثے است کہ پایانش نیست      تا بکے نکر توان کرد بسخن تازہ نوشت

والسلام ـ ننگ حیات نجم الدین اصلاحی کان اللہ لہٗ ـ جوری ۱۹۵۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تعارف

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ

وتابعیہ اجمعین

## امابعد

چونکہ ارشاد خداوندی وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ تحدیث اور اظہار نعماء اللہ کو واجب قرار دیتا ہے، بنابرین حسب مقام بعض امور کا ذکر نہ صرف مناسب بلکہ ضروری خیال کرتا ہوں،

اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے بے شمار اور عظیم الشان مادی اور معنوی نعمتوں کی اس ظلوم وجہول ننگ خاندان پر بارش فرمائی فللہ الحمد والمنت۔

من آن خاکم کہ ابر نوبہاری　　　کند از لطف بر من قطرہ باری

ان گرانمایہ نعمتوں میں سے یہ عظیم الشان نعمت بھی ہے کہ ۱۳۱۶ھ ماہ شعبان میں جبکہ میں تقریباً تمام کتب درسیہ اور ان کے آخری امتحان سے فارغ ہوا تھا، اور اسی مہینہ کی آخری تاریخوں میں حضرت والد صاحب مرحوم ومغفور نے سفر حجاز کا مع اپنے جملہ متعلقین کے اعلان کردیا تھا، باشارۂ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز و باصرار برادر بزرگ مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم آستانہ حضرت قطب الاقطاب سرگروہ اولیاء اللہ سید العارفین امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب حنفی انصاری چشتی صابری، نظامی نقشبندی، قادری، سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز پہ حاضر ہوا، اور بوسیلۂ حضرت

استاد جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی مرحوم و مغفور استدعا بیعت طریقت و ارشاد پیش کی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بلا چون وچرا درخواست قبول فرماکر سلاسلِ اربعہ مین بیعت فرمالیا، اور ارشاد فرمایا کہ چونکہ تو مکہ معظمہ جارہا ہے اور وہان حضرت مرشد قطب العالم سید العارفین مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز موجود ہین، انھین سے ذکر و شغل کی تلقین حاصل کرلینا، چنانچہ اسی روز وہان سے روانہ ہوکر دیوبند ہوتا ہوا وطن مالوف پہنچا، خدا کے فضل و کرم سے اس بیعت مبارکہ کے آثار اسی دن سے مین اپنے مین پانے لگا، رویاے صالحہ کا سلسلہ بھی جب ہی سے شروع ہوگیا،

چونکہ اس زمانہ مین سفر حجاز کے لیے صرف بندرگاہ چاٹگام (بنگال) کھلا ہوا تھا، سواحل وغیرہ پر طاعون کے زور شور کی بنا پر قرنطینون کی بھی سختیان تھین، اس لیے بہت زیادہ زمانہ مکہ معظمہ پہنچنے مین صرف ہوگیا، یہانتک کہ آخر ماہ ذی قعدہ ۱۳۱۶ھ مین تین ماہ متواتر سفر مین گذارنے پر مکہ معظمہ پہنچا ہوا، بعد از انتظام اقامت و ضروریاتِ مناسک سید العارفین قطب العالم جناب حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ مین شرف یابی کی نعمت حاصل ہوئی، حضرت حاجی صاحب موصوف سے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کا بیعت فرمانے کے بعد ارشاد و تلقین کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر محمول فرمادینا معہ دیگر پیغامات ذکر کیا، حضرت حاجی صاحبؒ نے نہایت شفقت فرمائی، اور پاس انفاس کی تلقین کرنے کے بعد ارشاد کیا کہ ہر روز بوقت صبح ہمارے یہان حاضر ہوکر اور یہی عمل کیا کر، اس زمانہ مین زمانہ تقریباً آٹھ بجے صبح سے دس گیارہ بجے تک اذن عام ہوتا تھا، مولانا محب اللہ مرحوم مثنوی شریف پڑھا کرتے تھے، چنانچہ حسب ارشاد روزانہ حاضر ہوتا رہا، حج و عمرہ کے مناسک سے فارغ ہونے پر اواخر ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ مین بوقت روانگی قافلہ مدینہ منورہ بعد از ظہر حاضر ہوا، اگرچہ وہ وقت عام اجازت کا نہ تھا، مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بارگاہ مین بلایا، باوجودیکہ اس وقت بہت ضعیف تھے، پلنگ پر لیٹے ہی رہا کرتے تھے، بیٹھے پر بیٹھ گئے، اور غایت شفقت سے پاس بلاکر میرے، اور بھائی سید احمد صاحب

کے سر پر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیر کر فرمایا کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا، چونکہ اس ارشاد پر مین نے سکوت کیا تھا، فرمایا کہو کہ مین نے قبول کیا، حسب ارشاد دونوں نے وہان سے رخصت ہو کر تبریزی کی جگہ (بیرون مکہ معظمہ جہان پر قافلہ روانگی کے وقت جمع ہوا کرتا تھا) پر پہنچا، وہی تین دن گذرے تھے کہ منزل رابغ کی شب مین جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت باسعادت خواب مین نصیب ہوئی، یہ سب سے پہلی زیارت آنحضرت علیہ السلام کی تھی، آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھکر قدمون پر گر گیا، آپ نے ارشاد فرمایا کیا مانگتا ہے؟ مین نے عرض کیا کہ حضرت جو کتابین مین پڑھ چکا ہون وہ یاد ہو جائین، اور جو نہین پڑھی ہین ان کے متعلق اتنی قوت ہو جائے کہ مطالعہ مین نکال سکون، آپ نے فرمایا کہ یہ تجھکو دیا، محرم الحرام ۱۳۱۷ھ کی ابتدائی تاریخون مین مدینہ منورہ پہنچا، وہان پہنچنے پر قیام گاہ اور معیشت کے اسقدر الجھاؤ پڑے کہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے تعلیم کردہ شغل پر عمل نہ کر سکا، فقط مکہ معظمہ کے قیام کی مدت مین اس پر عمل پیرا رہا تھا، بالآخر اسی سال ماہ جمادی الثانیہ مین حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کا وصال ہو گیا، اس کے بعد مجھکو شوق سلوک پیدا ہوا، تعلیم کردہ شدہ ذکر کو مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مین کیا کرتا تھا، مگر چونکہ بدن مین حرکت پیدا ہوتی تھی، اس لیے لوگون کے مطلع ہونے کا خیال اس امر کا باعث ہوا کہ بیرونِ شہر قریب مسجد اجابہ بعض افتادہ کھجورون کی جھاڑیون مین جا کر تنہائی مین جانبک جی لگے ذکر کیا کرون، چنانچہ اس حالت پر ایک زمانہ گذرا، اس اثنا مین جو رویاے صالحہ اور حالتین پیش آئی تھین گنگوہ شریف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ مین بذریعہ مکاتیب پیش کرتا رہتا تھا، الطاف بیکران کے ساتھ ہمیشہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جوابات مین مفید ارشادات کے ساتھ اعانت فرماتے رہے، اس اثنا مین ایک مرتبہ خواب مین دیکھا کہ گیارہ حضرات اولیاء اللہ ہیں سے تشریف لائے ہین، اور فرمایا کہ ہم تجھکو اجازت دیتے ہین، ایک مرتبہ خواب مین دیکھا کہ حضرت خواجہ ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہما

ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں میں خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ ایک تہائی کھجور کا عنایت فرمایا۔ اور کہا کہ باقی دو ثلث دوسرے مشائخ طریقت کے ذریعہ سے تجھکو دیے جائیں گے، اس قسم کے بہت سے خواب دیکھے، بالآخر ۱۳۱۶ھ کے رمضان یا شوال میں کرامت نامہ پہنچا کہ تجھکو ایک مہینہ کے لیے گنگوہ آنا چاہیے۔ اس پر حضرت والد صاحب مرحوم نے ارادہ فرمایا کہ صرف مجھکو گنگوہ شریف بھیجیں۔ بڑے بھائی صاحب مرحوم کو وہاں کی حاضری کا بہت زیادہ شوق تھا۔ وہ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ میں خفیہ طریقہ پر بقصد حاضری گنگوہ شریف روانہ ہو گئے، اگرچہ حضرت والد صاحب کا قصد یہ تھا کہ بعد از حج جب کہ قوافل مدینہ منورہ سے جدہ واپس ہوں گے، اس وقت مجھکو بھیجیں گے، مگر بھائی کی تنہائی کی بنا پر حکم فرمایا کہ تو بھی ابھی چلا جا، چنانچہ میں براہ ملیح البحر جدہ پہنچا، تو معلوم ہوا کہ بھائی صاحب مرحوم جہاز نہ ملنے اور حج کے قریب ہو جانے کی بنا پر مکہ معظمہ چلے گئے ہیں، اور وہاں ہی مقیم ہیں، بالآخر میں بھی مکہ معظمہ پہنچا، اور نعمت حج و عمرہ سے فیضیاب ہونے کی تاریخوں کے بعد جدہ دونوں واپس ہوئے، مگر دخانی جہازوں کا اس سال کرایہ اس قدر زیادہ تھا کہ ہم دونوں کے پاس کی مقدار ہرگز کافی نہ تھی، بالآخر اوائل محرم ۱۳۱۷ھ میں بادبانی جہاز (بغلہ) مسقط جانے والا ملا جس نے تقریباً سوا مہینہ کے بعد مسقط پہنچایا، مسقط سے ہر ہفتہ میں ایک دخانی جہاز کراچی جاتا تھا، تقریباً ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد وہ جہاز آیا۔ دو دو روپیہ فی ٹکٹ پر کراچی پہنچنا ہوا اور پھر اوائل ماہ ربیع الاول میں گنگوہ شریف کی حاضری نصیب ہوئی، اس اثنا میں تمام راہ میں میرے مشاغل سلوک برابر جاری رہے، اور بفضلہ تعالیٰ رویائے صالحہ اور مختلف احوال وارد ہوتے رہے۔ گنگوہ شریف پہنچنے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت زیادہ عنایت فرمائیں، والد صاحب مرحوم کے خطوط سے چونکہ حضرت کو پوری کیفیت معلوم ہو چکی تھی، اس لیے یہاں انتظار تھا۔

بھائی صاحب مرحوم سہارنپور سے بالا بالا حاضر خدمت ہوئے اور میں نے عرض کیا کہ میں پہلے

دیوبند جاؤں گا اور وہاں سے خدمت اقدس میں حاضر ہوں گا۔ بھائی صاحب مرحوم سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں کے لیے ہم نے ایک ایک جوڑا کپڑا تیار کر رکھا ہے۔ مگر حسین احمد کے حاضر ہونے کے بعد دوں گا، چنانچہ جب میں دیوبند سے براہ نانوتہ پیدل حاضر ہوا تو دو جوڑے جو کہ ابھی جدید تھے، ہر ایک کو عطا کیے گئے، چونکہ اس میں کرتہ پاجامہ، ٹوپی ہی تھی، اس لیے بھائی صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت ہم دونوں اپنے اپنے عمامے لاتے ہیں اور پیش کر دیتے ہیں، جناب ان کو بھی ہمیں دیدیں۔ فرمایا کہ اس کو پھر دیکھا جائے گا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بکمال شفقت آخری شغل سلوک تلقین فرمایا، میں نے اپنی اُن رویا کو جو کہ راستہ میں دیکھی تھیں، تنہائی میں پیش کیا، جن میں سے ایک یہ تھی کہ میں حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں، اور اس سے پہلے ایک مقدار کھجوروں کی حضرت کے یہاں بطور ہدیہ پیش کر چکا ہوں، تو حضرت نے فرمایا کہ تو خود آکر ان کھجوروں کو تقسیم کر دے، میں نے عرض کیا حضرت یہ کھجوریں تو میں آپ کے لیے لایا ہوں، میرے یہاں تو اس کی دُکان ہے۔ حاجی صاحبؒ نے فرمایا، نہیں میں جانتا ہوں کہ کن شگفتوں سے کھجوریں حاصل ہوتی ہیں، مولانا گنگوہیؒ نے یہ جواب سنکر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے تجھکو اجازت ہو گئی۔ مجھسے بھی عنقریب ہو جائیگی، چونکہ اجازت و خلافت میرے گمان میں بھی نہ تھی، میں نے عرض کیا، میں تو اس کا خواہشمند نہیں، اس پر غالباً سکوت فرمایا، بارگاہ رشیدی کی حاضری میں بفضلہ معنوی نعمتیں بہت حاصل ہوئیں، ایک شب پندرہ دن کے بعد، بعد عشاء میں حضرت کی پیٹھ دبا رہا تھا۔ بین النوم والیقظہ کی حالت ہوئی، اور سنا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تجھے چالیس دن بعد اجازت ہو گی، اس کے ٹھیک چالیس دن بعد حضرت نے بعد عصر فرمایا کہ اپنے عمامے لے آؤ، بھائی نے دو عمامے حاضر کیے، حضرت نے ہر دو کو اپنے پاس بٹھا کر اپنے دست مبارک سے باندھے۔ اس کے چند روز بعد بھائی صاحب

فرمایا، جانتے ہو، یہ کیسی دستار تھی، بھائی صاحب نے فرمایا، دستارِ فضیلت تھی، فرمایا نہیں، یہ دستار خلافت ہے، تم دونوں کو مجھ سے اجازت ہے، اس کے بعد کچھ عرصہ خدمت مین رہنا ہوا، مگر بہت جلد افتراق جسمانی کی نوبت آگئی، افسوس کہ اپنی تن پروری اور نفس پرستی ہمیشہ میدانِ عمل مین سدراہ ہوتی رہی جس کی بنا پر ناقص رہا، ورنہ نعماء الٰہیہ نے کبھی بخل نہ فرمایا، اور نہ حضرت مرشدی قدس سرہ العزیز کی توجہات اور حضرت شیخ الہند کی برکات نے اضافہ سے کوتاہی کی ؎

سود گشت از سجدۂ راہ بتان پیشانیم — چند برخود تہمتِ دینِ مسلمانی نہم

از نکتۂ مقصود نہ شد فہم حدیثے — لادین ولادنیا بیکار بماندیم

حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت مین اگرچہ زیادہ رہنا نصیب ہوا مگر باوجود ان کی توجہات کے اپنی نالائقیون نے گل کھلانے مین کمی نہ کی، غرضکہ مین اپنے اسلاف اور اکابر کرام کے لیے ننگ و عار ہی رہا، اور حضرات اہل چشت اور دیگر مشائخ اہل طریق کا صحیح معنون مین بدنام کرنے والا، تاہم مجھکو افضال خداوندی سے امیدین ہین کہ مثل سگ اصحاب کہف مجھکو اپنے اولیاء کرام سے فیوض سے مستفید ہونے کا موقع عنایت فرمائین گے، اور اپنے بھائیون سے امیدوار ہون کہ دعوات صالحہ اور توجہات و ہمم سے اس روسیاہ کی دستگیری فرمائین گے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۳۰۶ھ
(سلاسل طیبہ)

## مکتوب نمبر ۲

## سادات شیخوپورہ، مرزاپور، مادھوپور، ضلع سہارنپور وغیرہ کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، یادآوری کا شکرگذار ہون، میرے متعلق نسبی حیثیت سے سید ہونے کا انکار جن حضرات نے کیا ہے

وہ اس کے ذمہ دار ہیں، میں تو اپنے نام کے ساتھ سید لکھتا بھی نہیں ہوں، جس کی وجہ یہ ہے کہ مدار نجات نسب نہیں ہے، عمل ہے، اگر نسبی حیثیت سے کوئی اعلیٰ درجہ کا عالی نسب ہے مگر اعمال قبیح ہیں، تو مثل پسر نوح علیہ السلام کے راندۂ درگاہ خداوندی ہے، اور اگر چمار زادہ یا بھنگی زادہ ہے مگر وہ مسلمان متقی ہے، تو اس کی فوز و فلاح مثل حضرت بلال و صہیب رضوان اللہ علیہما ہے، میرے عمل اس ادعا کی اجازت نہیں دیتے، مجھکو شرم آتی ہے،

محترما۔ میں الہداد پور، قصبہ ٹانڈہ، ضلع فیض آباد کا باشندہ ہوں، الہ داد پور قصبہ ٹانڈہ کے بالکل متصل ہے، تقریباً چار سو برس یا اس سے زائد سے ہمارے خاندان کی جائے سکونت ہے، وہاں کے اطراف و جوانب میں ضلع سلطان پور، اعظم گڈھ اور ضلع فیض آباد کے دیہات اور قصبات میں صرف سادات اور بڑے ذات کے شیخ زادوں میں ہماری رشتہ داریاں صدیوں سے چلی آتی ہیں، ہمارا آبائی پیشہ زمینداری اور پیری مریدی ہے، شاہان دہلی مغلیہ خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے یا ان سے پہلے بادشاہوں نے ہمارے اعلیٰ مورثوں کو ۴۲ گانوں دیئے تھے، جن میں سے ۱۸۵۷ء تک ۱۳ باقی رہ گئے تھے، ۱۸۵۷ء میں ایک ہندو راجہ نے جس سے پہلے سے عداوت چلی آتی تھی، بڑوں کے انتقال اور بدعملی کی اشاعت کی وجہ سے سب پر قبضہ کرلیا، اور الہ داد پور لوٹ لیا، ہمارے قدیمی کاغذات وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا بے شمار خزانے اور غلہ اور سامان اس نے لوٹے جس کو وہ ایک مہینہ تک گاڑیوں میں منتقل کرتا رہا، اس کے حصار کے زمانہ میں عورتیں اور بچے بھیس بدل کر رشتہ داروں کے یہاں شہر ٹانڈہ کے بعض محلوں میں جو کہ ماموں بھتیجے پناہ گزین ہوگئے تھے، اور دوسرے لوگ بھی نوکروں اور رعایا کو چھوڑ کر منتشر ہوگئے تھے، بہرحال اگر کسی کو تفتیش کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد دور نہیں ہے، وہاں جاکر تفتیش کرکے حال معلوم کرسکتا ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد صرف دو گانوں ہمارے خاندان

کے پاس باقی رہ گئے تھے، جن مین والد مرحوم کا ایک آنہ آٹھ پائی تھا جس کو فروخت کرکے والد مرحوم نے حجاز کا قصد کیا تھا،

ہمارے مورثِ اعلیٰ جو کہ اللہ داد پور مین اولاً پہنچے ہین ان کا نام شاہ نور الحق قدس سرہ العزیز ہے، ان سے لیکر مجھ تک سترہ پشتین گذری ہین، سلسلہ حسب ذیل ہے،

حسین احمد بن سید حبیب اللہ بن سید پیر علی بن سید جہانگیر بخش بن شاہ نور اشرف بن شاہ مدن ابن شاہ محمد ماہ شاہی بن شاہ خیر اللہ بن شاہ صفت اللہ بن شاہ محب اللہ بن شاہ محمود بن شاہ لدھن ابن شاہ قلندر بن شاہ منور بن شاہ راجو بن شاہ عبد الواحد بن شاہ محمد زاہد بن شاہ نور الحق قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم،

یہانتک ہمارا شجرہ نسبی موجود ہے، اس کے بعد کا شجرۂ طریقت ہے، نسبی موجود نہین ہے شاہ نور الحق صاحب خلیفہ ہین شاہ داؤد چشتی کے وہ شاہ عناب الدین چشتی کے وہ شاہ نجم الدین چشتی کے، وہ شاہ ردمی چشتی کے وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہم اللہ تعالیٰ و قدس اسرارہم کے، اس کے بعد شجرہ مین وہی اسما بزرگان طریقت کے درج ہین جو حضرات خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام شجرون مین مذکور ہین،

ہمارے خاندان کے بڑے، میرے تایا، والد، ماموں، ماموں بر دو بھائی کے آبائی اور خاندانی مرید ضلع گونڈہ بستی گورکھپور، فیض آباد وغیرہ کے دیہات اور اطراف مین تھے اور اب تک چلے جاتے ہین، اکثر رشتہ دارون نے پیری مریدی چھوڑ دی ہے، مگر بعض بعض نے ابتک غربت کی وجہ سے اسی پر گذران کر رکھی ہے، اس مین شک نہین کہ اخیر ایام یعنی ۱۲۸۵ھ کے قریب ایام مین جہالت اور دنیاداری کا ہمارے خاندان پر غلبہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے ہماری نانی مرحومہ نے جو کہ خاندان ہی کی تھین، والد مرحوم پر زور دیا کہ تم کسی کامل سے بیعت ہو جاؤ، کیونکہ اب طریقت کی تعلیم اور

کمال خاندان مین باقی نہین رہا، چنانچہ ہمارے والدین ماجدین حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے، اور شرف حاضر بارگاہی حاصل کیا۔ بہرحال یہ احوال مختصر ہین، والحقیقۃ عند اللہ، محترما۔ اگر قبولیت عند اللہ نصیب ہو تو نجاح و فلاح ہے، ورنہ سب ہیچ ہے، اخبارون وغیرہ مین ایسے مضامین لانے کی ضرورت نہین، آپ کو ضرورت ہے کہ اپنی قوم کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ترقی دین۔ نسبی حیثیت سے غرور اور تکبر بے موقعہ پیدا ہوتا ہے وہ ترقی سے مانع ہو جاتا ہے، سادات پر تمام مسلمانون کی خدمت گذاری ضروری ہے نہ یہ کہ سادات تمام مسلمانون کو اپنا غلام سمجھین اور ان سے خدمت کی خواہش کرین، تذکرۃ الاولیاء مین ہے کہ ایک روز امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بغداد مین ایک بڑے مجمع کے سامنے فرمانے لگے کہ بھائیو تم مین سے جو روز قیامت . . . مین اللہ تعالیٰ بخش دے تو میری شفاعت کرنا، لوگون نے تعجب کیا، اور کہا کیا ہم آپ کی شفاعت کرین، حالانکہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ہین، تو فرمانے لگے کہ یہی چیز میرے لیے باعث بے چینی ہے، امت کے تمام مسلمان میرے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہین اور مین ان کے خاندان کا بچہ ہون، قاعدہ ہے کہ مہمانون کی خدمت گذاری خاندان کے چھوٹون پر ضروری ہوتی ہے، اگر وہ کوئی کوتاہی کرتا ہے تو صاحب خاندان بہت خفا ہوتا ہے، اور چھوٹون کی سرزنش کرتا ہے، اگر قیامت مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر مجھ سے سوال کیا کہ جعفر تم نے میرے مہمانون کی کیا خدمت کی تو مین شرم کی وجہ سے منہ نہ اٹھا سکون گا،

یہ ارشاد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا صحیح ہے اور سادات کے لیے نہایت عبرت کا فرمان ہے، مگر افسوس کہ ہم انتہائی غفلت مین مبتلا ہین، مین نے جب سے یہ ارشاد دیکھا ہے بہت فکرمند رہتا ہون، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے؛

ہمین فخر نسبی کا موقع صرف اسی وقت حاصل ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کی منفرت اور ہمارے آقا ولی نعمت نانا جان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔ اس سے پہلے یہ مفاخرت جہالت اور نادانی ہے،

سادات کا فرض سب سے زیادہ اور اولین ہے کہ آقائے نامدار علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کو زندہ اپنے عمل سے کرین، اور آپ کی سنتون پر نہایت مضبوطی سے چلین اور ہر امتی کا خواہ وہ کیسا ہی غریب اور جاہل اور چھوٹی ذات کا مسلمان ہو احترام کرین، اور اس کی خدمت گذاری کرین، وہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان اور بلایا ہوا مہمان ہے، امید وار ہون کہ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائین گے، اور واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دینگے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دار العلوم دیوبند

سہارنپور، ۱۳ ۶/۶۵ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲) ایک مجلس مین تذکرہ ہوا کہ امیر الہند مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم سید ہین یا نہین؟ اس مذاکرہ مین اسقدر شدت ہوئی کہ آپس مین رنجشین ہوگئین، بجواب عریضہ ہذا حضور اس سوال کا جواب عنایت فرمائین، ہم سب حضور والا کے دامن سے وابستہ ہین، مگر ہم مین سے بہت سے اہل سادات کسی دوسری قوم کو فخر خاندانی کی بناپر اپنا رہنما ماننے پر تیار نہین۔ مکتوب گرامی پر شرف صدور ہو کر باعث طمانیت ہوا کہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے آبا و اجداد رحمہم اللہ سید تھے، جیسا کہ شجرۂ مبارکہ سے ظاہر ہے، یہ مسلم ہے کہ اسلام نے نجات اور عزت حقیقی کی بنیاد محض تقوی پر رکھی ہے، اصل مین انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز و حقیر ہونا ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہین رکھتا، بلکہ جو شخص جسقدر نیک خصلت، مؤدب اور پرہیز گار ہوگا اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے، ضلالت کدۂ عرب کے اندر یہ وبا جس طرح پھیلی ہوئی تھی اس سے کون صاحب نظر ناواقف ہے، سارا عرب تفاخر بالانساب کا اکھاڑا بنا ہوا تھا، قبیلہ قبیلہ فخر نسب کی دکانین سجا سجا کر نقد عزت حاصل کر رہا تھا، لیکن جب

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱ پر)

# مکتوب نمبر ۳

## امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد وزیر معارف ہند کے نام

(۱) سیدنا المحترم لازالت معالیکم فی غایۃ من الارتقاء۔ آمین۔

غب اھداء السّلام والتحیۃ اللائقۃ المقام فالمعروض علی سیادتکم ان الداعی وصل سلہٹ فی الثالث من رمضان صباحًا من کل خیر وسلامۃ وحیث ان المواصلات السلکیۃ والکتابیۃ الی ھذہ الساعۃ منقطعۃ اقتضت الظروف والاحوال ارسال حامل العریضۃ الی جنابکم السامی فالمرجو من حسن الطافکم ان لاتغفلوا عن الاسعاف

بعد ہدیہ سلام مسنونکے خدمت اقدس میں عرض ہے کہ خاکسار ۳ رمضان المبارک کی صبح مع الخیر سلہٹ پہونچا۔ چونکہ برقیات ومراسلات کا سلسلہ منقطع ہے اسلیے حالات اس کے مقتضی ہوئے کہ حامل رقعہ کو جناب کی خدمت میں بھیجوں۔ مجھکو جناب والا کے حسن اخلاق سے امید ہے کہ میری درخواست پر توجہ فرمائیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱) جب حق وصداقت کی شعاعیں چمکیں تو فخر باطل کی ساری گھٹائیں چھٹ کر رہ گئیں، کیونکہ انسان کے لیے معیار شرف جوہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم وعمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایات پارینہ اور نسب فروشی کا غرور باطل، ہم کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں، نہ یہ کہ اپنی عزت کے لئے خاندان کے شرف رفتہ کے محتاج ہوں۔ البتہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ ومعزز گھرانے میں پیدا کردے، وہ ایک موہوب شرف وبزرگی ہے، کیونکہ جدید تحقیقات وانکشافات اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ بہت سی چیزیں موروثی طور پر اشخاص ورجال کے اندر پائی جاتی ہیں اور اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کردیتے ہیں، اس لیے جس شخص کو

(باقی حاشیہ ص ۱۲ پر)

| | |
|---|---|
| سیدی! منذ وردت هذه الدیار | سیدی! جب سے میں یہاں آیا ہوں برابر یہ شکایت |
| لم ازل اسمع الشکوی من جهة عدم تقرر | سنتا ہوں کہ صوبہ آسام میں اسلامی وزارت قائم |
| الوزارة الاسلامیة فی القطر الآسامی وانها | نہیں ہو رہی ہے جس کی وجہ سے اسلامی مفاد کو |
| تسبب ضیاع کثیر من الحقوق الاسلامیة | سخت نقصان پہنچ رہا ہے، وطن پرست اشخاص اور |
| فی هذه الدیار، وکل من یلقینی من الوطنیین | ارکان جمعیۃ مجھ سے اس بات کی شکایت کر رہے ہیں |
| وارباب الجمعیة یشتکی عن هذا الامر | اور مجھے اس کام کے لیے ترغیب دے رہے ہیں، لہذا |
| ویحضنی علی الاجتهاد والسعی حتی سئمت | جناب والا اس مہم کو انجام دینے کی طرف خصوصی توجہ |
| فلزم توجه عزائمکم الی هذا المهم الحالی۔ | فرمائیں، اس صوبہ کے باشندوں کو اس بات کی زبردست |
| اهل هذه الدیار یفوهون بالشدة ان | خواہش ہے کہ اس علاقہ میں مجالس تین ہوتی تھیں |
| الوزارة الاسلامیة فی هذا القطر تشتمل | پھر کیا بات ہے کہ حکومت اور زعماء قوم صرف ایک |

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱) حق تعالیٰ شرافت و نجابت حسب و نسب کی عزت سے سرفراز فرمائے، اسے بمقابل دوسروں کے اور بھی اصلاح اعمال و تزکیہ نفس و اخلاق حمیدہ کی طرف مائل ہونا چاہیے، خلاصہ یہ کہ عادت اللہ ہمیشہ سے یوں ہی جاری ہے کہ جس کو مرجع خلائق بنانا اور منصب ارشاد و اصلاح پر متمکن کرنا منظور ہوتا ہے اسکو اعزاز خاندانی اور شرافت نسبی سے بھی ممتاز فرمایا جاتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے اتباع میں عار و ننگ محسوس نہ ہو، اور ایسے شخص پر کسی کی وجاہت ظاہری کا بیجا اثر نہ ہونے پائے، گو قبول عند اللہ کے لیے شرافت نسب کی بالکل حاجت نہیں اور نہ اسلام نے اپنے نسب کو بدلنے کی اجازت دی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے کو سید، صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری اور علوی ظاہر کریں یہ گناہ ہے حضرت امام العصر کو حق تعالیٰ نے اگر ایک طرف عقل و فراست، علم و عمل اور خلعت امامت سے نوازا تو دوسری جانب شرافت نسبی اور وجاہت خاندانی سے مالامال کر دیا ع "یار ما این دارد و آن نیز ہم" اللہم صل علی محمد و علی آل محمد

علی ثلاثة مجالس فما بال الحکومة و
کبار الوطنیین یقتصرون علی مجلس واحد
فقط لا بد لهم من الاکمال. وان مولانا
محمد ابراهیم الجتولی ایضاً انشاء الله
یقوم لفرائض الحکومة بالجد التام
والحذاقة وان لم یکن ماهراً فی اللغة
الانکلیزیة، واما مولوی عبد الرشید
فتفحصت عن احواله فذکر من جهته
غایة الحذاقة فی جمیع الفرائض المفوضة
وکذا فی اللغة الانکلیزیة

المسئلة الثانیة مسئلة المهاجرین
الی آسام من سکان بنگال فانها انقلبت
مسئلة مهمة فالمرجو من افضالکم ان
تجعلوا فیها بان من نزل هذه الدیار
۱۹۳۸ء یترک ههنا ولا یخرج هذا
قد وجدت القلق والانزعاج من
هاتین المسئلتین فی السیاسة الموجودة
وههنا مسئلة ثالثة وهی انتخاب
المسلمین فی مناصب الحزب الوطنی

مجلس کے قیام پر اکتفا کر رہے ہیں، لیکن ان کو تینوں
پوری کرنی چاہیے اور مولانا محمد ابراہیم صاحب
اگرچہ انگریزی کے فاضل نہیں ہیں پھر بھی
انشاء اللہ اپنے کار منصبی کو پوری مہارت
اور انتہائی جد وجہد سے انجام دیں گے۔
لیکن جہاں تک میں نے مولانا عبد الرشید
صاحب کے حالات کی تحقیق کی موصوف
بڑے تجربہ کار اور انگریزی سے بھی کافی
واقف ہونے کی وجہ سے اپنے تمام فرائض کو
باحسن وجوہ انجام دے سکیں گے۔

دوسرا مسئلہ ان مہاجرین کا ہے جو بنگال چھوڑ کر
آسام آرہے ہیں، یہ مسئلہ نہایت اہم اور نازک
ہے، امید کہ جناب والا اس کو جلد از جلد حل فرمائیں گے
کہ جو شخص اس صوبہ میں ۱۹۳۸ء تک آکر
آباد ہو گیا ہے اس کو یہاں رہنے دینا چاہیے،
یہ دونوں سیاسی مسائل سخت تردد اور کشمکش کا
باعث ہیں، یہاں ایک تیسرا مسئلہ بھی ہے یعنی کانگرس
کے مندوبین کیلیے مسلمانوں کا انتخاب،
یہ مسئلہ بھی مسلمانوں کے لیے سخت پیچیدہ ہے،

| | |
|---|---|
| اعنی الکانگرس نانها عادت .... مسئلة | کیونکہ ابناء وطن مسلمانوں کو اس بات کا موقع |
| - - - - - - - - - | ہرگز نہ دیں گے کہ وہ کانگریس کے کسی |
| عویصة للمسلمین جدا فان ابناء | عہدہ پر فائز ہو اور نہ کوئی مسلمان کانگریس |
| الوطن لایترکون مسلما یفوز بمرتبة | کے ہائی کمان کا رکن ہو سکتا ہے، اگر کونسلوں |
| ما فی المجلس الوطنی ولا یترکونه منتدبا | میں مسلمانوں کی سیٹیں محفوظ نہ کی گئیں تو |
| فی المجلس الکبیر فان لم تصر المجالس | پھر مسلمانوں کا ان کونسلوں میں جانا ناممکن |
| محفوظة للمسلمین یکاد ینقطع دخولهم | ہو جائے گا............ |
| فیها ثم یا سیدی اطلب منکم السماح | .................. |
| فیما اجترأت فی اللیلة جعلکم الله | .................. |
| ملاذا للآمال والامانی سائر الایام | .................. |
| ما دمتم | .................. |
| محسوبکم | |
| حسین احمد غفرله بن بلدة سلهٹ فی | والسلام |
| ۹ رمضان المبارك ۱۳۶۵ھ | حسین احمد غفرلہ سلہٹ، ۹ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ |

## مکتوب نمبر ۴

### مولانا عبدالحق مدنی مدظلہ مسجد شاہی مراد آباد (یو-پی) کے نام،

الی الاخ المحترم زادت معالیه آمین السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

| | |
|---|---|
| اما ما وقع فی مسئلة الحجاز وابن سعود | مسئلہ حجاز اور ابن سعود کے بارے میں جو حالات |
| فنعم فهنا شرذمة تخالف النجدیین منهم من کان | پیش آگئے ہیں وہ یہ ہیں کہ ایک مختصر جماعت یہاں |
| مخالفا لهم لتوغله فی البدع واحتماله فی هذا | بھی ان کی مخالف ہے، بعض تو اس لیے کہ |

الامر بمظالمة التي وقعت في الطائف
وبما وقع من هدم القبب وغيرها
ومنهم من كان مستندا الى الشريف
ولم يكن يجد سبيلا لاظهار مضراته
والآن وجد لذالك طريقا فصار
يشيع بتلك المظالم والعقائد لرجوع
الناس الى الشريف وقد وقعت
المكاتبات بيني وبين بعضهم وانا
ارى انه لو اقيم هنالك الشيخ
السنوسي تنسد اكثر ابواب الفتن
والا فحكومة ابن سعود ايضا فيها
صلاحية لكثير من الامور السياسية
وان كان رايكم على خلاف ذالك انا
ارى ان سائر العربان مسروحهم
وغير مسروحهم من الوالم والهذيل
والهيثم وغيرهم حجازيهم وتهاميهم
يمنيهم ونجديهم وغيرهم يخافون
منه كالغنم من الذئب فلا يمكن
لشيء من هذه القبائل ان تطيل يدها

وہ غالی بدعتی ہیں، اور اس کے لیے انھوں نے
ان مظالم کو جو طائف میں ہوئے ہیں، اور جو
قبے وغیرہ ڈھائے گئے ہیں بہانہ بنا لیا ہے، کچھ
لوگ شریف حسین کے حامی ہیں جو اپنے خیالات کے
اظہار کا موقع نہیں پاتے تھے، اب ان کو موقع
مل گیا ہے، وہ لوگ نجدیوں کے ان مظالم اور
ان کے عقائد کی اشاعت اس لیے کرتے ہیں تاکہ
لوگ شریف حسین کی تائید کریں، ان حضرات میں
سے بعض سے خط وکتابت رہی، میرا خیال ہے
کہ اگر شیخ سنوسی کو وہاں کی سرداری دیدی جائے
تو اکثر فتنوں کے دروازے بند ہو جائیں گے
ورنہ پھر ابن سعود کی حکومت میں سیاسی معاملات
کے سلجھانے کی صلاحیت تو موجود ہی ہے،
اگرچہ آپ لوگ اس رائے کے مخالف ہیں،
میں تو دیکھتا ہوں کہ تمام عرب، بدوی، شہری
دالم، ہذیل، حجازی، تہامی، یمنی، نجدی وغیرہ
سب کے سب ابن سعود سے اس طرح ڈرتے ہیں
جیسے بکری بھیڑیے سے ڈرتی ہے، لہذا یہ قبائل
اب عرب پر ایسی دست درازی نہیں کر سکتے

على العرب كما كانت تعمل في حكومة
الشريف وكذالك السفهاء بمكة و
المدينة وعبيد الاشراف بل
الاشراف ايضاً لا يقدرون على
ان يوذوا احدا وكذالك ما كان في
المدينة المنورة من تعدد الحكام
وجريان الاحكام القرقوشية فيها
وميلان كل حاكم الى من طاوعه و
قدم له ما يشتهيه وتسلط العربان
والاولاد الحارة على الناس وكذالك
المصادرات الباهضة والجمارك
الثقيلة التي كانت على التجار واصحاب الاموال
وكذلك الحيل الباطلة التي كانت تصطاد
بها اموال الحجاج فيقدم البعض الى الشريف و
البعض الآخر لعماله والبعض للمطوفين وشيوخهم
وغير ذالك من الامور الشنيعة ارجو ان يحصل
لحكومته اصلاح الجميع مرة واحدة نعم اخاف انا
ايضا من تشدداتهم المتجاوزة من
الحد في الديانات ان يحصل منه ما لا خير

جیسے شریف حسین کے زمانہ میں کرتے تھے، اور
اب مکہ و مدینہ کے جہلا، اشراف اور اراذل بھی
کسی کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتے۔ اسی طرح اور
بہت سی خرابیاں نجدی نظام حکومت مین
دور ہوگئین، مثلاً مدینہ منورہ مین حکام کی کثرت
قرقوشی قوانین کا نفاذ، ہر حاکم کی بیجا حمایت اور
پاسداری ان اشخاص کی جو ان کی خوشامد اور
اطاعت کرتے تھے، بدوؤں اور محلہ کے لڑکون
کے لوگون پر مظالم، تاجرون اور سرمایہ دارون
پر محاصل اور ٹیکسوں کی بھرمار حجاج سے مختلف حیلون
سے رقمیں وصول کرنا، کچھ شریف کو دینا کچھ حاکمون
کو نذر کرنا، کچھ معلموں اور شیوخ کی جیب بھرنا،
میرا خیال ہے کہ ابن سعود کی حکومت ان تمام
خرابیون کو بیک وقت دور کردیگی۔ ہاں مجھے
اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ شرعی
مسائل اور احکام میں ان کی حدود
سے متجاوز زیادتیاں بہت سی خرابیاں
پیدا کریں گی، کیونکہ نجدیون مین اعتدال
پسندی نہیں ہے، بلکہ ان کا یہ طرز عمل لوگوں کو

فانهم لا توسط لديهم سيما عند
عامتهم وذالك يفرق قلوب الناس
فيختشى نفرة الاسلام الآفاقي، ويجد
بذالك اصحاب الاهواء سبيلا لتسويل
الكفار على الحرمين الشريفين اعاذنا
الله من ذالك، وكذالك يحصل به
مظالم على الناس كما وقع سالفا لدى
تسلطهم على الحجاز والحاصل ان السياسة
يرجى منهم فيها منافع واصلاحات
ولكن الديانة تجمع بين الحسن والقبيح
والتشديد غير مرضى لدى النبي عليه السلام
ومنتج مضار كثيرة۔ ثم الدولة
الانكليزية تريد القاء الفتن بين
المسلمين فلا اطمينان من جهة
على اخوانه اذا حصلوا ما يقويهم
كما يظهر من بعض الاخبار۔ والى
الله المشتكى۔

حسین احمد غفرلہ

اسلام سے متنفر کر دے گا، اور ہوا پرستوں
کو اس بات کا موقع دیگا کہ وہ کافروں کو
حرمین شریفین پر قبضہ کرنے کی ترغیب دیں
خدا اس فتنہ سے بچائے، اگر اغیار کا تسلط
حرم پر ہو گیا، تو لوگوں پر مظالم ہوں گے،
جیسا کہ اسکے قبل ان کے تسلط سے حجاز پر مصیبت
گذر چکی ہے، خلاصہ یہ کہ نجدیوں کی حکومت سے
سیاسی بنا پر بہت سے فوائد اور اصلاحات کی
توقع کیجا سکتی ہے، لیکن شرعی نقطۂ نظر سے
انکی حکومت میں خوبی بھی ہے اور برائی بھی، اور
سختی تو آنحضرت صلعم کے نزدیک غیر پسندیدہ چیز ہے
جس سے بہت سے مضر نتائج پیدا ہوتے ہیں،
علاوہ ازیں انگریزی حکومت مسلمانوں میں فتنہ
وفساد پیدا کرنا چاہتی ہے، اس لیے شریف اور
اور انکے بھائیوں کی طرف سے مجکو اطمینان نہیں ہے
جب کہ ان کو اقتدار حاصل ہوگا، جیسا کہ خبروں
سے پتہ چلتا ہے۔ والی اللہ المشتکی

حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۵

| | |
|---|---|
| (۱) لاشك ان الهند دار حرب | (۱) اس مین شک نہین کہ ہندوستان دارالحرب |
| بید ان حضرة مولانا النانوتوی | ہے، مگر حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ العزیز |
| قدس الله سره العزیز کان یری ان | کا خیال تھا کہ باشندگان بلاد اسلامیہ کے لیے |
| من کان سکان الدیار الاسلامیة بجاز له | جائز ہے کہ وہ ہندوستان مین داخل ہوکر سود |
| ان یدخل الهند و یاخذ من الحربین | اور جوئے سے کفارہ کا مال لے سکتے ہین بشرطیکہ |
| الاموال بالربوا والقمار، وامثال | اس مین تراضی طرفین ہو اور عہد شکنی نہ ہو، |
| ذالك مما فيه التراضي بغير نقض عهد | لیکن باشندگان ہند کے لیے جائز نہین ہے |
| واما القاطنون بالهند، فليس لهم ذالك | ان کا خیال تھا کہ اس معنی مین نص فقہی بھی ہے، |
| ويرى ان النص الفقهي معناه كذالك | چنانچہ اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے، |
| وله رسالة فی ذالك، واما | البتہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز |
| حضرت مولانا الگنگوهی قدس الله | کا خیال تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے مسلمان |
| سره العزیز فکان یری ان المسلمین | بھی انگریزون اور ہندون سے سود لے |
| القاطنین بالهند ایضا لهم ان یاخذ فی | سکتے ہین، لیکن عوام کی مصلحت کا لحاظ کرکے |
| من الانکلیز والهند وبید انه کان | اس فتوی کو شائع نہین کرتے تھے۔۔۔۔ |
| لایفتی بهذا الفتوی له صلحة | ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ |
| حفظ العوام | ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ |
| (۲) لاشك ان البنوك الرائجة | (۲) ہندوستان مین جو بنک قائم ہین ان سے |

بالهند بعضها للحربيين الحاربين
من اهل اوربا هولاء يدفعون
النقود الربوية لجماعتهم لتبشيرية
اعني البادريين لاشاعة المسيحية
اذا لم ياخذوا ارباب الاموال
الربوا عليها. وحيث ان عدم الاخذ
حينئذ اوجب مفسدة عظيمة افتى
ارباب الحل والعقد بوجوب اخذ الربوا
ثم صرفها على فقراء المسلمين تصدقا
او في غير هذا المحل حتى انها لو توخذ
ثم ترمى في البحر لهي خير من ابقائها
في البنوك. اما اخذ الربوا من
الهنود فالى الساعة اولئك متوقفون
لان اشاعة هذه المسئلة تودي الى
جريان الربوا بين المسلمين فان
عامة سكان الهند من المسلمين
هم فقراء يحتاجون الى الاستدانة
بالربوا.

بعض اہل یورپ کے ہیں جو اسلام کے مخالف
اور دشمن ہیں، یہ لوگ سود کی رقمیں پادریوں کو
عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ان کے تبلیغی مشن
کو دیتے ہیں، جبکہ سود کی رقموں کا مطالبہ
روپیہ جمع کرنے والے نہیں کرتے، اسلیے
سود کی رقم نہ لینا ایک بڑے فتنہ و فساد کا
سبب ہے، لہذا ارباب فتوی نے فیصلہ کیا
ہے کہ سود کی رقمیں ضرور لینا چاہیے، اور
بطور خیرات کے مساکین کو تقسیم کر دینی چاہیے
یا اور کہیں دیدینی چاہیے، بلکہ سمندر میں پھینک دینا
بنک میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے، البتہ ہندوؤں
سے سود لینے میں ابتک علماء کو تذبذب ہے
اس لیے اور بھی کہ اس مسئلہ کے رواج سے
سودی معاملہ مسلمانوں میں پھیل جائیگا
کیونکہ ہندوستان کے عام مسلمان
غریب ہیں، اور وہ سودی روپیہ قرض
لینے پر مجبور ہیں۔

واما الهنود فاولئك اصحاب

ہندو اکثر سرمایہ دار ہیں، ان کو سودی روپیہ

اموال طائلة لا يحتاجون الى الاستدانة
غالبا ومن احتاج منهم فاذا حصلت
الاشاعة لهذه الفتوى تكون ذريعة
للفساق من ارباب الدنيا من المسلمين
ان ينهبوا اموال الضعفاء منهم ويردوها
حلالا واما الان فنحن نقول للمسلمين
ان اخذ الربو واعطائها وكتابتها
وغير ذالك حرام فامتنعوا عنه
وقللوا مصاريفكم حتى لا تحتاجوا الى
الاستدانة. ونقول لهم لا تعينوا
باموالكم الطائلة اعداء اوطانكم من
الهنود او غير ذالك ههنا مصالح
عديدة مع ان الهنود بالديار الهندية
اسراء مثلنا، فان فى نظرى وضعية
القاطنين بالهند وضعية الاسير
بايدى اهل الحرب لان احوالنا
اشبه بالاسير وبناء عليه يحل لنا
من هولاء المحاربين كل شئ سوى الفروج
كما صرح به الفقهاء واذا تاملتم بنظر حكيم

لینے کی چندان ضرورت نہین ہے، اور
جب جواز سود کے فتوی کی اشاعت ہوگی
تو دنیا دار مسلمان غریب مسلمانون کے مال
کو لوٹ لین گے، کیونکہ مسلمان جائز سمجھکر
ان کو سود دین گے، ہم مسلمانون کو مشورہ
دیتے ہین کہ سود کا لین دین اور معاملہ حرام
سمجھین اور اس سے باز آئین اور اپنے اخراجات
کم کرین، تاکہ قرض لینے کی نوبت نہ آئے،
اور مسلمانون سے ہم یہ بھی کہتے ہین کہ تم اپنی
رقمون اور سرمایہ سے اپنے ہموطن ہندو
دشمنون وغیرہ کی مدد نہ کرو، اس کے علاوہ
سود نہ لینے مین اور بہت سے مصالح ہین
ہندوستان مین ہندو بھی مسلمانون کی طرح
انگریزون کے غلام ہین، میرے نزدیک
باشندگان ہند کی حیثیت ان قیدیون کی سی
ہے جو دشمنون کے ہاتھ مین گرفتار ہین، اور
ہماری حالت محض قیدیون جیسی ہے، اس
بنا پر ان دشمنون کی ہر چیز ہمارے لیے مباح ہے
سوائے عورتون کے جیسا کہ فقہا نے اسکی تشریح

| | |
|---|---|
| الامر وهل يحل من الهنود ام لا يحل | فرمائی ہے، غور کرنے پر یہ مسئلہ روشن ہو جائے گا، |
| تامل. وما قلتم ان دفع الفلوس | البتہ ہندوؤں کے ساتھ یہ برتاؤ جائز ہے یا نہیں |
| الى البنوك لا يحل لاعانة الكفار | قابل غور ہے، آپ کا یہ فرمانا کہ بنک میں رقم |
| فهو صحيح وذالك امر واقعي اجترأ | جمع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں دشمنوں |
| عليه ارباب الدنيا ومن لا مبالاة | کی مدد اور تائید ہوتی ہے، تو یہ بھی درست |
| في قلبه للدين بحيلة انه يخاف | ہے، اور واقعہ ہے کہ دنیا پرست لوگ بنک |
| على نقودة من السارق وارباب | ہی کی طرف رخ کرتے ہیں، اور وہی لوگ |
| الفساد وبان المال اذا كان في صندوقه | بنک میں روپیہ جمع کرتے ہیں جن کو دین و |
| لا يحصل له منفعة اصلا بخلافه | مذہب کی پابندی کا خیال نہیں ہے، اور یہ عذر کرتے |
| اذا كان في البنك ........ | ہیں کہ چوروں اور بدمعاشوں سے ہم کو خطرہ ہے |
| ........ | نیز جو روپیہ صندوق میں بند رہتا ہے اس سے |
| ........ | کوئی نفع نہیں حاصل ہوتا بخلاف بنک کے کہ اسمیں نفع ہے |
| (۳) طالعت في تفسير بيان القرآن | (۳) میں نے تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کیا، |
| فوجدت عبارة الموجودة هنالك | اس میں جو عبارت ہے اس سے آپ کا اعتراض |
| تندفع اعتراضكم فانه يقول ان ما | دور ہو جاتا ہے، کیونکہ مصنف کا قول ہے کہ جو رقم |
| وجب بعقد في حالة الكفر وفي | کسی معاملہ کے ذریعہ حالت کفر یا دار الحرب میں |
| الديار الحربية سواء كان العقد | واجب الادا ہوتی ہے، خواہ معاملہ جائز و ناجائز |
| حلالا او حراما يبقى بعد الاسلام | ہو وہ رقم اسلام لانے کے بعد اور دار کے بدل جانے |
| وبعد انقلاب الدار كذالك ولكن لي | کے بعد بھی واجب الادا ہوتی ہے، یہاں پر ایک |

ههنا وجه آخر للجواب لم اطمئن عليه
لبقاء بعض الخدشات وان اراد الله
واتضح اطلعكم عليه وينبغي ان
تتوجهوا الى جوانب المسئلة وغورها
لعله يظهر لكم وجه وجيه و
لا شك ان اباحنيفة رحمة الله تعالى
لا يقول بحل الربوا اصلا في وقت
ولا مكان وانما يقول لا ربو بين
المسلم والحربي ثمه فانه لم يره
ربوا ونفاه عن مصداق الربوا
لا انه قال بحل الربوا

والسلام حسين احمد غفرله

دوسرا جواب بھی ہے لیکن اس مین چند شکوک ہین اسلیے
اس کا مجھکو اطمینان نہین ہے، اگر خدا نے چاہا
اور مسئلہ کی مزید وضاحت ہوگئی تو جناب کو مطلع کرونگا
آپ خود مسئلہ پر غور کرتے رہین، شاید کوئی معقول
وجہ ذہن مین آجائے، اس مین شک نہین کہ
امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی جگہ کسی وقت بھی
سود لینا جائز نہین ہے لیکن امام صاحب کہتے ہین
کہ مسلم اور حربی مین سود کا وجود ہی نہیں ہوتا،
وہ یہ نہیں فرماتے کہ سود جائز ہے، بلکہ سود کی
اس معاملہ مین نفی کرتے ہین،

والسلام

حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۶

اخي المحترم! احب شي
الى الاجتماع بك في رمضان وغيره
ولكن ما يحصل به النفع للمسلمين
فاحب من كل شي ومن اجل ذالك
اخترت القيام بهذه الديار الشاسعة

برادر محترم! میری خواہش تو یہی ہے کہ
رمضان اور غیر رمضان مین ہم آپ یکجا رہین،
لیکن جس چیز سے مسلمانون کو فائدہ پہنچے وہ
میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے
اس لیے مین نے دور دراز ملک مین، قیام کرنا

| | |
|---|---|
| مع انی فی قلق الی المدینۃ المنورۃ | پسند کیا ہے، حالانکہ میرا دل مدینہ منورہ اور آنحضرت |
| وصاحبہا واہلہا واخوی | علیہ السلام اور مکان مدینہ اور برادران عزیز کی یاد میں |
| والسلام | بے چین رہتا ہے۔ والسلام |
| حسین احمد غفرلہ | حسین احمد غفرلہ |
| ۹ رشعبان سنہ ۱۳۳۳ھ | ۱۹ رشعبان سنہ ۱۳۳۳ھ |
| من تنسکیا - آسام | (آسام) |

# مکتوب نمبر ۷

| | |
|---|---|
| اخی المحترم! السیئۃ سیئۃ | بھائی جان! برائی بہرحال برائی ہے، خواہ |
| وان کانت من الآباء والامہات | اس کا صدور اور ارتکاب والدین کی طرف سے |
| نحن لا نحامی ابن سعود علی المعاصی | کیوں نہ ہو، ہم ابن سعود کی ناجائز حرکتوں اور |
| والقبائح فان کان الامر علی خلاف | گناہوں کی تائید نہیں کرتے۔ اگر باتیں ہماری |
| ما علمناہ فنحن براء منہ۔ ہٰذا | معلومات کے خلاف ہوں تو ہم اس سے بری |
| الشریف حسین مع شرفہ النسبی | ہیں، ہم تو شریف حسین کے باوجود شرافت نسبی کے |
| خالفناہ لمخالفۃ الاسلام فکیف | اسلام کی مخالفت کی وجہ سے مخالف تھے، پھر ہم |
| نرضی علی ابن سعود مع القبائح، غیر | ابن سعود کی خرابیوں کو کیوں پسند کرنے لگے، |
| ان بعض الشر اہون من بعض۔ الی | ہاں بعض برائی بعض سے نسبتۃً ہلکی ہوتی ہے، |
| الآن لم یظہر معیتہ مع الانکلیز | اب تک یہ بات صاف طور پر ظاہر نہیں ہوئی کہ ابن |
| واما المعاہدات التی انتی ذکرہا فی | سعود انگریزوں کے بھی خواہ ہیں جن معاہدات |

الجرائد فانها متعلق بالحدود وغيرها
مما لا محيص لاحد لديه حكومة
في هذه الاعصار. نعم يلزم ان ننظر
الى انه هل بغى على الحكومة الاسلامية
وهل اعان الكفار على الاسلام وهل
افنى المسلمين واموالهم واعراضهم
للكفار على الاسلام ..........
.......... وهل
سلم الديار الاسلامية بيد الكفار
وهل هتك الحرم المحترم وامثال
هذه الامور كما فعله الشريف من
قبل املا. فان كان الجواب في النفي
فكيف الاستواء.

اخي المحترم! ان اهل الحجاز
ومنهم اصحاب هذه المكاتيب
ينظرون الى العوائد الجارية في
الحجاز من القديم والى امور جزئية
وفرعية والى مصالحها الخاصة
بالجماعات والعوائل والى افعال

کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئی ہیں ان کا تعلق
حدود وغیرہ سے ہے جن سے کسی حکومت کو اس
زمانہ میں مفر نہیں ہے، البتہ ہم کو غور کرنا چاہیے کہ
انھوں نے اسلامی حکومت کی مخالفت تو نہیں
کی، اسلام کے خلاف کفار کی مدد تو نہیں کی، مسلمانوں
کی جان، مال، عزت اور آبرو کو کافروں پر قربان
تو نہیں کیا، بلاد اسلامیہ کو کافروں کے قبضہ میں تو
نہیں دیا، حرم محترم کی توہین تو نہیں کی، جیسا کہ ان
امور کا ارتکاب شریف حسین نے کیا تھا، اگر جواب
نفی میں ہے تو پھر شریف حسین اور ابن سعود
دونوں برابر کیسے ہوں گے.....

..........

..........

بھائی صاحب! اہل حجاز اور نامہ نگاروں
کی نظر میں وہ رسمیں اور عبادات جو پہلے
سے چلی آتی تھیں، حجاز کے موجودہ نظام حکومت
کی چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں اور اپنی جماعت
و خاندان کے مفاد، نجدیوں کی حرکتوں اور
ان کی زیادتیوں پر پڑتی ہیں، البتہ ارکان جمعیۃ

الجندیین والغلاة منهم واما ارباب الجمعیة والخلافة فینظرون الی اعمال الاجانب مع الاسلام وارادتهم وما یصدر منهم کل یوم ضد الاسلام والمسلمین وبناء علیه فیریدون العلقة والحمایة لکل من یحصل بسببه اعلاء کلمة الاسلام فلا یرون باسا فی حمایة النجم والامام یحیی و کل من یتفوه بلا اله الا الله ولسبب تفاوت مطامح الانظار اختلفت الافکار وعلی کل فلا نرضی الا بما یرضی الله ورسوله.

اخی المکرم! انت اعلم باحوال غالب الکبار من الحجازیین انهم یمسحون الجوخ ویاتون الناس بوجهین ویقدمون منافعهم الخاصة علی التابعة بل علی الدین والشرع و المال اغلی لدیهم من کل شیء

وخلافت تو صرف اغیار کی نقل وحرکت پر غور کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے خلاف کیا کارروائی کر رہے ہیں، ان کے منصوبے کیا ہیں، اور اسلام کے خلاف روزانہ انکی کوشش کیا رہتی ہے، اس لیے ارکان جمعیۃ ان لوگوں کی حمایت اور تائید کرتے ہیں، جن سے اسلام کی شان بلند ہوتی ہے، پس ان کے نزدیک ایران اور امام یحیی اور ہر کلمہ گو کی تائید کرنا درست ہے، خواہ ان کے اغراض ومقاصد اور مصالح میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو، بہرحال جو چیز اللہ ورسول کو پسند ہے وہی ہم کو بھی محبوب ہے،

برادر مکرم! آپ کو حجاز کے امرا کا حال معلوم ہے، وہ اونی اور بانات کے کپڑوں پر مسح کرتے ہیں، اور لوگوں سے دورخی باتیں کرتے ہیں، ذاتی اغراض کو قومی مفاد بلکہ اسلام اور شریعت پر ترجیح دیتے ہیں، مال ان کے نزدیک سب سے بڑی قیمتی چیز ہے،

| | |
|---|---|
| اذا ما الناس جربهم لبیب | اگر کسی عقلمند نے لوگون کے معاملات کا تجربہ |
| فانی قد اکلتهم و ذاقنا | کیا ہے تو مین بھی لوگوں کو چکھ کر اور کھا کر تجربہ کیا ہے۔ |
| فلم ار ودّهم الا خداعا | میرا تو یہی تجربہ ہے کہ لوگون کی دوستی مکروفریب |
| ولم ار دینهم الا نفاقا | ہے، اور ان کی دینداری ریا اور نفاق ہے، |

والسلام۔ حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۹

| | |
|---|---|
| امتثالا لامرکم کتبت الی | آپ کے ارشاد کے مطابق صوفی کو خط لکھا، اور |
| الصوفی...... ولم اقصر فی التاکید | تاکید مزید کردی، لیکن مجھکو آپ کی سادہ لوحی |
| ولکنی فی خصومة من ساذجیتک و | اور آپکے عدم تدبر پر افسوس ہوتا ہی آپ ذیل کے |
| عدم تدبرک الامور، الا تنظر | مسائل سامنے رکھکر حجاز کے معاملات اور حالات |
| فی احوال الحجاز الیوم من وجوہ (اول) | پر غور کرین، (۱) نجدیون کے کامون، نماز، امامت |
| ما ظهر من فساد اعمال النجدیین و | تعلیم، انتظامی امور وغیرہ مین خرابیان |
| الصلوات والامامات والتدریسات | پیدا ہو چکی ہین، (۲) ابن سعود اور انکی حکومت |
| والامور النظامیة وغیرها (الثانی) | کے خلاف جن لوگون نے تنظیم قائم کی ان علمار |
| ما ظهر القبض علی کثیر من الائمة و | خطبار اور ائمہ کو گورنمنٹ نے قید کرلیا، |
| الخطباء والعلماء لتشکیلهم مؤامرة | ان لوگون کی تعداد تقریباً پچاس سے زائد |
| خلاف ابن سعود وحکومته وان الذین | ہے، بغاوت اور جاسوسی کا الزام رکھکران پر |
| یبلغ عددهم عن خمسین نفرا ابید عوی | مقدمہ چلانے کے لیے نجد مین بھیجدیا ہے، |

| البغاوة واخبار الجواسيس حبسوا | یہ تو حج کے وقت کا قصہ ہے، اس کے بعد |
| --- | --- |
| ونفوا الى بلاد نجد للمحاكمة وهذا | کیا نہ معلوم کیا ہوگا، (۳) نجدی انتظامات |
| فى الموسم فلا ندرى ماذا يحصل | سیاست میں روز بروز بموقع سختی، ابریت |
| بعد الموسم۔ (الثالث) ان السياسة | ابتری، انتشار اور تشدد بڑھتا جاتا ہے، |
| يوما فيوما تزداد اختلافا وهجية | انجام کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے، ... |
| وتشددا والله اعلم الى ما ينفى الحال۔ | ........... |
| (الرابع) قلة الحيل والاسباب للمحاصل | (۴) اسباب و ذرائع معاش کی قلت کیا |
| هنالك وهل يكفيك لقيام المدينة | قیام مدینہ منورہ کے لیے تیس روپئے |
| المنورة ثلثون ربية۔ (الخامس) عدم | کافی ہوں گے؟ (۵) تعلیم اور درسی کتابوں |
| الحرية فى التعليم والكتب الدرسية | کے پڑھانے میں آزادی نہیں ہے، علماء |
| وان العلماء قد الجئوا على ان يحضروا | مجبور ہیں کہ وہ نجدی علماء کی مجلسوں میں |
| حلقة عالمهم ولا يتكلموا فى المباحث | شرکت کریں اور بحث و تحقیق میں حصہ نہ |
| ومثل هذه امور ما كنا نظن انها | لیں۔ ان انقلابات کی خبر نہ تھی کہ وہ |
| تحصل وكلما تمضى الايام يظهر لنا | ظہور پذیر ہوں گے۔ آیندہ جتنا زمانہ |
| امور تقشعر منها الجلود فاذا جئنا | گذرتا جا رہا ہے ایسے حوادثات پیش |
| هنالك فاما سكتنا على التشديدات | آرہے ہیں کہ آپ لرزہ بر اندام ہو جائیں۔ |
| والتكفيرات والبدع فكفى به فتنة | اگر ہم مدینہ منورہ آئیں تو یا ان کے بیجا تشدد |
| فى الدين وان تكلمنا نمنع عن المقام | تکفیروں اور بدعتوں پر چشم پوشی کریں تو اسی سے |
| الجناوى كفى به فتنة فى الدنيا | ہماری دیانتداری میں فرق آگیا یا اگر بیٹھ |

مع ان الحجازيين اقل انتفاعا فى القوة
العملية والتاثر فيهم عديم تقريبا
كما هو معلوم لديك الا ما شاء الله
بخلاف الهند وامثالها - يغلب على
اهل تلك الديار محبة الدنيا
ويضحون لها كل شئ وانما المقصد
رضوان الله عز وجل ورضاء رسوله
عليه السلام وخدمة الدين
فاينما حصل ذا المقصد فهو المراد
ولذلك فارقت الصحابة والاتباع
رضوان الله اجمعين المدينة المنورة
مع شدة محبتهم بالمدينة المنورة
وبصاحبها عليه الصلوٰة والسلام
وعلى الاقل يلزم علينا ان نصبر
اياما حتى يتبين لنا ان الجمل على اى
شق يبرك وعلى اى منوال ينسج الثوب

والسلام

حسین احمد غفرلہ

ان پر چون وچرا کریں تو دنیاوی فساد اور پریشانی
میں گرفتار ہوں، نیز اہل حجاز کی قوت عملیہ
مردہ اور بے حس ہو چکی ہے، ان میں کسی تحریک اور
اصلاح کے قبول کرنے کی صلاحیت مفقود ہے،
جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، الا ماشاء اللہ - یہ حال ہندوستان
اور دیگر ممالک کا نہیں ہے، ان عربی ممالک
کے باشندوں پر حب دنیا غالب ہے، دنیا
کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں،
ہمارے پیش نظر خدا اور رسول کی خوشنودی
حاصل کرنا اور دین کی خدمت کرنا ہے، جہاں
بھی یہ مقصد حاصل ہو، ہم کامیاب ہیں -
اسی خدمت دین کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم
وتابعین کرام نے باوجود حب رسول ومحبت
مدینہ کے مدینہ منورہ کو چھوڑا، بہرکیف ہمارا
فرض ہے کہ کچھ دنوں صبر کرکے دیکھیں کہ
اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اور کپڑا کس طرز پر بنا جاتا ہے،

والسلام

حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۹

اظن انكم اتممتم امر الارث و
انفصلت القضية مع الشيخ ..... وانا
اتعجب عنكم كيف خفيت عليكم الفريضة
فان المسئلة لا هي ردية ولا عائلة
فان النصف لكم والثلث للام والسدس
للشيخ ...... فان اولاد الام لا يحرمون
مع وجود الام وهذا من الشواذ التي
يرث فيها الفرع مع وجود من يتدلى
به والاحسن في التقسيم بالقيمة بما
يحكم به ذو بصيرة وتراضيتم به
نعم الفاظكم تدل على شدة الحيرة
والاندهاش وهذا مما لا يليق بكم
انما الرجل جبل لا يحركه شي من
العواصف ولا يزول عن مكانه ببا
لزلازل! يا اخي كن صبورا قوي القلب
ماضي العزيمة متجلدا مستقل المزاج
كما هو ديدن الرجال

میرا خیال ہے کہ میراث کا معاملہ آپنے طے کر لیا
ہوگا، اور معاملہ فلان صاحب سے نپٹ گیا ہوگا۔
مجھکو تعجب ہے کہ یہ میراث کا مسئلہ آپ کی سمجھ
مین کیون نہین آیا، یہ مسئلہ نہ تو اس مین رد آتا ہے
نہ عول ہے، نصف آپ کا اور سدس فلان کا ہوا
اخیافی بھائی ان کی موجودگی مین محروم نہین ہوتے، یہ
شاذ اصول ہے جس مین وہ شخص بھی وارث
ہوتا ہے جس کی اصل موجود ہے جس کی وجہ سے ذ
مورث کی ذات منسوب ہے، بہتر تو یہی ہے کہ قیمت
جو صاحب بصیرۃ لوگ تعیین کردین اسی معیار پر
میراث تقسیم کیجائے، آپ لوگ باہمی رضامندی سے
معاملہ طے کرلین، آپکے خط سے آپ کی پریشانی کا
اظہار ہوتا ہے، یہ آپ جیسے شخص کےلیے زیبا
نہیں ہے، انسان پہاڑ کی طرح مستحکم ہو جسے نہ طوفان
جنبش دے سکے نہ زلزلہ ہلا سکے، میرے بھائی!
دل کو مضبوط، ارادہ کو مستحکم اور طبیعت کو مستقل مزاج
بنایئے جیسا کہ اولوالعزم ہستیون کا شیوہ ہے۔

| | |
|---|---|
| اما شغفك بالسلوك فنعم القصد عسى | آپ کو تصوف سے شغف ہے، اچھا شغل |
| الله ان يوفقك لما يحبه ويرضاه | ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی خوشنودی و محبت |
| ولا يتوقف على الصحبة ولعلك ان تقصدت | عطا فرمائے، یہ کچھ میرے ساتھ رہنے پر موقوف |
| تستفيدن على المهمات من ذالك في ديوبند | نہیں ہے، اگر آپ کی خواہش ہے تو دیوبند قیام |
| ان الاقامة لدي هذا العاجز فلا يجدي | فرما کر ضروری مسائل اور مقامات حاصل کر سکتے |
| نفعا لقلة بضاعتي وخلو جرابي مع | ہیں، مجھ خاکسار کے ساتھ رہنا چنداں مفید |
| انانيه من كثرة الاشغال وهجوم الافكار | نہیں ہے کیونکہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی |
| وتوالي الاسفار وبعد الاقطار وضعف | کے ساتھ مشاغل اور اذکار کا ہجوم ہے، مسلسل |
| الهمة وجمود الطبيعة وخمود القريحة | طویل سفر میں زندگی بسر ہوتی ہے، طبیعت مردہ |
| وعسى الله ان يهديكم سبيل الرشاد | اور دل افسردہ ہے، خوشی باقی نہیں، اللہ تعالیٰ |
| وان مولانا محمد صديق صاحب | آپ کو سیدھے راستے کی توفیق دے، مولانا محمد صدیق |
| المرادابادي مخزن كل خير نعم سواه | صاحب مرادابادی مجمع کمالات ہیں، انکے علاوہ |
| مولانا خليل احمد صاحب ومولانا المفتي | مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا مفتی عزیز الرحمن |
| عزيز الرحمن صاحب واما عدم ميلكم | صاحب گرامی قدر ہستیاں ہیں، اگر آپ کا میلان |
| الى مولانا اشرف علي صاحب فاراكم | طبع مولانا اشرف علی صاحب کی طرف نہیں ہے |
| مخطئين فيه [1] والسلام | تو میرے خیال میں یہ آپ کی غلطی ہے۔ والسلام |
| حسين احمد غفرله | حسین احمد غفرلہ |
| ٢٥ ذي القعدة ١٣٣٣هـ | ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ |

[1] اس مکتوب سے حضرت امام العصر کے وسعت ظرف کا اندازہ ہوتا ہے۔

# مکتوب نمبر ۱۰

امسی الیوم تاریخ ۲۶ شوال سنہ ۱۳۴۳ھ
وصلنی مکتوبکم المنیف فی دهلی فساءنی
مضمونه جدا - انا لله وانا الیه راجعون -
عظم الله اجرکم وغفر میتکم وخلفکم
بخیر آمین - اخی المحترم هذه الغربة
وهذه الاحزان مکدرة جدا کان الله بکم
اینما کنتم - ما نزل بکم فانزله الله
عزوجل وکن صبورا شاکرا فلله ما اخذ
وما اعطی وان الدنیا سجن للمومن جنة
للکافر
اما قولکم ان اصلاح الباطن مع
الاشتغال بالزوجة لا یمکن فلا اکاد
اسلمه فان الجماع یصفی القلب ویزیل
الکدورات الروحیة - وقد قال
شارح کتاب القاضی عیاض رحمهما الله
تعالی کل شهوة تسود القلب الا الجماع
فانه یزید صفاء - نعم ان التکثرات

۲۶ شوال ۱۳۴۳ھ کی شام کو آپ کا گرامی نامہ
دہلی میں موصول ہوا، مضمون پڑھکر افسوس ہوا،
انا للہ الخ اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے،
مرحوم کی مغفرت فرمائے اور آپ کو امان میں رکھے،
آمین - برادرم یہ غربت اور رنج والم بہت پریشانی کا
باعث ہیں، خدا آپ کا محافظ رہے جہاں بھی آپ
رہیں، یہ مصیبت اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے
آپ صبر وشکر سے کام لیں، اللہ ہی دیتا ہے
اور اللہ ہی لیتا ہے، دنیا مومن کے لئے زندان
اور کافر کے لیے باغ جنت ہے،
آپ کا فرمانا کہ زن وشو کے تعلقات کیساتھ
اصلاح نفس محال ہے میں اس کو تسلیم نہیں کرتا،
کیونکہ بیوی کے ساتھ خلوت بھی قلب کو صفا اور
روح کو جلا دیتی ہے، کتاب قاضی عیاض کے شارح
نے کہا ہے کہ ہر شہوت دل کو زنگ آلود کرتی ہے
سوائے خلوت صحیحہ بیوی کے ساتھ، کیونکہ اس سے
تجلی باطن ہوتی ہے، ہاں فکر معاش اور

| | |
|---|---|
| المعاشیۃ قد تمنع عن التفرغ لاصلاح | نفس مین رکاوٹ پیدا کرتی ہے، لیکن جو تجرد پر |
| الباطن فمن لا یقدر علی التجرد فلا | قادر نہ ہو تو لا محالہ اس کو شادی اور باطنی اصلاح |
| محیص لہ عن التزوج والاشتغال | کے کام دونون ہی سے دو رہونا پڑے گا، |
| باطنہ[۱]۔ والسلام | والسلام |
| حسین احمد غفر لہ، دہلی | حسین احمد غفرلہ، دہلی |

[۱] حضرت امام العصر کا تصوف سلوک بالنبوت ہے، رہبانیت اور تبتل احسان کے منافی ہی، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ ابن ماجہ مین ہی من اراد ان یلقی اللہ طاھرا مطھرا فلیتزوج الحرائر۔ تصوف اور سلوک کا مقصد اس کے سوا کیا ہے کہ آدمی کی نظر اور فرج دونون اس کے قابو مین ہو، یہ بدون بیوی کے ناممکن ہے، کیونکہ حدیث مشہور کی بنا پر یہی دونون چیزین گناہون کا سرچشمہ بھی ہین، اور اسی کی حفاظت جنت کی ضمانت بھی ہے، تا کہ آدمی اللہ سے پاک وصاف ہو کر ملے، اس راہ مین شادی اور بیوی دونون مددگار ہین نہ کہ اصلاح نفس کے مخالف چنانچہ جالینوس نے کتاب حفظ الصحۃ کے اندر تصریح کی ہے کہ بیوی سے اختلاط مخصوص حد اعتدال کے ساتھ حفظ صحت کے اسباب مین قوی سبب اور بہت سے امراض کی شفا ہے، اکامل الصناعۃ مین ہے ان الجماع داخل فی باب الاستفراغات الطبیعیہ اذ کان خروج المنی احد الاستفراغات التی یحتاج الیھا فی حفظ الصحۃ، نیز قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مزید تائید حافظ ابن قیمؒ نے الطب النبوی مین شرح وبسط سے کی ہے، لہذا جو چیز حفظ صحت کا ذریعہ اور صفاء باطن کا سبب ہو اس کو ترک کر کے سالک اور صوفی ہونا تو بڑی چیز ہے بھلا آدمی نہین ہو سکتا ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا　　　　توان رفت جز بر پئے مصطفیٰ

# مکتوب نمبر ۱۱

(۱) نعم ان یشترط ان یکون جهرا واقله ان یکون بصوت یسمع نفسه - وان یخرج لفظ لا اله من القلب جاریا الی منکبه الایمن محضرا انه اخرج من قلبه کل معبود ومحبوب والقاه وراء ظهره وان یضرب بلفظ الا اللہ فی القلب مثبتا معبودیته ومحبوبیته فقط وان یکون لدی الذکر متوجها الی القبلة متربعا او کجلسة الصلوٰة وان یتوجه بقلبه الی المعنی مفرغا نفسه عن الخطرات واحادیث النفس مهما استطاع ولا یصلح له ان یترک الذکر اساسا ان عسر بعض ذالک وینبغی ان یحسن الصوت بالذکر ویقوی الضرب علی القلب لدی الاثبات

(۱) ہاں شرط یہ ہے کہ آواز بلند ہو یا کم از کم اتنا بلند آواز کہ خود سن سکے۔ لفظ لا الٰہ کو دل سے نکالے اور داہنے کندھے کی طرف منہ کو کھینچ لائے یہ اظہار کرتے ہوئے گویا اس نے ہر معبود، ہر محبوب چیز کو سینے سے نکال کر پھینک دیا اور الا اللہ کو دل پر زور دیکر ضرب لگائے، اور اس کی محبوبیت اور معبودیت پر زور دیتے ہوئے، ذکر کے وقت قبلہ رو بیٹھے، خواہ چارزانو خواہ بحالت صلوٰۃ کا قعود ہو، دل کو حقیقت مقصود کی طرف متوجہ کرے ہر قسم کے وسوسے، خیالات وافکار سے دل کو پاک رکھے، اور اس طرح ضرب لگانے میں تکلیف محسوس کرے تو تکلیف کے خیال سے بالکل ذکر کرنا موقوف نہ کرے، بہتر یہ ہے کہ خوش آوازی سے ذکر کرے اور اثبات، توحید کے وقت ضرب اپنا دل پر زور دار لگائے۔

(۲) نعم یجب الجهر ولکن بحیث لا یوذی احدا۔

(۳) قد علم سابقا

(۴) نعم دافع الخطرات وقطع احادیث النفس بالخصوص فان برزخ الشیخ له تاثیر عجیب بغیر ان یکون للشیخ علم بذالک اوارادۃ لایصال المنافع للمرید وتوجه الیه وذالک من الامور الفطریة التی جعل الله تعالیٰ ذریعة قویة لدفع آثار الشیطان ومیزابا قویا لجلب برکات الله عزوجل وحیث ان العامة تتزلق اقدامهم فی هذا المیدان فبناء علیه حکماء الامة یحتاطون فیه فان له مساغ شرعی وثبوت من السنه وطریقه ان یتوجه الی برزخ الشیخ فتصوره فی صورته التی کان فی الدنیا لدیه یمینا اوقدامه او فی بلدۃ الشیخ ومکانه ثم

(۲) ہاں ذکر جہری بہتر ہے، بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچے؛

(۳) پہلے معلوم ہو چکا ہے،

(۴) تصور شیخ وسوسہ اور پریشان خیالات سے بچاتا ہے، تصور شیخ سے عجیب وغریب کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور شیخ کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور نہ وہ مرید کو کوئی تعلیم یا نفع پہنچانا چاہتا، نہ اس کی توجہ مرید کی طرف ہوتی ہے بلکہ یہ فطری موثرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ شیطانی وسوسوں سے بچنے کا ذریعہ بنایا ہے، اور برکات یزدانی کے نزول کا باعث گردانا ہے، چونکہ عوام الناس کے قدم اس راہ میں لغزش کرتے ہیں اس لیے حکمائے امت اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لیا ہے، ورنہ شرعاً اس کی اجازت اور روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ وہ شیخ کی زندگی کو اپنے داہنے یا سامنے تصور کرے، یا اس کے مکان اور شہر میں تصور کرے، اور ذکر کی طرف

يتوجه به الذكر متخيلا الى مشتغل
بالذكر بما تعلمني الشيخ بين يديه
وفي مجلسه

(٥) قد علم سابقا غير مرة في
ابتداء الامر لا ينبغي للطالب ان
يتشوش بالخطرات واحاديث النفس
فيترك الذكر بل على الرغم من كل
ذلك يجري على ذكره - ولقراءة القرآن
في آخر الليل في اثناء الصلاة تاثير قوي
في تصفية القلب سيما اذا كانت القراءة
طويلة بتدبر وامعان

(٦) لا يترك شيئا عند الخيالات
ينبغي ان ياتي بمعمولاته من الذكر والصلاة
والتلاوة مستعيذا بالله من الشيطان
الرجيم، ومعتذرا الى الله عز وجل
بحضور القلب انك تدري اني لم
اعمل بهذه القصد ولا فرق في
ذلك بين ما لا تزيد بلا انقطاع و
من يحصل له الانقطاع احيانا نعم

اس طرح متوجہ ہو کر اپنے دل میں یہ تصور کرے
کہ میں ذکر میں اسی طرح مشغول ہوں جس طرح شیخ کے
سامنے اسکے بتائے ہوئے اصول کے مطابق ذکر کرتا تھا،

(۵) پہلے معلوم ہو چکا ہے، کہ مرید کو ابتدائی
منزلوں میں خطرات، وسوسوں اور پریشان کن خیالات
سے دلگیر نہ ہونا چاہیے، نہ اس سے گھبرا کر
ذکر کو ترک کرنا چاہیے، بلکہ حسب معمول ذکر میں
مشغول رہے، (بالخصوص) آخری شب میں نماز کے
اندر قرآن کی تلاوت کرنا تزکیۂ قلب کے لیے
سب سے مفید اور موثر ہے، خصوصاً اس وقت
جبکہ قرأت لمبی اور تفکر و تدبر کے ساتھ ہو،

(۶) خیالات سے گھبرا کر وظائف کو ترک نہ کیجئے
نماز، ذکر، تلاوت اور وظائف حسب معمول ادا
کرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ سے شیطانی وساوس سے
پناہ مانگتا رہے اور ساتھ ہی صمیم قلب سے بارگاہ ایزدی
میں معافی و معذرت بھی کرتا رہے اور کہتا رہے کہ اے
اللہ میں دنیاوی اغراض کے لیے یہ نیک عمل نہیں
کر رہا ہوں، اور وسوسوں کا آنا تو ہر شخص کیلئے لازمی ہے
اس کام پر مواظبت کر لے اور اس شخص میں کوئی فرق نہیں

| | |
|---|---|
| يريد من تفريغ نفسه واصلاحها عن الريا | جس سے کبھی کبھی رہجاتا ہے، البتہ یہ بات مذموم ہے |
| بالمرة بغير قطع العمل فقد قال | کہ ان اعمال کو مطلقاً چھوڑ دے اور انکو کرتے ہوئے |
| السلف ان ترك العمل لمخافة الرياء | ریاء وغیرہ سے اپنا تزکیہ ذکر کرتا جائے، کیونکہ سلف نے |
| ايضا ترك | فرمایا ہے ریا کے خوف سے عمل کا ترک کرنا بھی ترک ہے |
| (۷) الاحسن ان تكون الرواتب للذكر | (۷) نیز یہ اشغال با وضو ایسے مقام میں ادا کیے |
| بوضوء وفي مكان يتفرغ القلب للحضور | جائیں جہاں سکون قلب حاصل ہو، اگر ایسے |
| وان فات ذالك فياتي كيفما امكن ولا | مواقع حاصل نہ ہو سکیں تو جیسے بھی ممکن ہو عمل کرنا |
| يترك رأسا | چاہیے، قطعی ترک بہتر نہیں ہے، |
| اخي لا تترك شيئا بالخطرات | میرے بھائی! وسوسوں اور پریشان خیالات |
| والوساوس وهذه الخشية ترجى ان | کی بنا پر کوئی وظیفہ ترک نہ کرو، کبھی کبھی یہ خوف وسواس |
| تكون حسنة مطلوبة الا ترى الى | نیک نتائج کا پیش خیمہ اور سبب بنتے ہیں، جیسا کہ |
| قوله تعالى وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا | آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نیک لوگ نیک کام |
| وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ الآية۔ فان الغرور | کرتے بھی جاتے ہیں اور دل میں ڈرتے بھی رہتے ہیں" |
| والاعتماد على شيء من العبادة مما يخشى | کیونکہ عبادت پر اعتماد اور گھمنڈ کرنا خطرناک ہے، اللہ |
| عليه جدا۔ اعاذنا الله واياكم من | تعالیٰ ہم سب کو ایسے کاموں سے بچائے جو اسے ناپسند |
| كل ما لا يرضيه او يحبط العبادة۔ | ہوں یا حبط عمل کا باعث ہوں، |
| والسلام | والسلام |
| حسين احمد غفر له | حسین احمد غفرلہٗ |

حاشیہ مکتوب ۱۱ تصوف شیخ یا امام العصر کا مفصل والا نامہ راقم الحروف کے نام آگے آئے گا،

# مکتوب نمبر ۱۲

وقد جاء فی النوتس من الدجاجلة ان سبب التسجین هو انك ترید تدمیر الحكومة الموجودة القانونیة وتسعی فی عوائق الحرب فاجبت عن ذالك ان الحریة من فرائض الانسانیة عند العالم اجمعهم وقد اقربت بفرضیتها الحكومة ایضا- وهذه عقیدتی وسعیی، ولكنی لا اری الفتن والتشدد فی هذا السبیل ولم ات بعمل فی عوائق الحربیة، ومن اخبركم بذالك فهو كاذب فلا بد من اطلاق سراحی عجلة- فلم یات جواب بعد هذا والامور بید الله-

هذا والسلام ختام

حسین احمد غفرله

انگریز دجالوں کی طرف سے میرے پاس نوٹس آیا ہے کہ تمہاری گرفتاری کا سبب یہ ہے کہ تم موجودہ آئین پسند حکومت کی بیخکنی کرنا چاہتے ہو، اور جنگی کارروائیوں میں رکاوٹ پیدا کرتے ہو، میں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اقوام عالم کے نزدیک آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے، اور حکومت بھی اس فریضہ کو تسلیم کرتی ہے چنانچہ اسی پیدائشی حق کے لیے میری تگ و دو اور تحریک ہے لیکن میں اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ہنگامہ اور زیادتی کو پسند نہیں کرتا۔ اور نہ میں نے جنگی کارروائیوں میں رکاوٹ و مداخلت کی ہے جس نے خبر دی وہ جھوٹا ہے لہذا مجھکو فوراً رہا کرنا چاہیے اگرچہ اب تک جواب نہیں آیا، اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

والسلام

حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۱۴۲

تشرفت بخطابکم المفصل الذی ارسلتم من بمبئی فشکرت اللہ علی صحتکم وعلی وصول المکتوب وعلی فوزکم فی الخطبات، واما ما افدتم به فی السلوک فسررت به جدا حیث لم اکن اتذکر کثیرا مما ذکرتموہ فمن الواجب الآن التمرین فی التنفس حتی یکون مجری الذکر بالطبع وغیر القصد ای اذا دخل النفس فتحدث لفظة الجلالة واذا اخرج فلفظة ھو بغیر ادنیٰ حرکة اللسان او الشفة و بغیر الصوت فتمرنوا به فی اوقات اللیل والنہار قیاما وقعودا وعلی الجنب واجعلوا له ایضا بالخصوص وقتا فارغا صباحا ومساء وقت خلوت بمقدار ساعة او قریبا من ذالک ولیکن التفکر اقلہ ساعتان حسب قوله تعالیٰ

آپ کا مفصل گرامی نامہ مرسلہ بمبئی پاکر شرف حاصل کیا، آپ کی صحت وری اور یاد فرمائی، خطبات میں کامیابی کی خبر سنکر شکر خدا بجا لایا، آپ نے سلوک میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے، اس سے بیحد مسرت ہوئی، بہت سی باتیں جو آپ نے لکھی ہیں مجھے یاد نہ تھیں، اس لیے اب ضروری ہے کہ سانس کے ساتھ اور مشق و تمرین جاری کریں تاکہ یہ ذکر ذکر طبیعت ثانیہ بن جائے، اور پھر بغیر قصد و ارادہ کے جاری رہے یعنی جب سانس اندر جائے تو لفظ اللہ اور جب باہر نکلے تو ھو، بغیر لبوں کی حرکت زبان کی جنبش اور بغیر آواز کے نکلتا رہے، لہذا رات دن، کھڑے بیٹھے اور [illegible] اسکی مشق و عادت جاری رکھیے، نیز [illegible] تقریبا ایک گھنٹہ مخصوص طور پر الگ اس کے لیے نکالیے صبح و شام کو، اور تقریبا ایک گھنٹہ [illegible]

| | |
|---|---|
| هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ | تک خاموش مراقبہ کیجیے، اور اس وقت تصور قلبی |
| یعنی النفس الذی یاتی من الخارج | حسب ارشاد باری ہونا چاہیے، (اللہ تعالیٰ اول ہے |
| ینبئ انہ تعالیٰ مع غایۃ تنزھہ | آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے) یعنی جو سانس اندر |
| عن جمیع لوازم المادۃ واتصافہ | جائے وہ ظاہر کرے کہ اللہ تعالیٰ مادی وجسمانی |
| بجمیع کمالات موجود فی الظاھر | لوازم سے پاک ومنزہ ہوتے ہوئے جملہ اوصاف |
| کما یلیق بشانہ تعالیٰ۔ والنفس | وکمالات الوہیت کے ساتھ ظاہر میں موجود ہے |
| الخارج من الباطن ینبئ انہ تعالیٰ | اور جو سانس اندر سے باہر آئے وہ بھی اس عنوان |
| موجود کذالک فی باطن القلب و | کو ظاہر کرے کہ ذات باری ان ہی اوصاف کیسات |
| الروح واجتھد وافی ھذا التمرین | باطن میں موجود بھی ہے، آپ مسلسل مشق باری رکھیں |
| عسی اللہ ان یمن علیکم بما من | ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ پر فیوض وبرکات کا |
| بہ المخلصین من عبادہ وما ذلک | نزول فرمائے، جو اس نے اپنے مخلص بندوں کو |
| علی اللہ بعزیز۔ واما ما کان حضرۃ | بخشا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ |
| الشیخ امر بہ من تصور الکتابۃ[1] | لیکن شیخ نے جو لکھا ہے کہ نقش زرین کا تصور کرے، تو |
| الذھبیۃ فلا حاجۃ لہ الآن | اب اسکی ضرورت باقی نہیں رہی، کیونکہ اب آپ |
| بعد ما اشتغلتم بالنفس فان | ذکر بالنفس میں مشغول ہو چکے ہیں، اور تصور شیخ |
| ذالک اول قدم فی السلوک و | تو تصوف کی ابتدائی منزل ہے، اور آپ اس سے |
| الحمد للہ قد تجاوزتم عنہ۔ | آگے نکل چکے ہیں، |

[1] کتابت ذہبیہ کے معنی وہ تعلیم ہے جو کہ مبتدی کیلیے چشتیہ اور قادریہ کے یہاں تعلیم دیجاتی ہے کہ لفظ اللہ سونے کے پانی سے لکھا ہوا ہے اور تصور کرایا جاتا ہے کہ قلب میں اس طرح لفظ اسم ذات مرقوم ہے،

وأما التسبيحات ١٢ فان كان المراد من ذالك الذكر الجهري بالنفي والاثبات اعني لا اله الا الله مأتين والاثبات المحض اربعمائة واسم الذات المكرر ستمائة فان تيسر ذالك دائما فبها ونعمت وان كان الدوام على ذالك غير متيسر فاتركوه واقتصروا على التنفس فاذا صار الذكر بالتنفس ديدنا طبعيا جاريا فحينئذ سيكون الاشتغال بامر آخر ان شاء الله

رہ گئیں ۱۲ تسبیحات، تو اگر آپ نفی اور اثبات سے ذکر جلی کرنا چاہتے ہیں یعنی لا الہ الا اللہ دو سو بار، اثبات محض چار سو بار اور اسم ذات چھ سو بار، اگر برابر اس کی پابندی ممکن ہو تو بہتر ہے اور پھر کیا کہنا، اگر دوام نہ ہو تو ترک کر دیجئے، اور صرف ذکر خفی ضرب پر اکتفا کیجئے جب یہ ذکر خفی آپ کی فطرت اور طبعی فعل بن جائے گا تو پھر انشاء اللہ دوسرا شغل جاری کیجئے گا۔ ........

........

وأما ان كان المراد من التسبيحات الاثنا عشر يعني سبحان الله مائة والحمد لله مائة ولا اله الا الله مائة وغيرها من التسبيحات الستة صباحا ومساء فالامر فيه اليكم وليس هذا من اذكار السلوك بل من الاوراد۔

اگر تسبیحات سے مراد بارہ تسبیحیں ہیں یعنی سبحان اللہ سو بار، الحمد للہ سو بار اور لا الہ الا اللہ سو بار، یہ چھ تسبیحات صبح و شام تو یہ آپ کی سہولت پر موقوف ہے، یہ اذکار سلوک میں سے نہیں ہیں، بلکہ عام اوراد و وظائف ہیں،

واما ما ذكرتم من مسائل الجامع مع وقوفه فكتب الشافعية غير موجودة لدينا وانما كان اشتغالي بالمدينة

آپ نے جامع مساجد اور ان کے اوقاف کا مسئلہ دریافت کیا ہے، تو شوافع کی کتابیں میرے پاس موجود نہیں ہیں، میں مدینہ منورہ

| | |
|---|---|
| المنورۃ تدریساً لا افتاءً وانما العمدۃ | مین درس و تدریس مین معروف تھا، فتویٰ |
| لدیکم الروضۃ التحفۃ وکتب ابن حجر | نہین دیتا تھا، الروضۃ التحفۃ شوافع کی مستند ترین |
| والرملی فلا ادری ہل ہذہ المسئلۃ | کتاب ہے اور ابن حجر و رملی کی کتابین بھی ہین، |
| توجد فی ہذہ الکتب ام لا واین محرجہا | معلوم نہین یہ مسئلہ ان کتابون مین ہے یا نہین، |
| وأری ان تکتبوا صورۃ السوال ثم | اور کہان ملے گا، میرا خیال ہے کہ آپ سوال لکھکر |
| ترسلوہا الی السید زکی البرزنجی | سید زکی برزنجی کے پاس ہوائی ڈاک سے بھیجدین |
| بالبوسطۃ الہوائیہ۔ وتذکروا | کیونکہ فتویٰ کے اندر تفصیل کرنا ممکن نہین |
| الامور الفاسدۃ والعواقب الکاسدۃ | ہے، اور نہ مسئلہ کی مخصوص صورت و کیفیت |
| صراحۃ فی ورقۃ اخری فان التفصیل | لکھنا کافی ہے، اور تاکید کر دیجئے کہ |
| لا یمکن اتیانہ فی السوال ولا یلزم | جلد جواب دین، اگر آپ کا جواب آگیا |
| ان تذکروا خصوصیۃ ...... وجامعہا | تو جامع مسجد کے ارکان پر انھین خاموش |
| واکدوا علیہ باسراع الجواب فان | کرنے والی حجت قائم ہو جائے گی...... |
| فزتم فی ذالک تقویم الحجۃ المقنعۃ | ................ |
| علی ارکان الجامع | ........ |
| واما علماء الھند فقد افتوا | ہان علماء ہند نے فتویٰ دیا ہے کہ ایک |
| بجواز صرف اوقاف المسجد اذا کان | مسجد کے اوقاف دوسری مسجد کی ضروریات |
| المسجد الموقوف علیہ مستغنیا علی غیر | مین صرف کر سکتے ہین، بشرطیکہ مسجد کو |
| الموقوف علیہ من المساجد بل افتوا | ضرورت نہ ہو، بلکہ غیر ضروری آمدنی کو غیر |
| بجواز الدخل علی وجوہ اخرایضا غیر المسا جد | مساجد پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی ہے |

وان شئتم فاطلبوا النقل ذالک عن
دار الافتاء بدار العلوم دیوبند
فانه قد وقع هذا فی زمان حضرة
مولانا عزیز الرحمن صاحب مرحوم الراندیر وغیرها
وان فتشتم علی الامر بواسطة القاضی
مسعود احمد تجدونه انشاء اللہ ،
ولکن اری ان هذا الامر لا یقنع ارکان
الجامع . وکذالک الامر فی اخذ
الربوا من المخزون فی البنک وان
المسئلہ عند الحنفیة بینة فان ابا
حنیفه رحمۃ اللہ تعالی یجیز ذلک فی دار الحرب خلافا
للصاحبین والثلاثة رحمہم اللہ تعالی ولکن اذا
ذکرتم هذه الوخامات للسید زکی البرزنجی فلعله تفوه
بنص فی مذهب الشافعیة ایضا لذلک واما الحنفیة
فقد افتوا بالجواز بل بوجوب اخذ الربوا من البنوک
الافرنجیة التی بالدیار الحربیة
وانه لا یجوز ترک شی من ذالک
وقد شاع قبل فتوی الجمعیة بذلک
لعلکم تصلون الیها فی دفتر الجمعیة

دیوبند کے دارالافتاء سے اس کی سند
منگا لیجیے، کیونکہ اس قسم کے فتاوے
حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مرحوم
کے سامنے راندیر وغیرہ سے آئے تھے۔
اگر قاضی مسعود کے ذریعہ اس کی تلاش
کرائیے تو انشاء اللہ مل جائے گا، لیکن
ارکان مسجد کو اس سے تشفی نہ ہوگی، یہی
حال بنک کے سود کا بھی ہے، یہ مسئلہ بھی
حنفیہ کے نزدیک واضح ہے، کیونکہ
امام ابوحنیفہ نے دارالحرب میں اس کی
اجازت دی ہے، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ
خلاف ہیں، اگر آپ ان ہنگاموں کو
سید زکی برزنجی کے یہاں لکھ بھیجیں تو
بہت ممکن ہے کہ وہ مذہب شافعیہ کے
نصوص آپ کے پاس بھیجدیں، علماء احناف
نے نہ صرف جواز ہی کا بلکہ ان بنکوں سے سود
لینا واجب قرار دیا ہے، جو انگریزوں نے
دارالحرب میں قائم کیا ہوا ہے۔ اس سود کی رقم ذرا بھی
چھوڑنی جائز نہیں ہے اور جمعیۃ کا فتوی پہلے شائع ہو چکا ہے

او عند المفتی کفایت اللہ ولکن اری ان
ھذا ایضا لا یقنع ارباب الجامع....
اخی تعجبت من الاشکال الواقع
فی الذکر النفسی واظن انکم نسیتم
الطریق الذی تبین لکم الاصل فیہ
ان الانسان اذا ادخل النفس فی
الباطن فلیقل بنفسہ لفظۃ الجلالۃ
بغیر صوت ولا تحریک شفۃ او لسان
وانما تحدث ساعتئذ صوت خفی
بالنفس فقط یعلمہ الذاکر المتنفس
لا غیر واذا اخرج النفس من الباطن
فلیحدث بنفسہ لفظۃ (ھُو) بغیر
صوت ولا تحریک شفۃ ولسان
وحیث ان بعض الناس لا یقدرون
ساعتئذ علی منع اللسان من التحرک
امر ارباب الفن بالصاق اللسان
بالحنک الاعلی او الاسفل ولیس
ذالک الا لمنع اللسان من التحریک
فان حصل الامتناع بغیر الصاق اللسان

دفتر جمعیۃ سے آپ کو مل سکتا ہے، یا مفتی کفایت اللہ
صاحب سے، مگر اس سے بھی اراکین مسجد کو تسلی نہ ہوگی،
بھائی مجھے تعجب ہے کہ ذکر خفی سے آپ کو اشکال
پیدا ہو رہا ہے، غالباً آپ کو اس کا واضح طریقہ فراموش
ہو گیا ہے، اصل یہ ہے کہ جب انسان سانس اندر لیجائے
تو جی میں (اللہ) کہے بغیر آواز کے، اور بغیر
حرکت لب کے صرف دل سے، اس وقت ایک
خفیف آواز پیدا ہوگی جس کو صرف ذاکر
محسوس کریگا اور کوئی نہیں، اور جب سانس باہر
آئے تو دل سے لفظ (ھُو) نکلے بغیر آواز و حرکت
لب و جنبش زبان کے، چونکہ بعض لوگ حرکت
زبان کو روک نہیں سکتے اس لیے ارباب
فن نے حکم دیا ہے کہ زبان کو تالو سے ملادے
تاکہ زبان کو جنبش نہ ہو، اگر بغیر الصاق
کے زبان کی حرکت رک جائے تو فبہا،
یہ جبکہ منہ سے سانس لے، اور جس وقت
ناک سے سانس لے تو منہ بالکل بند ہو
لب اور زبان کو جنبش نہ ہو، اور سانس
کی آمد مذکورہ بالا طریق سے ہوتی رہے

بالخيشوم فهو المراد وهذا اذا كان النفس
من الفم واما اذا كان بالانف فحينئذ ينبغي
ان يسد الفم بالكلية فلا يتحرك اللسان ولا
الشفتان ويجري النفس كما ذكرنا سابقا ان
يحدث لفظ الجلالة (الله) بالنفس الداخل
ولفظ (هُوْ) بالخارج بيد ان التنفس بالفم
لا يضر بالدماغ. واما التنفس بالانف
ربما يورث اليبوسة في الدماغ اذا اكثرت
وينبغي مع الذكر ان يتصور في
القلب مفهوم الظاهر والباطن من آية
(هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ)
اي تصور بالنفس الداخل القائل لفظ
الجلالة ان الله سبحانه موجود في الظاهر
كما يليق بشانه منزها عن الالوان
والاعراض والمادة وجميع النقائص
التي لا تليق بشانه متصفا بسائر الكمالات
وغاية الجلال والنفس الخارج ينبئ
انه تعالى موجود في باطن القلب الروح
كما يليق بشانه وينبغي ان يكون الذكر

یعنی نفس داخل سے (اللہ) ......
اور نفس خارج سے (ہُو) نکلتا رہے،
(ان منہ سے سانس لینے میں دماغ کو
ضرر نہیں پہونچتا، البتہ ناک سے سانس
لینے میں دماغ میں خشکی پیدا ہوتی ہے
جبکہ ذکر زیادہ کیا جائے، ......
..............
..............
ذکر میں (هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ
وَالْبَاطِنُ) کے مطابق ظاہر و باطن کے
مفہوم کا قلب میں تصور رکھے، یعنی جب
سانس اندر جائے اور لفظ (اللہ) نکلے
تو تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ خارج میں موجود
ہے، جیسا کہ اس کی شان ہے، وہ اعراض
الوان، مادی اوصاف وعیوب ونقائص
سے پاک اور صفات کمال وجمال سے
متصف ہے، اور جب سانس باہر نکلے
تو ظاہر کرے کہ اللہ تعالیٰ دل اور روح
میں حسب شان جلالی موجود ہے، اسی طرح

| | |
|---|---|
| هكذا كل يوم على الاقل زهاء ساعة كاملة | روزانہ ایک گھنٹہ ذکر کرنا چاہیے، باوضو |
| متوضأً مستقبلاً للقبلة فی مكان يطمئن | قبلہ رو، پرسکون جگہ میں، اور دوسرے |
| فيه الخاطر ثم فی اوقات الاخر ينبغی ان | اوقات میں بھی دوام رکھے، کھڑے |
| يداوم على ذلك قياما وقعودا ومضطجعا | بیٹھے، لیٹے، چلتے، پھرتے، سوار، پیدل |
| وعلى الجنب ومشيا وركوبا فی سائر الاحيان | ہر آن میں، یہاں تک کہ حالت بول و براز |
| حتى لدى التغوط والبول فان الذكر | میں، کیونکہ ذکر خفی ہر حال میں جائز ہے |
| النفسی لا يمتنع فی حالة ما فان كانت | اگر ذکر جلی میں دشواریاں ہوں تو ذکر |
| العوائق تمنع عن الذكر الجهری فاقتنع | خفی پر اکتفا کیجیے، اس سے کوئی آگاہ |
| على هذا الذكر النفسی، فانه خفی لا يطلع | ہوگا، اور نہ مجلس کی ضرورت ہے، اسی پر |
| عليه احد ولا يحتاج الى مجلس وداوم | مواظبت کیجیے تاکہ یہ طبیعت ثانیہ بن جائے |
| عليه حتى يكون ديدنا طبعيا بغير احتياج | اور بلا قصد و ارادہ صادر ہو، درس و |
| الى الارادة، ثم الاشتغال بالتدريس | تدریس کا مشغلہ بھی رکھیے، اور جس قدر |
| والمطالعة فمن اهم الامور فاشتغل | ممکن ہو ذکر و فکر کے مواقع بھی پیدا کیجیے |
| فيها واجتهد فی تفريغ الوقت للذكر | ................ |
| قدر ما امكن | ............ |
| نعم ينبغی ان يكون المقصد من الذكر | ذکر و شغل کا مقصد خوشنودی رب |
| والجد فی ذلك ارضاء الله سبحانه والقيام | اور شکر ہونا چاہیے...... ...... |
| بشكر نعمائه لا غير | ......... |
| ينبغی ان تطالع فی اوقات الفراغ | بہ فرصت کے اوقات میں سید شہید کے |

الصراط المستقیم ملفوظات حضرة السید
الشهید التی جمعها مولانا اسمٰعیل الشهید
رحمهما الله تعالیٰ، وکذلك امداد السلوک
فانهما کتابان جلیلان فی السلوک، واما
الخطرات والوساوس فلا یهمنك امرها
واجتهد فی دفعها قدر ما امکن فقد
قال سبحانه وتعالیٰ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا
إِذَا مَسَّهُمْ الآیة، وقال سیدنا رسول الله
صلی الله علیه وسلم ان العبد اذا قام فی الصلوٰة
اتاه الشیطان یقول اذکر کذا الحدیث۔
فان اقلقك الخواطر واحادیث النفس
فعلیك بتکرار سورة الناس کل یوم
مائة مرة فانها اکسیر لذلك انشاء الله،
واما القیام من آخر اللیل فاجتهد
فی ذلك فان لم یتیسر لاجل المشاغل
العلمیة فلا ضیر فان النیة لذلك لا
تخلو عن ثمراتها. نعم قبل النوم لو اتیت
برکعتین باواخر البقرة تکفیان انشاء الله
عن القیام حسبما ورد فی الاحادیث الصحیحة

ملفوظات کا مطالعہ کیجئے جس کو مولانا اسمٰعیل
شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے، اور
امداد السلوک بھی، یہ تصوف کی بلند
کتابیں ہیں، وسوسہ و خطرات نفس کی
فکر نہ کیجئے، حتی الامکان ان کے دفع
کی کوشش کرنا چاہیے، جیسا کہ ارشاد
خداوندی ہے "جن کے دل میں ڈر ہے
جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گذر چونک گئے،
پھر اسی وقت ان کو سوجھ آتی ہے" اور آنحضرت صلعم
نے فرمایا ہے کہ جب بندہ نماز کیلیے کھڑا ہوتا ہے
تو شیطان اس کے پاس آتا ہے اور وسوسے دلاتا ہے
اگر وسوسوں سے زیادہ تردد ہو تو سورۃ الناس
کا وظیفہ کیجئے، یہ اکسیر اعظم ہے۔
آخر شب میں تہجد کی بھی کوشش کیجئے
اگر مشاغل کی کثرت سے موقع نہ ملے
تو چنداں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ حسن
نیت بھی مفید نتائج پیدا کرتی ہے، اگر
سوتے وقت دو رکعت سورہ بقرہ آخر رکوع کیساتھ پڑھ لیں
تو کافی ہے ان شاء اللہ۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ اس سلسلہ میں وارد ہے

| | |
|---|---|
| ثم الصلوٰۃ فی اللیل بعد العشاء الاٰخرۃ | نیز عشا کے بعد کسی وقت نماز پڑھنا تہجد ہے |
| فی ای وقت کانت ھی التھجید فان فیھا | کیونکہ اس میں ترک نوم ہے، اگر مطالعہ |
| ترک الھجود فبعد الفراغ عن المطالعۃ | سے فراغت پانے کے بعد قبل استراحت |
| قبل النوم لو صلیت کانت ھی من قیام | دو رکعت پڑھ لیں تو یہ بھی تہجد |
| اللیل واما حبس النفس فلا تعجل فی | ہو جائے گی، ہاں حبس دم کے لیے |
| ذالک ومرن نفسک بالذکر النفسی | جلدی نہ کریں، ذکر خفی کی مشق کریں تاکہ |
| الاٰن حتی یجری وعسی اللہ ان ینجح | آسانی سے عادت پڑ جائے، امید ہے |
| بذالک ایضاً | کہ آپ کامیاب رہیں گے، |
| واما بشرتم بہ من جریان | اور آپ نے جو ذکر نفسی کے جاری |
| الذکر النفسی والمداومۃ علیہ | اور برابر ہونے پر خوشخبری سنائی ہے تو میں |
| فشکرت اللہ تعالیٰ علی ذالک وعسی | بھی خدا کا شکر اس پر ادا کرتا ہوں اور امید ہے |
| ان یکون الاٰن ازدیاد منکم حسبما تیسر | کہ اس میں زیادتی حسب موقع ہوتی |
| فانہ الفوز بالمراد ؎ | رہیگی جو مقصد اعلیٰ ہے ؎ |
| ھذی المکارم لا قعبان من لبن | یہ مکارم ہیں نہ پانی سے ملا ہوا دودھ کے پیالے |
| شیبا بماء فکانا بعد ابوالا | کہ پینے کے بعد پیشاب بنجاتا ہے، |
| والسلام ختام | والسلام |
| حسین احمد غفر | حسین احمد غفرلہ |
| ۱۸ ربیع الثانی | ۱۸ ربیع الثانی |
| سنہ ۶۳ھ | سنہ ۶۳ھ |

# مکتوب نمبر ۱۴

## مولانا مظفر صاحب دیوبند کے نام

اما ماذکرتم من الذکر ومشاهدة القلب فمبارك زاد الله هذه المساعی و المشاهدات وینبغی ان لا تلتفتوا الی غیر المقصود والمحبوب الحقیقی۔ واجتهدوا فی قطع الخطرات واحادیث النفس و ادامة الذکر مهما امکن ولا تیئسوا من روح الله۔

واما ماذکرتم من الدعاء فمن امثالی العجزة ماذا یمکن غیر هذا ولنعم ما قال حضرت السعدیؒ

ذکر اور قلبی مشاہدہ جسکا تذکرہ آپ نے کیا ہے مبارک صورت ہے، اللہ تعالیٰ ان مساعی اور مشاہدات مین زیادتی عطا فرمائے، مناسب یہ ہے کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی کے سوا دوسری طرف التفات نہ کرو اور اسکی پوری کوشش کرو کہ خطرات اور وساوس بالکل بند ہو جائین اور جہانتک ممکن ہو ذکر کے سلسلہ کو جاری رکھو اور خداوند عالم کی رحمت سے ناامید مت رہو۔

باقی رہی دعا تو ہم جیسے عاجزون کے امکان مین دعا کے سوا اور ہے ہی کیا حضرت سعدی فرماتے ہین،

لہ مولانا مظفر صاحب کے نام جو والا نامے حضرت امام العصر دامت فیوضہم نے ۱۹۴۲ء مین نینی جیل سے تحریر فرمائے ہین اہل ذوق کیلیے خاص طور پر مفید اور درس آموز ہین، اور ان سے یہ بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ زمانہ اسارت مین امام العصر کے روحانی مشاغل کیا تھے اور کس طرح جاری رہے، مولانا مظفر صاحب بھی کسی دوسرے جیل مین نظر بند تھے۔ ان مکتوبات کو حیات شیخ الاسلام سے نقل کیا گیا ہے۔ ذکر کے طریقون کو جب تک شیخ سے بالمشافہ نہ سمجھا جائے اور شیخ کی نگرانی مین نہ کیا جائے، تحریر سے ذرا ٹیڑھی کھیر ہے، عارف رومیؒ فرماتے ہین،

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد ۔۔۔ او ز غولان گمرہ و در چاہ شد

| | |
|---|---|
| جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است | دوست کی یاد کے سوا جو کچھ کرتے ہو عمر ضائع کر رہے ہو |
| جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است | راز عشق کے سوا جو کچھ پڑھتے ہو بیکار ہے، |
| سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق | اے سعدی غیر حق کے نقش سے لوح دل کو دھو ڈالو |
| علمے کہ راہ حق ننماید جہالت است | جو علم حق کی رہنمائی نہ کرے وہ جہالت ہے، |
| فعلیك یا اخی بتوجیه القلب الی الذات | لہذا برادر من تم پر لازم ہے کہ خاص ذات حق جل مجدہٗ |
| البحت مهما امکن فان ذکر اللسان لقلقة | کی جانب جہانتک ممکن ہو قلب کو متوجہ کرو، |
| وذکر القلب وسوسة وذکر الروح | کیونکہ زبان سے ذکر کرنا گویا زبان ہلانا ہے اور قلب کا |
| هو الذکر رزقنا الله وایاکم وایاه | ذکر وسوسہ ہے اور حقیقی ذکر روح کا ذکر ہے اللہ تعالی مجھکو |
| وماذلك علی الله بعزیز ۔ | اور آپکو ذکر روح عطا فرمائے اور یہ خدا کیلئے کچھ مشکل نہیں۔ |
| اذا غامرت فی شرف مروم | جب کسی عظیم الشان مقصد کا ارادہ کرو تو |
| فلا تقنع بمادون النجوم | تاروں سے کم پر قناعت کرو |
| فطعم الموت فی امر حقیر | کیونکہ کسی حقیر کام میں موت کا مزہ |
| کطعم الموت فی امر عظیم | بڑے کام میں موت کے مزے جیسا ہے، |
| واغتنم هذه الفرصة | اس فرصت کو غنیمت جانو اور اس کو |
| ولا تضیعها ...... والسلام | ضائع مت کرو ..... والسلام |
| حسین احمد غفرلہ | حسین احمد غفرلہ |
| ۱۹ ربیع الاول ۶۳ھ | ۱۹ ربیع الاول ۶۳ھ |

## مکتوب نمبر ۱۵

| | |
|---|---|
| واما الذکر الروحی فذلك | ذکر روحی قلب کی توجہ کا نام ہے جو |

| | |
|---|---|
| التوجه بالقلب الی الذات البحتة اللتی | حضرت حق جل مجدہ کی ذات خاص کی جانب ہو |
| متنزهة عن الکم والکیف وسائر | جو کہ مقدار کیفیت اور جملہ اعراض سے منزہ ہے |
| الاعراض جسما و روحا وهو معکم اینما | جیسا کہ ارشاد ربانی ہے وهو معکم اینما کنتم یعنی |
| کنتم وحسب وفی انفسکم افلا تبصرون | جہاں بھی تم ہو خدا تمہارے ساتھ ہے اور جیسا کہ ارشاد ہوا |
| وعلیکم بالجد فی الذکر وسیکون | خود تمہارے اندر ہے کیا تم دیکھتے نہیں، ضروری ہے |
| للذکر الروحی مقام عن قریب | کہ پوری کوشش سے ذکر جاری رکھو، عنقریب ذکر روحی کا درجہ بھی |
| والسلام، حسین احمد غفرلہ | والسلام۔ حسین احمد غفرلہ |
| ۲۹ ربیع الثانی ۶۳ھ | ۲۹ ربیع الثانی ۶۳ھ |

# مکتوب نمبر ۱۶

غالباً اس عرضداشت کے پہنچنے کے وقت آپ بڑے گھر (جیل) ہوں گے، تو سیع[1] منظور نہ ہونے کا افسوس ہوا، فی سبیل اللہ مالقیت۔[2] ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ الآیۃ۔[3] خوشدل اور مطمئن الخاطر رہ کر ان ایام خلوت کو غنیمت سمجھیے، اور کچھ توشۂ معرفت و قربت حاصل کر لیجئے، اور اس چلہ کشی کو انعام خداوندی سمجھیے، افکار کو تمام جانب سے پھیر کر ایک ہمّ[4] آخرت میں صرف کر دیجئے۔

---

[1] یعنی پیرول میں اضافہ [2] جو تکلیف تمہارے ہو وہ راہ خدا میں ہو [3] سورۂ توبہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ راہ خدا میں جو تکلیف، بھوک، پیاس کی پریشانی بھی لاحق ہو، راہ بھی ایسی اختیار کی جائے جو دشمنان دین کے لیے غیظ وغضب اور دماغی تکلیف کا باعث ہو، اس کے بدلہ میں عمل صالح کا ثواب ملتا ہے [4] ہم آخرت، فکر آخرت یا مقصود آخرت،

جہان اے برادر نماند بہ کس دل اندر جہان آفرین بند و بس

صراط مستقیم ملفوظات حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ اور امداد السلوک مترجمہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ از رسالہ مکیہ کو زیر مطالعہ رکھیے ذکر کو طبیعت ثانیہ اور فکر کو مداومۃ دائمہ بنا لیجئے (وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ)۔ من نکردم شما حذر بکنید۔

والد ماجد کی بیماری سے تشویش ہوئی، اللہ تعالیٰ شفاء کامل عطا فرمائے، آمین۔ "من یرد اللہ بہ خیرا یصب منہ"[1] کی بنا پر شکر کا موقع ہے، مصائب دنیا آخرت کے مصائب کے سامنے ہیچ ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا[2] کی تفسیر ان مصائب اور آلام سے بھی کی گئی ہے، اس لیے درحقیقت خوشی اور اطمینان کا مقام ہے۔ "اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل"[3] قلب کو ساکن و صابر بلکہ شاکر رکھ کر خلاق الکائنات کی طرف متوجہ ہو جیے، یوفقنا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ۔ دار العلوم کے حالات معلوم کر کے افسوس اور صدمہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم کارساز اپنے فضل و کرم سے ہر قسم کے شرور سے اس منبع علم کو محفوظ رکھے اور مزید ترقی عطا فرمائے، عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم[4]۔ بہرحال یہ مصائب فی سبیل اللہ ہیں جن پہ عظیم الشان وعدے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا مصداق کرے اور اخلاص للہیت ہمارے قول و عمل میں باکمل الوجوہ عطا فرمائے، آمین۔

حضرت حافظ صاحب کی توسیع نامنظور ہونے سے صدمہ ہوا، ان کی خدمت میں بھی

---

[1] اللہ تعالیٰ جس کی بہتری کا ارادہ کرتا ہے اس کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ [2] اے اہل بیت رسول اللہ کا ارادہ یہ کہ تم سے رجس کو دور کرے اور تمکو پوری طرح پاک صاف کرے۔ [3] تمام انسانوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، انکے بعد درجہ بدرجہ جو افضل ہو اسکی آزمائش بقدر فضیلت ہے۔ [4] بہت ممکن ہے تم کسی چیز سے کراہت کرو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔

سلام مسنون عرض کر دیں۔ میری رفاقت میں تین مسلمان اس بارک میں ہیں، اور سرکل میں چھ سات آدمی نماز جماعت سے ادا ہوتی ہے۔ بحمد اللہ مطمئن الخاطر ہوں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۱۲ رجب

## مکتوب نمبر ۱۷

آپ کا اپنے مستقر پر پہنچنا معلوم ہوا، کیا عجب ہے کہ رؤف و رحیم کے یہاں کوئی بڑی خیر مضمر ہو، حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اگر بلا از طرف حق تعالیٰ نبودے بندگان را طریق الی اللہ نمی بود

اگر خدا کی جانب سے مصیبت اور آزمائش نہ ہوا کرتی تو خدا تک پہنچنے کا راستہ ہی مفقود ہو جاتا۔

ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

بلائے خدا تعالیٰ محبین را تحفہ و ہدیہ و تحریک سلسلہ مواصلت مضمرہ است

مصیبت و آزمائش محبین اور عاشقانِ مولا کیلئے تحفہ اور ہدیہ اور پوشیدہ تعلق کی سلسلہ جنبانی ہے۔

رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

عالم از بلا استغاثہ می کند و صرف او می خواہد و عارف بلا لذت میگیرد و ہرگز کشف او نمی خواہد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دنیا مصیبت سے فریاد کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ ہٹ جائے، مگر عارف اس سے لذت حاصل کرتا ہے اور اس کے ازالہ کی خواہش نہیں کرتا۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

بلا چراغ عارفین و تنبیہ مریدین است و ہلاک غافلین

مصیبت عارفین کیلئے چراغ ہے، مریدین اور راہ سلوک کے راہ رو کیلئے تنبیہ ہے اور غافلوں کیلئے ہلاکت ہے۔

۵ ابو جہل

میرے محترم! اس بلا میں اہل عقل و انصاف خوش ہوتے ہیں۔ ضرب[1] الحبیب ذبیب" مشہور مقالہ ہے، بالخصوص اس فراغت اور خلوت کی بنا پر جس کے ذریعہ سے آپ بہت زیادہ مجالست مع الحبیب کر سکتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| اعزّ مکان فی الدنی سرج سابح | تیز رفتار گھوڑے کی زین دنیا میں سب سے زیادہ باعزت جگہ ہے |
| وخیر جلیس فی الوجود الٰہ | اور بہترین ہمنشین خداوند عالم ہے۔ |

انا جلیس من ذکرنی[2] ؎

| | |
|---|---|
| بفراغ[3] دل زمانے نظرے بماہ روئے | به ازین کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے وہوئے |

فاغتنم[4] ایہا الاخ ہذہ الفرصۃ۔ ولا تضیعہا بقیل وقال وبما لا یعنی فان العمر قصیر والطریق طویل والعوائق کثیرۃ ؎

| | |
|---|---|
| کیف الوصول الی سعاد ودونہا | سعاد (محبوبہ کا نام) تک کس طرح رسائی ہو سکتی ہے |
| قلل الجبال ودونہن حتوف | درانحالیکہ اسکی راہ میں پہاڑوں کی اونچی چوٹیاں ہیں |
| الرجل حافیۃ ومالی مرکب | کہ ان چوٹیوں کو طے کرتے کرتے انسان موت کا شکار ہو جائے |
| والکف صفر والطریق مخوف | پاؤں برہنہ، کوئی سواری میسر نہیں، ہاتھ خالی اور رستہ پر خطر |
| فاجتہد قدر ما یمکن فی الذکر | لہذا جتنا بھی ممکن ہو ذکر اور مذکور کی طرف توجہ |
| وحسن التوجہ الی المذکور۔ ودام | اور دھیان رکھنے کی پوری کوشش کرو، اور اس پر |
| علی ذلک فقد قال تعالیٰ وَالَّذِیْنَ | مداومت رکھو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "جو ہمارے |
| جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا | بارے میں پوری کوشش کرتا ہے ہم یقیناً اس کیلئے اپنی راہیں کھولدیتے ہیں" |

حاشیہ بر حاشیہ: جذبۂ الہی

[1] دوست کی مار بھی مٹھاس ہے [2] اللہ میاں فرماتے ہیں کہ میں اسکا ہمنشین ہوں جو مجھکو یاد کرتا ہے [3] تھوڑی دیر کیلئے دل کی فراغت کیساتھ محبوب پر نظر ڈالنا چتر شاہی اور ہاؤ ہو سے بہت بہتر ہے [4] لہذا برادر من! اس فرصت کو غنیمت جانو، اسکو قیل وقال اور بیفائدہ باتوں میں ضائع مت کرو کیونکہ عمر تھوڑی ہے اور راستہ لمبا ہے اور مشکلات بہت ہیں۔

فانظر ایها الاخ لمیات فی جانب
الشرط بشیٔ من الموکدات ومایدل
علی طلب الکثرة والشدة۔ واما فی
جانب الجزاء فقد اتی باللام الموطئة
للقسم۔ ونون الجمع۔ بفعلیة الجملة
المبدوءة بالمضارع الدالة علی
الاستمرار التجددی۔ والنون الثقیلة
وجمع لفظ السبیل واضافته الی ضمیر
جمع المتکلم لتعظیم نفسه۔ ثم ذیلها
بقوله تعالی ان الله لمع المحسنین ولا
یخفی مافیه من الموکدات والبشائر فلا ینبغی
لاحد ان ییٔس من رافته تعالی بمعاینة عجز
نفسه، وعلو رفعته تعالی فعلیک بمداومة
قرع بابه تعالی فان من داوم قرع
الباب لابد ان یفتح له ولا یعجزک
عدم ظهور الکیفیات واللذة فی
اثناء الذکر فانها لیست بمقصودة
فانها امور ترجی بها اطفال الطریقة
وانما المقصد الوحید رضاءه

برادر من! اس آیت کریمہ کی لفظی ترکیب پر
نظر ڈالو شرط کی جانب مین یعنی پہلے جملہ میں تو صرف
یہ ارشاد ہے کہ جو ہمارے بارے مین پوری
کوشش کرتے ہین۔ یہاں صرف پوری کوشش کا
تذکرہ ہے اور کوئی تعلیق نہین اور جملہ کے دوسرے
حصہ کی تاکید اور تقویت کیلیے اولا لام لایا گیا ہے
جو تمہید قسم ہوتا ہے۔ پھر جمع متکلم کا نون لایا گیا اور جملہ
فعلیہ لایا گیا جو استمرار تجددی پر دلالت کرتا ہے، نون
ثقیلہ لایا گیا لفظ سبیل کو جمع کیساتھ بیان کیا گیا
اور اسکو جمع متکلم کی ضمیر کی طرف مضاف کیا گیا جس سے
راستون کی عظمت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد
یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی المحسنین کیساتھ ہے، مضمون
کی مزید تقویت کی گئی، پھر عربی نحو کے لحاظ سے
ان اللہ لمع المحسنین میں جو موکدات اور بشارتیں
ہیں وہ بھی مخفی نہین، لہذا کسی کو بھی خدا کی رحمت سے اس
وہم کی بنا پر مایوس نہ ہونا چاہیے کہ وہ عاجز اور کمزور
اور ناچیز ہے اور اللہ تعالی کی ذات وراء الوراء ہے
تمہارا کام یہ ہے کہ اس کریم کے دروازہ کو کھٹکھٹاتے رہو
کیونکہ جو دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے لازماً اسکو کھول دیا

تبارک و تعالیٰ . جاتا ہے۔ اور تم اس سے ہرگز پریشان نہ ہو کر اثناء ذکر

. . . . . . . . . . مین کیفیات کا ظہور نہین ہوتا یا لذت نہین محسوس

. . . . . . . . . . ہوتی، کیونکہ یہ مقصود نہین - یہ تو ایسی چیزین ہین

. . . . . . . . . . کہ راہ طریقت کے بچون کو ان سے بہلایا جاتا ہے مقصود

. . . . . . . . . . لہ حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اسکا فضل ہے

دنیا و آخرت را بگذار از حق طلب کن — کاین ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

فراق و وصل چہ خواہی رضاء دوست طلب — کہ حیف باشد از و غیر ازین تمنائے

حسین احمد غفرلہ، ۱۳ ر شعبان ۶۳ھ

## مکتوب نمبر ۱۸

آداب شیخ کے بارے مین جو کچھ ارقام فرمایا ہے اور جو کچھ امداد السلوک مین تحریر کیا گیا ہے وہ حقیقی مشائخ[لہ] اور اہل کمال کے لیے ہے، ہم جیسے ناکارہ و نااہل بدنام کنندۂ نکونامان ننگ اسلاف

لہ حقیقی مشائخ اور اہل کمال کی تعیین نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے نقصانات رونما ہوئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہین، حقیقی شیخ کامل وہ ہے جو عقائد مین سلف اہل سنت والجماعت کا ہم عقیدہ ہو۔ کیونکہ بدعتی شیخ ہرگز شیخ کامل نہین ہو سکتا، وجہ یہ ہے کہ سلاسل صحابۂ کرام پر منتہی ہوتے ہین، ظاہر ہے کہ صحابہ کی زندگی کامل نمونہ تھی صاحب شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور شریعت نے بدعات و محدثات پر جسقدر نکیر فرمائی ہے اہل علم پر پوشیدہ نہین، حتی کہ بدعتی کی امامت اور روایت حدیث مین بھی کلام ہے، دوسری چیز حقیقی شیخ اور اہل کمال کے اندر تواضع، فروتنی، عاجزی، خاکساری اور بے نفسی ایسی ہو کہ ہر ایک کے فضل و کمال کا میر حقیقی سے معترف ہو، اس لیے کہ کبر کیساتھ مشیخت جمع نہین ہو سکتی اور نہ اس گناہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۵۷ پر)

کب مستحق ہین، ہم تو اس شعر کے مصداق ہین ؎

| | |
|---|---|
| نہارك یامغرور سہو وغفلة | لے دھوکے مین پڑے ہوئے تیرا دن غفلت و سہو مین گذرتا ہے |
| ولیلك نوم والردی لك لازم | رات سونے مین لہذا تیری تباہی لازمی ہے، |
| وشغلك فیما لیس یفنیك شغله | بیکار اور فضول باتین تیرا مشغلہ ہین، |
| کذلك فی الدنیا تعیش البهائم | دنیا مین بہائم اسی طرح رہا کرتے ہین، |

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵) کی مغفرت کی امید ہے جو کبر سے پیدا ہو، آدمؑ و ابلیس کا قصہ سب سے بڑا ثبوت ہے، یون تو نفس سے کوئی انسان خالی نہین لیکن کمال تو اسی مین ہے کہ بہیمیت پر ملکیت غالب ہوجائے، یہ کمال کہ نفس مغلوب ہوجائے اور اپنے کو سب سے ہیچ متصور کرے بدون صحبت شیخ کامل ممکن نہین، مولانا روم فرماتے ہین

ہیچ نہ کشد نفس را جز ظل پیر    دامن آن نفس کش را سخت گیر

قرآن حکیم رشد و ہدایت کا مجموعہ اور ہر طرح کے امراض ظاہری و باطنی کے لیے رحمت اور شفا ہے، اور سب سے کامیاب مطب اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جس کی صفت یا سند بارگاہ احدیت سے یہ عطا ہوئی ہے يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. سمجھ مین نہین آتا کہ شیخ اکبرؒ نے کس طرح فرمایا کہ "شیخ مین دین انبیاء کا سا ہو اور تدبیر اطبا کی سی اور سیاست بادشاہون کی سی"۔ تو یہی کیون نہ کہہ دیا جائے کہ شیخ نمونہ ہو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا، جبکہ اتباع سنت نبوی ہی مین سب کچھ ہے۔ خوب بات فرمائی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ مین نے اپنا قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کی پیروی مین اسی جگہ رکھا جہان آپ نے رکھا تھا، "الا قدم نبوت"۔ سبحان اللہ۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے اور پردہ ہٹا دیا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ "ولایت کی نہایت نبوت کی بدایت ہے"۔ تفاضل بین الانبیاء والاولیاء کا مسئلہ بھی صاف ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم حقیقی مشائخ اور اہل کمال مین ہین بشرطیکہ کامل کی جستجو ہو، آؤ اور نکتہ چین نہ کرو، مگر انشاء اللہ تعالیٰ اپنی دامنون کو بھولون سے بھر کر واپس ہوگے ؎

دادیم ترا بہ گنج مقصود نشان    گرما نہ رسیدیم تو خود را برسان

ہاں آپ حضرات کی ادعیہ صالحہ سے اگر اصلاح ہو جائے اور ہم کسی لائق ہو جائیں جس طرح بڈھے ڈاکو کی اصلاح مریدوں کی دعوات اور توجہ سے ہوگئی تھی، تو مضائقہ نہیں۔ عزیز موصوف کا دوسری مرتبہ محراب سنانا نہ صرف موجب فرحت وسرور ہے بلکہ موجب ہزار ہا تشکرات ہے۔" او ولد صالح یدعو لہ" صدقہ جاریہ اور خیرات دائمہ ہے، آج جبکہ بڑے خاندان والے اپنی اولاد کو انگریزی اسکول کی تعلیم دلوا کر ان کو دوزخ کا کندہ بنا رہے ہیں اور دنیا کے لالچ میں ان کو بے دینی اور الحاد کی تعلیم دلوا کر دین سے برگشتہ اور اسلام کیلیے عار بلکہ دشمن بناتے ہوئے اپنی اور ان کی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ دنیاوی زندگی میں کفار کی غلامی کی لعنت کا پٹہ اپنی اولاد کے گلے میں ڈال رہے ہیں، آپ کی اولاد کا دیندار، حامل قرآن، اور حافظ دین متین ہونا لازوال اور عظیم الشان نعمت ہے، اللّٰھم زد و بارک۔

پھر بچہ ماشاء اللہ اصلاح پذیر اور سعید ہے، امید ہے کہ فخر خاندان ہو، یہ دعا ہمیشہ ہونی چاہیے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ "اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا۔

یقیناً اولاد کا صالح اور دیندار رہ کر ناتوں پر گذر کرنا، ڈپٹی کمشنر، وکالت اور بیرسٹری، پولیس وغیرہ کی انسپکٹری وغیرہ عہدہائے غلامی کفار سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے، دیدۂ عبرت کھولنا چاہیے، ھدانا اللہ وایاکم الی ما یحبہ ویرضاہ ویجعل لنا ولھم جمیعا الاخرۃ خیرا من الاولی، آمین

حسین احمد غفرلہ

۱۲ شوال ۶۳ھ

# مکتوب نمبر ۱۹

## مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء، مراد آباد

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

تصوف کا ضروری اور مضبوط اصول جو کہ نفس پر شاق بھی بہت ہوتا ہے یہ ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ بدظنی اور دوسروں کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے، اسی کے ماتحت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "معرفت خدائے تعالیٰ برآں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند فکیف از اکابر دین"۔ اپنے نفس کے کید و مکر سے کسی وقت بھی مطمئن نہ ہونا چاہیے، ع "فانک تعرفنا کید الخصم والحکم"۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ۔

پس جو حضرات پہلے سے معتقد علیہم ہیں یا جن کے افعال و اقوال مسائل خاصہ کے سوا مرضی پسندیدہ ہیں ان کے ساتھ بد اعتقادی وغیرہ نہ چاہیے، حسن ظن رکھنا چاہیے، ہمارے لیے مشاجرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین درس عبرت ہیں، ممکن ہے کہ ان حضرات ہی کی آراء صحیح ہوں، اگرچہ غلبۂ ظن یہی ہے کہ ہمارے آراء اور اعمال بالکل حق بجانب ہیں، لہٰذا نہ زبان درازی چاہیے نہ بداعتقادی بلکہ ان کے اور اپنے لیے دعا کرنی چاہیے۔ اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔ ذکر سے غافل نہ ہوجیے، وقت کو غنیمت جانیے، گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، آج کچھ کر لیجیے، کل کو کرنا ممکن نہ ہوگا، جفاکش بنیے۔ آرام و راحت آخرت کے لیے چھوڑیے۔

نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدوست ... عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

من نہ کردیم شما حذر بکنید

وانقین پرسان حال سے سلام مسنون عرض کردیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۲۰

کچھ تفصیلات مجلس شوری معلوم ہوئیں، بحمدللہ مخالفین اور اہل شر کو کامیابی نہیں ہوئی اور آپ کی مساعی بارآور ہوئیں، جزاکم اللہ خیرالجزاء۔ اگرچہ طلبا کا داخلہ بالفعل نہیں ہوا، اور ذی القعدہ تک اس کو موخر کردیا گیا، مگر قوی امید ہے کہ اکثر داخل ہوجائیں گے اور ان کو ترقی بھی حاصل ہوجائیگی، ٹوڈیوں کے جوارادے اور گورنمنٹی جو چالیں تھیں، بحمداللہ ناکام رہیں، وللہ الحمد وجزاکم اللہ تعالی خیرالجزاء۔

آپ کو اپنی تعلیمی اور مدرسہ شاہی کی ضروریات کو انجام دینے کی پوری جدوجہد کرلی چاہیے، اس وقت میں کوئی تعمیری خدمات قومیہ انجام نہیں دیجا سکتیں، شاہی کے دو مدرس اس وقت جیل میں ہیں اسوقت آپ کو صرف تعلیمی فرائض انجام دینے چاہئیں، اور اسفار

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۹) یہ وہی بطل حریت اور کوہ استقلال ہے جو برطانوی فرمانیوں کے سامنے ہر موقع پر بلند آہنگی اور بے باکی کی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے لیکن جب خود پسندی اور خود نمائی کا وہم پیدا ہوتا ہے، تو تواضع وانکسار کی یہ حالت ہے کہ کافر فرنگ کو بھی اپنے سے بہتر سمجھنے لگتا ہے۔ مالٹا اور مقدمہ کراچی وغیرہ کی تقریریں مطالعہ کرنے کے بعد جب اس مکتوب گرامی کو پڑھا جاتا ہے تو یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق ... ہر ہوسناکے نہ داند جام وسندان باختن

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حیات شیخ الاسلام ص ۲۶۸ تا ۲۷۲

وغیرہ جن سے تعلیم پر برا اثر پڑے، اس سے بالکل کنارہ کشی کرنی چاہیے، گذشتہ سال آپ نے اپنی کتابوں کے ربع یا ثلث ہی کو پڑھایا، غلط کاروائی ہے...... اسباق اور طلبہ کا ہرگز ہرگز حرج نہ کیجیے...... وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً الآیہ کو زیر نظر رکھکر ان فرائض دینیہ کو بخوبی انجام دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، آمین

والسّلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۵ / شوال ۱۳۶۱ھ

# مکتوب نمبر ۲۱

مندرجہ امور کی طرف توجہ ہونی چاہیے،

(۱) مسلکہ مصاریف حکیم انظار احمد صاحب نے کیے ہیں، ان سے ان مصاریف کی مقدار معلوم کیجئے، اور میرے متعلق جو نقد آپکے پاس موجود ہے، اس میں سے ادا کیجئے، اگر وہ خرچ ہو گئے ہوں تو قاری اصغر علی صاحب سے روپے طلب کیجئے، حکیم صاحب موصوف پر ایک پائی کا بھی بار ہرگز ہرگز نہ ڈالیے، اس فہرست میں ممکن ہے بعض چیزیں رہ گئی ہوں کیونکہ میں نے اپنی یاد سے لکھی ہے، ان سے پوچھ کر ان کو بھی لکھیے، اور اس کا حساب ادا کیجئے،

(۲) ان تین طالبعلموں کے متعلق جو کہ بلا وجہ گرفتار کیے گئے ہیں ابھی تک آپنے کوئی معاملہ نہیں کیا، حالانکہ آپنے لکھا تھا کہ میں انکے متعلق پوری کارروائی انجام دیکر سفر کروں گا۔

---

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۱) ۴۲ء کے ہنگامہ میں پولیس نے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم سے شکایت کی کہ کچھ طلبہ تحریک میں حصہ لے رہے ہیں، اس کے نتیجہ میں دار العلوم کے لیے خطرات کا بھیانک نقشہ پیش کر دیا۔ مولانا مرحوم بھولے بھالے آدمی تھے اس سے متاثر ہو گئے، اور طلبہ کی ایک معتدبہ تعداد کو خارج کر دیا، اور یہ بھی حکم دیا کہ سالانہ امتحانات وقت سے پہلے ختم کر دیے جائیں۔ اس والا نامہ میں اسی جانب اشارہ ہے، باقی تفصیلات اور جگہ آئینگی

(۳) مولوی غلام حسین بھاگلپوری اور شیخ انعام اللہ مرادآبادی کو کل حکم سنا دیا گیا، اور یہ بتایا گیا کہ ایک سال قید اور پچاس پچاس روپیہ جرمانہ اور بصورت عدم ادائگی تین تین ماہ قید ہوگی، ثانی الذکر کے متعلق بھی جاپان کا نعرہ لگانا پولیس بھی قائل بالنفی ہے، پھر دونوں کو برابر سزا دینا اور ہر ایک کے لیے اتنی بڑی مقدار مقرر کرنی بہت زیادہ سختی ہے، اس لیے ان کی نگرانی ضرور ہونی چاہیے، نگرانی میں اسقدر زائد صرفہ بھی نہیں ہے جس کے ثقل کا خوف ہو، اگر دوسرا ذریعہ مصارف کا نہ ہو تو میرے ڈیفنس کے روپیہ باقیماندہ سے اس میں خرچ کیجئے،

(۴) مدرسہ شاہی کے اوقات اور اسباق کی سختی سے پابندی کیجئے،

(۵) مولانا بشیر احمد صاحب بھٹہ کو زوردار طریقہ پر لکھیے کہ وہ دیوبند جا کر صدر صاحب کو اپنے سحر بھرے کلام سے موم بنائیں اور آمادہ کریں کہ وہ تمام مخرجین طلبہ کو بلا استثنا داخل فرمالیں اور اپنے احکام کو واپس لے لیں، کیونکہ انھوں نے حافظ محمد یوسف اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں کسی سے انتقام نہیں لونگا اور نہ خارج کروں گا، اور طلبہ ان دونوں حضرات کے حکم کے پابند ہوگئے تھے، اور اس وعدہ کو ان دونوں حضرات نے مجمع عام میں بھی طلبہ کو سنا دیا تھا، بہرحال مولانا بشیر احمد صاحب ذرا آجائیں اور صدر صاحب کا غصہ ٹھنڈا کریں، اگر ایسا نہ کیا تو مولانا بشیر احمد صاحب کے کمالات دو کوڑی کے رہ جائیں گے، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۶ شوال ۱۳۶۱ھ

# مکتوب نمبر ۲۲

نیاز احمد صاحب کو شکریہ لکھدیجئے اور بسلسلہ عریضہ بھیجدیجئے، آپ کا یہ فرمانا کہ مٹھائی واجب سے کے متعلق یہ شرط ہے مگر اس کا لگانا حسب قول مولانا اسمٰعیل صاحب نہ دینے کا بہانہ ہے، کیا ابواب شکر میں یہ شرط کہیں آئی ہے، وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔[1] لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔[2] ولیر اثر نعمتہ علیک۔[3] وہ فرماتے ہیں کہ وہ اتقیا جو مجاہدین فی سبیل اللہ کے مصداق حقیقۃ ہیں اور اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ اور اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ ان پر صادق آتا ہے، ایسے مجمع کو کھلاتے میں ٹال مٹول کرنا بہت ہی زیادہ ناانصافی اور ظلم ہے، اور خوف ہے کہ کہیں بخل اور بدترین بخل کی نشانی نہ بنجائے، (او کما قال) "وای داءٍ ادوءُ من البخل"۔[4] والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

# مکتوب نمبر ۲۳

جناب صوبیدار صاحب..... آپ کے حفظ قرآن میں صرف ایک منزل میں کامیاب ہونے پر صدمہ ہوا، امید تو یہ تھی کہ اس مدت میں آپ ربع سے زائد پر کامیاب ہو چکے ہوں گے، بہرحال آپ باہر آنے سے پہلے کم از کم فیض آباد کی پنج ماہہ جدوجہد ضرور بار آور کرلیں اور آخر شب میں یا اول شب میں اس کا معتدبہ حصہ نوافل میں ضرور

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۲) [1] اور تیرے رب کا جو احسان ہے اسکو بیان کر [2] اگر احسان مانوں گے اور شکر ادا کروگے تو تم کو اور بھی دونگا، [3] حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اثر بندہ پر دیکھنا چاہتا ہے [4] بخالت سے بڑھکر اور کون بیماری ہے،

پڑھ لیا کریں، ہمت بلند رکھیں، انشاء اللہ، خداوندی شامل حال ہوگی، یہاں سے بھی لوگ بڑے پیمانہ پر رہا ہو رہے ہیں، ہمارا مقدمہ چل رہا ہے، آج بھی تاریخ ہے دیکھیں کیا ظاہر ہوتا ہے، القلوب بین اصبع الرحمٰن۔ بہرحال مارا ہ المولیٰ فھو الا حسن و ھو الا دنی۔ میں مطمئن ہوں اور الحمد للہ احسن حال میں ہوں، افضال خداوندی کا شکرگذار ہوں، ذکر میں عالی ہمتی اور استقلال سے کام لیجیے، اور افضال خداوندی سے مایوس نہ ہوجیے، دفع وساوس وخطرات کے لیے سورۂ ناس اکسیر ہے، روزانہ ایک سو مرتبہ یا کم از کم چالیس مرتبہ مع خیال پڑھ لیجیے، صاحبزادہ صغیر کے لیے دعا کرتا ہوں، انشاء اللہ آپکی حسن تربیت سے وہ بھی طریق قدیم پر آجائے گا۔۔۔۔۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۷ ذی القعدہ سنہ ۶۲ھ

## مکتوب نمبر ۴۲

جناب صوبیدار صاحب۔ زید مجدہم المعروف بہ قسیرۃ الاسلام۔

وائسرائے صاحب نے جواب جلد مانگا تھا، غالباً وہ تاخیر کی بناء پر عبوس وقمطریر ہو گئے، مگر ظروف واحوال کی مشکلات نے یہ تاخیر کرادی تھی، میں نے جواب میں تاخیر نہیں کی مجھکو جناب حافظ[1] صاحب اور مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق ہے، ہاں عملی حیثیت سے میں اسکو نہایت مشکل دیکھتا ہوں جس کا احساس ان دونوں حضرات اور دیگر اہل الرائے اہل حل وعقد

[1] حافظ صاحب سے جناب حافظ محمد یوسف صاحب نبیرہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، اور مفتی صاحب سے حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند مراد ہیں، یہ دونوں حضرات دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے،

کو ضرور ہو گا، ایسے امور میں مجھ سے پوچھنا غلط ہے، مذکورہ بالا دونوں حضرات اور آپ حضرات کی آراء ان امور میں ہم جیسے ناکاروں کے لیے واجب التقلید ہے، آپکی دربارہ حفظ قرآن مزید جدوجہد ہم ناکاروں کے لیے بہت زیادہ سرور بخش اور امید افزا ہیں، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے، آمین، ع

علی قدر اہل العزم تاتی العزائم فاجتھد ولا تیاس من روح اللہ[1]

مولانا بشیر احمد صاحب کی غیبوبیت تعجب خیز ہے، اللہ تعالیٰ بہتر کرے، بحمد اللہ میں بخیر و عافیت و آرام و سکون سے ہوں، یکم نومبر کے واقعہ سے تاثر غلط ہے ؎

در منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان شرط اول قدم آنست کو مجنون باشی

عشق میں اسکے کوہ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

والسلام

بقدر الجد تکتسب المعالی ومن رام العلیٰ سھر اللیالی[2]

من نکردم شما حذر بکنید

فلا تکسل ولا تیئاس ولا تکن من القانطین

داعیکم المحجور فی -، من الحجۃ ۶۳ھ

---

[1] حوصلہ اور عزم کے لحاظ سے بخشش اور انعام بھی ہوا کرتا ہے، کوشش کرتے رہو اور اللہ کی مہربانی سے مایوس نہ ہو۔

[2] اس شعر کا ترجمہ دوسرے مکتوب میں آتا ہے۔

# مکتوب نمبر ۲۵

جناب گورنر صاحب.... ۲۴ مارچ کا والانامہ مفصلہ باعث سرفرازی ہوا، بحمد اللہ خیروعافیت سے ہون، یہان اجتماع عظیم ہے، تمنبل کہان نصیب ہو سکتا ہے، نمبر این جنتا تقریباً دو سو ہے، شاہد صاحب، مظفر صاحب بھی اسی احاطہ مین ہین، ان کے علاوہ پانچ موحد اور بھی ہین، ہر طرح سے آرام و راحت ہے، مسل کا واقعہ معلوم کرکے صدمہ ہوا، کاش روانگی سے پہلے آجاتی، تقدیرات الہیہ مین کیا چارہ ہے،

صدیقی صاحب کا مفصل والانامہ یہان آیا، جوکہ صدر صاحب کی روانگی اور ان کے جماعت کی نیرنگیون کی مفصل داستان ہے، آپ کے اور گورنر جنرل صاحب کے ملاحظہ کے لیے بھیج رہا ہون، دیکھیے اور عبرت پکڑیے، قدرت کے کارنامے ہین، استعفاء کے الفاظ بھی عجیب وغریب ہین، مگر اس کو نہین بھیجتا، بہرحال چار پانچ نئے دررسون کے ذریعہ سے دارالعلوم سنبھال لیا گیا،

امور مسئولہ کے جوابات (۱) ٹوکری مین بصورت سانپ[۱] گھناؤنی چیز کا نکلنا بہت عمدہ اور

---

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۵) اس مکتوب گرامی مین بعض اصطلاحات استعمال کی گئی ہین، جو تحریک ۴۲ء کے زمانہ مین برتی گئی تھین، گورنر صاحب سے مراد مولانا سید محمد میان صاحب ہین، اور صدیقی صاحب سے مراد مولانا عبدالوحید صاحب غازیپوری جنرل منیجر الجمعیۃ ہین جو اس وقت دارالعلوم کے شعبہ تنظیم کے انچارج تھے، اور صدر صاحب سے مراد مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم تھے جو دارالعلوم کے صدر مہتمم تھے، اور گورنر جنرل سے مولانا حفظ الرحمان صاحب مراد ہین۔ ابو جعفر حافظ سادات حسن کی کنیت ہے،

[۱] واقعہ یہ ہوا کہ مولانا محمد میان صاحب نے خواب دیکھا کہ ایک کالا سانپ میرے اندر سے نکلا ہے،

(باقی حاشیہ ص ۶۶ پر)

مفید ہے، اس کے یہ معنی ضروری نہیں ہیں کہ خناس بالکل جدا ہو گیا، ہاں اس کا کوئی اثر کم ہو گیا، اور ذکر کی برکتوں سے ایسا ہونا ضروری ہے " وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ " سے معلوم ہوتا ہے کہ غفلت عن الذکر کی بنا پر جو شیطان مسلط تھا وہ بوجہ ذکر جدا ہو گیا، اب وہ جدا تو ہو گیا، مگر کیا صرف ایک ہی تھا کہ اس کے جدا ہونے کے بعد میدان بالکل خالی ہو گیا، یہ کہاں سے سمجھ لیا گیا، اتنے دنوں کی غفلت نے خدا جانے ان شیاطین کے کتنے انڈے بچے پیدا کر دیے ہوں گے، ذکر پر مداومت انشاء اللہ آہستہ آہستہ صفائی ہو جائیگی، نیز نفس تو جدا نہیں ہوا، وہ سالہا سال کی مصاحبت سے جو رنگ حاصل کر چکا ہے وہ دو چار دن میں کہاں جائے گا، وہ اپنا رنگ لاتا ہی رہے گا، بہر حال مردانہ وار کام کیجئے اور ان لغویات کی طرف دھیان نہ کیجئے،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۵) جس پر گھنونی چیز مثل رطوبت کے موجود ہے جس سے طبیعت سخت متوحش ہوئی، اگر یہ چیز میرے اندر رہ گئی ہوتی تو کیا حال ہوتا، حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جواباً جو تعبیر ارشاد فرمائی ہے اور قرآنی روشنی میں خواب کو واقعہ بنا دیا ہے، یہ حضرت اقدس کا ادنیٰ کمال معرفت اور تاویل رؤیا کا معمولی کرشمہ ہے، مولانا محمد میاں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بڑا احاطہ ہے، اس کے وسط میں ایک بوسیدہ کمرہ ہے، جس کی زمین زرد رنگ کے سنگریزوں سے ملی ہوئی ہے، اس وسیع احاطہ میں ایک بہت بڑا اژدہا اس طرح زمین میں گھسا ہوا ہے کہ جس طرح درخت کی جڑ کا کچھ حصہ موٹا سا کبھی زمین کے اوپر آجاتا ہے، اژدہے کا رنگ زرد ہے، بارہ گز لمبا اور ایک گز کے قریب چوڑا ہو گا، طول اور ضخامت کا حصہ ایک جگہ سے اتنا ہی! ہر سرے کچھ کم دوسری جگہ ہے، اس اژدہا کو دیکھکر مولانا کو بڑا خوف ہوا کہ اس کا مارنا اور نکالنا دونوں مشکل ہے، اس پر امام العصر دامت برکاتہم نے یہ والا نامہ تحریر فرمایا اور تعبیر بھی صاف صاف بیان فرما دی،

(۲) میرے ان الفاظ میں "کوشش کیجئے کہ معانی کا تصور اور قلب کا تعلق از ابتدا تا انتہا ہو جائے"۔ اس سے تو یہی مقصد تھا کہ جو الفاظ زبان سے یا قلب سے (ذکر قلبی میں) یا سانس کے ساتھ (پاس انفاس میں) نکلتے ہیں، ان کے معانی کا تصور قلب میں قائم رہے، یہ نہ ہو کہ زبان سے کچھ نکل رہا ہے اور قلب غافل ہے، یا کسی دوسری طرف متوجہ ہے اور بر زبان تسبیح در دل گاو خر کی صورت کو دفع کرتے رہیے، مثلاً لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے کوشش کیجئے کہ معانی لا محبوب الا اللہ قائم رہیں، اور لفظ لا الٰہ کہتے ہوئے خیال قائم ہو کہ ماسوی اللہ کو قلب سے نکال کر پس پشت پھینک دیا، اور الا اللہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت کو ضرب لگاتے ہوئے زور سے دل میں گاڑ دیا ؎

خواہم کہ ہیچ صحبتِ اغیار ہر کنم
در باغ دل رہا نہ کنم جز نہال تو

از دل برون کنم غم دنیا و آخرت
یا خانہ جائے ذکر بود یا خیال تو

خطرات وساوس حدیث نفس وغیرہ کو حتی الوسع دفع کرتے رہیے، اثناء ذکر میں ابتدا سے انتہا تک یہی کوشش جاری رہنی چاہیے ؎

حضوری گر ہمین خواہی از و غافل مشو حافظ
متی ما تلق من تھوی دع الدنیا واھملھا

مگر آپ دوسری طرف دوڑ گئے اور جناب باری عز اسمہ کے تصور اور کلمات مشائخ رحمہم اللہ میں الجھ گئے۔ محترما جو کچھ عقیدہ اہل سنت والجماعت[1] ہے اور جو کچھ دلائل عقلیہ و نقلیہ

[1] الفاظ اہل سنت والجماعت پر ہم کسی قدر بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس کا صحیح مفہوم واضح ہو جائے اور گمراہ جماعتیں تدلیس سے کام نہ لے سکیں، اس میں تین الفاظ ہیں (۱) اہل، اشخاص، مقلدین، اتباع اور پیرو کو کہتے ہیں۔ (۲) سنت عربی میں راستہ کو کہتے ہیں، یہاں سنت سے مقصود عام سنت نہیں بلکہ دینی اصطلاح میں آنحضرت صلعم کی طرز زندگی اور طریق عمل کو سنت کہتے ہیں۔ (۳) جماعت سے

(باقی حاشیہ ص ۶۸ پر)

سے ثابت ہوتا ہے، وہی حق ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عز شانہٗ نور اور نار اور شکل و صورت وغیرہ تمام اعراض و جواہر سے منزہ اور پاک ہے، اور تمام صفاتِ کاملہ لائقہ بذاتہ اس کے ساتھ قائم ہیں، ادراک ذات بحت احاطہ علم بشر سے خارج ہے، صفاتِ کاملہ ثبوتیہ اور صفات سلبیہ تک ادراک بشر پہنچتا ہے، اس لیے اس کی ذات بحت کے نفوذ کے لیے موجود حقیقی کما یلیق بشانہ منزھا من جمیع النقائص وسمات الزوال متصفا بجمیع صفات الکمال والجلال مدرکہ میں لانا ضروری ہوگا۔ ؎

دور بینان بارگاہ الست  غیر ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

اے برتر از خیال و قیاس گمان و وہم  وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

(بقیہ حاشیہ ص ۶۷) کے معنی گروہ کے ہیں، یہاں جماعت سے مراد جماعت صحابہ ہے، لہٰذا اہل سنت والجماعت کا اطلاق ان اشخاص پر ہوتا ہے جن کے اعتقادات وغیرہ کا مرکز پیغمبر علیہ السلام کی سنت صحیحہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اثر مبارک ہے۔ پس اہل سنت کے مذہب کا مدار اور مبنیٰ دو اصول ہیں، (۱) داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقائد اور اعمال کے متعلق اپنی امت کو جو کچھ تعلیم اور تلقین کی اس میں ایک ذرہ زیادتی یا کمی نہیں ہوسکتی، (۲) عقائد یا خدا کی ذات اور صفات کے متعلق قرآن نے جو کچھ بیان کیا یا آپ نے جو کچھ بتایا اور جس مسئلہ کی جس حد تک قرآن نے تشریح کی صرف اسی پر ایمان لانا واجب ہے، اپنی عقل و قیاس و استنباط سے اس کی تشریح و تفسیر صحیح نہیں اور نہ اس پر ایمان لانا اسلام کی صحت کے لیے ضروری ہے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ گمراہی اور ضلالت کا موجب ہو، غرض جو رسمی فرقے آج پیدا ہوگئے ہیں اور اپنے کو اہل سنت والجماعت بلکہ حنفی اہل سنت وغیرہ کا نام استعمال کرتے ہیں وہ برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق ہیں، امام عبدالبر جامع بیان العلم میں امام مالک کا عقیدہ بتاتے ہیں، عقائد میں گفتگو کرنا ناپسند کرتا ہوں، اور ہمیشہ ہمارے شہر مدینہ

(باقی حاشیہ ص ۶۹)

لیس کمثلہ شیئ اس کے لیے ذریعہ اتم ہے، ہان اس کی تجلیات انوار مختلفہ اور صور کاملہ شمسیہ وغیرہ مین ہو سکتی ہے جن سے وہ ذات مقدسہ وراء الورا ہے، آفتاب آئینہ ہائے مختلفہ مین متجلی ہو سکتا ہے، اگرچہ وہ اپنے مقام پر لاکھون میل دور ہے، یہ آئینہ مظہر شمس ہے عین شمس نہین، اس مظہر مین شمس حقیقی موجود نہین، اس کا عکس ہے، اس کے عکس کو عین شمس نہین کہہ سکتے جیسے غیر بھی من کل الوجوہ نہین کہہ سکتے، چونکہ ذات بلاکیف وبلاکم کا سمجھانا لوگون کو بالخصوص ابتدا مین مشکل ہوتا ہے، انوار وغیرہ سے درک مین استقرار کرایا جاتا ہے ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

(بقیہ حاشیہ ص ۶۸) کے علما راس کو ناپسند کرتے رہے ہین اور اس سے روکتے رہے ہین، مین بحث ومباحثہ ان امور مین ناپسند کرتا ہون، جن کے تحت مین کوئی عمل ہو لیکن خدا کے متعلق عقائد اور خود خدا کی ذات مین سکوت میرے نزدیک پسندیدہ ہے، امام طریقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہین وعلی المومن اتباع السنۃ والجماعۃ فالسنۃ ما سنہ رسول اللہ صلعم والجماعۃ ما اتفق علیہ اصحاب رسول اللہ صلعم فی خلافۃ الائمۃ الاربعۃ الخلفاء الراشدینؓ (غنیۃ الطالبین) مفہوم یہ ہے کہ مومن پر واجب ہے کہ سنت والجاعت کی پیروی کرے، سنت تو وہ ہے جو آنحضرت صلعم کا طرز عمل اور روش تھی، اور جماعت وہ کہ جس پر اصحاب رسول اللہ صلعم خلفاء اربعہ کے زمانہ مین متفق رہے، چنانچہ علماء امصار اور جملہ اہل سنت اور ارباب سلوک کے عقائد ایک ہی ہین جسکو صاحب یامن المرتاض نے از صفحہ ۴ تا صفحہ ۱۰ ختم تک مفصل بیان کیا ہے، اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے اپنے اس کرامت نامہ مین اشارہ فرمایا ہے، باقی معتزلہ کا یہ کہنا کہ صفات عین ذات ہین اور حنابلہ کا یہ عقیدہ کہ صفات غیر ذات ہین اور اشاعرہ وماتریدیہ کا یہ خیال کہ وہ نہ عین نہ غیر ہین، اجماع شریعت سے عدول اور خرق ہے یہ تینون برابر ہین، اس لیے کہ ان مین شریعت نے کسی کی

(باقی حاشیہ ص ۷۰ پر)

آپ انشاء اللہ عالم اجل اور فاضل بے بدل ہین، آپ اس حقیقت پر پہنچکر اپنے قوی مدرکن کو پوری تنزیہات وتقدیسات کے ساتھ عامل اور عالم کرسکتے ہین، وہ ذات بے چون وبے چگو ہر کہین قائم رکھنی اور علیم بذات الصدور اور اقرب الیہ من حبل الورید اور هو معکم اینما کنتم تصور کرنی آپ کے لیے مشکل نہین، اس کے احاطہ منزہ عن الاعراض والکیفیات کا تصور کرتے ہوئے ذکر نفی واثبات محض مین جد وجہد فرمائین اور تدریجاً ترقی کرین، انشاء اللہ آہستہ آہستہ کامیاب ہون گے، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ نہایت قوی وعدہ ہے، مایوس ہونا اس کی رحمت عامہ سے کفران ہے، اس فرصت کو غنیمت جانیے، اور نعمت اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ سے فیضیاب ہونے کی کوشش کیجیے، نعم المولی ونعم النصیر کی مدد ضروری ہے، بحرمتہ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وآلہ الامجاد۔

(۳) ہر شخص جس راستہ سے فیض یاب ہوا ہے، اس کا گیت گاتا ہے، اور اسی کا مداح وثنا خوان ہوتا ہے، اور یہ اس کا فریضہ ہے ورنہ لطف خداوندی منحصر کسی خانوادہ اور کسی طریقہ مین نہین ہے، ہان ازمنہ مختلفہ مین اسی طرح تبدل ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ کاشتکار کبھی کسی نالی سے پانی جاری کرتا ہے اور کبھی کسی نالی سے، فیض مبداء فیاض بھی اسی طرح الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۶۹) تصریح نہین کی ہے، خوب غور کرلیا جاوے،

جواب سوال نمبر ۳ کے متعلق مولانا سید محمد میان صاحب تحریر فرماتے ہین کہ صورت یہ ہوئی کہ باوجودیکہ احقر ۱۹۳۲ء مین بیعت ہوا تھا، مگر عرصہ تک یہی سمجھتا رہا کہ حضرت نے طریقہ مجددیہ مین بیعت کیا ہے، اس زمانہ مین علماء ہند کا شاندار ماضی جلد اول مرتب کیا جس مین حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے، اس اس ترتیب کے لیے مکتوبات کی تینون جلدین اور اس سلسلہ کے اکابر کی تصانیف دیکھنی پڑینی، حضرت مجدد صاحب نے اس زمانہ کے حیثیون پر اپنے مکتوبات مین تنقید کی ہے، احقر نے بھی اس سلسلہ پر شاندار ماضی مین تنقید کی

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ کا گیت گاتے ہیں، وہ سچ فرماتے ہیں، ان کو وہاں ہی فیض اتم حاصل ہوا، اور اس زمانہ میں توجہ اور عنایات ازلیہ اس طرف بہت زیادہ مبذول تھی، مگر ہمیشہ نہ پہلے تھی اور نہ بعد کو ہوئی، ہمارے اسلاف کرام پر عنایات الٰہیہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ مبذول ہوئیں، جو کہ ازمنہ اخیرہ میں دوسرے طرق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں، وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ ہم جملہ طرق اور انکے مشائخ کے سب کے دریوزہ گر ہیں، مگر اپنے باپ کا گیت گانا اس سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں جتنا کہ چچا تایوں حتیٰ کہ اجداد کرام کا۔ جس کا کھائے اس کی گائے مشہور مثل ہے، ہمارے اسلاف کرام قدس اللہ اسرارہم اگرچہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ چست و چالاک اور گامزن ہیں، مگر عمل کی حیثیت سے حضرت مجدد رحمہ اللہ ہی کے قدم بقدم ہیں ؎

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

(بقیہ حاشیہ ص) کردی ہے ۱۹۴۲ء کی فرصت میں جب احقر کو موقع ملا کہ حضرت شیخ مدظلہ العالی سے استفادہ کرے تو حقیقت منکشف ہوئی کہ حضرت طریقہ چشتیہ میں ملتقین فرماتے ہیں، بڑی ندامت ہوئی، چنانچہ احقر نے ایک عریضہ میں ندامت کو ظاہر کرتے ہوئے معذرت چاہی..... حضرت نے سکوت فرمایا اور شفقت بزرگانہ عتاب پر غالب آگئی، اس موقع پر ایک بات کا صاف کر دینا ضروری ہے وہ یہ کہ حسب تحقیق حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکہ رحمہ اللہ طریقہ چشتیہ میں وصول بطریق جذب ہوتا ہے بطریق سلوک نہیں اور یہ جذب برکت ہے اتباع سنت کی، کیونکہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبہ بالمحبوب کے محبوبیت عند اللہ ہے اور محبوبیت کے لیے جذب لازم ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب حضرت امام العصر دامت برکاتہم تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کرام پر عنایت الٰہیہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ مبذول ہوئیں جو کہ ازمنہ اخیرہ میں دوسرے طریق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں۔

(باقی ص ۲۰ پر)

یہ نعمت غیر مترقبہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی سے شروع ہوتی ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ پہلے نہ تھی یا دوسرے اس سے خالی تھے، مگر اعتبار غلبہ کا ہے، ہر طریقہ میں غلط کار، نقال، پست ہمت، روٹی کھانے والے نفس پرست، نام کے بندے ہم جیسے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے ظاہربین طریقہ پر حرف اعتراض زبان پر لاتا ہے، مگر یہ غلطی ہے کسی ننگ اسلاف کی وجہ سے اسلاف پر تنقید نہیں کی جا سکتی، لہٰذا زمانہ موجودہ کے چشتیوں کی حالت سے نفس طریقہ پر حرف تنقید لانا غلط تھا، کسی مقصد یا حال میں ناکامی کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس شخص سے ارتباط اور تعلق پیدا کیا گیا ہے وہ بذات خود نالائق اور سخت ناقص ہے، جو کہ واقعی امر ہے، نیز حسب ارشاد شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ "طرق الوصول الی اللہ بعدد انفس الخلائق" طبائع کا اختلاف پیدائشی بھی ہوتا ہے، بہر حال جد و جہد جاری رکھیں اور کسی کامل اور مکمل رفیق طریق کی تلاش کریں، ازمنہ موجودہ میں اگرچہ ان کی کمی ہے مگر معدوم نہیں، لا یزال اللہ یغرس لھذا الدین غرسا (او کما قال) لا تزال طائفۃ من امتی الحدیث کسی ناقص کو چھوڑ کر کامل کو اختیار کرنا ممنوع نہیں، بلکہ یہی سمجھ کی بات ہے، اور اکابر نے ایسا کیا ہے۔

(۴) پاس انفاس میں کامیابی موجب صد شکر ہے، اللّٰھم زد فزد۔ بسط و قبض خلقت بشری کا تقاضا ہے، مایوس نہ ہونا چاہیے۔

(بقیہ حاشیہ صل) امام العصر کا شعر در کفے جام شریعت الخ کہ اس موقع پر پڑھا اور نقل فرمایا بڑی معنویت رکھتا ہے اور ان ہی بزرگوں کا کمال ہے کہ سلوک نقشبندیہ و چشتیہ دونوں کو جمع کر کے انکا عطر نکال لیا ہے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ جس طریقہ سلوک سے وابستہ ہو، تعلیم بھی اسی طریقہ کے مطابق رکھی جائے، تاکہ نسبت بھی اس طریقہ کی باقی رہے کسی حد تک یہ بات صحیح ہے لیکن مقصود نہیں، کیونکہ مقصود رضاء الٰہی اور خوشنودی باری ہے، یہ جب
(باقی صفحہ ۲۰۱ پر)

(۵) سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تو مشائخ طریقت میں ہیں، درود شریف ان کے لیے خاص ہونے کے ساتھ ایصالِ ثواب بھی ان کے لیے ہو ہی جاتا ہے، بہرحال اگر آنحضرت علیہ السلام کے لیے کوئی خصوصی چیز ہدیہ کیجائے تو اس میں کلام ہی کیا ہے، جبکہ جناب علیہ السلام فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| لا یحقرن جارۃ لجارتھا | اور پڑوسی کو ہدیہ دینے میں حقیر نہ جانے اگرچہ |
| ولو فرسن شاۃ | ایک ٹکڑا بکری کے کھر کا بھیجے (ترمذی) |

اور مشہور مقولہ ہے "الھدایۃ علی قدر مھدیھا" تو کیوں قلت ہدیہ سے شرم آئے، آپ کا حصہ تو ہماری ہر عبادت میں لگا ہوا ہے، خواہ نماز ہو یا ذکر ہو، مالی عبادت ہو یا بدنی قلیل ہو یا کثیر، پھر اس میں لگ جائے گا اختیاری و اضطراری دونوں طرح سے۔

بحمد اللہ میں ہر طرح خیر و عافیت سے مطمئن الخاطر ہوں، جب کبھی کوئی خیال آتا ہے تو معاً یہ آیت سامنے آجاتی ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ ع۲) سلوک سے حاصل ہو، اور تزکیہ و تطہیر قلب جس صورت سے ممکن ہو کرنا چاہیے، بفضل خدا زندگی کسی طریقہ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ راستے مختلف ہیں، منزل ایک

(جواب نمبر۴) اس میں لفظ قبض و بسط استعمال فرمایا گیا ہے، جس پر صاحب عوارف اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح فتوح الغیب میں مفصل کلام فرمایا ہے، صوفیہ اسکو دو حالت سے تعبیر کرتے ہیں یعنی ترقی کے بعد بندہ پر خوف اور رجا کی حالت طاری ہوتی ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ خوف و رجا کا تعلق امر مستقبل سے ہے، اور قبض و بسط امر حاضر سے تعلق رکھتا ہے، قبض بسط سے زیادہ نافع ہے، کیونکہ بسط میں عجب کا خطرہ ہے۔

(جواب نمبر۵) مولانا سید محمد میاں صاحب کو یہ ہدایت تھی کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب کیا جائے، اس پر مولانا موصوف نے

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ( ) اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے،

تو سکون ہو جاتا ہے، مار ۱۰۱ المولی فھوا کا و نی۔

دو روز ہوئے ڈاکٹر کچلو چھوڑ دیے گئے، وزن تقریباً ۴۰ پونڈ کم ہو گیا تھا، تبخیر وغیرہ کی شکایت تھی، وہ اور آر بیس، پنڈت اور ٹنڈن صاحب اور دوسرے پانچ چھ آدمی اے کلاس میں اس وقت تھے، جبکہ سابقہ سشن میں اسمبلی میں سوال اٹھا تھا، اور ابتک بین، اس کلاس والوں کو گرمیوں میں باہر سونے کی اجازت ہے، اور غذا اور میوون وغیرہ میں مراعتیں ہیں، میرا ٹکٹ ابتک وہاں سے نہیں آیا، اگر آجاتا تو مجھکو بھی کچھ حتی آج کا موقع مل جاتا، حافظ صاحب اور گورنر جنرل صاحب، ابوجعفر صاحب اور دوسرے حضرات سے سلام مسنون عرض کر دیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(۱۳۴۲ھ)

## مکتوب نمبر ۲۶

قاعدہ ہے کہ مہینہ میں کلکٹر معائنہ جیل کے لیے آتا ہے، ستمبر میں جب آیا تو نمبر ۲ میں جسمیں سی کلاس کے سیاسی قیدی ہیں اور نمبر ۹ و ۱۰ میں جب میں ۱۲۹ اور ۲۶ کے غیر مسلم سیاسی قیدی ہیں، دیواروں پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ "ہندوستان چھوڑ دو"۔ اس پر وہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶) شبہہ پیش کیا کہ بارگاہ عظمت پناہ میں یہ ہدیہ بہت ہی کم ہے، کبھی کبھی ایصال ثواب کے وقت ندامت بھی محسوس ہوئی کہ این بضاعۃ مزجاۃ باآن بارگاہ عالی چہ نسبتے دارد؟

خفا ہوا اور کہہ گیا کہ لکھنے والون پر مقدمہ چلاؤ، تحقیقات ہوئی، چند شخصون نے اقرار کیا، ان پر مقدمہ چلایا گیا، اور ان کو دفعہ ۲۶ کے علاوہ ایک ایک سال کی قید کر دی گئی، اور وہ سی کلاس نمبر ۲ مین بھیجدیے گئے، اکتوبر مین جب آیا تو وہی عبارت لکھی بھی گئی، اور جب وہ نمبر ۲ مین آیا تو یہی آواز بلند بھی کی گئی، آواز بلند کرنے والے چھ آدمی تھے، اس نے چپ کرایا مگر وہ نعرے لگاتے ہی رہے، پھر جیلر اور سپرنٹنڈنٹ نے بھی چپ کرانا چاہا مگر انھون نے نعرے لگانے بند نہین کیے، وہ خفا ہوکر واپس لوٹ گیا، ہمارا حلقہ نمبر ۲ کے بعد اندر کو ہے، غصہ کی وجہ سے ہمارے حلقہ مین آیا، اس کے بعد وہ نمبر ۹ مین گیا، وہ لوگ جھنڈے کا گیت گا رہے تھے، اس نے کہا شور مت مچاؤ، وہ چپکے ہوئے تو پوچھا کون لوگ تلقین کر رہے تھے، دو آدمی آگے بڑھے کہ ہم جھنڈے کا گیت گا رہے تھے، اس نے ان کو حکم دیا کہ ان کو تنہائی کی کوٹھری مین بھیجدو اور مقدمہ چلاؤ، اس کے بعد اس نے کہا کہ کون کون آگے آتے ہین، شور مچانے مین بیس آدمی آگے آگئے، ان سب کے نام درج کرالیے، اور حکم دیا کہ ۶ آدمی نمبر ۲ ان کو پندرہ پندرہ بید لگائے جائین، اور ان بیسون پر مقدمہ چلایا جائے، چنانچہ اسی وقت دفتر مین بیٹھکر پولیس کو بلوایا کہ باہر موجود رہے، اور مجسٹریٹ آئے اور مقدمہ دایر کیا جائے، چنانچہ سٹی مجسٹریٹ عبدالقیوم خان لائے گئے، اور مقدمہ دائر کیا گیا، بحثین ہوئین، باہر سے کوئی وکیل کسی کا نہین لایا گیا، مجسٹریٹ نے فیصلہ چند آدمیون پر نمبر ۲ کے لیے پندرہ پندرہ بید کا، اور نمبر ۹ کے دونون لیڈرون پر بھی پندرہ پندرہ بید، اور ایک ایک سال قید کا، اور باقی ۲۰ پر صرف ایک ایک سال قید کا کیا، مگر ابھی تک ان مین سے کسی کو بید لگائی نہین گئی، ان لوگون نے تبدیلی مقدمہ کی درخواست کی کہ اس کلکٹر کے غیر زیر اثر مجسٹریٹ کے یہان ہمارا کیس ہو، مگر کلکٹر نے اجازت

نہیں دی، اب ان صاحبان کا مقصد اپیل ہے،

اس سے پہلے چند سیاسیون کو بید پندرہ پندرہ یا اٹھارہ اٹھارہ لگائی گئی ہیں۔ وہ لوگ ہیں جن پر پولیس نے ایسی دفعات ہی عائد کی تھیں جس میں موجودہ آرڈی ننس میں سزائے بید مقرر ہے، تار کاٹنے، لائن توڑنے یا ان کی ترغیب دینے کا جرم، اس لیے ان کو بید لگائی گئی اور چھوڑ دیے گئے، مولوی غلام حسین اور شیخ انعام اللہ کا تو فیصلہ ہو چکا، اس کی نقل لیجیے اور کام کیجیے، مولانا بشیر احمد صاحب کے متعلق مولانا عبدالحلیم صاحب نے فرمایا کہ وہ گیا سے آگئے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ گیا نہیں گئے، بنارس سے واپس ہو گئے مولوی حبیب اللہ صاحب کا خط بھیج چکا ہوں، مولانا اسمٰعیل صاحب کی رائے ہے کہ اپیل کے متعلق منشی حامد صاحب انشاء اللہ اچھا کام کر لیں گے، دیگر امور کے متعلق مولانا ابوالقاسم کل لکھ ہی چکے ہیں، اور اب ان کی دوسری تحریر زیادہ روشنی ڈالے گی،

حکیم صاحب کے مالی بار کا پورا خیال رکھیے، آپ فرماتے ہیں کہ روزہ بخشوانے گئے تھے نماز سر پر پڑ گئی، تو جناب حکم شرعی تو دونوں ہی کا ہے، دن کو روزہ رکھیے اور رات کو نماز پڑھیے فرض اللہ علیکم صیامہ وسننت لکم قیامہ[1] الحدیث، دونوں کو ہی ادا کرنا پڑیگا

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۲۷

...... میں غالباً اٹھارہ شوال سے پہلے دیوبند نہ پہونچ سکوں گا، محترمہ ہمشیرہ کے

---

[1] آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کے روزے تم پر فرض کر دیے اور میں نے تراویح کو سنت قرار دیا (حدیث)

عقد میں اس وجہ سے ہرگز تاخیر نہ فرمائیں، خیر البر عاجلہ، جسقدر سادہ اور سنت کے موافق ہو ضروری ہے، ہمارے لیے حضرت نانوتوی اور حضرت شیخ الہند قدس اللہ اسرارہما کے کارنامے مشعل راہ ہیں ........

ذکر بارہ تسبیح سب ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے، نہ معلوم نفی اثبات یعنی ذکر لا الٰہ الا اللہ کے متعلق آپ کو کیا شبہ ہے، لفظ اللہ میں رفع ہی ہوگا، اور وہ بھی رفع معروف، اور ضرب حرف اول پر ہوگی، اور ثانی ساکن ہوگا، تیرہویں تسبیح میں ضرب پوری ہوگی، صرف اسم ذات ایک ہی مرتبہ ہوا کرے گا، ذکر پاس انفاس میں اس کا خیال رہے کہ زبان اور ہونٹ کو حرکت نہ ہو، سانس حسب معمول لیجائے، زور سے لینے میں خوف ہے کہ دماغ پر کچھ اثر ہو، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۲۸

### مولانا احمد حسین صاحب لاہرپور ضلع سیتاپور کے نام

محترم المقام زید عنایتکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا جماعت اور اذکار سے تغافل باعث افسوس اور تعجب ہے، ہمیشہ تکاسل اور غفلت کو حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کیجئے، مردانہ وار ہمت ہونی چاہیے، یہ چند دنوں کی زندگانی ہے، اور پھر اس میں قویٰ کی طاقت اور بھی اقل ہے، جس قدر بھی ممکن ہو زاد برائے راہ آخرت اس میں تیار کر لیجئے، محبوب حقیقی کے یہاں جاہ و عزت حاصل کرلیں، وہ کہتا ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ، وہ حدیث قدسی میں فرماتا ہے، انا مع العبد اذا ذکرنی

وہ دوسری حدیث قدسی میں فرماتا ہے، من تقرب الیّ شبراً تقربت الیہ ذراعاً۔ الحدیث

ع یقین میداں کہ آں شاہ نکو نام بدست سر بریدہ می دہد جام

الحاصل ہمت بلند رکھیے، غفلت پر لعنت کیجئے، جس قدر ممکن ہو اپنے سانس اور اعضا وارکان کو پروردگار حقیقی کے نام لینے میں صرف کیجئے،

ع "من نکردم شما حذر بکنید"

خدا کی رحمت سے ناامید مت ہوجیے، اس کی ستاریت اور سخاوت سے مغرور مت ہوجیے اور نہ اس کی بکڑ سے کسی وقت مطمئن ہوجیے، ے

کارکن کار بگذر از گفتار کاندریں راہ کار دارد کار

میرے محترم، جس طرح آپ پاس انفاس کرتے ہیں، یعنی باہر سے آنے والے سانس کے ساتھ لفظ اللہ پیدا ہو، اور اندر سے نکلنے والے سانس کے ساتھ ھو کا بلا صوت و حرکت جسمانی پیدا ہو، یہی معنی ارشاد مرشد کے بھی ہیں، غور کیجئے، اور یہی طریق عمل میں نے آپ سے عرض کیا تھا، اور یہی طریقہ مجھکو خود قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز مصنف ارشاد مرشد نے بتایا تھا، اسی پر عمل درآمد کیجئے، کتاب کو دیکھکر آپ کو بلا پوچھے عمل کر لینا بسا اوقات ضرر رساں ہوگا، لہذا اس سے اجتناب کیجئے، بوقت ذکر نور کا خیال چھوڑ دیجئے، وَالظَّاهِرُ وَالبَاطِنُ کا خیال رکھیے، یعنی باہر سے جانے والا سانس لفظ اللہ پیدا کرتا ہوا خبر دیتا ہے کہ مجھ سے باہر خداوند کریم (بلا جسم وجسمانیت وبلا کیف وکم وغیرہ) اپنی صفات کمالیہ کے ساتھ متصف اور تمام صفت نقص سے منزہ ہوتا ہوا موجود ہے، اور اندر سے نکلنے والا سانس لفظ ھو پیدا کرتا ہوا خبر دیتا ہے کہ وہی ذات پاک بلا کیف وکم میرے اندر اور قلب میں موجود ہے، وہ نور اور نار اور حجاب حوادث سے پاک اور منزہ ہے،

وساوس اور خطرات جو کچھ پیدا ہوں ان کا خیال بھی نہ کیجئے، اپنے کام میں لگے رہیئے،

## ذکر قلبی

روزانہ صبح کی نماز کے بعد یا تہجد کے بعد جس وقت بھی فرصت ہو اور دل لگے خالی جگہ پر بیٹھکر قلب کی طرف متوجہ ہوں اور تصور کریں کہ لفظ اللہ نہایت عاشقانہ بےچینی کے ساتھ دل سے نکل رہا ہے، کیونکہ سب کا محبوب حقیقی وہی ہے، اس میں حبس دم نہ ہو، اس مدت میں (پاس انفاس) کا خیال ترک کر دیجئے، وہ اپنی حالت پر حسب عادت جاری رہے۔ قلب کا خیال کیجئے، اور بجائے ایک تسبیح کے ۵ تسبیح یہ ذکر قلبی کیجئے۔ انشاء اللہ کل کو شجرہ بھی روانہ کروں گا، گھر میں سے کہدیجئے کہ ان کو بیعت کر لیا گیا، نماز کی پابندی کا خیال رکھیں، شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ کا جہانتک ہوسکے خیال رکھیں، حقوق العباد سے حتی الوسع بچیں، توبہ زیادہ کریں، صبح وشام الحمد للہ۔ سبحان اللہ۔ لاالہ الااللہ۔ اللہ اکبر ایک ایک تسبیح پڑھا کریں، اور ایک تسبیح درود شریف اللھم صل علی سیدنا ومولنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم بعدد کل شی معلوم لک اور اسی طرح ایک تسبیح استغفار استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ دونوں کو صبح وشام پڑھا کریں۔

والسلام، از دیوبند ضلع سہارنپور آستانۂ حضرت شیخ الہند مرحوم، ۱۲ صفر ۱۳۲۶ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲۸) ذکر کی اہمیت پر قرآن وحدیث صحیحہ شاہد ہیں، ذکر قلبی کے بغیر ذکر کی لغوی ومعنوی خوبی وحقیقت پائی نہیں جاسکتی، ذکر کے معنی یاد یا یاد داشت ہی کے ہیں، کیونکہ جب کسی بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا ہوتا ہے تو اسکی طرف قلبی یا ذہنی طور پر متوجہ ہونا پڑتا ہے بس یاد نام ہے ذکر کا دل سے یاد کرنے یا توجہ باطنی کا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے) یہ چیز بغیر ذکر لسانی کے مارست کے پختہ نہیں ہوتی پھر بعد کو بغیر حبس دم اور بغیر پاس انفاس کے صرف قلب کیطرف متوجہ ہوں، اگر حسب عادت جاری ہے تو قلب کی نگہداشت برابر رکھی جائے کیونکہ ذکر قلبی ہی ہمیشہ قائم نہیں رہتا ہے، اسلئے محققین صوفیہ پہلے اللہ کے نام کی یاد پھر بواسطہ نام کے ذات کی یاد اور بعد کو بلا واسطہ ذات کے ذکر کو تجویز فرماتے ہیں، اور یہی امام العصر کا بھی طریقہ ہے۔

# مکتوب نمبر ۲۹

امور مستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں، پہلے والا نامہ میں تحریر ہے کہ ذکر قلبی سانس کے ساتھ ہوتا ہے
یہ ابتدائی حالت ہے، آپ کو توجہ قلب کی طرف رکھنی چاہیے، اگر خود بخود سانس ذاکر ہو تو کچھ حرج
نہیں، جو حالت دہلی میں ہوئی تھی اگر اس کی حفاظت کی جاتی تو قائم ہو جاتی، مگر افسوس کہ اسکی
حفاظت میں کوتاہی ہوئی، خیر ذکر دوام انشاء اللہ العزیز مفید نتائج پیدا کرے گا، مایوس
نہ ہونا چاہیے، خداوند کریم کارساز ہے، تدریجاً حالت درست ہوتی جائے گی ہمت عالی رکھنی
چاہیے اور جفاکشی و استقلال ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے ؎

یقین می داں کہ آں شاہ نکونام　　　بدست سر بریدہ می دہد جام

اس عالم اسباب میں جو ثمرہ اپنی کوشش سے حاصل ہوتا ہے وہ دیرپا اور کثیر النفع ہوتا ہے،
دوسری طرف متوجہ ہونے میں اگر بالفعل جریان ذکر نہیں ہوتا تو کچھ باک نہیں، آپ اپنی کوشش
جاری رکھیے، خداوند کریم پوری طرح جاری کرا دیگا،

ع من نکردم شما حذر بکنید

شجرہ ارسال خدمت کر چکا ہوں، طریقہ ورد بھی عبارت سے سمجھ سکیں گے، اس کے پڑھنے
کے بعد محبت، اغیار سے صفائی، اور انوار معرفت سے قلب کی روشنی اور حصول رضاء باری عز و جل
کی دعا کریں، اور اس ناکارہ روسیاہ بدنام کنندہ نکونامے چند کو دعا کے ساتھ یاد کر لیا کریں،
کیا عجب ہے کہ خداوند کریم آپ بھائیوں کی دعوات صالحہ کی برکت سے اپنے فضل و کرم
کے سایہ میں لیلے، گھر کی بیماری باعث تفکر ہے، دعا کرتا ہوں خداوند کریم ان کو جلد صحت یاب
فرمائے، آمین، اور آپ کے دینی اور دنیوی مقاصد کے حصول کیلیے بھی دعا کرتا ہوں، کہ کشش

بارگاہ رب العزت میں مجھ جیسے گندہ کی دعا بمقام قبولیت کو پہنچ جائے۔

جن صاحب کے یہاں میلاد اور عرس ہوتا ہے اور چونکہ خلاف شرع ہوتا ہے اسلیے اولاً ان کی اصلاح ہونی چاہیے اگر یہ ممکن نہین تو آپ ان کے ان افعال میں شرکت نہ فرمائیں ہاں اگر ظن غالب ہو کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے آپ کی ایذا کے درپے ہوں گے یا تعصب وغیرہ مین پڑ کر اس سے زاید گناہ میں مبتلا ہو جائین گے۔ یا مسلمانون مین افتراق کا زہریلا بازار گرم ہو جائے گا تو شریک ہو جانا جائز ہے[1]۔

[1] اس مکتوب گرامی مین حضرت امام العصر نے عجیب حکیمانہ فتوی دیا ہے، اور صدہا مسائل اعتقادی کا جو حل تجویز فرمایا ہے اس سے انکار منکر کے چار درجے سمجھے جا سکتے ہیں، اور جس میں فرق نہ کرنیکی وجہ سے بہت سے مدعیان اصلاح وارشاد کو ٹھوکریں کھانی پڑیں، ہم ذرا اس کو اور صاف کرنا چاہتے ہیں تاکہ حضرت کے دعا کو سمجھنے مین زحمت اٹھانی نہ پڑے، سوچنا چاہیے کہ انکار منکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ منکر کو زائل کر کے اس کی جگہ معروف کو قائم کر دیا جائے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ منکر کو بالکلیہ زائل نہ کیا جاسکے تاہم اس کو گھٹا دیا جائے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک منکر کو اس طرح مٹا دیا جائے کہ ویسا ہی دوسرا منکر اس کی جگہ قائم ہو جائے، چوتھا درجہ یہ ہے کہ ایک منکر کو مٹانے کی کوشش مین اس سے بدتر منکر قائم ہو جائے، ان میں تو پہلے دونوں درجے تو شروع مین اور جب ان دونوں میں سے کسی کی امید ہو تو انکار منکر ضرور کرنا چاہیے، تیسرے درجے میں اجتہاد کا موقع ہے، رہا چوتھا درجہ تو وہ ممنوع ہے، مثال کے طور پر اگر تم دیکھو کہ اہل فجور وفسوق شطرنج کھیل رہے ہیں، تو ان کو محض زجر و توبیخ کرنا حکمت اور بصیرت کے خلاف ہو گا۔ عقلمندی یہ ہے کہ ان کو ایسے کھیل میں لگاؤ، جو خدا و رسول کو پسند ہے مثلاً تیراندازی اور گھوڑ دوڑ وغیرہ۔ ایک جگہ تم دیکھتے ہو کہ فساق وفجار کا مجمع ہے اور لہو ولعب ہو رہا ہے، یا رقص وسرود کی محفل گرم ہے۔ اگر تم ان کو کسی تدبیر سے عبادت یا فعل خیر کی طرف منتقل کر سکتے ہو تو ضرور کرو، لیکن اگر انکو منتشر

(باقی ص ۸۲ پر)

اپنی جائداد کا انتظام نہایت بیداری اور جفاکشی سے کیجئے، تاکہ قرضہ بھی ادا ہو اور سرمایہ کی ترقی ہو، کارکنان اور ملازمون پر بھروسہ کرنا اور خود غافل ہو جانا بہت سے رؤسا کو برباد کر چکا ہے، انسان کو توکل[1] کرتے ہوئے سمجھ بوجھ کے ساتھ اپنی معیشت کے اسباب درست کرنا اور خداوند کریم

(بقیہ حاشیہ ص ۸۰) کر دینے کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ اس سے بدتر کاموں کیلیے فارغ ہو جائین تو انکو اسی چھوٹے درجہ کے فسق مین مبتلا رہنے دینا زیادہ بہتر ہے، کہ وہ چھوٹی برائی ہی انکو بڑی برائی سے روکے ہوئے ہے، ایک شخص کو تم دیکھتے ہو افسانہ مزاح کی کتابین پڑھ رہا ہے، اگر اسکو ایسی چیزون کے مطالعہ سے منع کرنے کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ بدعت اور گمراہی اور سحر کی کتابین پڑھنے لگے تو اسکو افسانہ مزاح ہی مین چھوڑ دینا اولیٰ ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ تاتار کے زمانہ مین میرا گذر تاتاریون کے ایک گروہ پر ہوا، جو شراب نوشی مین مشغول تھا، میرے ساتھیون نے ان کو ملامت کرنی شروع کی، مگر مین نے ان کو روک دیا، اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے، مگر یہان شراب انکو قتل نفوس اور نہب اموال اور ظلم وستم سے روکے ہوئے ہے، لہذا ان کو ان کے حال ہی پر چھوڑ دو۔ اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے ساتوین صدی کے شیخ الاسلام اور چودھوین صدی کے شیخ الاسلام وامام العصر کے توافق اصلاح پر غور کرو "ہان اگر ظن غالب ہو کہ لوگ اس کی وجہ سے آپ کی ایذا کے درپے ہون گے یا تعصب وغیرہ مین پڑ کر اس سے زیادہ گناہ مین مبتلا ہو جائینگے یا مسلمانون مین افتراق کا زہریلا بازار گرم ہو جائیگا تو شریک ہونا جائز ہے" تو معلوم ہوگا کس قدر حکیمانہ فیصلہ اور عارفانہ نکتہ ہے، اگرچہ فتویٰ ہر کا زار صوفیون اور ملاؤن کا کام نہیں ہے بلکہ ان عمارق کا فریضہ ہے جو علم وعمل کیساتھ معرفت وخداشناسی کے امام ہین۔

(حاشیہ ص ہذا) [1] خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے، اور محض اسباب پر تکیہ نہ کرنا چاہیے۔ اللہ کی قدرت اسباب کی پابند نہیں، البتہ اسباب اس کی مشیئت کے تابع ہین، یہی صحیح توکل ہے، اسی کی جانب امام العصر نے ایک خاص انداز مین اشارہ فرمایا ہے۔

سے غافل نہ ہونا ضروری امور ہین،

وضو مین مسواک کسی لکڑی کی ہو جائز ہے، اگر وہ لکڑیان جن مین کڑواہٹ یا پھیکاپن ہو زیادہ مفید تر ہوتی ہین، اس لیے ان کا استعمال انسب ہے، پیلو کی مسواک سب سے افضل ہے، مگر دوسری لکڑیان بھی جائز ہین، شب کو اور قیلولہ کے وقت مین اگر ممکن ہو تو وضو ورنہ تیمم کرکے سوئین، لیٹنے کے لیے یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹین، یہ حالت ابتدائی ہے، پھر جس طرف بھی انسان کروٹ بدل لیگا جائز ہو جائیگا،

## دوسرے والا نامہ کا جواب

شجرہ کا ورد[۱] بہتر ہے، جس وقت فرصت ہو کر لیا جائے، نماز با جماعت اور تہجد کی مداومت

[۱] "شجرہ کا ورد بہتر ہے" ممکن ہے حضرت امام العصر کے اس فقرہ پر کسی کو کچھ شکوک وشبہات پیدا ہون، سو انھین معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح فن حدیث مین سند ایسا علم ہے کہ صرف اسی کے ذریعہ ہر دینی کام کی نسبت پیغمبر صلعم تک صحیح طور پر معلوم کی جا سکتی ہے، ٹھیک اسی طرح سلاسل صوفیہ وشجرہ کے ذریعہ سلوک وتصوف جسکو حدیث جبرئیل مین احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے، جانا اور پوچھا جا سکتا ہے، اس مین بھی یہی ہوتا ہے، مثال کے طور پر سمجھیے کہ ہمین ایک بزرگ سے بیعت ہے، اس بزرگ کو دوسرے بزرگ سے، اور یہ سلسلہ آخر مین اس بزرگ پر ختم ہوتا ہے جس کے نام سے وہ سلسلہ مشہور ہے، حدیث مین بھی تو یہی ہوتا ہے، چنانچہ اہل نظر واقف ہین کہ جب حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ نیشاپور تشریف لے گئے تو حافظ حدیث امام ابوزرعہ وامام ابومسلم طوسی نے خدمت مین حاضر ہو کر امام ممدوح کے آبا واجداد کرام کے سلسلہ سے روایت حدیث کی درخواست کی، حضرت ممدوح نے اپنے والد ماجد سے لیکر رسول اللہ صلعم تک مرفوعاً روایت کی، جب شمار اہل محابر ودوات مین کا کیا گیا تو بیس ہزار اشخاص وہان حاضر پائے گئے، چنانچہ اسی سند کے متعلق امام الجرح والتعدیل

نعمت الٰہی ہے، اور ذکر کی مداومت حتی الوسع جی لگا کر نہایت ضروری امر ہے، بلا عذر ناغہ نہ کیجیے،
قضاء عمری پڑھنا بہت زیادہ ضروری امر ہے، آپ نے بہت اچھا کیا کہ نوافل کو ترک کر کے اسمین
اشتغال کیا، خداوند کریم توفیق عطا فرمائے،

اثناء ذکر وغیرہ مین وساوس کی وجہ سے ہرگز مت گھبرائیے، اپنا کام کیے جائیے، اور کوشش
کیجیے کہ حتی الوسع جی اسی طرف لگا رہے، یہ زمانہ بیماریون کا بھی ہے، دنیاوی مصائب سے گھبرانا
نہین چاہیے، نہایت استقلال سے خداوند کریم کی طرف لو لگانا چاہیے، قرضہ سخت مصیبت ہے،
خصوصاً سودی تو زہر قاتل ہے، اگر ممکن ہو تو کچھ حصہ جائداد کا کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت کر کے
اس سے سبکدوشی اختیار کیجیے، اگر مسلمان خریدار نہ پیدا ہو تو کافر ہی کے ہاتھ فروخت کرین اور
ہمیشہ احتیاط رکھین کہ قرضہ خصوصاً سودی ہرگز نہ لین، والسلام

از دیوبند ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۸۰) حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہین، "ولو قرئ ھذا الاسناد علی مجنون لافاق
من جنونہ" ظاہر ہے کہ اس اسناد مین ایسے بزرگون کا نام نامی واسم گرامی ہے کہ جس کی برکت مسلم ہے،
ضرور اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مجنون کو فائدہ بخشے گا، چنانچہ اسی بنا پر حسب قول امام ابو القاسم قشیریؒ
جب یہ سند بعض امراء سامانیہ تک پہنچی تو انھون نے اس کو آب زر سے لکھا، اور وصیت کی کہ ان کے ساتھ
اسکو بھی قبر مین دفن کر دیا جائے، چنانچہ ایسا کیا گیا اور پھر ان کو خواب مین مرنے کے بعد دیکھا گیا اور پوچھنے والے
نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا کہا مغفرت فرمائی، اور، ہ المناوی فی شرحہ الکبیر علی الجامع الصغیر
قبر میں شجرہ رکھنا بہتر نہین ہے، البتہ شجرہ کا ورد برکت کے لیے صوفیہ نے جائز رکھا ہے، اسی کو
حضرت امام العصر نے بہتر فرمایا ہے،

# مکتوب نمبر ۳۰

مردہ بچہ کی ولادت کی کیفیت معلوم کرکے صدمہ ہوا میرے محترم! اولاد کی محبت یوں تو طبعی ہے، مگر یہ طبعی بات بھی عقل کے ذریعہ سے زیادہ تر اثر پذیر ہوتی ہے، چونکہ اولاد سے مختلف قسم کے منافع دنیویہ کی امید ہوتی ہے، اس لیے ان کے مرنے سے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے، مگر ذرا عقل کو کام میں لایا جائے تو مرنا اور خصوصاً اس زمانہ میں زندہ رہنے سے زیادہ خوشی کا باعث ہے، زندہ رہنے والی اولاد بہت سے بہت دنیاوی زندگی میں کارآمد ہو سکتی ہے، یہ بھی اس وقت ہے جبکہ اولاد صالح اور قابل ہو، (جو کہ اس زمانہ میں بہت شاذ و نادر ہے) دیکھا یہی جاتا ہے کہ اولاد بڑے ہونے کے بعد بھی ماں باپ کے لیے سوہان روح رہتی ہے، مگر ذرا مرنے والی نابالغ اولاد کی طرف نظر اٹھائیے، حسب ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ نہایت صحیح اور مستند احادیث اور عزیز آیات کے مضامین سے مفہوم ہوتا ہے، نابالغ مرجانے والے بچے ماں باپ کے لیے دوزخ سے بچا لینے والے اور حجاب ہوں گے، یہاں تک فرمایا گیا کہ جو حمل ساقط ہو گیا ہو وہ بھی اپنے ماں باپ کے لیے خداوند کریم سے جھگڑا کرے گا اور بالآخر رحمت الٰہی حاصل کرکے اس خطاب کا مستحق ہوگا ایھا السقط المراغم ربہ اخرج ابویک من النار۔ یعنی اے ساقط ہو جانے والے حمل اپنے پروردگار سے بہت جھگڑنے والے جا اور اپنے ماں باپ کو دوزخ سے نکال لے، اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں، جن میں صبر اور شکر کی بھی بعض مقام پر شرط ہے، اب خیال کیجئے کہ آخرت کی زندگی ایک پائدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے، اس کے حصول کے لیے یہ مرجانیوالی اولاد بالخصوص جبکہ صبر اور شکر سے کام لیا گیا ہو، تریاق کا کام دینے والی ہے، اور آخرت کا عذاب وہ عذاب ہے کہ دنیا کی جملہ انواع کی تکالیف ایک طرف اور آخرت کے عذابوں کی ایک قسم کی تکلیف چند منٹوں

کی ایک طرف ہو تو یہ آخرت والی تکلیف اس پر بالا ہو جائے گی، اور یہ مرجانے والی اولاد آخرت کے جملہ عذابوں سے بچانے والی ہے، لہٰذا مین تو سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو دنیا مین بچپن مین ایک یا زیادہ اولاد کے مرجانے کی صورت پیش آگئی ہو تو اس کو بہت خوش ہونا چاہیے، کہ الحمد للہ ہماری مغفرت کا سامان خداوند کریم نے پیدا کر دیا، اور یہ اولاد ہماری پیش خیمہ بنکر ہم سے پہلے بارگاہ الٰہی مین پہنچ گئی، ہمارا خاتمہ خداوند کریم ایمان پر کر دے تو اس سے بڑھکر ہمارے لیے کوئی نعمت نہین ہو سکتی، ایسی نعمت پر اولاد کو دنیا مین باقی رہنے کی نعمت ہزار مرتبہ قربان ہے، الحاصل عقلمند مسلمان کو تو یہان فقط خوش ہونے کا مقام ہے،

(۲) بات غور کی یہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے پاس امانت لاکر رکھتا ہے تو ہم پر بہت بڑی ذمہ داری پڑ جاتی ہے، اور جب تک اس کی امانت اس کو ادا نہین کر دیجاتی جبتک بوجھ ہلکا نہین ہوتا، جب ادا ہو جاتی ہے تو سمجھ دار اور امانت دار طبیعتین بہت زیادہ خوش اور ہلکی ہو جاتی ہین، اور یہ خیال کرتی ہین کہ آج ہمارے سر سے بہت بڑے پہاڑ کا بوجھ اتر گیا، اسی بنا پر وہ حمد و ثنا بھی کرتی ہین، ہاں دروغ گو بے اطمینان، خائن طبیعتین رنجیدہ ہوتی اور آہ واویلا کرتی ہین، ہم کو جو کچھ اس دار فانی مین عطا کیا گیا ہے، وہ سب خداوند کریم کی امانت ہے، خصوصاً اولاد جن کی پرورش، تعلیم وغیرہ ہم پر لازم ہوتی ہے، اور کمی کرنے کی صورت مین مواخذہ کا کھٹکا ہر وقت سر پر ہے، اس امانت کا رکھنے والا جب اپنی امانت کو واپس لے لیتا ہے تو ہم اگر رنجیدہ خاطر ہون تو آپ ہی فرمائین کہ خائن کہلانے کے مستحق ہون گے یا امانت دار، اور کیا ہم عتاب کے مستحق ہون گے یا ثواب کے؟

افسوس ہے ہم کس شدید اور قبیح غلطی مین مبتلا ہین، ہم امانتون کو اپنی ملک اور کفران نعمت کو شکر اور احسان کو کفران سمجھ رہے ہین، غرضکہ ہمارے لیے اولاد کے مرنے پر خوشی کا مقام تھا

رنج کرنا سراسر غلطی اور قبیح ہے، امانت رکھنے والے نے جو امانت باقی رکھی ہے اس کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اس کا . . . . . اور جس امانت کو ہم سے واپس لیکر ہمارے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے اس کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

(۳) بندہ اور غلام کا فرض یہ ہے کہ اپنے آقا کی خوشی اور اس کی رضا میں فنا ہو، دن رات یہی دھن رہنی چاہیے، اور جس بات میں اس کا آقا خوش ہو اسی کی دن ورات کوشش کرنی چاہیے، ورنہ برابری اور ہمسری کا دعویٰ شمار ہوگا کسی اعتراض کو جگہ دینا، یا دل کا غم آلودہ ہونا بندگی اور عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے، پس جبکہ کسی بچے یا کسی نعمت کو آقا نے ہم سے لے لیا تو اس کے اس فعل سراپا حکمت پر صدمہ یا ناراضی کا اظہار ہونا نہایت زیادہ بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے، ہمارا فرض یہی ہے کہ دل اور زبان سے یہی کہیں ع

راضی ہیں ہم اسی میں خدایا جس میں کہ ہے تیری رضا

ہم کو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کا مصائب کے وقت میں خاص طور سے اتباع کرنا ضروری ہے، انھوں نے اس وقت میں نہایت صبر و استقلال سے کام لیا ہے، آپ دونوں صاحبوں کو بھی یہی چاہیے، ان اسلاف کرام کا اتباع باعث رحمت ہے، دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے فجر کے فرض اور سنت کے درمیان میں چالیس دفعہ سورہ فاتحہ اول و آخر درود شریف تین بار پڑھ لیا کریں۔ والسلام۔ از سلہٹ خلافت آفس، ۹ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۶ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۰) ام سلمہ، زینب، رقیہ، کلثوم اور محمد کریم کے پیہم انتقال کے بعد محمد نعیم ۸ ماہ کا سیتاپور اسپتال میں پیدا ہوا، اور عدم سے عالم وجود میں آتے ہی ایک چیخ کے ساتھ اپنے بھائی بہنوں سے جا ملا، اسپتال میں یہ ۸ ماہ بیحد تکلیف اور پریشانی میں کاٹے گئے، گھر میں بیحد کمزور تھیں، اور ہر وقت قلب بند ہو جانے کا

(باقی حاشیہ ص ۸۸ پر)

# مکتوب نمبر ۳۱

محترما! آپ کا ارادہ حضوری حرمین شریفین اور قیام مدینہ منورہ زید شرفاً بہت ہی نیک فال اور مبارک امر ہے، کون مسلمان ہے جو ایسی مبارک بات پسند نہ کریگا، مگر ضروری ہے کہ انجام اور احوال پر غور کر لیا جائے، ہندوستان میں رہتے ہوئے شوق مدینہ منورہ میں بیقرار رہنا اور اسی عشق میں مرنا ہزار مرتبہ بہتر اس سے ہے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہندوستان کے لیے بیچینی ہو۔

میرے محترم! مدینہ منورہ میں بہت سی سختیاں پیش آتی ہیں، جن پر صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے عالی ہمت اور مستقل الارادہ حضرات پھسل جاتے ہیں، پھر عورتوں اور بچوں کا قائم رہنا نہایت ہی دشوار اور مشکل امر ہے۔ آج وہاں کی سختیوں کی یہ حالت ہے کہ پشتہا پشت سے وہاں کے باشندے دوسرے ملکوں میں مارے مارے پھرتے ہیں، آپ کی جائداد مقروض ہے اور پھر وہ قرضہ سودی ہے، اس کا ادا کرنا بہر حال نہایت ضروری ہے، اور جلد از جلد جس طرح بھی ممکن ہو عمل میں لانا چاہیے، اور آئندہ عہد کر لینا چاہیے کہ کیسی بھی ضرورت ہوگی قرضہ اور خصوصاً سودی قرضہ ہرگز نہ لوں گا، اس کے بعد اگر حج فرض ہے تو حج کے ادا کرنے کا ارادہ کیجئے، یعنی اگر جائداد کی آمدنی آپ اور آپ کے متعلقین کے سالانہ اخراجات سے زائد ہوتی ہے، یا آپ کے پاس اتنا نقد یا زائد سامان موجود ہے کہ جس سے مکہ معظمہ کا سفر ہو سکتا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۸۷) خطرہ تھا، خود لیڈی ڈاکٹر انکی زندگی سے تقریباً مایوس ہو چکی تھی، بچہ کے مرنے سے انکی صحت پر اور زیادہ بُرا اثر پڑا ہی، میں نے انتہائی پریشانی میں حضرت مدظلہم کی خدمت میں عرضداشت ارسال کی جسکے جواب میں یہ صحیفہ گرامی شرف صدور لایا۔ احمد حسین لاہر پوری

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۱) ۱۳۴۳ھ میں مجھے نہایت جوش تھا کہ کسی طرح مدینہ منورہ (زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً) مع متعلقین (باقی ص ۸۹ پر)

تو زائد جائداد کو بیچکر یا زائد نقود کو لیکر حج کرائیں اور وہان جاکر چند مہینہ قیام کرکے نشیب و فراز پر غور کیجئے، اور اُن کو خوب سمجھکر ملاحظہ کیجئے، پھر اگر ہمت پڑے تو وہان جاکر قیام کا ارادہ کیجئے، پھر بھی ہجرت کی نیت مت کیجئے، مگر تمام جائداد کو بیچکر جانا یا رہن رکھکر جانا یا منو کلانہ زندگی وہان بسر کرنے کا خیال کرنا میری سمجھ سے باہر ہے، آپ بذات خود اگر ایسا یقین وایمان رکھتے ہین کہ ذرا بھی قدم پھسل نہین سکتا تو مجھکو ہرگز اطمینان نہین کہ عورتین اور بچے ایسا یقین رکھین گے۔

ع کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجاورت مدینہ چھوڑدیا، ہزارون صحابہ کرام اور کروڑون اولیاء اللہ غیر عرب مین ہوئے اور وہین مرے، کیا ان کو عشق نبوی نہ تھا؟ کیا ان کو ایمان اور غیرت ایمانی نہ تھی، وہان رہنا فرض نہین واجب نہین، مقصود اصلی رضاء الٰہی ہے، جہان بھی حاصل ہوجائے وہین کارآمد ہے، اور اگر ہمارا مرقد حجرۂ شریف مطہرہ مین ہے اور خدانخواستہ رضاء الٰہی اور مغفرت کا سامان نہ ہو تو وہ ذرہ برابر قابل اعتبار نہین،

میرے محترم! اس فضیلت یا سنت کو حاصل کرکے فرائض اور واجبات کو ترک کریں یا محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کرین، کس شریعت مین جائز ہے؟ لوگون کی طرف ہاتھ پھیلانا ریاستون یا اہل دنیا سے قرض لینا، جائداد کو دوسرون کے رحم وکرم پر چھوڑنا وغیرہ امور کسی طرح بھی میری سمجھ ناقص مین نہین آتے، حیدرآباد مین منتظم صاحبان سے کوئی امید ہوسکتی ہے اور نہ دوسرے رؤسا یا ارباب ہمم سے کوئی فائدہ حاصل ہونا ممکن معلوم ہوتا ہے ؎

کعبہ ہر چند دلبر قبلہ است رخ دو دست | کعبہ را می روی چہ کشتی رنج بادیہ

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ماں کی اطاعت وخدمت مین حضور گاہ نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ترک کر دیتے ہین، اور عشق وجذبہ نبوت کی واقعی داد دیتے ہین، سید الاولیاء والاصفیاء

ہوتے ہیں حضرت عمرؓ جیسے صحابی کو اُنسے دعا حاصل کرنیکا ارشاد ہوتا ہے، حالانکہ رویت نبوی سے ممتاز نہ ہوئے تھے

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　　از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

میرے محترم! خانۂ کعبہ کی زیارت مقصود اور مقدم نہیں، صاحب خانہ کی زیارت مقصود اور مقدم ہے، آپ اس کو شاں ہو جئے

نازپروردۂ تنعم نہ بُرد راہ بدوست　　　عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

کوشش کیجئے، اصلاح باطن میں دن رات صرف کیجئے، پھر دار و دیار کا بھی قصد کیجئے، وساوس میں مت پڑیئے، وقت اور عمر عزیز ضائع نہ کیجئے ؎

ہر نفس بہرت مسیحائیست چست　　　گر نداری پاس او از تست سست

این چنین انفاس خوش ضائع مکن　　　غفلت اندر شہر جان منشائع مکن

من نکردم شما حذر بکنید۔ والسلام۔ از دیوبند۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

---

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۱) ۱۳۴۷ھ میں مجھے نہایت جوش تھا کہ کسی طرح مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً) مع متعلقین حاضر ہو جاؤں، اور وہیں پر متوکلانہ زندگی بسر کروں، میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ کل جائداد فروخت یا رہن کر کے میں ہندوستان سے ہجرت کر جاؤں، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شریف مکہ اور سلطان ابن سعود کا باہمی آویزش اور جنگ کی وجہ سے مدینہ منورہ کی آبادی ناقابل برداشت سختیاں برداشت کر رہی تھی، اور وہاں کے باشندے دوسرے ملکوں کو ہجرت کر رہے تھے، میں نے اپنے اس ارادہ کا اظہار حضرت والا دامت برکاتہم سے کیا، جس پر یہ صحیفۂ برکت شرف صدور لایا، فقط احمد حسین، لاہرپوری،

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ قبیلہ مراد سے تھے، جو مذحج کی ایک شاخ ہے، عہد رسالت میں موجود تھے، اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت کی وجہ سے، جو نابینا تھیں، دربار نبوی صلعم میں حاضر نہ ہو سکے، اس وجہ سے صحابیت کے رتبہ سے محروم رہے، لیکن باتفاق صلحاء اور صوفیہ کرام ان کا درجہ زہد اور تقوی کے لحاظ

(باقی ص ۹۱ پر)

# مکتوب نمبر ۳۲

ذکر جو کچھ کرتے ہیں برابر کرتے رہیئے، واقعہ یہ ہے کہ ذکر کرتے کرتے جب چھوڑ دیا جاتا ہے تو قلب میں ایسی قساوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد ذکر کرنے میں پہلی حالت زیادہ دنوں میں عود کرتی ہے، ہاں اگر انسان کے باطنی اجزاء ذکر سے پوری طرح رنگین ہو چکے ہوں تو پھر ترک کرنا مضر نہیں ہوتا، بلکہ وہ ترک نہیں ہو سکتا، دوسری بات یہ ہے کہ ذکر میں مختلف افکار و خیالات کا چھا جانا ذکر کی برکت اور اس کے اثر کو کم نہیں کرتا بسا اوقات بالکل زائل کر دیتا ہے، اس لیے آپ کو

---

(بقیہ حاشیہ ص ۹۰) تابعین میں سب سے بہتر ہے، علقمہ کا بیان ہے کہ تابعین میں آٹھ اشخاص میں سے اویس ہیں جن پر زہد منتہی ہو گیا، ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ اویس ثقہ ہیں گو ان سے کوئی حدیث مروی نہیں لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اویس کو باصطلاح محدثین فی اسنادہ نظر کہکر مجروح کیا ہے، امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ اویس نے تو کوئی روایت ہی نہیں کیا ہے، جو انکی ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کی بحث اٹھائی جائے، اگر امام بخاری نے انکو ضعفا میں نہ لکھا ہوتا تو میں قطعاً اس کا ذکر ہی نہ کرتا، کیونکہ وہ اولیاء صادقین میں سے ہیں، امام مالک وغیرہم حضرت اویس قرنی کے منکر ہیں، لیکن بقول امام ذہبی علم عدم علم پر مرجح ہے، ممکن ہے ان منکرین کو انکی بابت علم نہ پہنچا ہو، حالانکہ اثیر بن جابر کی روایت مسلم میں تین طرق سے مروی ہیں، جو اویسؓ کے وجود پر سب سے زبردست شہادت ہیں، بہر کیف بزرگوں سے دعا کی درخواست کرنا حتی کہ بڑوں کا چھوٹوں سے دعا کرانا محمود طریقہ ہے، اور بڑوں سے دعا کی درخواست کرنا تو عام بات ہے، اجابت دعا سب سے بڑی کرامت ہے، مستجاب الدعوات بزرگوں کی ایک لمبی فہرست ہے، جو انبیاء سابقین اور اولیاء صالحین گذر چکے ہیں ان کے متعلق آنحضرت صلعم کے ارشادات کافی سے زیادہ موجود ہیں، توریت، انجیل، زبور میں انکی حکایتیں موجود ہیں، البتہ ارباب سلوک اس امر میں مختلف ہو گئے ہیں کہ [illegible] دعا کرنا بہتر ہے یا سکوت اور تفویض۔ ترجمان عوارف کا فیصلہ یہ ہے کہ مطلقاً ایک کو دوسرے پر ترجیح دی جائے

(باقی ص ۹۲ پر)

استقلال کے ساتھ کاربند رہنا چاہیے، اور ذکر کرتے وقت حتی الوسع حدیث نفس اور خیالات دنیا کو زائل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، خدا کو منظور ہے تو اثر ظاہر ہوگا، تاہم مقصود محض ذات الٰہی اور اس کی رضا ہونی چاہیے، کوئی لذت روحانی یا مرتبہ معنوی وغیرہ کا طلب کرنا درست نہیں، سب کے زیر لا کھینچنا چاہیے، اور الا اللہ کا مقصد زیر نظر رکھنا چاہیے، ؎

یقین میدان کہ آن شاہ نکونام　　بدست سر بریدہ می دہد جام

من جدّ وجدّ مشہور اور معتبر مقولہ ہے، "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" ارشاد قرآن ہے،

والسلام

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ، از دیوبند، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

---

(بقیہ حاشیہ ص ۹۱) حاصل نہیں، البتہ یہ ہے کہ دعا کا بھی ایک خاص زمانہ اور وقت ہوتا ہے جو بہترین ہوتا ہے اس وقت دعا کرنا چاہیے، مثلاً دل کے اندر خواہش اور رغبت صادق دعا کرنے کی طرف زیادہ ہو اور طبیعت میں شگفتگی اور انسیت دعا کی طرف سمجھی جائے، اور خاموشی کا بھی ایک وقت ہوتا ہے کہ اس وقت دعا کرنے کو جی نہیں چاہتا، مثلاً ایسے وقت میں جبکہ دل کے اندر خوف وہراس اور انقباض محسوس ہو تو دعا نہ کرنا ہی بہتر ہے، لیکن حق یہ ہے کہ دعا کرنے کا حکم کتاب و سنت میں اسدرجہ ہے کہ کرنا ہی اولیٰ اور افضل ہے، سکوت کا کہیں حکم نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابو حازم کا ارشاد ہے کہ دعا کا قبول نہ ہونا مجھکو زیادہ شاق نہیں جتنا کہ دعا کا نہ کرنا حرماں کا باعث ہے، دعا کے آداب بہترا ہیں جو احادیث میں مروی اور کتب ادعیہ میں مرقوم ہیں، ان میں سے صدق مقال اور اکل حلال اہم رکن ہے، دعا میں الحاح ہی افضل ہے، حضرت مولانا تھانویؒ نے دعا اور تفویض میں عجیب انداز میں جمع فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ "تفویض کے یہ معنی نہیں کہ مانگے نہیں، بلکہ عزم یہ رکھے کہ مانگے پر بھی نہ ملا تو اس پر راضی رہوں گا، ورنہ مانگنے کا امر نہ فرمایا جاتا۔"

(تجدید تصوف وسلوک صفحہ ۲۱)

# مکتوب نمبر ۳۲

سلہٹ والوں کے پے در پے سخت تقاضوں نے مجبور کیا کہ میں رمضان المبارک یہاں کروں، چنانچہ یکم رمضان کو یہاں پہنچ گیا، انشاء اللہ العزیز شوال کی ۳ یا ۴ کو یا اسی کے قریب یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، ذکر پر مداومت کیجئے، لذت مطلوب اصلی نہیں ہے محض ذریعہ ہے، مطلوب اصلی محض اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا[1] ہے، لطائف[2] کا جاری ہونا مقصد اصلی نہیں، اگر

---

[1] رضا کے معنی خوشنودی کے ہیں، اور ارباب تصوف کے نزدیک رنج و راحت میں بندہ کا اپنے خدا سے راضی رہنا اور اس کی مرضی پر سر تسلیم خم کر دینا، اسکا ماخذ قرآن مجید کی آیت "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ"، اور حدیث جابرؓ کہ جس میں تمنائے انصرافِ رجوع پر اہل جنت کا ذکر ہے، مشائخ عراق اور مشائخ خراسان میں اختلاف ہو گیا ہے کہ رضا یا مقام ہے یا احوال جاننا چاہیے کہ منازل سلوک کے طے کرنے کے بعد انسان کے اندر متعدد روحانی اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جنکو تصوف کی اصطلاح میں مقامات اور احوال سے تعبیر کرتے ہیں پس اگر رذائل اوصاف ملکوتیت سے بدل جائیں اور ان میں ثبات و قرار نہ ہو تو انکو احوال اور اوقات سے موسوم کرتے ہیں پس اہل خراسان رضا کو مقام کہتے ہیں چنانچہ اسی بنا پر رضا کو توکل کی انتہا کا نام دیتے ہیں، البتہ اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا حالت کا نام ہے جو فعل بندہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص چیز ہے جو دل کے اندر آجاتی ہے، امام قشیری ان دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بدایت رضا فعل بندہ ہے، اور وہ مقامات میں سے ہے، اور اسکی انتہا جملہ احوال میں سے ہے، جو مکتسب نہیں ہے، حضرت دقاق کا ارشاد ہے کہ بلا کا احساس نہ ہو اسی کا نام رضا ہے، حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ رضا زہد سے افضل ہے، اس لیے کہ زاہد راستہ میں ہے اور راضی پہنچا ہوا ہے، حضرت علیؓ کا ارشاد ہے من جلس علی بساط الرضا لم ینله مکروه۔ غرض اگر رضا فراق میں ہو تو وصال کی تمنا نہ کرے

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

[2] حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے لطائف پر بہت زور دیا ہے، لطیفہ کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ دقیق اشارہ

(باقی ص ۹۴ پر)

منظورِ الٰہی ہے تو یہ اشیاء بھی حاصل ہوجائیں گی ؎

یا بم او را یا نیا بم جستجوئے میکنم بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم

ان اشیاء کا قصد کرنا بھی کہیں غیر کی طلب نہ ہوجائے، مداومت کے ساتھ دل لگا کر برابر ذکر جاری رکھیے ....... اعتکاف نہایت عمدہ اور موکد سنت ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ سائل اور محتاج غلام اپنے آقا کے دروازہ پر اور اس کے گھر پر آپڑے، اور کہے کہ جب تک میری حاجت برآری نہ ہوجائے گی میں اس در سے نہ جاؤں گا، کھانا پینا، سونا چھوڑ کر وں نہ رات اسی کے در کا ہوجائے، ظاہر ہے کہ اس حالت میں آقائے کریم کے عظیم الشان الطاف اسکو مورد الطاف کیوں نہ بنائیں گے، غرضیکہ یہ مبارک عبادت ہے گناہوں ہی کے ازالہ کیلیے کیا جاتا ہے، اس لیے گناہوں کی عظمت اور کثرت کی وجہ سے اس کو چھوڑنا نہ چاہیے، بلکہ اور اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے، حقوق العباد کی معافی کے لیے بھی وسائل اس کے ذریعہ سے طلب کرنی چاہیے، اور پھر اس سے توبہ میں جو ضروری امور ہیں ان کو انجام دینا چاہیے .... .... قرضہ اور وہ بھی سودی نہایت خطرناک اور مہلک چیز ہے، اس کی ادائیگی کے لیے جس قدر بھی ممکن ہو جلد از جلد علاج کیجئے ........ میں حسب ارشاد دعا کرتا ہوں، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۹۳) سمجھ میں تو آئے لیکن عبارت اور الفاظ میں بیان نہ کیا جاسکے، جیسے علوم اذواق وغیرہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک انسان ایک مجموعہ اجزاء عشرہ یعنی اربعہ عناصر و نفس ناطقہ و قلب روح و سر و خفی اور اخفیٰ ہے انہ انا کو لطائف عشرہ بھی کہتے ہیں، اربعہ عناصر عالم خلق کی چیزیں ہیں اور لطائف خمسہ یعنی قلب روح و سر و خفی و اخفیٰ عالم امر سے ہیں، اور جملہ قوائے انسانی ان ہی اجزاء سے مرکب ہیں، اور یہ اجزاء اربعہ عناصر کیطرح ایک دوسرے کے ضد ہیں اور اسی طرح لطائف خمسہ بھی علیحدہ علیحدہ خاصیت رکھتے ہیں، سلوک مجددی میں بعض خلفاء لطائف پر زور دیتے ہیں اور بعض نہیں، مشایخ چشتیہ اس سے کام نہیں لیتے، چنانچہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم کا بھی یہی مسلک ہے، لطائف کا جاری ہونا مقصد نہیں ہے بلکہ یہ سلوک کا خوب سمجھ لیا جا

اور کرونگا، اللہ تعالیٰ کوئی سبیل مفید پیدا کر دے، (دُعا میں کیا اور میری دعا کیا) والسلام

از سلہٹ خلافت آفس، ۹ رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۴۲

والا نامہ عین انتظار میں پہنچا، عزیزم محمد امین سلمہ کی طرف سے فکر اور انتظار تھا، الحمد للہ ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے شفا بخشی۔ اللہ تعالیٰ عزیز مذکور کو اور دوسرے بچوں کو صحیح و سالم طویل العمر، نیک و صالح کرے، آمین

محترم المقام: میں خود ہی ایک ننگ خلائق، روسیاہ، ناکام، نامراد، سگِ دنیا ہوں، مجھکو خود ہی اپنی حالتوں پر شرم آتی ہے، مجھکو کب سزاوار ہے کہ ان امور کا مدعی رہوں، جو کہ اہل اور اکابر کے شایان ہیں، آپ حضرات کا حسن ظن ہے، کہ ایسے نالائق کی نسبت اچھا خیال رکھتے ہوئے انتہا سے عنایت کیے ہوئے ہیں۔ شاید ان ہی امور کی بنا پر فضل الٰہی شامل حال ہو جائے،

ع علم جو کچھ ہے وہ بے سود عمل ہیں سو خراب ہے

سوہ گذشت از سجدۂ راہ بتان پیشانیم چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

رسوم و بدعات کی چیزوں کے متعلق اچھا ہی معلوم ہوتا ہے کہ احباب واعزہ کو مطلع کر دیا جائے، خواہ لوگ متکبر کہیں یا متواضع، ہاں انکے ساتھ میل جول، محبت اور خوش خلقی میں کمی نہ کیجائے ...... مگر اپنے رشتہ داروں کے طعنے اور بدزبانی پر زیادہ تحمل کریں، اور جہانتک بھی ممکن ہو قطع علائق اور سختی کو پاس نہ آنے دیں، ان کے مطاعن کو بنظر عفو دیکھیں۔ والسلام

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ۔ از دیوبند، ۱۱ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

# مکتوب نمبر ۳۵

لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ امر ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیے، مگر جب مجبوری ہو تو میتہ، خنزیر، خمر بھی حلال ہوجاتے ہیں۔ ریلوے کے ٹکٹوں میں، پارسلوں میں، لگانون میں، تجارتوں میں، کیا دار فنڈ نہیں رکھا گیا ہے، اس لیے جب کہ فی زمانناً اسلحہ اشد ضروری ہیں، بدرجہ مجبوری کم سے کم مقدار دیجا سکتی ہے[1]۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۰ ذیقعدہ ۶۰ھ

# مکتوب نمبر ۳۶

آپ کی روانگی بمقصد مرادآباد اور پھر خبر وفات جناب مولوی منیرالدین صاحب تعلقدار دیوہ معلوم ہوئی، مرحوم کی تعزیت میں آپ کا تشریف لے جانا ازبس ضروری تھا بہت اچھا کیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور پسماندوں کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے آمین۔ آپ کے مرسلہ آم پہنچ گئے۔ میرے محترم! انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر خوش و خرم اور شاکر رہے، رضا بالقضا، اصولی مسئلہ ہے، یہ توعبدیت کا تقاضا ہے۔ اور منزل عشق میں تو رضاء محبوب میں عاشق کا فنا ہونا ازبس ضروری ہے۔ حافظؒ فرماتے ہیں

فراق و وصل چہ خواہی رضاء دوست طلب

اسلیے کسی قسم کی پریشانی ہونی بالکل خلاف اصول ہے خصوصاً جبکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ ہمارا اور تمام عالم کا رب ہے، مربی جو کچھ کرتا ہے ذریعۂ تربیت اور درپردہ بھلائی کیلیے کرتا ہے

---

[1] اسلحہ کی تجدید کے وقت دار فنڈ وغیرہ میں کچھ رقم دینے کا جواز اس والا نامہ سے سمجھا جاتا ہے۔

اگرچہ پروردہ کو تکلیف ہو سہ

الا لایجاران اخی البلیہ فللرحمن الطاف خفیہ

اس لیے آپ کو اور تمام احباب کو کسی قسم کی ہرگز پریشانی نہ ہونی چاہیے خصوصاً جب کہ فرمایا گیا ہے "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل"۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ۷ر جولائی اور ۲۰ر جولائی اور اس کے پہلے ۳۰ر جون کی تاریخون مین استغاثہ اور اسکے گواہون کی گواہی اور جرح مین اور پھر صفائی اور اس کے گواہون کی گواہی اور جرح مین واقعات پیش ہوئے، ۲۳ر جولائی بحث کے لیے اور ۲۹ر جولائی ججمنٹ کیلیے مقرر ہوئی ہے، استقامت[۱] کے لیے دعا فرمایئے، اور اطمینان خاطر رکھیے، مجھکو بفضلہ تعالیٰ نہ کچھ تکلیف ہے اور نہ اضطراب

---

[۱] استقامت کے معنی سیدھا پن کے ہین، اور اصطلاح کتاب و سنت مین دل سے اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا اور اسکی ربوبیت و الٰہیت مین کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، اور نہ اس اقرار و یقین سے مرتے دم تک ہٹنا، اور جو کچھ زبان سے کہدیا اس کے مقتضی پر عملاً و اعتقاداً جمے رہنا، اور جو عمل کرنا خالص اللہ کی خوشنودی اور شکر گذاری کیلیے کرنا، غرض ماسوا سے منہ موڑ کر اسی کے ہو رہنا وغیرہ، اسی کا نام استقامت ہے، یہ دولت جسکو حاصل ہو جاتی ہے اللہ کے فرشتے دنیا و آخرت کی زندگی مین اس پر اترتے اور تسکین و شرح صدر کا باعث بنتے ہین، آیت سورۂ حم السجدہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا الخ کی تفسیر خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جس سے آیت مذکورہ کی اہمیت وہمہ گیری پر روشنی پڑتی ہے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ خدا کا کسی کو شریک ذرہ برابر بھی نہ بنایا جائے، یہ معنی ہیں استقامت کے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ اوامر اور نواہی شرعیہ پر قائم ہو جانا آیت کی تفسیر ہے، حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہین خدا کے لیے خالص طور پر عمل کرنا استقامت ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے، تمام فرائض کا ادا کرنا ثم استقاموا کی تفسیر ہے، صوفیہ مین ابو علی شبویؒ کا قول ہے کہ مین نے رسول اللہ صلعم کو خواب مین دیکھا اور عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے شیبتنی ھود وہ کونسی چیز ہے کہ

(باقی حاشیہ ص ۹۸ پر)

متعلقین اور احباب پرسان حال بالخصوص مولوی محمد میان صاحب سے سلام مسنون عرض کر دیجئے،

والسلام ۔ یہاں آنے کا قصد نہ کیجئے،

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

از ڈسٹرکٹ جیل، مراد آباد

۷، رجب ۱۳۶۱ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۹۷) جس نے آپ کو بوڑھا کر دیا، کیا انبیاء کے قصص اور امتوں کی ہلاکت و تباہی یاد رکھو، آنحضرت نے فرمایا کہ یہ چیزیں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا قول فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ۔ اسی لیے لوگوں نے فرمایا ہے کہ سوائے اکابر کے دوسرے کو استقامت کی طاقت نہیں، نصوص کتاب و سنت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہی استقامت موجب کرامت ہے جس میں دوام ہو، قرآن میں وَأَنْ لَوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا فرمایا، سقیناھم نہیں فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر لوگ حق کی سیدھی راہ پر برابر چلتے تو ہم ان کو ایمان و اطاعت کی بدولت ظاہری و باطنی برکات سے سیراب کر دیتے، اسی بنا پر جوزجانی فرماتے ہیں کن صاحب الاستقامة لا طالب الکرامت فان نفسك متحركة فی طلب الكرامة وربك يطالبك بالاستقامة ۔ خلاصہ یہ کہ استقامت ایک ایسا درجہ ہے کہ جملہ امور اور تمام نیکیوں کا حصول کمال اور نظام اسی پر موقوف ہے، کیونکہ جو شخص اپنی حالت میں مستقیم نہیں۔ اس کی سعی رائگاں اور کوشش ضائع اور وہ خائب و خاسر رہے گا، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ترقی نہیں کر سکے گا، الاستقامت خیر من الکرامت کتنی سچی بات ہے ۔

حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے مختصر لفظ استقامت کی یہ مختصر تشریح ہے تاکہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے ۔

# مکتوب نمبر ۴۷

عزیزم محمد امین بھی بخیریت پہنچکر اپنی عالنون سے والدین اور اعزہ کے لیے باعث طمانیت ہوئے ہون گے، آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا کہ سشن سے پہلے فیصلہ کی منسوخی ہو کر صرف چند ماہ قید محض باقی رہ گئی، مین نے دوستون کے مشورہ سے تخفیف مدت کے لیے مشقت بھی لے لی جس مین خاص رعایتین ہین، اور امید ہے کہ ایک ماہ سے کچھ زیادہ تخفیف ہو جائے گی، مگر فیصلہ سے پہلے ہی دفتر جیل مین دفعہ ۱۲۹ کا وارنٹ صرف اس احتمال پر آگیا تھا کہ کہین جیل سے رہائی نہ ہو جائے، اور اب دفعہ ۲۷ بھی آگیا ہے، ع

دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است

جب سے نئی گرفتاریان ہوئی ہین، لوکل حکام نے ہماری ملاقات اور اخبار وغیرہ بند کر دیے ہین، باقی امور حسب سابق ہین، بحمد اللہ نہایت اطمینان اور خوشی وخرمی سے یہ دن بسر ہو رہے ہین، اب اس وقت حافظ محمد ابراہیم صاحب، مولانا حفظ الرحمان صاحب، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی وغیرہ آٹھ حضرات یہان موجود ہین، کھانا ساتھ کھاتے ہین۔ اب جیل جیل نہین رہا، والحمد للہ۔ آپ کی حالت پر مجھے سخت افسوس ہے، ذکر پر مداومت تو درکنار احکام شرعیہ ضروریہ پر بھی آپ کی مداومت نہین رہی، پنجگانہ جماعت کی پابندی نہین فرماتے ہین، نماز مین دل نہین لگاتے، دنیاوی جھگڑون مین منہمک رہتے ہین، حقوق اللہ مین اس قدر بے پروائی اور کسلمندی ہے، اور حقوق العباد مین بہت زیادہ کوتاہی ہے، آپکے ذوی الارحام خصوصاً اور رشتہ دارون کے بہت زیادہ حقوق ہین، ان مین برابر کوتاہیان ہو رہی ہین، آخر آپ کو اپنے انجام کی رستگاری کس طرح حاصل ہو گی؟ مین پہلے بھی بارہا تنبیہ کر چکا ہون

اور عرض کر چکا ہوں کہ حقوق العباد نہایت زیادہ خوفناک ہیں، حقوق اللہ تو توبۂ صادق سے معاف بھی ہو جاتے ہیں، مگر حقوق العباد توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے، رشتہ داروں پر صلہ رحمی اور احسانات تو آپ کیا کرتے، ان کے حقوق واجبہ میں بھی آپ بہت زیادہ فروگذاشت کرتے رہتے ہیں، بلکہ ان کے عادی ہو گئے ہیں، رشتہ داروں کے خطوط، آپ کی شکایات اور حق تلفیوں سے بھرے ہوتے ہیں، رعایا پر ناجائز دباؤ وغیرہ سے تحریریں بھری ہوئی ہیں، آخر آپ کو یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ میں کس طرح نجات حاصل ہو سکے گی، کوئی حجت دنیا کے حکام کے سامنے آپ کو نجات دلا دے، مگر عالم السر والخفایا سے کس طرح نجات دلا سکتی ہے، صلہ رحمی سے بے پروائی، ضعفاء اور کمزوروں پر تعدی کے مہلک نتائج دنیویہ اور اخرویہ مصائب لانے والے ہیں، ان سے خلاص کس طرح ہوگی، آپ کو اپنی حالت نہایت جلد درست کرنی چاہیے، ورنہ عواقب نہایت زہریلے ہیں، میں بارہا متنبہ کر چکا ہوں، کہ دنیا میں جن پریشان کن حالات کا بار بار سامنا ہوتا رہتا ہے وہ ان فروگذاشتوں اور غلط کاریوں کے نتائج ہیں، جن کے آپ مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور متنبہ نہیں ہوتے، مَاۤ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ جلد متنبہ ہو جیے اور اپنی غلط کاریوں کو چھوڑتے ہوئے رشتہ داروں اور ارباب حصص کو راضی کیجیے، مظلوم کی بد دعا میں اور اللہ تعالیٰ میں حجاب نہیں ہوتا، جناب رسول اللہ صلعم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر رخصت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب"۔ یہ بد دعائیں توپ کے گولوں اور ٹینک اور مشین گنوں کی گولیوں سے زیادہ ضرر رساں اور مہلک ہیں، جاگیے اور تیاری کیجیے، خداوند کریم ہم کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنے غصہ اور غضب سے بچائے، والسلام، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۳۰ شعبان ۱۳۶۱ھ۔

(حاشیہ ص ۱۰۱ پر ملاحظہ ہو)

# مکتوب نمبر ۳۸

والانامہ مورخہ ۲۰ جمادی الاول و ۲۳ جمادی دونون ایک ہی وقت مین بتاریخ ۲۷ جمادی الاول موصول ہوا ہے، مولانا محمد میان صاحب مرحوم کے انتقال سے صدمہ ہوا، اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور اپنی رحمت خاصہ اور رضوان سے نوازے۔ آمین۔ پسماندگان کو صبر جمیل

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۷) حضرت مولانا دامت برکاتہم نے اپنے ان متعدد والاناموں مین جو مولانا احمد حسین صاحب لاہرپوری کو لکھے ہین حقوق العباد پر سخت زور دیا ہے، اور بلا خوف لومۃ لائم دوٹوک فیصلہ فرمایا، اور خیر خواہی مین کوئی کسر باقی نہین رکھی، واقعہ یہ ہے کہ آجکل نماز بھی پڑھی جاتی ہے، تسبیح و وظائف مین بھی کمی نہین کیجاتی ہی، لیکن جہانتک معاملہ اور حق العباد کا تعلق ہی اسکو نہ تو ادا کیا جاتا ہی اور نہ معاف کرایا جاتا ہے، حالانکہ کتاب وسنت مین حقوق العباد کو تمام حقوق اور واجبات پر اہمیت دی ہے اور جس کے نتائج دنیا مین بھی سامنے آتے رہتے ہین، مگر بوجہ غفلت تنبہ نہین ہوتا ہے، عربی کا ایک فقرہ ہے یعرف الناس بالمعاملۃ۔ مطلب یہ ہے کہ جس کے معاملات صاف ہوتے ہین ہر چیز سدھر جاتی ہے، اور آدمیت و انسانیت صحیح طور پر سامنے آجاتی ہے، ارباب سلوک اور تصوف نے حقوق العباد پر خصوصی توجہ فرمائی ہے، حافظ شیرازی فرماتے ہین ~ مباش در پے آزار آنچہ خواہی کن .. کہ در شریعت ما ہیچ ازین گناہے نیست

کا ایجابی پہلو خدمت خلق اور سلبی پہلو مردم آزاری ہی جو زیادہ تر حقوق العباد ہی سے متعلق ہے، بقول حضرت امام العصر مظلوم کی آہین اور بددعائین توپ، ٹینک اور مشین گنون سے زیادہ ضرر رسان ہوتی ہین۔ اللہ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلائے اور حق تلفی سے بچائے آمین۔ سچ فرمایا حضرت سید سلیمان صاحب ندوی نے "اس زمانہ قحط الرجال مین جو جنس سب سے زیادہ کمیاب ہے وہ اتقیا اور صلحا کا وجود ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو علماء کا فریضہ تھا وہ مسامحت اور مداہنت مین بدلتا جاتا ہے، ہم برائیان دیکھتے ہین، بدعات پر نظر پڑتی ہین مگر نظر گذر جاتی

اور اجر جزیل عطا فرمائے، ان کی جاری کردہ خیرات دائمہ یعنی مدرسہ تجوید القرآن کی آبیاری اور اسکی ترقی اب آپ کے ذمہ ہے، جہانتک ممکن ہو اس کو بڑھایئے، مرحوم کے لیے اور آپ کے لیے یہ بہت بڑی نعمت اخروی ہوگی، نیز مسلمانون کی جہالت اور بے دینی کے دور ہونے کا ذریعہ قوی ہوگا، بچون کی تجوید اور قرآن کی تعلیم کے ساتھ کچھ دینی اور لکھنے پڑھنے کی بھی تعلیم ابتدائی جاری رکھنی چاہیے، تعلیم الاسلام حصہ اول و دوئم وسوئم وچہارم مصنفہ مفتی کفایت اللہ صاحب اسکے لیے بہت مفید ہین، ترجمہ قرآن شریف بہت ضروری اور مفید ہے، مگر وہ بڑی عمر والون کے لیے کارآمد اور ضروری ہے، اللہ تعالیٰ امین سلمہ کو اس قابل بنادے تو انشاء اللہ وہ آپ کے خاندان کے لیے اور مسلمانون کے لیے چمکتا ہوا ستارہ ہوگا، آپ نے ہزاروں روپئے برباد کرکے جن رشتہ دار بچون کو طاغوت اکبر بنایا ہے، ان کے نفع کو اور اس بچہ کے نفع کو آخرت مین موازنہ فرمایئے گا، آج تو غیب کے پردے پڑے ہوئے ہین، مگر کل کو جب یہ پردے اٹھ جائین گے تو حقیقت معلوم ہوگی،

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۱) مگر سوسائٹی کی تاثیر کبھی مصلحت کا خیال، کبھی بڑون کی بڑائی اور اکثر حب جاہ اور طمع دنیا کلمہ حق کے اظہار سے باز رکھتا ہے، اور یہ ہمارے علماء و صوفیہ کی وہ کمی ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہین۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ۔ ایسے وقت مین اگر ہمارے درمیان کوئی ایسی ہستی موجود ہے تو وہ خدا کی سب سے بڑی نعمت ہوگی، حضرت امام العصر کا وجود العلماء ورثۃ الانبیاء کا صحیح مصداق ہے۔ خلاصہ یہ کہ سلوک مین قدم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سب گناہون سے توبہ کیجائے، اور اگر اس کے ذمہ لوگون کے حقوق ہین تو ان کو ادا کرنے کی فکر میں لگ جائے، یا حق والون سے معاف کرائے، کیونکہ بدون اس کے کہ حق والون کے حق سے ہلکا ہو، اگر عمر بھر محنت و مشقت کرے گا، ہرگز ہرگز اللہ تک نہ پہنچے گا،

(قصد السبیل)

ذکر میں کوتاہی نہ فرمائیں، اگر ہو سکے تو ان آفات سے تحفظ کے لیے روزانہ درود تنجینا[1] ستر مرتبہ پڑھا کریں۔

والسلام

۶ رجمادی الثانی ۱۳۶۳ھ ۔ دعاگوئے قدیم

چراغ محمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۳۹

والا نامہ مورخہ ۲ ذی الحجہ مجھکو سلہٹ میں ملا، واقعہ یہ ہے کہ اسفار کی کثرت جنکو میں مجبور ہو کر کر رہا ہوں، اور عدیم الفرصتی جو انتہائی درجہ کو پہونچی ہوئی ہے، اور طبعی کسل جس سے سخت عاجز ہوں، یہ امور جس طرح مجھکو اپنی اصلاح اور خبر گیری سے مانع ہیں، اسی طرح کرم فرماؤں کے خطوط کے جوابات سے بھی مانع ہیں، مدرسہ تجوید لاہور کے متعلق جو احوال جنابنے درج فرمائے ہیں، نہایت افسوس ناک ہیں، کسی مدرس تجوید کے متعلق کوئی تجویز دیوبند ہی پہونچ کر کر سکتا ہوں، میں وہاں پہونچکر اولین فرصت میں اس کام کو انجام دینے کی کوشش انشاءاللہ کروں گا، آپ کی بیماری اور میڈیکل کالج سے ناکام واپسی اور اطبا کی علاجی جد و جہد کی عدم افادیت سے صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ شفاء عاجل عطا فرمائے، آمین۔ مقدمات کی حالت سے بہت زیادہ افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ مدد فرمائے، آمین۔ اس میں کامیابی کے لیے جو اوراد بتائے گئے تھے، افسوس کہ آپ نے

[1] درود تنجینا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنْجِيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

ان کو چھوڑ دیا،

آپ کا ۶ ذیقعدہ کا والانامہ جس کو آپ نے ہسپتال سے لکھا تھا، پہنچا تھا، مگر عدیم الفرصتی کی بنا پر جواب نہ دے سکا، یہ بات بالکل غلط ہے کہ علم حدیث کی تدوین تین صدی کے بعد ہوئی علم حدیث کی تدوین تو آنحضرت علیہ السلام ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی تھی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو آپ نے احادیث کے لکھنے کی اجازت دیدی تھی وہ لکھا کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ مجھ سے زیادہ احادیث نبویہ کا حافظ کوئی دوسرا بجز عبداللہ بن عمرو بن العاص نہین ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور ہین لکھتا نہ تھا (بخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع ہین منیٰ ہین اپنا نہایت جامع اور فصیح خطبہ پڑھا جس ہین اجمالاً تمام شرایع اسلامیہ کو ذکر کیا گیا تھا تو ابوشاہ نے اس کے لکھوا دینے کی استدعا کی، آپ نے ارشاد فرمایا اس کو لکھ دو۔ (بخاری)

زکوٰۃ حیوانات اور نقود وغیرہ کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلات اپنے عاملون کو لکھوا کر دین، جو کہ کتاب ابن حزم وغیرہ کے نام سے مشہور ہے، دیت کے اقسام اور ان ہین اونٹون کی عمرین وغیرہ درج ہین، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب ہین کہ کیا آپ کے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی دوسری چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موجود ہے؟ فرمایا کہ نہین، مگر جو کاغذ ہماری تلوار کے میان ہین موجود ہے، پوچھا گیا اس ہین کیا ہے، کہا دیت کے اونٹون کی عمرین وغیرہ اور احکام اہل ذمہ وغیرہ۔ (بخاری)

غرضکہ تسویدِ احادیث زمانہ نبوی علیہ السلام ہین شروع ہو گئی تھی، جو کہ صحابہ کرام کی توجہ سے ترقی پذیر ہوتی رہی، (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کو منضبط کر دینے کی بنا پر پورے اطمینان اور وثوق کے ساتھ اس پر توجہ ہو گئی)۔ مگر یہ تحریرین محض یادداشت اور

مسودہ کے طور پر تھیں، کوئی ترتیب نہ تھی ،، ........ اسلام کی نشر و اشاعت کی مصروفیت، اشتغال بالجہاد کی شدید اہمیت کی بنا پر صحابہ کرام نے اپنے اپنے حافظہ پر اعتماد کر رکھا تھا، مگر اسی زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یعنی تابعین میں اہل قلم اور اہل حفظ ایسے ایسے نشو ونما پاجاتے ہیں، جنہون نے ان متفرق مسودون کو محفوظ فی الصدور احادیث کو ابواب پر ترتیب دینا اور بڑے بڑے دفاتر تیار کرنا شروع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری اور محمد ابن ابی بکر بن حزم اور ان کے معصر بڑے بڑے ائمہ تابعین ہر ہر مرکز میں بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ خلافت سو ہجری ہے یعنی بعد وفات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نوے برس پر، انھون نے بہت سے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا تھا، بہت بڑے علامہ جلیل القدر خلیفہ راشد ہیں، انھون نے اپنے عہد خلافت میں نشر و اشاعت حدیث کا نہایت عظیم الشان اور غیر معمولی انتظام کیا، ان کے زمانہ خلافت میں علم حدیث کی بے بہا ترقی ہوئی، اور اسوقت سے علم حدیث کی تدوین کتابون کی صورت میں شروع ہوگئی ؛

امام مالک رحمہ اللہ کی جو کہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، محمد بن اسحٰق اور واقدی وغیرہ کی کتاب المغازی ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق کی ضخیم ضخیم تصنیفات نہایت کثرت سے فقہ اور حدیث میں کی گئی، امام محمد رحمہ اللہ کی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف بھی اسی زمانہ کی ہیں جن میں فقہ کے ساتھ احادیث بکثرت مذکور ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مؤطا اور کتاب الآثار اور سیر کبیر و سیر صغیر مبسوط وغیرہ کتب ظاہر الروایت ملاحظہ فرمایئے، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، نیز سفیان ثوری، اعمش، طبری وغیرہ نے نہایت بڑی بڑی کتابیں لکھیں، ہاں ان کتابون میں یہ بات ضرور تھی کہ احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور فتاوی بھی بکثرت ہوتے تھے فقہی استخراجات

اور استدلالات بھی ہوتے تھے ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الام اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی اماتی وغیرہ ایسے مضامین سے بھری ہوئی ہین، یہ حضرات سن ایک سو ہجری کے بعد عموماً ابتدائی صدی مین یہ ذخائر جمع کر دیے ہین، پھر اسی دوسری صدی کا آخری زمانہ آتا ہے جس مین ایسے بڑے بڑے اولولعزم حضرات پیدا ہوجاتے ہین جو کہ ان سابقہ مولفات کو چھانٹتے ہین اور فقط صحیح اور مرفوع احادیث کو جمع کرتے ہین ،

امام بخاری ۱۹۴ھ مین پیدا ہوئے، امام احمد بن حنبل ان سے بہت پہلے پیدا ہوئے، امام بخاری نے الجامع الصحیح مشہور کتاب تصنیف کی، امام احمد انکے استاد ہین، انھون نے اپنے مسند کو خاص طور پر ترتیب دیا، اور اسی دوسری صدی کے آخری زمانہ مین امام طحاوی، علی ابن المدینی، ابن معین، یحیی بن سعید القطان، دارمی وغیرہ ہین جن کی تصانیف کثرت سے ہین۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ تدوین حدیث کا ابتدائی دور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی حسب الحکم شروع ہوجاتا ہے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی ترتیب کے بعد اس مین ترقی ہوجاتی ہے، عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ مین عام طور پر تسوید اور ترتیب الواب جاری ہوگئی، اور روزافزون ترقی کے ساتھ آخیر صدی تک مین بڑی بڑی کتابین مرتب اور مہذب ہوکر وجود مین آگئین، ہر حدیث کے معلم کے یہان املا کا طریقہ جاری تھا، ان محدثین کی جو کہ پہلی ہی صدی اور زمانہ صحابہ کرام مین مشہور بالروایت اور تدریس حدیث ہین، تاریخ مین ملاحظہ فرمایئے، صرف یہی طریقہ نہین تھا کہ احادیث مجمع تحدیث مین سنادی جائے اور ان کی تفسیر کر دیجائے، بلکہ عموماً قلم دوات اور کاغذ ہر طالب علم کے پاس ہوتا تھا، استاد کی مرویات کا ایک ضخیم خزانہ جمع ہوجاتا تھا جس کی یادگار معجمات ہین، معجم صغیر و کبیر و اوسط طبرانی کی اسی کی

یادگار ہیں، ہاں ان مجموعات میں استاد کی جملہ روایات رطب و یابس لکھی جاتی تھیں، امام مالکؒ نے اولاً یہ قدم اٹھایا کہ ان روایات کی چھان پھوڑ اور کاٹ چھانٹ کی اور اسی وجہ سے انکی کتاب مؤطا تصنیفہ محدثین میں بہت زیادہ مقبول ہوئی، اور عام شہرہ ہو گیا کہ (اصح الکتب تحت ادیم السماء بعد کتاب اللہ الموطا) مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بنا پر کہ اس میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال اور فتاوی اور تابعین کے اقوال بکثرت درج ہیں، اور اس وجہ سے کہ اس میں عموماً روایات حفاظ مدینہ منورہ کی ہی پائی جاتی ہیں، دوسری تصنیف کی ضرورت سمجھی، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ ظہور پذیر ہوئیں، جو کہ تیسری صدی کی ابتدائی یادگار ہیں، بہرحال یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ تدوین حدیث تیسری صدی کے بعد ہوئی،

## علم حدیث کی تعریف

۱۔ علم حدیث کی تعریف حسب ذیل ہے "علم یعرف بہ احوال ما نسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولاً وفعلاً او تقریراً او صفۃً"۔ علم حدیث وہ علم ہے جس سے ان چیزوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں، جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیے گئے ہوں بطور قول کے یا فعل کے یا تقریر کے یا صفت کے، یہی تعریف راجح اور قوی ہے، بعض حضرات نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی داخل کیا ہے، اور ان کے اقوال وافعال کو بھی حدیث میں شمار کیا ہے، عمادی صاحب کی تعریف اس قول پر ہے،

۲۔ جبکہ قرآن شریف میں وارد ہے، وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوَىٰ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (سورۂ نجم) اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ (سورۂ قیامہ) تو پھر اس میں دارمی وغیرہ کی روایات کی کیا حاجت ہے کہ حدیث کے وحی ہونے میں اس کو تلاش کیا جائے، اور اس کی صحت وسقم سے بحث ہو۔ جو کچھ نبیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از قسم تفسیر کلام اللہ اور از قسم دینیات

ارشاد فرمائیں گے وہ سب وحی ہے، ہاں بعض وحی اس قسم کی ہے کہ جس کے الفاظ بھی القا فرمائے گئے ہیں، اور بعض وہ ہے جس کے معنی القا کیے گئے، اور الفاظ میں اختیار دیا گیا، ان معانی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، پھر وہ الفاظ دو قسم کے ہیں بعض وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عز اسمہ کی طرف ہے، اور اکثر وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عز وجل کی طرف نہیں، اول الذکر قرآن ہے، ثانی حدیث قدسی ہے، ثالث عام حدیث قولیہ ہیں، سب واجب التسلیم ہیں، مگر فرق ثبوت کے درجات میں ہے. قرآن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتراً منقول ہے یعنی اس کو نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اسقدر نفوس کثیرہ رہے ہیں جنہیں جھوٹ بولنے یا غلطی کرنے کا احتمال باقی نہیں رہتا، اس لیے اس کا منکر کافر ہے، اور اس کو ماننا عقلاً و نقلاً ضروری ہے. اور احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ ان کے نقل کرنے والے اتنے کثیر نفوس نہیں ہیں، اس لیے ان میں احتمال جھوٹ یا غلطی کا آتا ہے، اس لیے قطعی الثبوت نہ ہوں گی اور ان کا منکر کافر نہ ہوگا، یہ تو فرق ہمارے لیے ہے صحابہ کے لیے نہیں، ان کے لیے قرآن اور ارشادات نبویہ سب قطعی الثبوت ہیں، وہ اگر ایک حدیث کے بھی سننے کے بعد منکر ہوں تو کفر لازم ہو جائے گا،

پھر اگر ایسے لوگ ناقل اور راوی ہیں جن کے احوال ایسے پاکیزہ اور عمدہ ہیں جن سے جھوٹ کا احتمال بالکل چھوٹ جاتا ہے، تو غلبہ ظن سچائی اور واقعیت ثبوت کے پیدا ہو جانے کی بنا پر اس حدیث کو مقبول اور صحیح یا حسن کہا جاتا ہے، اور اگر ان کے احوال ایسے نہیں ہیں تو حدیث ضعیف یا مردود قرار دیجاتی ہے، پھر اگر صحیح احادیث ہم معنی متواتر طریقہ پر ہوں اگرچہ الفاظ میں تواتر نہ پایا جاتا ہو تو اس حدیث کو متواتر بالمعنی کہا جاتا ہے، عذاب قبر وغیرہ کی روایت ایسے ہی ہیں، انھیں میں سے اعداد رکعت وغیرہ کی روایات ہیں، ان

ایمان لانا واجب ہوگا، اور انکار کفر ہوگا۔ اگرچہ الفاظ کا انکار ایسا درجہ نہ رکھے گا۔

جو ارشادات نبویہ حسب عادت بشری ہوں، ان کا تعلق دینیات اور تفسیر کلام اور تبلیغ عن اللہ نہ ہو، جیسے روزمرہ کے بشری کاروبار دنیا ویہ وغیرہ میں کلمات ہوتے رہتے ہیں، ان کا تعلق وحی سے نہ ہوگا۔ وہ حسب طبیعت بشریہ مثل دیگر بشر آپ سے صادر ہونگے، انہیں کو کھجور کے متعلق والی حدیث میں ارشاد فرمایا گیا انتم اعلم بامور دنیاکم الخ

ہر حدیث کی وحی کے لیے نزول جبرئیل علیہ السلام ضروری نہیں، وحی کے اقسام آٹھ یا نو ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہیں، الہام اور کشف بھی وحی ہے، ان کے دل میں کوئی بات من جانب اللہ آجائی جس کو ان کو بتلا دیا جائے کہ منجانب اللہ وحی ہے، وغیرہ وغیرہ

اس وقت ریل میں جلدی میں یہ تحریر لکھ سکا ہوں، بہت سے خطوط کے جوابات میں اس کی وجہ سے حرج ہوا ہے، اگر کافی ہو فبہا، اگر اس پر کوئی شبہ ہو تو لکھیں، بوقت فرصت اس کے لیے بھی کچھ عرض کر سکوں گا۔

---

(حاشیہ مکتوب نمبر ۳۰) ذہانت و حافظہ خدا کی بخشی ہوئی وہ قوتیں ہیں جن پر تاریخ ہمیشہ ناز کریگی، چنانچہ ہر صدی میں بزرگان دین و پرستاران اسلام عدیم النظیر دل و دماغ، حافظہ و ذہانت کے مالک تھے، اور آج تک قوت حافظہ کی تنہا، ہم نہ صرف اپنے ملک غیر دینے پر مجبور ہیں، حضرت امام العصر مدظلہ العالی کے دماغ اور سر کی ساخت سے، فزیناوجسٹ کو اس قدر معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ میں غیر معمولی عقل و فہمید گی اور حافظہ کی قوتیں موجود ہیں، جن لوگوں کو آپ کے مواعظ اور تقریروں میں شرکت کا اتفاق ہوا ہے وہ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس بحر بیکراں کے علم سینہ کے سامنے علم سفینہ کی کوئی حقیقت نہیں، مذہبی معلومات کا تو کہنا ہی کیا؟ اقتصادیات اور سیاسیات میں کون شے ہے جو زبان کھول سکتا ہے، مسٹر گو کھلے آنجہانی کے بیانات کو جنہوں نے سنا اور

(باقی صفحہ ۱۱۰ پر)

گھر میں اور دیگر متعلقین اور احباب پرسان حال سے سلام مسنون عرض کردیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰۹) پڑھا ہے وہ حضرت امام العصر کی وسیع معلومات کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا، معاشیات جیسے خشک موضوع پر محض اپنے حافظہ کی مدد سے گھنٹوں بولتے رہنا اور مسلسل بحث کرنا صرف آپ کا واحد کارنامہ ہے، یوں تو آج ہر طفل دبستان جس کو ایک بات بھی پیغمبر صلعم کی مع سند یاد نہیں وہ آج امام بخاری سے اپنے کو کم سمجھنے پر خوش نہیں، حالانکہ حدیث کا پڑھا دینا اور بات ہے اور فن حدیث کا جاننا بدون خداداد حافظہ و فراست ایمانی کے ناممکن اور محال ہے، مشتے نمونہ از خروارے، کے طور پر صرف اسی ایک خط کو جو تاریخ تدوین حدیث وغیرہ خالص علمی مباحث پر مشتمل ہے غور کرنا چاہیے، سفر میں ٹرینوں پر قلم برداشتہ ایسی تحقیق چند منٹوں میں دنیا کے سامنے رکھدینا کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ وہی کرسکتا ہے جو واقعی محدث ہو، اور غیر معمولی تبحر رکھتا ہو۔ ع تو حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اس مکتوب گرامی سے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ تدوین و تحریر احادیث آنحضرت صلعم کے زمانہ میں شروع ہوچکی تھی، مگر یہ تحریریں محض یادداشت اور مسودہ کے طور پر تھیں، کوئی ترتیب نہ تھی صحابہ کرام مشغولیت جہاد اور اشاعت اسلام وغیرہ کی بنا پر اپنے حافظہ پر اعتماد رکھتے تھے، بعد کو تابعین نے ابواب کے تحت احادیث نبویہ کو مرتب کرنے کی طرح ڈالی، اور محدثین کرام نے الفاظ اور مجتہدین عظام نے معنی کی طرف توجہ فرمائی، اور اس قطرہ کو دریا بنادیا، آج دنیائے تحقیق ان بزرگوں کی مصوری پر حیران ہے، لہذا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ تدوین و تحریر احادیث دوسری یا تیسری صدی کے بعد ہوئی، خوب سمجھ لیا جائے۔

علم حدیث کی تعریف میں (۱) و (۲) کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید جناب رسول اللہ صلعم سے تواتراً منقول ہے اس لیے اس کا منکر عقلاً و شرعاً کافر ہوگا، احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ قطعی الثبوت نہ ہونگی اور ان کا

(باقی ص ۱۱۱ پر)

# مکتوب نمبر ۸۴

..... جو شغل آپ کو تعلیم کیا گیا ہے اس کو پاس انفاس کہتے ہین، اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی سانس آمدنی ورفتنی ذکر خداوندی سے خالی نہ ہو، اور اس کے ساتھ ذکر قلبی کا بھی رابطہ حاصل ہو، جو اوقات صبح و شام اس کے لیے مقرر کیے گئے ہین، وہ محض مشق کرنے کی غرض سے ہین، انسان کوئی کام خواہ دنیاوی ہو یا دینی، جسمانی ہو یا روحانی جب شروع کرتا ہے، طبیعت بوجہ عدم عادت اس سے گھبراتی اور الجھتی ہے، پھر آہستہ آہستہ اس سے مناسبت پیدا ہوتی رہتی ہے، اور آخر کار اس سے الفت پیدا ہو کر طبیعت ثانیہ کا ظہور ہو جاتا ہے، استقلال اور ثبات سب سے زیادہ ضروری امر ہے، خس و خاشاک پر نظر ڈالنے سے بچنا ضروری ہے، اس ذکر کو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت جاری رکھنا چاہیے، صبح و شام خصوصاً خلو معدہ کے اوقات مین اس خیال تعلیم کردہ کے جمانے اور اس ذکر کے مشق کرنے کی ضرورت ہے، اگر شام کو بوجہ اشغال دنیاویہ فرصت نہ ہو تو صبح ہی کو اس کا انتظام رکھیے، مگر حتی الوسع ناغہ نہ ہونا چاہیے، جو سابقہ اوراد ہین ان کو بالفعل ترک کیجئے، فقط تسبیحات چہارگانہ اور درود شریف و استغفار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۰) منکر کافر ہوگا، یہ فرق ہمارے لیے اصولاً ہوتا ہے، البتہ صحابہ کرام کیلیے قرآن اور ارشادات نبویہ سب قطعی الثبوت ہین، مدارج احادیث اصول حدیث مین مفصل موجود ہین، ہان جو ارشادات نبوی حسب عادت بشری ہون ان کا تعلق دینیات، تفسیر کلام اللہ اور تبلیغ سے نہ ہو نہ وہ وحی ہونگے اور نہ واجب العمل بلکہ انکی حیثیت روزمرہ کے بشری اور دنیاوی کاروبار کی ہوگی، اور دوسرے انسانون کی طرح آپ سے بھی صادر ہون گے، جیسے تابیر کھجور کا واقعہ اور آپ کا فرمانا کہ "تم اپنی دنیا کے کامون کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو"۔

ایک ایک تسبیح روزانہ عمل میں رکھیے، قرآن شریف روزانہ ایک پارہ پڑھ لینا اگرچہ بلامعنی ہو مفید ہے، دوا کی تاثیر خواہ معلوم ہو یا غیر معلوم نفع ضرور ہوتا ہے، اگر ان اوراد مذکورہ سابقہ اور تلاوت[۱] کی بھی فرصت نہ ہو تو ان کا ترک کر دینا مضایقہ نہیں رکھتا، مگر ذکر مذکور کے اجرا، وانہماک میں کوتاہی ہرگز نہ کریں، اور معنی "هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ" کا متخیلہ میں حسب تعلیم قائم رکھیں۔ استغفار یہ تھا "استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ"۔ درود شریف یہ ہے اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم بعدد کل معلوم لک۔

ہر چند سالک[۲] کو ذکر کی کیفیات اور یہ کہ وہ کس طریق کا ہے، پوچھنا نہ چاہیے، مریض کو

[۱] کسی کو دھوکہ نہ ہو کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے مکتوب ہذا میں یہ کیسے تحریر فرما دیا کہ "تلاوت کی بھی فرصت نہ ہو تو ان کا ترک کر دینا مضائقہ نہیں رکھتا، مگر ذکر مذکور کے اجرا، وانہماک میں کوتاہی ہرگز نہ کریں"، کیا قرآن کی تلاوت ذکر نہیں ہے، پھر ذکر کے اور کیا معنی؟ سو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں ذکر سے مقصود محض مذکور کی قلبی یاد یا یادداشت کے ہیں، جس کے مختلف مدارج ہیں، (۱) اللہ کے نام کا یاد کرنا (۲) بواسطہ نام کے ذات کو یاد کرنا (۳) یہ کہ نام کا بھی واسطہ نہ رہے، ذات ہی کی یاد پر قادر ہو جائے۔ لفظ ذکر ہی میں امراض کے علاج کی جانب بھی اشارہ ہے۔ یعنی بدون اصلاح حال کے جو ذکر کرتا ہے گویا وہ ذکر نہیں

[۲] اس مکتوب گرامی میں حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے ایک لفظ سالک کا ارشاد فرمایا ہے، ممکن ہے مقدمہ میں ہم مقامات سلوک کی کچھ توضیح کریں، یہاں لفظ سالک بتانا چاہتے ہیں۔ صوفیہ کی اصطلاح میں سالک وہ ہے جو خدا کی نزدیکی بھی چاہے اور تحمل معاش بھی رکھتا ہو، یا بالفاظ دیگر سالک وہ ہے جو بغیر علم و تصور اپنے حال سے مقام کو طے کر رہا ہو، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کے دل میں ایک پُر زور اور غیر منجذبہ ولولہ ایمان کے حصول کا پیدا ہو جائے، اور وہ صرف اس تصدیق و یقین پر قانع نہ رہ جائے

(باقی ص ۱۱۳ پر)

دوا کا استعمال ضروری ہے، اس کی کیفیت وغیرہ سے سوال کرنا لایعنی امر ہے، تاہم اس امر کے ظاہر کرنے میں کوئی بخل نہیں ہے، یہ شغل طریقہ چشتیہ قادریہ کا ہے، آپ کام میں مشغول ہوں، سوائے ذات خداوندی کسی چیز کی ہوس نہ ہونی چاہیے۔

دنیا و آخرت را بگذر حق طلب کن  کین ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

جس سے تعلق ہو محض خدا کی وجہ سے اور جس سے نفرت ہو محض اسی کی وجہ سے تو دل کم ہو حال زیادہ ہو۔ پرسان حال سے سلام کہدیں۔ والسلام

حسین احمد غفرلہ

مورخہ ۱۲ ر اکتوبر۔ از دہلی

# مکتوب نمبر ۴۱

ہماری قدیم رشتہ داری سادات یا شیوخ سے چلی آتی ہے، اور شیوخ بھی وہ رشتہ دار رہے ہیں، جس کا سلسلہ نسب اعلیٰ رہا ہے، پرانے کاغذات میں میں نے لفظ سید لکھا دیکھا ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۲) جو وراثت میں ملا ہے، یا منطقی اور عقلی دلائل کے پاسے چوبیں پہ کھڑا ہے، روح کی صلاحیت اور نفس کی استعداد کے اعتبار سے یہ رغبت انسان کے اندر پوشیدہ رہتی ہے، یہانتک کہ اس میں ایک بے پایان جذبہ اس امر کے لیے پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق کو ذوقی طور پر پہچانے۔ چنانچہ قدم رکھتے ہی اوہام دل میں ابھرنے لگتے ہیں پس وہ ایک مرشد کے دامن میں پناہ لیتا ہے جو محقق اور عارف باللہ ہو، تصوف و سلوک کے تمام مراحل طے کر چکا ہو اور بزرگ مشائخ کبار کی طرف سے اس امر کی اجازت رکھتا ہو کہ دوسروں کی تعلیم و تربیت کرے، اور جس کا اصلی مقصد دنیا میں نبی کی تعلیم کے مطابق خدا کی بندگی وعبادت و ریاضت میں زندگی گزاریگا، وہ صدق نیت کیساتھ خدا کی طرف بڑھتا ہے اور غیر خدا کی وابستگی سے پاک کرتا ہے، اسی کو ملک کہتے ہیں ع گر بگویم شرح این بے حد شود۔

نمبر ۱۱۲ام آدھر لے نا ساز گار حالات پر مکتوب پہلے گذر چکا ہے

والد صاحب کے جوابات بھی اس پر دلالت کرتے ہین، پرانے لوگون سے بھی یہ ہونا مین نے
سن لیا تھا، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ والد مرحوم کو جبکہ وہ بانگرمؤ
مین ہیڈ ماسٹر تھے اور مولانا سے بیعت ہو چکے تھے، ایک مجلس مین فرمایا تھا کہ میان یہ تو بڑے
خاندانی ہین اور پیرزادے ہین، ان کے جد امجد شاہ نور الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات میرے
پاس آئے تھے، اور مجھ سے درخواست کی کہ حبیب اللہ میری اولاد ہے، ان کی طرف خصوصی
توجہ کرو۔ اس کے بعد سے حضرت مولانا مرحوم خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے، اور پیرزادے وغیرہ
کے الفاظ سے یاد فرمایا کرتے تھے، یہ بات صحیح ہے کہ بادشاہان دہلی کی طرف سے تقریباً چوبیس
گانون ہمارے اسلاف کو ملے تھے، باون ۵۲ گانون کی تقسیم مین خاندانون پر ہوئی تھی، جن مین
سے یہ مقدار ہمارے اسلاف کو ملی تھی، یہ بھی سننے مین آیا ہے کہ یہ گانون خانقاہ کے مصارف
کے لیے دیے گئے تھے، ۱۸۵۷ء مین ان مین سے ۲۳ یا ۲۴ گانون ہمارے اسلاف کے پاس
باقی تھے، مگر راجہ بھٹی نے لوٹا اور ان پر قبضہ کر لیا، متعدد وجوہ کی بنا پر اُن کا واپس لینا ممکن نہ ہوا،
یہ صحیح ہے کہ رجھبر قوم کا یہان قلعہ تھا، اور وہ مسلمانون کو تنگ کیا کرتے تھے، حضرت شاہ نور الحق
صاحب مرحوم نے کرامات سے راجہ کو زیر کیا، اور وہ قلعہ چھوڑ کر مع اپنے ارکین دولت بھاگ گیا،
اس قلعہ پر حضرت شاہ نور الحق صاحب مرحوم قابض ہو گئے، اس قلعہ کے نشانات اب بھی
ہین، اسی قلعہ مین ان کا مزار ہے، اور ہمارے مردے اسی مین دفن ہوتے ہین، حضرت شاہ
نور الحق صاحبؒ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے درمیان شجرۂ طریقت مین غالباً
تین یا چار واسطے پڑتے ہین، مگر یہ سلسلہ طریقت حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے
سے نہین ہے، اس سلسلہ طریقت کی نقل میرے پاس موجود ہے، جس کو مین نے پرانے
کاغذات سے نقل کیا ہے،

یہ بھی سننے مین برابر آیا ہے کہ ہمیشہ اس خاندان مین اہل اللہ اور ارباب کرامت موجود رہے ہین، اور اسی وجہ سے شیعون کے دور حکومت مین اودھ مین تشیع سے یہ خاندان محفوظ رہا آصف الدولہ نے زور ڈالا، مگر اس وقت کے موجودہ بزرگون کی کرامت نے اس کو مجبور کیا، والد صاحب مرحوم سے مین نے بارہا سنا ہے کہ آخر مین دو تین پشتین ایسی گذری تھین کہ جن مین دنیاداری غالب اور علم معرفت سے محرومی پیش آئی تھی، سلسلۂ طریقت صرف اسمی باقی رہ گیا تھا، پیری مریدی بھی کرتے تھے، مگر اندرونی کمالات سے خالی تھے، اسی بناپر والد مرحوم حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ سے بیعت ہوئے، اور ہم ناکارون کو حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی غلامی کا شرف حاصل ہوا، نانی صاحبہ مرحومہ صاحب نسبت اور صاحب کشف تھین، انھون نے والد صاحب کو مجبور کیا کہ جب تک تم کسی کامل سے بیعت ہو کر منازل سلوک طے نہ کر لو مرید کرنا تمھارے لیے آخرت مین وبال ہوگا، تم اس راہ سے ناواقف ہو تمھارے لیے یہ سلسلہ جاری کرنا ناجائز ہے۔

کراچی جیل مین ہم نے "جھڑتی"[1] کے خلاف صداے احتجاج بلند کی تھی، اور سنکریہ بھی اعتراض کیا تھا، مگر نتیجہ نیکر ہم کو باسانی مل گئے تھے، البتہ جھڑتی کی مخالفت کرکے پر سزائین دی گئین تھین، مین اکیلا اس پروٹسٹ مین نہ تھا بلکہ تین ہندو مسلو جے رام دولت رام سوامی کرشنانند وغیرہ بھی تھے، ہم کو اولاً سزا دین رات کو ہتھکڑیان لگائی گئی تھین، پھر جب ہم نے نہین مانا تو بجاے کھانے کے کانجی (نمکین حریرہ جوار کے آٹے کا) دیا جاتا تھا، پھر جب ہم نے نہ مانا تو پیرون مین زنجیر دار بیڑیان ایک مہینہ کے لیے دی گئی تھین، یہ مدت

[1] اخلاقی قیدیون کے ساتھ یہ طریقہ اب بھی باقی ہے کہ جب دینی مشقت سے فارغ ہو کر اپنے کیا وُنڈ مین داخل ہوتے ہین تو انکے کپڑون کی تلاشی لیجاتی ہے حتیٰ کہ کبھی ان کو برہنہ بھی کر دیا جاتا ہے۔

ختم نہ ہونے پائی تھی کہ خبر باہر نکل گئی اور گاندھی جی کے ینگ انڈیا میں مضامین نکلے تو ہم سے سزائیں اٹھالی گئیں، اور صورتاً اہل جیل بدن کو ہاتھ لگا کر چلے جاتے تھے، حقیقی چھڑی ہم سے نہیں لیجاتی تھی، الٹے لٹکانے کی کبھی نوبت نہیں آئی یہ بالکل غلط ہے، اور یہ سزا جیل مینول[۵۰] میں ہے بھی نہیں، ہاں یہ سزا ہے کہ ہتھکڑی لگا کر اونچی چیز سے ہتھکڑی باندھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے قیدی بیٹھ نہیں سکتا، تمام دن کھڑا رہتا ہے، مگر بحمد اللہ اس کی نوبت ہی نہیں آئی کہ مضامین شائع ہوئے اور سختیاں اٹھالی گئیں،

اذان کا واقعہ عرصہ کے بعد ظہور پذیر ہوا تھا، اس میں ہم نے ہنگر اسٹرائک کیا تھا، تین ہندو اور آٹھ مسلمان اس میں شریک تھے، اس میں ہم کو فقط کوٹھریوں میں بند کیا گیا تھا، چھ دن کے بعد فیصلہ ہو گیا تھا، اور پست آواز سے اذان کی اجازت مل گئی تھی۔ مالٹا میں کوڑے کا واقعہ بالکل غلط ہے، کسی کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا گیا۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۳ صفر مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۴۱ء

از پنجاب میل قریب ہردوئی،

---

۵۰؎ جیل کے دستور العمل اور قواعد و ضوابط کو جیل مینول کہتے ہیں۔

# مکتوب نمبر ۲۴

## مولانا عبدالماجد صاحب بی اے، دریاباد ضلع بارہ بنکی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج مبارک، کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ آر۔ سی۔ دت کی تاریخ اقتصادیات ہند کا ترجمہ اردو میں ہوا ہے یا نہیں، اور پراسپرس برٹش انڈیا مصنفہ ولیم ڈگبی کی تمام کتاب کا بھی ترجمہ ہوا ہے یا نہیں، اگر یہ دونوں مترجم ہو کر چھپ چکے ہیں تو کہاں سے ملیں گے، ثانی الذکر کے دو باب کے مترجم چھپے ہوئے اوراق میرے پاس ہیں،

مجھکو نہایت تعجب ہے کہ آپ جیسا تجربہ کار زمانہ کی گرمی اور سردی سے واقف صاحب علم و شعور ایسی صریح غلطی میں پڑے جو کہ الفاظ ذیل سے نمودار ہو رہی ہے،

"عرصہ سے اپنی اصلاح نفس کی غرض سے خدمت والا میں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں الخ"

میرے محترم! اصلاح نفس کے لیے کسی سگ دنیا، نفس پرست، ناکارہ و نالائق کے پاس جانا کیا معنی رکھتا ہے، پیاسا دریا کا قصد بیشک کرتا ہے، مگر آتش کا قصد نہیں کرتا، در و دیوار، سنگ و کہسار کی طرف نظر نہیں اٹھاتا، میں حلفیہ کہتا ہوں اور میں سچا ہوں کہ میں اپنی سیاہ روئی اور سیہ کاری سے خود شرمندہ اور نادم ہوں، اور بسا اوقات سے ڈرتا ہوں، میری واقعی حالت اشخاص انسانیہ سے بدتر ہونا تو درکنار ارذل حیوانات سے بھی بدتر ہے ؎

لشر الناس ان لم یعف عنی یظن الناس بی خیراً وانی

مولانا محترم، اگر اس کمال کے اعلام و اکابر بھی موجود تھے تب بھی مجھ جیسے

سگ دنیا بدنام کنندۂ نکونامان کی طرف نظر اٹھانا جائز نہ ہوتا،

کس نیاید بزیر سایہ بوم　　　ورہما از جہان شود معدوم

پھر خیال اصلاح نفس ایک نفس پرورسے یاللعجب اس سے یہ مقصد نہین کہ آنجناب کو تشریف ارزانی فرمانے سے روکنا منظور ہے، حاشا وکلا، جناب کا تشریف لانا سر اور آنکھون پر ہے، مگر اپنی حالت بھی ظاہر کردینا ضروری ہے، بعض حضرات کو دھوکا اس امر کا واقع ہورہا ہے کہ چند مقدس ہستیون کی خدمت مین چونکہ اس کو زمانہ تک بار یابی کی نوبت رہی ہے، اس لیے ضرور بالضرور لائق ہوگا۔ مقدمہ اولی بیشک صحیح ہے، مگر مقدمہ ثانیہ غیر لازمی ہے، ولنعم ماقیل ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　　کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر

والسّلام۔ از دیوبند۔ ۷ رجب ۱۳۴۶ھ۔ آستانہ حضرت شیخ الہند مرحوم

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۴۳

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا خط ملا تھا، اور حقیقت مین اس نے سخت تشویش پیدا کی، ہم ناکارون اور روسیاہوں سے سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے، کہ بارگاہ الٰہی مین ابتہال اور تضرع کرین، اعلی اللہ عابیعول المسکین۔ دعا گویون کا وظیفہ محض دعا گوئی ہے، جو جناب نے خواب مین ملاحظہ فرمایا، وہ جناب کا اخلاص اور تعلق اس طرح سے ظاہر کیا گیا ہے، جس طرح آئینہ دیکھنے والے کے چہرہ کو ظاہر کرتا ہے۔ بہرحال الطاف ربانیہ آپ کے ممد و معاون ہوسے، اور بارگاہ رب العزت سے

دعا ہے کہ وہی ہمیشہ ناصر و مددگار رہیں۔ آمین

میری سعی ان دنوں منجملہ دیگر امور کے ایک خاص امر کی طرف زیادہ لگی ہوئی ہے، وہ کہ مسلمان شادی اور بیاہ کی خصوصاً اور موت اور ختنہ و عقیقہ وغیرہ کی وہ رسوم[1] جن کے مصارف نے ان کو برباد کر دیا ہے ان کو عموماً ترک کر دیں، اس کے متعلق میں نے فیض آباد وغیرہ میں بھی کوشش کی، اور خصوصاً ملکی خاندان جو کہ ہمارے عرف میں شرفاء سے تعبیر کیے جاتے ہیں

[1] اسلام کا اصول اصلاح وارشاد و تبلیغ کا طریقہ اور رسم ورواج کا استیصال ایک خاص معیار کے تحت انجام پاتا ہے، جو وقت کی اسپرٹ سے جنگ کرنا نہیں ہے، بلکہ وہ تدریجی اصلاح کا قائل ہے۔ قرآن میں ہے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجیے کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے، افراد کی ذاتی اصلاح اور گھر لو ہدایت کا دار مدار بہت زیادہ گھر والوں کی اصلاح پر ہے، اور ویسے بھی آدمی کی صداقت و حقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جا سکتی ہے، چنانچہ ہر پیغمبر اور ان کے جانشینوں نے اس پر بڑا زور دیا ہے، آدمی کی طبیعت رسم و رواج کے مقابل حق کو یہ کہنے سے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی کہ یہ حق ہے اور یہ ناحق ہے، بلکہ یہ چیز بچوں میں علمی و عملی تربیت سے اور بڑوں میں ماحول کے نمونہ سے پیدا ہوتی ہے، حکماء امت نے اپنے اپنے وقتوں میں وراثت انبیاء کے فرائض انجام دیے، کسی نے چھوٹی چھوٹی باتوں کی اصلاح فرمائی، اور اسی میں ساری زندگی ختم کر دی، کسی نے امور معاملات اور اصل روگ کو دور کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دی، اور خلوت و جلوت، سفر و حضر میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے اصلاح رسم و رواج میں اپنا اہم کارنامہ چھوڑا ہے، جس کو ہم کسی دوسرے موقع پر مفصل لکھیں گے، اللہ والوں کی دعائیں اگر کوئی چیز ہیں تو مولانا دریابادی کو امام العصر کے غیر معمولی دعائیہ کلمات کو کبھی یاد کر لینا چاہیے، اس سے زیادہ کا مشورہ میرا فریضہ نہیں ہے،

اور جن کی حالت روزانہ بد سے بدتر ہو رہی ہے، ان کے رسوم کو مضمحل کرنے کی سعی جاری رکھی، تاہم دین اس کے لیے بار بار کوشش پر قدرے کامیابی ہوئی جس کی بنا پر میرے ایک رشتہ دار نے مجھ سے پوری عملدرآمد کی تیاری ظاہر کی، مگر شرط یہ کی کہ میں شریک عقد ہوں، اسی بنا پر میں وہاں گیا اور بفضلہ ایک بڑے درجہ تک کامیاب ہوا، چونکہ مجھکو اتوار کے دن راولپنڈی پہنچنا تھا کیونکہ وہاں کے جلسہ کی آخری تاریخ میں مجھکو تقریر کرنا تھا اسلیے میں لکھنؤ سے پنجاب میل میں سوار ہوا، اور سہارنپور کے اسٹیشن پر وحید کی اہلیہ کو اس کے حوالہ کر کے اسی گاڑی میں راولپنڈی پہنچا، شب بھر قیام کر کے دوشنبہ کو وہاں سے روانہ ہو کر پنجشنبہ کو دیوبند پہنچا، تو مولانا عبد الباری کا والانامہ ملا، بہرحال خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو شفا بخشی، خداوند کریم آپ کی عمر میں درازی جسم میں صحت، ارادہ میں قوت، قلب میں اپنی محبت، اعمال و اقوال میں اپنی رضا اور خوشنودی عطا فرماتا ہوا اسلام اور مسلمانوں کی اصلاح اور خدمت عطا فرمائے، آمین بہرحال جب بھی جناب قصد فرمائیں انشاء اللہ اس روسیاہ ننگ اکابر کو حاضر پائینگے اگر ممکن ہو تو چند دن پہلے وقت اور تاریخ سے بھی مطلع فرمادیں تاکہ مزید احتیاط بعمل میں لائی جائے،           والسلام ۔ از دیوبند ۵ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ

ننگ اکابر حسین احمد

## مکتوب نمبر ۴۴

وسط شعبان میں جبکہ حسب ارشاد مولانا عبد الحلیم صاحب لکھنؤ جانا ہوا تو انھوں نے ذکر فرمایا کہ آپ حج کے لیے تشریف لے گئے ہیں، اور اسی بنا پر مولانا سلیمان صاحب

آپ کو رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن لکھنؤ تک گئے تھے، اس کو سن کر تعجب ضرور ہوا تھا کہ ایکبارگی کس طرح ارادہ کر لیا گیا، مگر کوئی وجہ نہ تھی کہ مولانا موصوف کے قول پر یقین نہ کیا جاوے، ہاں انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اولاً حیدر آباد تشریف لے جائیں گے، پھر وہاں سے براہ راست حجاز تشریف لیجائیں گے۔ ۲ر فروری کو جبکہ میں ایک ضرورت سے سہارنپور گیا ہوا تھا، بوقت صبح معلوم ہوا کہ حافظ محمد یوسف کو آپکے سہارنپور تشریف لانے کی خبر دی گئی ہے، اس کو سنکر میرے تعجب کی کوئی انتہا باقی نہ رہی، کیونکہ دونوں خبروں میں منافاۃ تھی، تاہم میں نے بمعیت حافظ صاحب موصوف اور ان کے بڑے بھائی حافظ یعقوب صاحب حاضری کا ارادہ کیا تھا، اور اسی بنا پر حافظ یوسف صاحب کی دکان پر آیا، موٹر موجود تھا کہ خبر آئی کہ آپ کے بھائی صاحب کورنٹہ چلے گئے، اس لیے ہم سبھوں نے ارادہ فسخ کر دیا، اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ موجود ہیں تو ضرور حاضر ہوتا، اسی روز شام کو جب دیوبند پہنچا تو وحید نے کہا کہ آپ کا خط آیا ہے، کہ آپ ۴ر فروری کو دیوبند آنے والے ہیں، اس لیے میں نے اس دن نقل وحرکت بند کر دی، بعد کو اس نے بتایا کہ وہ ۲ر فروری تھی، اس نے غلطی سے ۴ر فروری پڑھا تھا، اس کے بعد غالباً ۵ر فروری کو سہارنپور گیا اور آپ کے بھائی صاحب کو بھی پر ملاقی ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ دریاباد تشریف لے گئے۔ میں رمضان شریف سلہٹ کروں گا، یہاں کے لوگوں کا بیحد تقاضا تھا، باوجود ٹلانے کے جب کوئی صورت نہ ہوسکی تو مجبوراً ۲ر شعبان کو وہاں سے روانہ ہو کر یکم رمضان کو یہاں سلہٹ پہنچا، ایک تراویح راستہ میں فوت ہوگئی، یہاں آپ کا والا نامہ ملا، اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ نقشہ بھی ملا، اس سے پہلے مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا والا نامہ حیدرآباد سے آیا تھا، اس سے معلوم ہوا تھا کہ وہ بھی آپکے ساتھ ارادۂ سفر حج کر رہے ہیں، خداوند کریم ہم سب کے لیے مبارک فرمائے۔

ایسے امور مین اجازت کی کیا ضرورت ہے، اور خصوصاً مجھ جیسے نابکار و نالائق ننگ خاندان سے اس سفر مین آپ کا ہچکچانا موجب تعجب اور صد تعجب ہے، اُن اہل دل بزرگ کا جواب بھی میرے نزدیک نہایت گرا ہوا ہے، مگر جب آپ کو اس سے اطمینان ہوگیا اور طبعی بشارت پیدا ہوگئی تو پھر اس مین کوئی گفتگو ضروری نہین۔ مقصد اصلی ازالہ اضطراب وجبن تھا، سو الحمدللہ حاصل ہوگیا، تاہم مین مختصر طور پر کچھ عرض کرتا ہون، اگر سمجھ مین اس کی مناسبت اور افادیت آئے تو فبہا ورنہ کالاے بد بریش خاوند۔

محترما! جناب باری عزاسمہ کی وہ صفات جو کہ مقتضی معبودیت ہین، ان کا مرجع دو باتون کی طرف ہوتا ہے، اول مالکیت نفع وضرر، دوئم محبوبیت۔ اول کو جلال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اور ثانی کو جمال سے، مگر یہ تعبیر ناقص ہے، جلال محض مالکیۃ ضرر پر متفرع ہوتا ہے جس طرح جمال اسباب محبوبیت مین سے ایک سبب ہے۔ وجوہ محبوبیت علاوہ جمال کے کمال قرب احسان بھی ہین، سبب اول یعنی مالکیۃ نفع و ضرر کا اقتضا معبودیت حدود عقل مین رہ کر ہونا ضروری ہے، اس معبودیت مین عابد کی ذاتی غرض چونکہ باعث عبادت ہوتی ہے یعنی طمع یا خوف یا دونون۔ اس لیے یہ عبادت اسقدر کامل نہ ہوگی جسقدر وہ عبادت جس مین محض ارضاء معبودیت مقصود ہو، ظاہر ہے کہ محبوب کی جو کچھ طاعت اور فرمانبرداری کیجاتی ہے اس سے محض اس کی رضا مطلوب ہوتی ہے، لہذا ضروری تھا کہ دونون قسمون کی عبادتین دین کامل مین ملحوظ ہون، قسم اول پر متفرع ہونے والی عبادتون مین اصل الاصول نماز و زکوۃ ہین، اور قسم ثانی پر متفرع ہونے والی عبادتون مین اصل الاصول روزہ اور حج ہین، روزہ محبوبیت کی منزل اول اور حج منزل ثانی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عاشق پر اولین فریضہ یہی ہے کہ اغیار سے قطع تعلق کیا جائے جو کہ روزہ مین ملحوظ رکھا گیا ہے

دن کو اگر صیام کا حکم ہے تو رات کو قیام کا، اور آخرین اعتکاف نے آکر رہے سہے تعلقات کا بھی خاتمہ کر دیا بحکم مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اور من صام رمضان ایماناً (الحدیث) اگر استیعاب صوم رمضان کا پتہ چلتا ہے تو بحکم احیٰی لیلہ و من صام رمضان (الحدیث) وغیرہ استیعاب قیام رمضان کا بھی پتہ چلنا ضروری ہے۔ اور چونکہ کمال صومی کے لیے محض مالوفات ثلاثہ کا جو کہ اصل الاصول ہیں ترک مطلوب نہیں، بلکہ ان کے علاوہ معاصی اور شہیات نفسانیہ کا ترک بھی مقصود ہے۔ من لم یدع قول الزور (الحدیث) اور رب صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع (الحدیث) اس کے شاہد عدل ہیں جب ترک اغیار کا اثبات (جو کہ منزل عشق کی پہلی گھاٹی ہے) ہو گیا، اس کے بعد ضروری ہے کہ دوسری منزل کی طرف قدم بڑھایا جاوے۔ یعنی کوچۂ محبوب اور اس کے دار و دیار کی جبہ سائی کا فخر حاصل کیا جائے۔ اس لیے ایام صیام کے ختم ہوتے ہی ایام حج کی ابتدا ہوتی ہے، جنکا اختتام ایام نحر (قربانی) پر ہے، کوچۂ محبوب کی طرف اس عاشق کا سفر کرنا جس نے تمام اغیار کو ترک کر دیا ہو اور سچے عشق کا مدعی ہو، معمولی طریقہ پر نہ ہوگا، نہ اس کو سر کی خبر ہوگی نہ پیر کی، نہ بدن کے زیب و زینت کا خیال ہوگا نہ لوگوں سے جھگڑا اور لڑنے کا ذکر فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ کہاں عشق اور کہاں آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں، کہاں قلبی اضطراب اور کہاں شہوت پرستی و آرام طلبی، نہ سر کی فکر ہوگی نہ خوشبو اور تیل کا دھیان، اس کو آبادی سے نفرت جنگل اور جنگلی جانوروں سے الفت ہونی ضروری ہے۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔ سیر و شکار جو کہ کاربیکاران ہے ایسے عشاق اور مضطر نفوس کے لیے بعید نفرت کی چیز ہوگی۔ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا اس کی تو دن رات کی سرگرمی معشوق کی یاد، اس کے نام کو جپنا، اپنے تن بدن کو بھلا دینا،

دوست احباب، عزیز و اقارب، راحت و آرام کو ترک کر دیا۔ نہ خواب آنکھوں میں
بھلی معلوم ہوگی نہ لذائذ اطعمہ اور خوشبودار اور خوش ذائقہ اشربہ و البسہ کا شوق ہوگا ؎

بیداری ھواہ ثم یکتم سرہٗ ویخشع فی کل الامور ویخضع

وہ اسکی محبت خوش اسلوبی سے نباہتا رہتا ہے، پھر اسکے راز پر پردہ پوشی کرتا رہتا ہے، اور تمام حالات
میں مطیع و فرمانبردار رہتا ہے،

جوں جوں دیار محبوب اور ایام وصال کی قربت ہوتی جائیگی، اسی قدر ولولہ اور فریفتگی
اور جوش جنون میں ترقی ہوتی رہے گی ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

؎ ان دنوں جوش جنوں ہر تری دیوانے کو لوگ ہر سو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو
خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو یہ غذا دیتے ہیں جاناں ترے دیوانے کو

؎ نو بہار است جنوں چاک گریباں مددے آتش افتاد بجان جنبش داماں مددے

قریب پہنچتے ہیں (میقات پر) تو اپنے رب سے پہلے چکیلے کپڑوں کو پھینک دیتے ہیں
اس وادی عشق میں گریبان اور دامن سے کیا کام ؎

ہم نے تو اپنا آپ گریبان کیا ہی چاک اس کو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

دن و رات محبوب کی رٹ پپیہا کی طرح لگی ہوئی ہے (تلبیہ پڑھ رہے ہیں) ؎

رٹت پھرے پیہو پیو کنا رے ہمرے پیا تو بدیس سدھا رے
برہا بروگ سے تلپت جیو اب جن بول پپیہا پیو

اگر غم ہے تو محبوب کا، اگر ذکر ہے تو معشوق کا، اگر طلب ہے تو پیو کا، اگر
خیال ہے تو دلبر کا ؎

عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو
عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

کوچۂ محبوب میں پہنچتے ہیں تو اس کی در و دیوار کے ارد گرد پوری فریفتگی کے ساتھ چکر لگاتے ہیں اچو کھٹ پر سر ہے تو کہیں دیواروں اور پتھروں پر لب ہے

أمرّ علی الدیار دیار لیلیٰ
أقبّل ذا الجدار و ذا الجدارا[1]

وما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

کسی نے اگر جھوٹی سی خبر دی کہ معشوق کا جلوہ فلاں جگہ نمودار ہونے والا ہے تو بے سر و پا ہو کر دوڑتے ... وہاں پہنچے، نہ کانٹوں کا خیال ہے نہ راستے کے پتھروں کی فکر ہے۔ نہ گڑھوں میں گرنے کا سوز ہے، نہ پہاڑوں کی سختیوں کا ڈر ہے۔ مجنون بنی عامر کا سماں بندھا ہوا ہے بدن میں اگر جوں ڈھیروں پڑی ہیں تو کیا پروا ہے، اہل عقل اور اہل زمانہ اگر پھبتیاں اڑاتے ہیں تو کیا شرم ہے

جب پریت بھئی تب لاج کہاں
سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے

دکھ درد پڑے تو کیا تپنا
اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

اگر ناصح نادان معشوق اور عشق سے روکتا ہے تو جس طرح آگ پر پانی کے چھینٹے اسکو اور بھڑکا دیتے ہیں اسی طرح آتش عشق اور بھڑک جاتی ہے، نادان ناصح کو پتھر مارتے ہوئے اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لیے بیتاب ہو جاتے ہیں، ع

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے۔

دعنی یا عاذلی الملامۃ الذی
اسخطت کل الناس فی ارضائہٖ

لے ملامت گر میری جان میں بادشاہ پر قربان ہو کہ جسکو راضی رکھنے کی غرض سے میں نے تمام لوگوں کو ناخوش کر دیا ہے۔

[1] مجنون کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے کوچہ پر گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو اور میرے دل میں در اصل کوچہ کے در و دیوار نے کوئی جگہ نہیں بنالی ہے مگر اس کے رہنے والی نے ۔

فوحق احب لاعصینک فی الہوی — قسما بہ وبحسنہ وبہائہ

اے ملامت گر میں محبوب کے حسن وجمال کی قسم کھاتا ہوں کہ محبت کے بارے میں ضرور تیری نافرمانی کرونگا (متنبی)

میرے محترم! یہ تھوڑا سا فاکہ رنج اور غم کا ہے، اگر دل میں تڑپ اور سینہ میں درد نہ ہو تو زندگی ہیچ ہے، وہ انسان بھی انسان نہیں جس کے دل ودماغ، روح، اعضار رئیسہ محبوب حقیقی کے عشق اور ولولہ سے خالی ہیں۔ یہاں عقل کے ہوش گم ہیں جس قدر بھی بے عقلی اور شورش ہوگی اور جس قدر بھی اضطراب اور بے چینی ہوگی اسی قدر یہاں کمال شمار کیا جائے گا ؎

موسیا آداب دانان دیگر اند — سوختہ جان در وانان دیگر اند ؎

کفر کافر را و دین دیندار را — ذرہ دردت دل عطار را

عقل وحیا کے مقید ہونے والے عشاق آرام اور راحت کے طلبگار محبین اپنی سچائی کے اثبات سے عاجز ہیں ؎

عشق چون خام است باشد بستہ ناموس وننگ — پختہ مغزان جنون را کے حیا زنجیر پا است

اس وادی میں قدم رکھنے والے کو سر فروشی اور ہر قسم کی قربانی کے لیے پہلے سے تیار رہنا ضروری ہے۔ آرام اور راحت، عزت اور جاہ کا خیال بھی اس راہ سخت ترین بلکہ بدترین ہیں بدنام کرنے والا گناہ ہے ؎

نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدوست — عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

یقین میدان کہ آن شاہ نکو نام — بدست سر بریدہ می دہد جام

مولانا المحترم! اس وادی پرخار میں قدم رکھتے ہیں اور پھر تلی کا، سر کے چکر کا، بیاری کا، ضعف کا، تکلیف کا، عزت وجاہ کا فکر ہے، افسوس ہے۔ مردانہ وار قدم بڑھانا ہے اگر تکلیف سامنے ہو تو خوش قسمتی سمجھیے۔ اگر ستائے جائیں تو محبوب کی عنایت جانیے،

بسِ پردہ طوطی صفت کون گرا رہا ہے، مجنون کو لیلیٰ کے کاسہ توڑ دینے پر رقص ہوتا ہے جس سے وہ اپنے خاص تعلق کا اثبات کرتا ہے، اور آپ یہان جھجکتے ہین۔ کلا واللہ کلا واللہ اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل قول صادق امین ہے قیمۃ المرء ہمتہ؎

بقدر الجد تکتسب المعالی  ومن رام العلی سہر اللیالی

بانداز محنت بلند درجات حاصل ہو سکتے ہین۔ جو شخص بلند درجہ کا قصد کرتا ہے وہ برابر راتون کو جاگتا ہے۔

سوائے رضاء محبوب حقیقی اور کوئی دھن نہ ہونی چاہیے ؎

دنیا و آخرت را بگذر حق طلب کن  کاین ہر دو لولیان را من خوب میشناسم

بجوشش و بخروشش و ایسج مفروشش

مجھے افسوس ہے کہ مین نے اپنی دیوانگی کے بڑ مین آپ کا بہت وقت ضائع کیا، مگر کیا کرون کہ اہل حشمت کا دریوزہ گر ہون، ان کی نسبت اپنا کھیل اور رنگ دکھاتی ہے، اگر میری عرض غلط ہو، پھاڑ کر پھینک دیجئے، اور ان بزرگ حیدر آبادی کے کلمات کو تعویذ جان بنائیے، اور اگر اس مین کوئی جھلک صداقت اور واقعیت کی معلوم ہو تو مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور حکیم عبدالعلی صاحب کو بھی دکھلا دیجئے۔ غالباً مناسب ہوگا کہ مکہ معظمہ مین سید امین عاصم صاحب مرحوم کو آپ اپنا مطوف بنائین، موصوف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مطوف تھے، ان کا اگرچہ انتقال ہوگیا ہے مگر ان کی لڑکیان انکے منصب پر قائم کی گئی ہین، اور ان کے نواسہ سید عقیل عطاس حجاج کی خدمت انجام دیتے ہین، حتی الوسع پوری خبرگیری کرتے ہین، ان کا کارڈ اس مین موجود ہے، اگر مناسب نہ ہو تو میرا عریضہ بھی دیدیجئے، آپ سے لوگ بمبئی سے یا لکھنؤ سے... درخواست مطوفی کرین گے، مگر اکثر ان لوگون سے تلخ تجربے حاصل ہوتے ہین۔ مدینہ منورہ مین

میرے دو بھائی بڑے مولوی سید احمد صاحب اور چھوٹے محمود احمد ہیں، اگر نامناسب نہ ہو تو ان سے بھی ملیں، اگر کوئی خدمت درکار ہو تو انشاء اللہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس میں پورا حصہ لیں گے۔ مولانا شفیع الدین صاحب نگینوی مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے خادم اور خلیفہ اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے حدیث میں شاگرد نہایت پاکیزہ شخص موجود ہیں، ان سے بھی ملیں، اور میرا سلام عرض کر دیں، دعا کی درخواست بھی ظاہر فرمادیں، کوشش ہونی چاہیے کہ دونوں مقدس مقامات اور راستہ میں غفلت میں وقت نہ گذرے، خصوصاً عرفات کا دن بعد از زوال نہایت ہی غنیمت ہے، اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونا چاہیے، اگر لوگوں کی بالخصوص وہاں کے مکان اور حکام کی فروگذاشتیں نظر پڑے تو اس کی طرف توجہ نہ کیجئے، اپنے کام سے کام رکھیے، اپنے اس نالائق و نابکار سگ دنیا روسیاہ خادم کو بھی دعوات صالحہ میں یاد رکھیے، کیا عجب ہے آپ حضرات کی دعائیں فلاح اور نجات کی اسباب بنجائیں، بہتر تو یہ ہوتا کہ کچھ دنوں پوری ہمت اور محنت کے ساتھ اذکار وغیرہ کر لینے کے بعد حج ہوتا اور زیارت کی مقدس نعمت حاصل کیجاتی تاکہ دونوں کی حقیقت سے اتصال کی نوبت آتی، مگر جب قصد کیا گیا تو پورا کرنا ضروری ہے، جہانتک ہو سکے غفلت کو راہ نہ دیجئے اور ذکر میں مشغول رہیے ع من نکردم شما حذر بکنید

میں انشاء اللہ شوال کی پانچ تک یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، اور اگر منظور الٰہی ہے تو وحید بھی حج میں آپ کے ساتھ ہوگا، خداوند کریم سے دعا ہے کہ آپ سبھوں کو حقیقی نعمت حج زیارت سے مالامال کرے، آمین، والدہ وابدہ اور متعلقین و احباب کو سلام مسنون عرض کر دیں۔

۹ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ از خلافت آفس ملہٹ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

# مکتوب نمبر ۸۵

(۱) سفرِ حج و زیارت نہایت مبارک سفر ہے، کوئی ضرورت اجازت طلب کرنے کی نہیں، اور بالخصوص مجھ جیسے نالایق و ناکارہ سے، امتثالاً للامر ین الفاظ بھی ادا ادا کرتا ہون، تشریف لے جائین، اللہ تعالیٰ قبولیت فرمائے اور باعث قرب وخوشنودی کرے۔ آمین

(۲) مین پہلے عریضہ مین کچھ عرض کرچکا ہون، وہی میرے نزدیک ان دونون عبادتون کے لیے اصل الاصول ہے، اسی کو مطمح نظر بنائین، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا رسالہ فیوض الحرمین بھی راستہ مین مطالعہ کر ڈالیے، سفر حرمین شریفین اور وہان کی اقامت وغیرہ کے متعلق بھی بہت سی معتبر معلومات حاصل ہون گی،

(۳) اونٹون کا سفر کوئی مقصود بالذات نہین، جبکہ موٹر کا سفر بہت سے مصالح کو مشتمل ہے تو جہاز اور ریل کی طرح اس کو بھی فضیلت ہی ہوگی، اسی کو اختیار فرمایئے،

(۴) حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک حضوری مدینہ منورہ کے بارہ مین مرجوح بلکہ غلط مسلک ہے، مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت

---

لہ امام ابن تیمیہؒ کے تبحر اور علم و فضل پر اجماع ہے، با یجوز زیارت قبر نبویؐ مین اہل علم مختلف ہیں چنانچہ بعض یہ کہکر برأت کرتے ہیں کہ ابن تیمیہ کو نفس زیارت قبر نبویؐ کے استحباب کا انکار نہین صرف سفر بقصد الزیارت کا انکار ہے لیکن صاحب صارم نے خود ابن تیمیہؒ کی عبارتین نقل کی ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہؒ نفس زیارت قبر نبویؐ کو غیر مشروع بلکہ غیر ممکن وغیر مقدور و ممتنع الوجود کہتے ہین، اور عموم زوروا القبور اور لا تعملہ الا لزیارتی (الحدیث) سے اسکو خارج سمجھتے ہین، حالانکہ قبر نبوی کی زیارت باجماع علما قربت اور باختلاف مستحب یا واجب، جیسا کہ ابن ہبیرہ نے کتاب اتفاق الائمہ میں تصریح فرمایا ہے، اتفق مالکؒ والشافعی وابوحنیفہ واحمد علی ان زیارۃ النبی من افضل المندوبات یعنی امام مالکؒ شافعی و ابوحنیفہ و احمد حنبل کا اتفاق ہے کہ قبر نبوی کی زیارت سب سے

(باقی ص ۱۳۰ پر)

اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہیے، آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین و شہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی ہے، اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے، آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا، بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیے، محبوب حقیقی تک وصال اور اسکی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ سے اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے، اسی وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے، اور آپ کے توسل سے نعمت قبولیت حج و عمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے، مسجد کی نیت خواہ تبعاً کر لی جائے، مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کی جائے تاکہ لا تعملہ الا زیارتی والی روایت پر عمل ہو جائے

(۵) ذکر میں جو طریقہ ابتک کرتے رہے بہتر ہے، ایسے وقت میں یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اٹھ کر ٹہلنے لگیں تاکہ نیند جاتی رہے، یہ وقت کی تعیین صرف ابتدا میں ہے، اصلی مقصد یہ ہے کہ خلوت اور جلوت، آمد و رفت، نشست و برخاست ہر حالت میں یہ ذکر جاری ہو جائے اور کوئی سانس بلا ذکر نہ نکلے، تنبہ اور عدم تنبہ ہر دو حالت میں ذکر جاری رہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۹) بہتر کاموں میں سے ہے، اور زیارت شرعیہ کو ابن تیمیہ جائز فرماتے ہیں یعنی مسجد نبوی کی زیارت کرنا، اور اسمیں بوقت دخول صلوٰۃ وسلام جیسا کہ وقت دخول تمام مساجد کے مشروع ہے، مراد لیتے ہیں، حالانکہ اس پر اطلاق زیارت کا نہ لغۃً صحیح ہے اور نہ شرعاً و عرفاً درست ہے، بقول مولانا عبدالحی فرنگی محلی ؒ دلا عجب فان لکل جواد کبوۃ ولکل عالم زلۃ تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو "ہو السعی المشکور"۔ چونکہ حضرت امام العصر دامت برکاتہم پر عشقیہ رنگ غالب ہے اور دیار حبیب صلعم میں مدتوں فیضیاب ہونیکا اثر ہے، اور صاف فیصلہ ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرکار کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپکے توسل کی غرض ہونی چاہیے۔ الخ واللہ اعلم، ۔ عقل گوید شش جہت راہ است حارہ بیش نیست ، عشق گوید ہست راہے بارہا من رفتہ ام

(۶) نماز میں کسی شخص کا تصور نہ فرمایئے۔ بلکہ ضیاء القلوب میں نماز کے لیے طریقہ ذکر کیا گیا ہے، اس کو عمل میں لایئے۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی ملفوظات (فیہ ما فیہ) پہنچیں، مگر افسوس ہے کہ ان دنوں انسداد عدیم الفرصتی ہے کہ مطالعہ کرنا سخت دشوار ہے۔ ہمارے اسلاف پر نسبت چشتیہ ہی غالب ہے اگرچہ دوسرے طریق میں بھی ان کو اجازت ہے، حضرت خواجہ علاء الدین صابر قدس اللہ سرہٗ (جن کے اصل سلسلہ سے اسلاف کا انتساب اور سلوک ہے اور جس میں بہ نسبت سلسلہ نظامیہ سوز وگداز اور اضطراب وشورش عشق بہت زیادہ ہے) اور حضرت محبوب سبحانی نظام الدین قدس سرہ العزیز دونوں ایک ہی در کے دریوزہ گر ہیں، اس لیے اور اسلئے کہ سلسلہ نظامیہ میں بھی ہمارے اکابر کا سلوک ہے تعلق اور تناسب ہونا ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے فیوض سے فیضیاب فرمائے۔ بزرگوں کے شئون بھی جدا ہوتی ہیں، التفاتات اور توجہ کی حالتیں علیحدہ علیحدہ ہیں، طبعی تناسب کو اس مبارک سفر میں جہاں تک ہو سکے دل کو مطمئن رکھتے ہوئے ذکر میں حضور قلب کے ساتھ پوری جد وجہد قائم رکھیں

مدینہ منورہ میں کم از کم آٹھ دن ضرور قیام فرمائیں، بعض روایتوں میں ہے کہ جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ کوئی نماز فوت نہ ہوئی ہو تو اس کے لئے نفاق اور نار سے برات لکھی جاتی ہے، لہٰذا آٹھ دن اس التزام کے ساتھ فرمایئے کہ مستقل طور پر چالیس نمازیں باجماعت اولیٰ مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں ادا ہو جائیں) اور حتی الوسع کوشش کیجئے کہ اس حصہ میں یہ فرائض ادا ہوں جو کہ زمانہ نبوت میں مسجد تھا، اس کی علامتیں ستونوں پر بنی ہوئی ہیں، ہر ستون پر اس صف ستون کے بالائی حصہ پر لکھا ہوا ہے، بلکہ اگر ہو سکے تو فرائض روضۃ من ریاض الجنۃ کی حد میں ادا کریں۔ الان ستونوں پر

زیرین حصہ میں قدم آدم تک سنگ مرمر لگا ہوا ہے، نماز اور جماعت کی آسانی کے لیے حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قریب مکانات زیادہ ترممد و معاون ہوں گے، بھائی صاحب کو میں نے لکھ دیا ہے، اگر آپ جلد ان سے مل لیں گے تو وہ آپ کی مدد میں کوتاہی نہ کریں گے، ان کے نام کا یہ لفافہ بھی رکھتا ہوں، وہ حرم محترم کے بہت قریب باب النساء کے اطراف میں زقاق البدور میں رہتے ہیں، ممکن ہے کہ وہاں کوئی مناسب مکان خالی مل جائے، یا وہ اپنے ہی مکان میں کوئی خالی قطعہ دے سکیں، تو زیادہ آسانی ہوگی، آپ جس طرح مجھ سے تکلف برتتے ہیں وہاں نہ برتیں، وہاں آپ نووارد ہوں گے، اور وہ لوگ وہاں کے باشندے ہوگئے ہیں، شہر سے، زبان سے، ضروریات سے واقف ہیں، ان کو آپ کی خدمت کرنی چاہیے، اور آپ کو ان سے خدمت لینی چاہیے، میں ایک دوسرا خط شیخ خلیل آغا خواجہ سراے حرم نبوی اور خادم حجرۂ شریفہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کو لکھتا ہوں اگر حرم شریف میں رات کو رہنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ آپ حضرات کی مدد دینگے اور سہولتیں پیدا کریں گے،

آنجناب کی اہلیہ محترمہ کی عنایات بھی آپ ہی کی عنایتوں کی ظلال ہیں، میری جو حالت ہے وہ تو ظاہر ہے

لشر الناس ان لم یعف عنی یظن الناس بی خیرا و انی

لوگ میرے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں، لیکن اگر وہ درگذر نہ کریں تو میں سب سے بڑا آدمی ہوں،

کیا عجب ہے احباب اور بزرگوں کے حسن ظن اور عنایات ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نجات کردے، والسلام

از سلہٹ، خلافت آفس ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۶۴

مولانا محمد علی صاحبؒ کا شکوہ اور خفگی بیجا تھی مجھکو یہ خبر متعدد طریقوں سے ملی تھی کہ بند ۵ میں دن پہلے سے بڑے زوروں پر تیاریاں ہو رہی تھیں، اگر ایسے رہنمان اسرافات اور فضول خرچیوں بنود و نمائش کو نہ چھوڑیں گے تو عوام الناس کس طرح اقتصاد اختیار کرینگے، یوں میں ان کی تمام خفگیوں کو سر اور آنکھوں پر رکھتا ہوں، انشاء اللہ تاریخہائے مذکورہ پر میں دیوبند حاضر ہوں گا جس دن مولانا محمد علی صاحبؒ کے یہاں عقد تھا، اسی دن شام کو بعد از عشا مولانا عبد الباری صاحب کا بھی عقد اچھے گانوں علاقہ بارہ بنکی میں ہوا، ماشاء اللہ انتہائی سادگی تھی، باہر کے لوگ فقط ہم چار آدمی تھے، مولانا عبد الحلیم صاحب، ڈاکٹر عبد العلی صاحب، یہ نالائق، خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ اور باقی ڈیڑھ تین ان کے بھائی اور خود اور ان کے والد صاحب، مہر فاطمی ہوا، کوئی تزک و احتشام نہ تھا، فریق ثانی نے بھی اس کا ثبوت دیا، اللہ تعالیٰ طرفین کو مبارک کرے، مولوی حبیب احمد صاحب واقع میں نہایت عجیب و غریب بزرگ ہیں، حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں سلام مسنون عرض کر دیں، اور درخواست ادعیہ صالحہ گھر میں بھی سلام مسنون عرض کر دیں، والسلام

از اسٹیشن سہارنپور، ۶ر محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۶۵

والانامہ مجریہ ۱۶ اکتوبر باعث سرفرازی ہوا تھا، اب تو جناب خانقاہ میں پہنچ گئے ہوںگے اللہ و بند کریم وہاں کی حاضری باعث برکات غیر متناہیہ کرے، آمین ؎

جو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　　بیاد آر حریفان بادہ پیمارا

محبان جادہ مجھکو توی امید ہے کہ جناب وہان پر اپنے اوقات کو مشاغل حقیقہ میں صرف فرمائین گے جس کے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہین ہے، البتہ ایک ضروری عرض محض اخلاص کی بنا پر کرتا ہون، اور امیدوار ہون کہ کسی غیر محل پر عمل نہ فرمائین، مین نے حسب ارشاد حضرت مولانا دامت برکاتہم اور آپ حضرات کے ارشاد پر اس وقت بیعت کرلی تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ مین اپنی بداحوالی، روسیاہی، ناکامی پر نہایت زیادہ گریہ کنان ہون اور سخت شرمندہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مولانا دامت برکاتہم کے دربار مین پہنچا دیا ہے، اور مولانا کو آپ سے اور آپ کو مولانا سے انس اور تعلق پیدا ہوگیا ہے، وللہ الحمد اللھم زد فزد۔ اب مناسب اور ضروری ہے کہ آپ مولانا سے بیعت بھی کرلین، مجھے توی امید ہے کہ مولانا دامت برکاتہم اب آپ کو نہ ٹالین گے، مین نے خود بھی ان دنون جب حاضر ہوا تھا، یہی عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائین اور درخواست کرین تو جناب ان کو ضرور بیعت کرلین، قواعد طریقت کے اصول پر بیعت کرلینا ہی زیادہ مفید اور کارآمد ہے، اور اسی کی بنا پر فیض کی زیادہ تر امید ہے، مجھ روسیا کو بھی کبھی کبھی دعوات صالحہ سے یاد فرمالیا کرین، نیز مولانا دامت برکاتہم سے بھی دعا کی التجا کردیا کرین، جزاء جناب نے مولانا عاشق الٰہی صاحب کی تحریر سے انتزاع کیا ہے، عجب نہین کہ وہ صحیح ہو، مگر معصومیت تو سوائے انبیاء علیہم السلام کسی کے لیے نہین۔ والسلام، از دیوبند، ۲۰ رجمادی الاخری ۱۳۴۶ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۴) ہم نے "یادگار سلف" مین بیعت، حکمت بیعت، ثبوت بیعت، اقسام بیعت اور سلسلہ بیعت پر مفصل لکھا ہے، اس کو ملاحظہ کرلیا جائے۔ البتہ تکرار و تجدید بیعت جو علماء و مشائخ مین رائج ہے اس مین

(باقی ص ۲۰۵ پر)

# مکتوب نمبر ۴۸

اس مبارک جہاد پر جس قدر بھی آپ کو مبارکبادی دوں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ طرفین بلکہ اطراف ثلاثہ کے لیے دینی اور دنیوی برکت کا ذریعہ فرمائے آمین ۔ چونکہ مولوی عبدالرحمن لنگیا نیمی مرحوم سے مجھکو بھی ذاتی تعلق ہے، اس لیے اور بھی زیادہ خوشی ہوئی، البتہ آپ کی پہلی اہلیہ محترمہ کے طبعی ملال کا خیال ہے، اگرچہ چونکہ وہ تعلیم یافتہ، سمجھدار، دیندار، نیک مزاج عورت ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۴) کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے، سو جاننا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ایک مدت تک ایک شیخ کی خدمت میں حسن اعتقاد کے ساتھ رہا اور اپنے اندر اس کی صحبت کا کوئی اثر نہیں پایا تو اس پر ضروری ہے کہ اس شیخ کو چھوڑ دے لیکن حسن ظن برابر قائم رکھے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ شیخ کامل رہا ہو اور اس کا حصہ اس کے پاس نہ ہو، لہٰذا دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرے، اگر ایسا نہ کریگا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مقصود خدا رسی نہیں بلکہ شیخ پرستی ہے جو جائز نہیں، یا اسی طرح شیخ دنیا سے رخصت ہوگیا اور مزید تزکیہ نفس و تطہیر باطن سے محروم رہا تو جائز ہے کہ ایسا شخص دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرے، یا شیخ موجود ہے لیکن اب ملاقات کا امکان نہیں تو بھی دوسرے شیخ کو اختیار کیا جاسکتا ہے، یا شیخ کے خیالات خراب ہو گئے، بدعات وغیرہ کا خوگر ہو گیا تو بھی ایسے شیخ کو ترک کرنا اور دوسرے کو اپنا مرشد رہنما بنانا لازمی ہے، چنانچہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا ہے کہ بیعت میں بھی تجدید آئی ہے (مسالک السالکین) حضرت سید جلال الدین بخاریؒ جو مخدوم جہانیان جہان گشت کے نام سے مشہور ہیں، آپ بھی تجدید بیعت کے قائل تھے، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے اس مسئلہ پر بہت مدلل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ ہم درج کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلعم کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ وغیرہم کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی، مقصود اس بیعت سے محض امور دنیوی ہی نہ تھے بلکہ کمالات باطنی کا حصول بھی تھا، یہ کہنا کسی طرح جائز نہیں کہ فیض اولیا بعد موت بھی باقی ہے لہٰذا دوسرے شیخ کی طلب فضول ہے، حالانکہ اولیا کا فیض مرنے کے بعد اتنا نہیں ہے جو ناقص کو کمال تک پہونچا سکیں

(باقی ص ۱۳۶ پر)

اس لیے مجھکو قوی امید ہو کہ وہ نہ صرف خوش وخرم رہیں گی، بلکہ وہ آیندہ آپکے اور آپ کی جدید اہلیہ محترمہ کی خوش وقتی اور طمانیت کی ساعی میں بھی حصہ لیں گی۔ مجھکو یہ بھی قوی امید ہو کہ آپ حتی الوسع دونوں کے حقوق میں انشاء اللہ مساوات اور عدالت کو کام میں لاتے رہیں گے، اور اپنی طاقت کے موافق کوئی ایسا عمل نہ کریں گے جس سے کسی کو رنج وملال کی نوبت پیش آئے، اگرچہ ازواج مطہرات کے واقعات ہم کو ایسے معاملات میں مشعلِ ہدایت کا کام دے رہے ہیں[۱]، ہرچند میرے لیے اس وقت یہاں سے باہر جانا سخت ضرر رساں ہو.... بہتر تو یہی ہو کہ معاف کر دیا جاؤں۔ والسلام، ازدیوبند

۱۲ جمادی الاولی ۱۳۴۹ھ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔

[۱] ملاحظہ ہو۔ ...

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۵) اگر موت کے بعد بھی فیض اسی طرح ہوتا جیسا کہ زندگی میں تھا، تو تمام اہل مدینہ نبوت کے زمانہ سے ابتک کل صحابی ہوتے اور کسی کو اولیاء کی صحبت کی ضرورت نہ باقی رہتی، حالانکہ تجربہ شاہد ہے کہ اہل حرمین شریفین ہمیشہ صحبت وبیعت اولیاء مدینہ منورہ ومکہ معظمہ اور دوسرے شہروں کی اختیار کرتے رہے، اور صرف قبر نبوی صلعم ہی سے استفاضہ پر قانع نہ تھے، اور یہ تو بدیہی بات ہو کہ فیض مردہ مثل زندہ کے نہیں ہوسکتا ہو، کیونکہ فیض پہنچانے والے اور فیض حاصل کرنے والے میں مناسبت ضروری ہو، اور یہ چیز مرنے کے بعد جاتی رہتی ہو، اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ بعد فنا وبقا کے مناسبت باطنی اور ربط معنوی حاصل ہوتا ہو، لہٰذا اموات سے فیض حاصل کیا جاسکتا ہو تو کہا جائیگا کہ جو زندگی میں حاصل ہوسکتا ہو تمام مرنے کے بعد کہاں حاصل ہوسکتا ہے، ایک ذرہ زندہ پیش عارف :: بہتر زہزار شیر مردہ۔

اس مکتوب گرامی سے ایک اور صورت بھی جواز تکرار بیعت کی ثابت ہوتی ہو کہ شیخ اول کی اجازت سے دوسرے شیخ سے بیعت کرنا جائز ہے بشرطیکہ تعلیم وتربیت اور سلسلہ ہر دو شیوخ کا ایک ہی ہو، حضرت مولانا تھانوی اور حضرت امام العصر دامت برکاتہم دونوں نے تعلیم وتربیت حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پائی ہے، میرے نزدیک تو اس کی بھی ضرورت نہ تھی کہ تجدید بیعت کیجائے محض تعلیم وتربیت کافی تھی، مگر فراست مدنی پر قربان جایئے، اگر شیخ کی تعلیم پر عمل نہ ہوا اور اس کے کہنے پر اطمینان نہ ہوا، ساری عمر مکھی پیسنے گا ذرہ برابر نفع نہ ہوگا، یہ تعلق بڑا نازک ہو، یہ مکتوبات شاہد ہیں

(باقی صفحہ ۱۳۷ پر)

# مکتوب نمبر ۴۹

والانامہ صادر ہوا، بخیر و عافیت پہنچنے کی خوشی ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کے بارے مین جو آپ نے فرمایا ہے، یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے، جبکہ نماز کے اندر فعل کثیر ممنوع نہ تھا، اور اسقدر تقیید نہ تھی، جیسا کہ اب بھی ضرورت شدیدہ مثلاً خوف وغیرہ کی حالت مین فعل کثیر اور تحول عن القبلہ کی اجازت ہے، علیٰ ہذا القیاس یہ صورت ہے.....

امر ثانی یہ کہ مجھکو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ آپکے گھر مین تمام نمازون کو بیٹھکر پڑھتی ہین، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کم از کم فرائض تو ضرور کھڑے ہوکر پڑھنا ہی اولیٰ ہے،

والسّلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۵۰

والانامہ رجسٹری شدہ باعث سرفرازی ہوا، احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی، بہت زیادہ قلق و اندوہ کے باعث ہین، پھر نہ معلوم آپ پر ان کا کیا اثر ہوگا۔ وے افتادہ شکلہا کا سمان ہے۔ پہلے بھی جلدی کی گئی تھی، مگر نیت بخیر تھی، امید قوی ہے کہ اجر سے خالی نہ ہوگا، ہان نفس کی قدرے اصلاح

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۶) کہ کجا وہ شور اشوری اور کجا یہ بےنمکی کہ رفتہ رفتہ تعلق ہی آنا کمزور اور ضعیف ہوگیا کہ اگر کہا جائے کہ باقی نہیں رہا تو خلاف نہ ہوگا، اسکا اعتراف مولانا دریابادی مدظلہ نے، اپنے ۹ جنوری ۱۹۶۷ء کے گرامی نامہ مین کیا ہے،

(حاشیہ مکتوب نمبر ۴۸) مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم راقم الحروف کے استاد تھے، بڑے ذہین اور فاضل تھے لیکن مشیت ایزدی کو عمر نے وفا نہ کیا اور ۳۰۔۳۵ سال کی عمر مین انتقال فرمایا، انا للہ الخ۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سے مولانا دریابادی نے غالباً سنت کی پیروی مین عقد ثانی کیا اور پھر چند روز کے بعد طلاق دیدیا، والقصۃ بطولہا۔ اس مکتوب گرامی مین اسی جانب اشارہ ہے۔

تو ضرور ہونی چاہیے، اگرچہ بہت باقی ہے، موجودہ صورت میں بظاہر فراق ہی بہتر معلوم ہوتا ہے خصوصاً جبکہ والدہ ماجدہ کا حکم بھی بار بار نافذ ہو چکا ہے، اور تعجیل کا حکم ہے۔ استخارہ سات مرتبہ کیجئے اور اگر قلب کی حالت فراق ہی کی طرف میلان رکھتی ہے تو اس پر عمل کیجئے۔ فریق ثانی کے لیے فکر سے غافل نہ رہیں، اور ان کے خاص لوگوں کو جو کہ اس امر میں ساعی یا محمد رہے تھے اپنی معذوری علیحدگی میں مل کر باحسن وجوہ سمجھا دیجئے، اور اہلیہ محترمہ کے ساتھ بعد از فراق بھی کفالت کی اعانت بعد از عدت قائم رکھیے، اگرچہ بمقدار قلیل ہو۔ طلاق صرف ایک ایام طہر میں دو گواہوں کے سامنے تحریری یا زبانی دیجئے اور اہلیہ قدیمہ کو بھی اس کی اطلاع دیدیجئے، آپ کا لہجہ علی برادر کی اعانت اور الجمیعۃ کی اہانت میں بہت سخت ہو گیا ہے۔ افسوس کہ شوکت صاحب کے معاملات قابل تاویل باقی نہیں رہے۔ مسلمانوں کا مستقبل روز بروز اندیشناک ہوتا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، ذکر سے تغافل ہرگز نہ کریں۔ ع

من نہ کردم شما حذر بکنید

اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری اور مسلمانوں کی مدد فرمائے۔ والسّلام

از دیوبند۔ ۲۶ محرم الحرام ۵۰ھ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۵۱

آپ نے بہت اچھا کیا کہ رنگون کے خط کو شائع نہیں کیا۔ میں بیحد شکر گذار ہوں اور نہایت ادب اور پرزور التجا کے ساتھ عرض رساں ہوں کہ مہربانی فرما کر اس قسم کی تحریر کبھی بھی اوراق میں آنے نہ دیجئے، بلکہ زبانی تذکرہ تک سے بھی قطعی پرہیز فرمالیجئے۔ مجھے تو آپ سے یہ بھی شکایت ہے کہ آپ میری تعریف (جو کہ میرے نزدیک بالکل غیر واقعی ہوتی ہے اور انسان کو اپنا علم حضوری

اور صحیح ہوتا ہے) دوسروں کے سامنے کیا کرتے ہیں، میری دلی خواہش ہے جو کہ میں بلا تصنع عرض کرتا ہوں، کہ اس سے آپ کلی پرہیز فرمائیں، اگر آپ میرے واقعی عیوب ظاہر نہیں فرماتے یا خداوند ستر کی وجہ سے واقع میں آپ کو اطلاع نہیں ہے تو ان غیر واقعی مدائح کو تو زبان پر نہ لایا کریں، اگر آپ کسی غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں تو دوسروں کو تو ایسے ناخوش گوار گڑھے میں نہ دھکیلیں، واللہ ثم باللہ ثم تاللہ۔ میں اسقدر نالائق، ناہنجار، گنہگار دنیا پرست، سگ دنیا، اور بدکردار ہوں کہ اگر محض اپنے فضل و کرم سے اس غفار الذنوب، ستار العیوب نے کام نہ لیا تو اشد الناس عذابا اور اخسر الخاسرین میں ہوگا۔ فلہ الحمد علی حلمہ وعلیٰ عفوہ بعد قدرتہ۔ میرا اپنے آپ کو ننگ اسلاف کہنا اور لکھنا واقعیت کی بنا پر ہے، کسر نفسی کی بنا پر نہیں، خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری برائیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے، ورنہ لوگ مجھ سے اس سے زیادہ نفرت کرتے جتنی سور اور کتے سے کرتے ہیں ؎

یظن الناس بی خیرا وانی　　　لشر الخلق ان لم یعف عنی

میں آپ سے پھر خدا اور رسول (علیہ السلام) کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ اس قسم کے خطوط اور تحریروں کو ہرگز اپنے یا کسی اخبار میں جگہ نہ دیں، امارت کے لیے بہت سے اہل اور لائق اشخاص موجود ہیں، مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا ابو الرضا صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہ۔ میں ان حضرات کے دست مبارک پر بیعت امارت کرنے کے لیے تیار ہوں، اور انشاء اللہ حتی المقدور اطاعت کروں گا۔ خواب مبارک ہیں، اگر خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے مجھے کچھ نوازے تو اس کا کرم ہے۔

والسلام

از دیوبند ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۵۲

والانامہ باعثِ سرفرازی ہوا، تھانہ بھون کی تشریف ارزانی کے متعلق مجھ روسیاہ ونالائق سے اجازت چاہنا عجیب بات ہے، مین تو خود ہی ناکارہ ہون، اور اس امر کو ہمیشہ عرض کرتا رہا ہون۔ بناوٹ اور کسر نفسی سے نہین، بلکہ حقیقت الامر کی بنا پر، مگر میری عرض پر التفات نہین کیا گیا، اس سے بڑھکر کیا چیز خوشی کی ہوسکتی ہے کہ مقصد اصلی اور محبوب حقیقی کی بارگاہ اقدس تک رسائی ہو، جو کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی بارگاہ مین ارجی ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات سے نوازے۔ آمین۔ والسلام

ازدیوبند ۹ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۵۳

یادآوری کا شکریہ ادا کرتا ہون، اور ساتھ ہی ساتھ اس کی شکایت بھی ضرور کرتا ہون کہ آنجناب غریب خانہ پر مہمانون کی آمد اور ان کی خدمت کو ہوٹل یا سرائے قرار دیتے ہین۔ کیا مہمانون کا آنا خوش نصیبی نہین ہے؟ کیا مہمانون کی خدمت سنن انبیاء خصوصاً سنت ابراہیمی نہین ہے؟ کیا مہمان نوازی اعلیٰ درجہ کے مفاخر مین سے نہین ہے؟ کیا ارشاد نبوی نہین ہے من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ۔ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث مین مہمان کی خدمت کی تاکید نہین فرمائی ہے؟ فالعجب العجب۔ مین مہمانون کی کبھی بھی انکے مراتب کے موافق خدمت نہین کرسکا جس سے مجھکو خود شرمندگی رہتی ہے، اس پر آپ کے ایسے الفاظ

مین نہین سمجھ سکتا کہ کیا اثر کر رہے ہین۔ کاش آپ میرے بڑون حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت نانوتویؒ کو ملاحظہ فرماتے اور پھر فیصلہ کرتے کہ مین کسقدر قاصر ہون۔ اعزہ واحباب سے سلام مسنون عرض کردین

والسلام - از دیوبند ۱۲ رجب ۱۳۶۵ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۳) کیسی ستم ظریفی ہے کہ جو بات اپنی سمجھ مین نہ آئے جھٹ اسکو غلط کہدینا اور اعتراض کا ایسا انداز اختیار کرنا جو اہل علم کی شان کے منافی اور استادی وشاگردی، پیری ومریدی ہاں کہ طریق کے اندر سخت معیوب ہے۔ مولانا دریابادی کا شمار اہل علم میں ہے اور ماشاء اللہ اب تو وہ اچھے خاصے درویش بھی ہین۔ گستاخی نہ ہو تو یہ دبی زبان سے عرض کرون کہ اہرین طریقت کی اتباع ہی مین سب کچھ ہے۔ بزرگون کا قول ہے "الاعتقاد خیر من الانتقاد" لہذا ہر چیز کے اندر اسرار و دلائل کا ڈھونڈھنا بہتر نہین ہے۔ اتباع ہی بہتر ہے۔ باقی جنھون نے اساتذہ سے احادیث پڑھی ہین وہ جانتے ہین کہ مہمان نوازی کا کیا درجہ ہے۔ ترمذی کی یہ روایت تو یاد ہوگی کہ ابو الاحوص اپنے باپ سے روایت کرتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا، یارسول اللہ اگر مین کسی شخص کے پاس مہمان ہوکر گذرون اور وہ مہمانی نہ کرے اور پھر وہ اگر میرے یہان آئے تو مین کیا کرون؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تو اس کی مہمان نوازی کر"۔ دوسری روایت مین ہے فاطعموا طعامکم الاتقیاء، اپنا کھانا متقیون کو کھلاؤ۔ تیسری روایت مین فاجتمعوا علیٰ طعامکم یعنی اپنے کھانون پر اکٹھا ہوکر کھایا کرو۔ حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے اصولی روایات کا بھی ذکر فرمادیا ہے۔ اور تمام روایات کو ملانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے یہان جو کچھ ہوتا ہے اتباع نبوی صلعم ہی کے تحت ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ہی پیالے اور سالن مین کئی کئی آدمی شریک ہو جاتے ہین۔ ممکن ہے کہ کل کو اسی پر اعتراض کیا جانے لگے اور زمانے کے مہذب اسکو بھی برا سمجھین لیکن ایک عارف مدنی کی نگاہ ہین ہمہ نظر کی پابند نہین جو چند قدم کے بعد تھک کر رہ جاتی ہے بلکہ وہ بر ای العین دیکھتا ہے کہ سب کا سب مطلب دل نبی ﷺ کا ہے اور زمانہ اعتبرہ کا سبب مرض ہی مرض سن ہے آیا ہے آزاد ہو جاتا ہے اسلیے ضروری ہے کہ اسوۂ حسنہ ہی کا حامل اور سنت نبوی کا عاشق کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے، غرض کہ جینے کے تمام طریق وآداب نبوی کی تعلیم و تربیت ہی کو اصلاح امت کا واحد علاج تجویز فرمانا کہ در دست کہ ہر چہ کاں را فناس از خود دیگر ... گرچہ اندر دو نوشتن تیر و شیر

## مکتوب نمبر ۵۴

مجھکو تعلیمی مشاغل سے فرصت نہیں، ادھر دہلی جانا بخوف نوٹس غیر مناسب معلوم ہوتا ہے حسب پروگرام وقت پر قانون شکنی کے لیے ان شاء اللہ جانا ہو جائیگا، تلامذہ کی تعلیم کے لیے دوسرے اساتذہ موجود ہیں، کسی کے تڑپنے کی ان شاء اللہ نوبت نہ آئیگی، مولانا عبد الحلیم صاحب کو دو سال کی مہمانی کا شرف حاصل ہو گیا...... کچھ بعید نہیں کہ کارکنان دار العلوم دیوبند اس مرتبہ کی مہمانی جیل کے بعد میرا تعلق ہی دار العلوم سے قطع کردیں ...... جہانتک سنا جاتا ہے لوگ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح اس کا باب کٹے۔ واللہ اعلم۔ خیر اللہ تعالیٰ جو کچھ بہتر ہو اس کو ظاہر فرمائے۔ آمین۔ والسّلام۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۵۵

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ لڑکیوں کا انعام سنت نبوی ہے، مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ صالحہ طویل العمر کرے، آمین۔ یہی نہیں کہ فقط سنت ہے، بلکہ والدین کے لیے لڑکیوں کی خوشی اور دلدہی سے پرورش باعث نجات اخروی اور رفع درجات بھی ہے، چنانچہ متعدد روایات صحیحہ اس پر تصریح فرما رہی ہیں، لہذا میں امید کرتا ہوں کہ آپ پر طبعی طور پر دل تنگی نہ ہونی چاہیے، فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا کو بھی پیش نظر رکھیے۔

کھجوریں بھائی صاحب نے رجب میں روانہ فرمائیں...... آپ فرماتے ہیں کہ انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے حصہ کی کھجوریں حسین احمد کے پاس بھیجدیں۔ کیا یہ احتجاج کے لیے کافی ہے؟ میرے پاس تو نہیں لکھا، لہذا مجھ پر الزام نہیں ہو سکتا، اور پھر کوئی مقدار نہیں، اس لیے ممکن ہے کہ

ایک ہی دواز پیش کر کے سبکدوش ہوسکون۔ کلام مجید کا ترجمہ نعمت عظیمہ ہے، اللہم زد فزد۔ فللہ الحمد والمنہ۔ والسلام۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۵۶

آنجناب کی توجہات کا شکریہ ادا کرتا ہون۔ واقعہ یہ ہے کہ ناکارہ تو حضرت دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم اور احترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہین رکھتا جو کہ طفل دبستان کو فلاطون سے ہوسکتی ہے۔ البتہ تحریک حاضرہ کے متعلق جو چیزین وہان سے شائع کرائی جاتی ہین اور جو کچھ وہان کے متوسلین گاتے ہین، وہ نہایت دلخراش ہین، مین مولانا کو اپنا معتقد اور اپنے اکابرین مین سمجھتا ہون۔ والسلام

۵ شوال ۱۳۵۲ھ۔ از رسڑا، ضلع بلیا۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۵۶) عربی کا مشہور مقولہ ہے المعاصرۃ سبب المنافرۃ۔ چنانچہ علامہ سیوطی وسخاوی وغیرہم اکابر کے واقعات جس طرح اس پر گواہ ہین اسی طرح اسلاف کبار کے حالات مین ابن عیینہؒ اور امام مالکؒ کی باہمی ملاقات اور پھر ایک دوسرے کی عظمت کا اعتراف کتب طبقات ورجال مین موجود ہین، حضرت امام العصر دامت برکاتہم پر اسلاف کا گہرا رنگ اس درجہ غالب ہے کہ اسلاف کی بلندی دیکھتے ہوئے اپنے کو ننگ اسلاف لکھنا ذرا بھی عار نہین سمجھتے اور بقول حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر نااتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے سبحان اللہ کیا حقیقت ظاہر فرمائی حضرت امام العصر دامت برکاتہم پر یہی رنگ غالب اور اپنے اکابر کی نعمت چھائی ہوئی ہے جسکو بادی النظر مین کسر نفسی اور خلق سے بعض سطحی لوگ تعبیر کرتے ہین،

## مکتوب نمبر ۵۷

چوں با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　　بیاد آر محبان جادہ پیما را

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اپنے مشاغل قلبیہ سے غافل نہ رہیں، ذکر میں کوشاں رہیں۔ مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں جس قدر بھی بیٹھنا ہو غنیمت جانیں، اس وقت میں جہانتک ممکن ہو ذکر کا خیال رہے، اور قلب حاضر ہو۔ صحبۃ الشیخ ساعۃ خیر من عبادۃ تسعین سنۃ قول اکابر ہے حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام مسنون اور استدعاء دعوات صالحہ وصرف ہمت عرض کر دیں، میں اس وقت لکھنؤ برائے شرکت عقد مولانا عبدالباری جا رہا ہوں، والسلام

از اسٹیشن سہارنپور۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۵۸

محترم! دام فضلکم۔ نہایت افسوس کے ساتھ مطلع کرتا ہوں کہ ۱۸ ر ۱۹ شعبان ۱۳۵۵ھ چہارشنبہ، پنجشنبہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۱) اور کہنا پڑتا ہے کہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اسکے اندر ہوتا ہے اس مکتوب گرامی میں حضرت مولانا تھانویؒ کے کمالات کا اعتراف جس خوشدلی سے فرمایا ہے اسکی نظیر صرف مخصوص اکابرین کے اندر پائی جاتی ہے اور یہ امام العصر کا وہ مقام ہے جہاں تک تو معاصرین پہنچے اور نہ دوسرے اسی کیساتھ سیاسی تحریکات میں تھانہ بھون سے جو کچھ شائع ہوا اور خلافت وغیرہ کے دور میں تحریک جمعیت سے جو اختلاف کیا گیا اور پھر ۱۹۴۵ء کے الکشن تک قائم رہا جن بھولے بھالے علماء نے حضرت حاجی صاحبؒ کے سیاسی مسلک در طریق کار سے ملحمہ ہو کر فتنہ کھڑا کر دیا اس کا ذکر احادیث فتن کے اندر موجود ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی صحیح جانشینی حضرت مولانا نانوتویؒ حضرت قطب گنگوہیؒ، شیخ الہندؒ اور حضرت امام العصر دامت برکاتہم وغیرہ نے فرمائی حق اور انصاف یہی ہے مگر کون ہے جو اس کا اعتراف کریگا؟ تھانہ بھون سے جو کچھ گایا گیا رسالہ الامداد وغیرہ کی پرانی فائلیں شاہد ہیں جس کو ہم طول کے خیال سے شائع نہیں کر رہے ہیں۔

کی درمیانی شب میں والدہ اسعد دہلی میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئیں۔ انا للہ الخ مجھکو شب ہی میں تار ملا، دہلی پہنچا، جنازہ دیوبند لایا، اور پنجشنبہ کی شام کو مرحومہ کو سپرد خاک کیا گیا، دعاء مغفرت فرمائیں، دعوات صالحہ وکار لائقہ سے فراموش نہ فرمائیں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۵۹

میں جناب سے ریل میں جدا ہو کر شب میں ٹانڈہ پہنچا، وہاں میرے تائے زاد بھائی محمد بشیر صاحب رحمہا کی لڑکی دو سال سے بیوہ تھی، اس کو نکاح کے دو تین سال کے بعد بیوگی کا منہ دیکھنا پڑ گیا تھا، صرف ایک بچی پیدا ہوئی تھی، جو کہ تھوڑے ہی دنوں زندہ رہ کر راہی ملک بقا ہو گئی تھی، اس بیوہ کے نکاح کا عرصہ سے جھگڑا چلا آتا تھا، مختلف مقامات پر اس کے نکاح کے لیے گفتگو ہوئی تھی، مگر کوئی جگہ مناسب ہاتھ نہ آئی تھی، میرے احباب نے بغیر میری منشا اور تحریک کے اس میں تحریک شروع کر دی تھی، کیونکہ بھائی محمد ظہیر صاحب جو کہ بھائی محمد بشیر صاحب کے بڑے بھائی ہوتے ہیں بطور تعزیت دیوبند گئے تھے، میں اس جگہ کو غیر مناسب نہیں سمجھتا تھا، بالخصوص اس بنا پر کہ اپنے گھر ہی کا معاملہ ہے، اگرچہ اس وجہ سے کہ میں اس ساٹھ برس کی عمر کو پہنچ رہا ہوں اور لڑکی کی عمر تقریباً بائیس سال ہے، عدم تناسب بھی تھا، مگر اتحاد خاندانی اور اس کی بیوگی، اور کسی موزوں جگہ کا ہاتھ نہ آنا، کیونکہ جن جگہوں سے اس کے رشتے آرہے تھے، ان کی بیویاں موجود تھیں مگر وہ اپنی بیویوں سے خوش نہ تھے وغیرہ امور اس کے متقاضی ہوئے کہ میں اس کو منظور کر دوں۔ میں نے استخارہ کیا، اس سے پہلے دیوبند میں اور دوسری جگہوں میں آٹھ نو جگہ سے پیغام کنواری اور بیوہ لڑکیوں کے لیے آیا تھا، مگر میں نے توقف کیا تھا، بہرحال صبح بروز دو شنبہ

۳۰ شعبان کو میرے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا، لڑکی کے تایا نے ظاہر کیا کہ گھر میں سب لوگ راضی ہیں جب تو سلہٹ سے واپس ہو تو عقد کر کے ساتھ لیتے جانا، میں نے انکو نشیب و فراز پر متنبہ کیا، بالخصوص اپنی عمر کے متعلق، چونکہ وہ ہمارے خاندان میں مردوں میں سب سے زیادہ عمر والے ہیں، ہم بھائی ان کے سامنے بچے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں بخوبی واقف ہوں، اور جملہ امور پر کافی غور کر چکا ہوں، اور گھر میں بھی عورتوں مردوں نے غور کر لیا ہے، تب میں نے کہا کہ اگر لڑکی اور اس کی ماں وغیرہ راضی ہیں تو کیوں نہ عقد ابھی کر دیا جائے، میں عقد کر دینے کے بعد اس وقت چلا جاؤں گا اور واپسی پر لیتا جاؤں گا، جو لوگ مجھکو اپنی محبت کی وجہ سے مختلف مقامات سے پیغام دیتے اور تحریک کر رہے ہیں ان لوگوں کو مزید تکلیف کی حاجت نہ رہے گی، بہت سے جھگڑے بند ہو جائیں گے، انھوں نے کہا کہ اس کا تذکرہ نہیں آیا ہے، میں مشورہ کر کے خبر دیتا ہوں، الحاصل انھوں نے مشورہ لیا اور چھوہارے منگا کر اس مجمع میں جس میں کچھ احباب ملنے کی غرض سے آئے تھے، مہر فاطمی پر عقد کر دیا، اس کے بعد وحید اور اس کے خسر وغیرہ کا اصرار ہوا کہ ایک شب یہاں قیام کر لیا جائے، زیادہ اصرار پر بجز اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا، چنانچہ یکم رمضان سہ شنبہ کو میں ٹانڈہ سے روانہ ہو گیا، جو حالت مشاہدہ ہوئی مجھکو قوی امید ہے کہ یہ عقد باعث طمانیت خاطر ہوگا، آیندہ جو قضائے الٰہی ہو اس میں دم مارنے کی جگہ نہیں ہے، اسعد بخیریت ہے، اپنی نئی اماں سے بہت زیادہ مانوس ہو گیا ہے، حتی کہ اس نے یہاں کی عورتوں سے کہا کہ مجھکو اپنی نئی اماں سے اس قدر محبت ہو گئی ہے کہ اب مجھکو اپنی پہلی اماں کی یاد نہیں ستاتی، اور اس کو بھی اسعد کے ساتھ گرویدگی ایسی معلوم ہوئی جو کہ اپنے بچے سے ہوتی ہے، اللھم زد فزد۔ والسلام

حسین احمد غفرلہ

۲۲ رمضان المبارک ۵۵ھ

# مکتوب نمبر ۶۰

## مولانا پروفیسر عبدالباری صاحب ندوی سبستان قدم رسول ہارڈنگ روڈ لکھنؤ کے نام

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے اس فریضہ سے سبکدوشی عطا فرمائی، اس کے کرم سے امید ہے کہ شرف قبولیت بھی عطا کریگا، والدین کی خدمت اور خوشنودی ہر طرح باعث سعادت ہے،

اس میں شک نہیں کہ اصلاحات قلبیہ نہایت ضروری ہیں، مگر افسوس اس کا ہے کہ آپ حضرات نے نہایت ناکارہ اور نالایق کے ساتھ رشتہ عقیدت وابستہ کیا ہے، "لقد استسمنت ذا ورمٍ ونفخت فی غیر ضرمٍ"[1] مجھکو خود اپنی حالت پر رونا آتا ہے، اور نہایت زیادہ شرماتا ہوں کاش احباب کی توجہات اور دعاؤں اور ان کے حسن ظن کی بنا پر نجات ہو جاتی۔ بہرحال جب بھی آپ کو اور جس قدر بھی فرصت ہو بلا تکلف اور بلا کسی قسم کے خیال کے تشریف لائیں، اور قیام فرمائیں، میں نے بھی مستقل مکان کا انتظام کر لیا ہے، جس کی طرف دو تین ہفتہ میں انشاء اللہ منتقل ہو جاؤں گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ

[1] یہ عربی کی ایک مثل ہے جس کے معنی ہیں کہ میں سوجن کو موٹاپا شمار کرتا ہوں (حالانکہ وہ فربہی نہیں ہے) دوسرے فقرہ کے معنی ہیں کہ میں نے بے فائدہ کوشش اور وقت ضائع کیا گویا بغیر چنگاری کے آگ سلگانا چاہا۔ اللہ اکبر! اس خاکساری کی بھی کوئی انتہا ہے، اور یہ آپ کو اسوجہ سے شاد رہنا کی تصویر میں آسکتا ہے کسی نے سچ کہا ہے،

فنا بغیر بقا کا پتہ نہیں چلتا
خودی شائے زبینک خدا نہیں ملتا

# مکتوب نمبر ۱۶۱

محترما! حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دل کو حاضر کرکے ذکر نہیں کیا جائے گا تو فائدہ مترتب نہ ہوگا، اگرچہ سالہا سال تک یہ عمل جاری رکھا جائے، میں بھی اس ارشاد کو بڑے درجہ تک تسلیم کرتا ہوں اگرچہ زبان کا ذاکر ہونا بھی ضرور بالضرور فائدہ رکھتا ہے، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس سے کوئی بھی فائدہ نہیں ہے، ثواب ذکر مترتب ہوتا ہے اور زبان سے تعدی قلب تک ہوتی ہے، جوارح اور روح کو بھی کچھ نہ کچھ انصباغ کی نوبت آتی ہے، مگر واقعیت یہ ہے کہ یہ فائدہ اس فائدہ کے مقابلہ میں جو دل لگنے پر ہوتا ہے، کان لم یکن ہے، نفس طبعی طور پر عالم تجرد سے متنفر ہے، چونکہ خود مادی ہے، اسی کی اس کو طبعی رغبت ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ مثل الطفال اس کو بہلا پھسلا کر آہستہ آہستہ راہ پر لگایا جائے ؎

والنفس کالطفل ان تہملہ شب علی ﴿۱﴾ حب الرضاء وان تفطمہ ینفطم

اگر نفس کو افیون، یا سنکھیا، یا گانجہ، بھنگ وغیرہ غیر لذیذ کا عادی بنایا جا سکتا ہے، اگر اس سے جفاکشی کے وہ کام جن پر غیر متعود ہرگز صبر نہیں کر سکتا، لیے جا سکتے ہیں۔ اس کو انجنوں اور بھٹیوں کے سامنے دن و رات سخت گرمی میں خدمت لیجا سکتی ہے، وہ جن شاک کی ظاہر الاستحالہ باتوں پر قابو پا سکتا ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تدریجاً عالم قدس کا حاضر باش نہیں کیا جا سکتا۔ مگر محنت اور استقلال توفیق عزم شرط ہے۔ ؎

یقین میدان کہ آن شاہ نکونام ﴿﴾ بدست سر بریدہ مید ہد جام

---

﴿۱﴾ (ترجمہ) اور نفس کی حالت تو اس شیر خوار بچے کی طرح ہے جو دودھ پیتا ہے، اگر اس کے دودھ کو بچپن ہی میں چھڑا دیا گیا تو جوان ہونے پر دشواری ہوگی۔

میرے محترم! جس قدر مطلوب بڑا ہوتا ہے اسی قدر اس کے لیے مشاق کا برداشت کرنا ضروری اور لازم ہوتا ہے، اسی قدر عالی حوصلگی اور عالی ہمتی لازم ہوتی ہے ؎

یغوص البحر من طلب اللآلی　　ومن رام العلیٰ سہر اللیالی

بیشک نفس بھاگیگا، اس کو دو منٹ بیٹھنا دشوار ہوگا، مگر اس کو متعود کیجئے، انشاء اللہ جلد از جلد رحمت الٰہی شامل حال ہوگی، چھوٹے بچے کو بھی قاعدہ پڑھتے ہوئے دل تنگی پیش آتی ہے، مگر آہستہ آہستہ متعود ہو جاتا ہے، اور طبعی رغبت پیدا ہو جاتی ہے، کوشش فرماکر مداومت کریں اور جتنی الوسع دل لگائیں، عنایت الٰہی شامل حال ہوگی، تدریجاً اطمینان بھی پیدا ہوگا، اور انقلاب صفات ذمیمہ کی نوبت آئے گی، ؎

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب　　لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

رسالہ امداد السلوک مصنفہ حضرت گنگوہیؒ اور رسالہ صراط مستقیم مصنفہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ زیر مطالعہ رکھیں، قلبی ذکر میں سانس کا ذکر اگرچہ جاری رہے مگر توجہ بالذات قلب کی طرف رہنی چاہیے، سانس سے قطع نظر رکھیں خواہ وہ اس کے ساتھ جاری رہے یا نہیں، یہ کشمکش برائے چندے پھر زائل ہو جائے گی، اور ہر ایک دوسرے سے متمیز ہو جائے گا، تسبیح پاس رہنا مضر نہیں ہے کنز العمال میں ہے "نعم المذکر السبحہ"۔ یاس اور ناامیدی کو کبھی پاس نہ آنے دیں "انا عند ظن عبدی بی"، اس نالائق وناکارہ کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، اور جب آسانی ہو تو یہاں چندے قیام فرمائیں۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

دیوبند ۲۲ صفر ۱۳۴۸ھ

# مکتوب نمبر ۶۲

(۱) اس کا خیال رکھیں انشاء اللہ العزیز رفتہ رفتہ دوام حاصل ہوگا۔

(۲) بہت مناسب وقت ہے۔

(۳) گریہ اگر خود بخود طاری ہو تو بہتر ہے، کوشش کی زیادہ ضرورت نہیں۔ اگرچہ نفس میں موجود ہے۔ ان لم تبکوا فتباکوا (الحدیث) بعض اسلاف گریہ ہی کو مقصود بالذات فرماتے ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ گریہ خلوص ذکر کا ذریعہ ہے اس لیے مقصود بالذات ذکر ہی ہے، کام کیجئے، انشاء اللہ حالت پیدا ہوگی

(۴) مجھے اس وقت کوئی تدبیر مخصوص یاد نہیں آئی جس کا میں نے تذکرہ کیا ہو۔ ہاں حقیقی محبوب اور اس کی صفات کمالیہ کا تدبر اور اپنی احتیاج اور مفارقت وتقصیرات عشقیہ کا خیال انشاء اللہ بےچینی اور قلق پیدا کرکے رہے گا۔ لا تیئسوا من روح اللہ الآیۃ۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۲) حضرت مرشد محترم ادام اللہ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ابھی حضرت کی خدمت میں چند دن کی حاضری کی سعادت کے سلسلہ میں حضرت کی مصروفیت کا پورا اندازہ ہوا۔ یہ محض میری ناواقفیت وجہالت کی جرأت تھی کہ حضرت کے اوقات وشاغل کا اندازہ کیے بغیر لمبے چوڑے عریضے لکھتا اور مفصل جواب کی توقع کرتا تھا۔ اب اگر حضرت پسند فرمائیں تو آئندہ سے ہر عریضے میں صرف دو ایک باتیں اپنی نسبت عرض یا دریافت کر لیا کروں، نیز اس طرح کہ جواب کے لئے عریضہ ہی کے حاشیہ پر کافی جگہ چھوڑ دیا کروں گا کہ اسی پر تحریر فرما دیا جایا کرے۔

(۱) پاس انفاس کی صبح وشام پابندی کے بجائے اب چلتے پھرتے ہر وقت خیال کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اکثر بھول جاتا ہوں (۲) ذکر قلب پہلے عشاء کے بعد کرتا تھا اب تہجد یا نماز فجر بعد کرتا ہوں (۳) حضرت نے ایک فرمایا تھا کہ اس کے ساتھ گریہ کی کوشش کیا کرو (۴) اس کے لیے کوئی تدبیر بھی زبانی تھی، بدبختی سے خیال سے اتر گئی ملتجی ہوں کہ تحریر فرما دیں۔ والسلام

حضرت کا بدنام کرنے والا نالائق، محتاج دعا، عبدالباری غفرلہ حیدرآباد ۳۰ صفر ۱۳۴۶ھ

# مکتوب نمبر ۶۴

..... اللہ حاضری اللہ ناظری الخ میں بھی صرف دھیان یعنی تفکر نہیں مطلوب ہے، بلکہ زبان سے بھی کہنا چاہیے، البتہ معنی کا خیال رکھتے ہوئے اور اسم سے مسمیٰ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے ذکر کرتے رہیں، چونکہ صفات حضور و ناظریت و معیت کی ہیں، اسم جلالہ کی نہیں ہیں، لہذا یہ دھیان رہنا چاہیے کہ وہ ذات مقدسہ بلاکم وکیف، بیچون و بیچگون ان معانی کے ساتھ متصف اور مشاہد ہیں، اسی طرح یا حی یا قیوم (الخ) میں الفاظ کے ساتھ اس مسمیٰ اور ذات مقدسہ کا دھیان رکھتے ہوئے مخاطبت کرنی چاہیے اور عدد مذکور کو پورا کرنا چاہیے۔ انگریز یا دیگر عیسائی یورپین قومیں حربی اور محارب قطعاً و یقیناً ہیں، ان کے خالص بک بلا شبہہ اس حکم کے تحت ہیں کا فر حربی جبکہ محارب ہے اس کی اعانت بھی دشمن کی اعانت ہے اور س کی تقویت کا ذریعہ ہے۔ لہذا ممنوع ہوگا۔ بخلاف عاصی کی اعانت کے۔ کیونکہ اس میں دشمن کی تقویت لازم نہیں خصوصاً جبکہ اس کی اعانت امور اضطرایہ وغیرہ میں ہو، لہذا دونوں میں فرق ہوگا... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ از دیوبند

# مکتوب نمبر ۶۵

واقعہ میں ایک غیرت دار شخص کا یہ خیال بجا ہے، مگر اسی کے ساتھ چند امور قابل ملاحظہ ہیں۔

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۴) حضرت مرشد محترم ادام اللہ فیوضکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ خادم کو وطن سے واپس ہوئے آج پانچواں دن ہے، اثنائے سفر میں ایک واقعہ پیش آیا کہ بھوپال اسٹیشن پر کچھ کھانا لینے کے خیال سے ڈبہ سے باہر گیا، سامنے ہی ایک خوانچہ دکھائی پڑا جس میں تین بڑی بڑی المونیم کی پتیلیاں بند رکھی تھیں۔

تاریخ بتلاتی ہے کہ ہند میں ابتداءً جب مسلمان آئے، عام طور سے اہل ہند بودھ مذہب رکھتے تھے، اور ترک چھوت چھات تو در کنار بیاہ شادی تک بخوشی کرتے تھے جس طرح آج برہما، سیام، چین کھاسیا پہاڑوں وغیرہ مین رائج ہے، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اختلاط نے نہایت قوی تاثیر کی. خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے. مغربی پنجاب خصوصاً سندھ مین مسلمانوں کی زیادتی کا یہ راز یہی ہے، اسکے بعد جبکہ محمود غزنوی مرحوم کا زمانہ آیا ہے تو ہندوؤں مین مختلف احوال کی وجہ سے اشتعال پیدا ہوتا ہے، اور شنکر اچاریہ عام مذہب ہند کو بودھ سے نکال کر برہمنی بناتا ہے، اور حکومت بودھ کی کمزوری کی بنا پر جو کہ افغانستان، بلوچستان، سندھ، لاہور سے فنا کر دی گئی تھی، اور وسط ہند کے بھی بودھ رجواڑے محمود مرحوم کے پے در پے حملوں سے یکسر کمزور ہو گئے تھے، شنکر اچاریہ کو عوام پر بڑی کامیابی حاصل ہو جاتی ہے، چاروں طرف دبے ہوئے برہمن جن کو بودھوں نے تقریباً دفن کر دیا تھا، اٹھ پڑتے ہیں، اور تھوڑی سی مدت مین پھر برہمنی مذہب اقطار ہند مین

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۱) بیچنے والا سامنے نہ تھا، قرینہ سے مسلمان سمجھا، اور ایک پتیلی کے صرف ڈھکن کو ہاتھ لگا دیا، اتنے میں وہ آگیا تو ہندو تھا، کہا کہ اب تو سب خراب ہو گیا اور سب کے دام آپ کو دینا پڑینگے۔ ایسے موقع پر ذرا مشتعل ہو جایا کرتا ہوں، لیکن اس وقت کوئی فوری اشتعال نہیں پیدا ہوا بلکہ معاً ذہن میں یہ خیال آیا کہ اسکا نقصان ہو گیا ہے جو مجھکو ادا کرنا چاہیئے، اور جو کچھ اس نے مانگا دیدیا، اور پوریاں وغیرہ جو کچھ تھیں وہ اسی جگہ مسلمانوں کو تقسیم کر دین. لیکن بعد کو سب سے پہلا جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ آیندہ سے کھانے پینے کی چیزین تو قطعاً ہندوؤں سے نہ خریدوں اور دوسری چیزیں بھی جہانتک مسلمانوں سے مل سکیں، ہندو دوکانداروں سے پرہیز ہی کروں بلکہ ذہن نے کچھ اس قسم کی تدبیریں بھی سوچنا شروع کین کہ مسلمانوں کو عام طور سے کیسے بچایا جا سکتا ہے، اور باوجود سراپا بے عمل ہونے کے جی چاہتا ہے کہ اس کیلیے کچھ کروں، ان بعد کے خیالات کی نسبت یقین کیساتھ نہیں عرض کر سکتا کہ انتقام کے جذبہ سے پاک ہیں، بلکہ جہانتک اپنی طبیعت کا اندازہ ہے انتقام کا جذبہ غالباً ضرور شریک ہو گیا ہوگا. اور للّٰہیت یا تو سرے سے نہ ہوگی یا نہ ہونے کے برابر۔

(باقی ص ۱۵۳ پر)

بتحصیل ہوتا ہے، اسی کے دلدادہ ہو جاتے ہیں، برہمن چونکہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام کا سیلاب اختلاط کی بنا پر ان کے اقتدار ہی کو نہیں بلکہ مذہب کو بھی مٹا رہا ہے جس کے بنا پر ان کے مذہبی اور دنیاوی سیادت کا خاتمہ ہو جائے گا، اس لیے انھوں نے عوام میں نفرت کا پروپیگنڈا پھیلایا، اور مسلمانوں کو ملیچھ کا خطاب دیا گاؤ کشی اور گوشت خوری کو اس کے لیے ذریعہ بنایا، عوام ہند کی ذہنیت ہمیشہ سے تارکین دنیا کی پرستش کرنے والی واقع ہوئی ہے، خصوصاً ہندو ذہنیت جس قدر سادھو اور فقیر کی پرستش کرتی ہے وہ اظہر من الشمس ہے، یہ ذہنیت بہت جلد شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک پھیل گئی، اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے، چونکہ اسلامی قوت کا قوت سے ان کو مقابلہ کرنے میں باوجود مساعی عظیمہ کامیابی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۲) اسی لیے دل میں ساتھ ہی اسی وقت دوسرا خیال یہ آیا تھا کہ ساری صورت حال کو حضرت کی خدمت میں عرض کر دوں گا، جیسا ارشاد ہوگا اسی کے مطابق انشاء اللہ عمل کرونگا۔ لہذا نفس واقعہ اور حال کے عرض کر چکنے کے بعد جو خطرات وسوالات دل میں پیدا ہو رہے ہیں وہ عرض کرتا ہوں: (۱) مشرکین کا نجس ہونا تو منصوص ہے، پھر اس نجاست کو محض معنوی تک کیوں محدود رکھا جائے اور اگر محدود بھی کیا جائے تو کیا کم از کم اولیٰ یا قرین تقویٰ یہ نہیں ہے کہ ظاہراً بھی احتیاط کیجائے؟ (۲) خصوصاً جب نفس مسلم کی ذلت بھی ہے اور الٹے مشرک مسلم کو نجس سمجھکر اس سے ویسا ہی برتاؤ کرتا ہے جو نجاست ظاہری کی صورت میں کیا جاتا ہے؟ (۳) پھر کافروں سے ترک معاملات میں ان سے اظہار بغض کی بھی ایک صورت ہے اور ان سے تمام معاملات کی صورت اکثر موالات کے حد تک پہنچا دیتی ہے؟ (۴) کیا یہ بہتر نہیں کہ دن رات کے معاملات میں کافر و مسلم کا امتیاز ہمارے اندر زندہ رہے؟ (۵) میرا دل تو انگریز کے ساتھ ترک معاملات کو محض سیاسی اور عارضی سمجھنا نہیں چاہتا؟ اگر وہ اسلامی حکومتوں اور مقامات مقدسہ کیساتھ اپنی معاندانہ و غاصبانہ روش سے دست بردار بھی ہو جائیں تو کیا ان سے معاملات جائز ہو جائیگا؟ (۶) بلکہ کھانے پینے میں تو وہ ایسا پرہیز نہیں کرتے جس سے نفس مسلم کی ذلت ہو۔ اس لیے ان سے کھانے پینے کی چیزیں لے لینا اہون ہو جاتا ہے خصوصاً اگر ان کے اہل کتاب ہونے کا بھی لحاظ ہو؟ (۷) میں نے اپنے دل میں آیندہ احتیاط و پرہیز کا جو معاہدہ کیا ہے اگر وہ

(باقی ص ۱۵۴ پر)

نہیں ہوئی، اس لیے اسی طریقہ پر ان کی جد و جہد محصور ہو گئی، اور اسی کو انھوں نے آلہ کار مدافعت بالقوۃ کا بھی بنانا چاہا۔ بادشاہان اسلام نے اولاً اس طرف توجہ ہی نہیں کی، بلکہ وہ تمام باتوں کا قوت سے مقابلہ کرتے رہے۔ مگر شاہان مغلیہ کو ضرور اس طرف التفات ہوا خصوصاً اکبر[1] نے اس خیال

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۳) تمام تر انتقام ہی پر مبنی ہو تو بھی کیا ایسا انتقام ایسی صورت میں مستحسن یا کم از کم جائز نہیں ہے؟

(۲) نیز اب اگر انتقام کے خیالات کو اپنے علم و ایمان بھر دور کر کے نیت کی تصحیح کر لوں اور دینی و اسلامی مصالح کی بنا پر یہ سوالات تو محض اطمینان قلب حاصل کرنے کے لیے پیش کرنے کی جرأت کی ہے ورنہ حضرت جو کچھ شریعت کے حکم یا خادم کی ذاتی اصلاح کے لحاظ سے فرمائیں گے عمل ان شاء اللہ مقدور بھر اسی کے مطابق کروں گا، اس واقعہ کو لکھ کر جی چاہتا ہے کہ اگر حضرت اجازت دیں تو گاندھی جی سے بھی کچھ سوالات کروں، مثلاً یہ کہ ہندوؤں کی اسی چھوت چھات سے جو منافرت پیدا ہوتی ہے کیا مخلوط انتخاب یں اس سے بھی زیادہ پیدا ہوتی ہے اور کیا قومیت کی راہ میں ثانی الذکر اول الذکر سے بھی زیادہ حائل ہے؟ اگر نہیں تو پھر قومیت و اتحاد کے لیے مقدم کن چیزوں کا مٹانا ہے؟ والسلام

عبد الباری غفرلہ

[1] اکبر کے متعلق حضرت امام العصر نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کا تعلق محض دنیاوی انتظام اور نظام حکومت سے ہے، چنانچہ اسی پالیسی کی جانب شہنشاہ ہند بابر مرحوم نے انتقال کے قریب اپنے بیٹے ہمایوں مرحوم کو توجہ دلائی تھی۔ اکبر نے اسی وصیت کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی اور اس سے بہت سے فوائد بھی حاصل ہوئے جنہیں ندمارسوء نے صد در جہ ظلوم سے کام لے کر نہایت قبیح درجہ تک پہنچا دیا، اسی بات کو لارڈ ولیم مینک ۱۸۳۲ء میں انگلستان کی انڈیا کمیٹی کے روبرو بیان میں ظاہر کر رہا ہے، ملاحظہ ہو۔

"بہت سی باتوں میں اسلامی حکومتیں انگریزی راج سے کہیں بہتر ہیں مسلمان اس ملک میں آباد ہو گئے جسے انھوں نے فتح کیا تھا، وہ ہندوستانی باشندوں کے ساتھ گھل مل گئے، ان میں شادی بیاہ کرنے لگے، مسلمان بادشاہوں نے ہندوستانی غیر مسلموں کو ہر قسم کے حقوق دیے۔ فاتح مفتوح کے مذاق، دلچسپی اور ہمدردی

(باقی ص ۱۵۵ پر)

اور اس عقیدہ کو جڑ سے اکھاڑنا چاہا، اور اگر اس کے جیسے چند بادشاہ اور بھی ہو جاتے یا کم از کم اسکی جاری کردہ پالیسی جاری رہنے پاتی تو ضرور بالضرور برہمنوں کی یہ چال مدفون ہو جاتی، اور اسلام کے دلدادہ آج ہندوستان میں اکثریت میں ہوتے، اکبر نے نہ صرف اشخاص پر قبضہ کیا تھا، بلکہ عام ہندو ذہنیت اور منافرت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا تھا، مگر ادھر تو اکبر نے نفس دین اسلام میں بھی کچھ غلطیاں کیں، جن سے مسلم طبقہ میں اس سے بدظنی ہوئی، اگرچہ بہت بدظنی کرنیوالے غافل اور کم سمجھ تھے، ادھر برہمنوں کے غیظ و غضب میں اپنی ناکامی دیکھکر اشتعال پیدا ہوا، ادھر یورپین قومیں خصوصاً انگلستان کو اپنے مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ تلاش کرنا پڑا، اور سب سے بڑا ذریعہ اسکے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۴) میں یکسانیت تھی، کوئی فرق نہ تھا، بخلاف اسکے انگریزی پالیسی اس کے برعکس ہے اب سرد مہری، خود غرضی اور بے پروائی ہے، جس میں ایک طرف حکومت کا آہنی پنجہ حکمران ہے اور دوسری طرف ہر چیز پر اپنا قبضہ ہے، اور ہندوستانیوں کو کوئی دخل نہیں"۔ (جریدہ انصاری نمبر ۲۲ جلد ۲ مؤرخہ ۲ جون ۱۹۳۵ء از فارورڈ کلکتہ) وصیت نامہ شہنشاہ بابر بنام شہزادہ نصیر الدین ہمایوں۔ درج ذیل ہے

"اے پسر ہندوستان مختلف مذاہب سے پر ہے، الحمد للہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی ہے، تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھو ڈالو اور عدل و انصاف کرنے میں ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے، اس ملک کی رعایا کا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون ہوتی ہے، جو قوم یا ملت قوانین حکومت کی مطیع اور فرمانبردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں، عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے، شیعہ و سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائیگا جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتفاق و اتحاد سے کام کرتے ہیں اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو ان میں اتحاد عمل پیدا کرو تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے،

منافرت بین الاقوام تھا اور ہے، اب سیواجی کی تاریخ اور سکھوں کی کارروائیوں اور صوبہ جات کے باغیانہ کارناموں، لارڈ کلایو کے بنگال وغیرہ میں بذریعہ ہند و قوم تمندیوں میں اس ہاتھ کو بہت زیادہ کھیلتے ہوئے پائیں گے، آج ہماری مہربان گورنمنٹ اس کے ذریعہ بہت زیادہ کامیاب ہو رہی ہے، اس بنا پر اگرچہ بڑے درجہ تک برہمنوں نے مسلمانوں سے اپنی قوم کو بڑے درجہ تک محفوظ رکھا مگر اس نے انکی متحدہ قومیت کا بھی شیرازہ بکھیر دیا، اور خود ان میں بھی چھوت چھات کا عقیدہ جہلا نے پیدا کر دیا حتی کہ بعض بعض خاندان برہمنوں کے بھی دوسرے برہمن سے چھوت چھات کرنے لگے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۵) سرگذشت تیمور کو جو کہ اتفاق و اتحاد کا مالک تھا، ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھو تاکہ نظم و نسق کے معاملات میں پورا تجربہ حاصل ہو۔" (ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولہاپور) از قدیم تحریر بزبان فارسی،

اس وصیت کی ایک نقل اسٹیٹ لائبریری بھوپال میں بھی موجود ہے، ہم دفعہ دار ہے،

ہم کو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اکبر اس پالیسی میں کافی حد تک کامیابی ہوئی، اور مغلیہ سلطنت کی بنیادیں اتنی مضبوط ہوگئیں کہ اکبر کی چوتھی نسل تک اس کی ہیئت حاکمہ میں کوئی تغیر رونما نہ ہو سکا،

غرض اکبر نے کچھ ایسی مذہبی غلطیاں کیں جس سے مسلم طبقہ میں اس سے بدظنی ہوگئی، اور اکبر کی وہ پالیسی کما حقہ کامیاب نہ ہوئی، اور پھر چند دنوں کے بعد ہندوستان میں سرہوں کے بعد پہلی دفعہ اسلام کو ایک ہمہ گیر دعوت کی حیثیت سے پیش کرنے کا طغرائے امتیاز حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی تعلیمات کی ایک نمایاں خصوصیت غیر مسلموں کے متعلق ایک خاص نقطہ نظر تھا آپ نے وہ زمانہ دیکھا تھا جب مسلمان ایک مسلمان بادشاہ کے زمانہ میں احکام اسلامی پر عمل کرنے سے عاجز تھے، آپ کے حساس دل پر ان حالات کا بڑا اثر ہوا، جہانگیر اور شاہجہان کے زمانے میں تو حضرت مجددؒ کے خیالات پر پوری طرح عمل نہیں ہوا لیکن اورنگ زیبؒ آپ کی تقریباً تمام خواہشیں پوری کیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر اکبر اپنی کوششیں فقط عام مذہبی رواداری تک محدود رکھتا اور شعائر اسلامی کے راستے میں رکاوٹیں نہ بنتا تو اس کی کوششوں کے خلاف

آپ کو معلوم ہے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور فتح عرب کا پیش خیمہ ہے اور جس روز صلح حدیبیہ تمام و کمال کو پہنچی ہے اسی روز انا فتحنا الایۃ نازل ہوتی ہے جس پر حضرت عمرؓ تعجب کرتے ہوئے استفسار فرماتے ہیں "او فتح ھو یا رسول اللہ"۔ آپس میں اختلاط کا ہونا آنحضرت میں کی اور مسلمانوں کے اخلاق اور ان کی تعلیمات کا معائنہ کرنا، دلوں سے ہٹ اور ضد کا اٹھ جانا یہی امور تھے جنھوں نے[1] اولاد قریش کو بعد صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان بناتے ہوئے مکہ سے مدینہ کو پہنچا دیا۔ حضرت خالد بن ولید، عمرو ابن العاص وغیرہ رضی اللہ عنہم اس طرح حلقہ بگوش اسلام بن گئے کہ قریش کی ہستی فنا ہو گئی۔

الغرض اختلاط باعث عدم تنافر ہے اور وہ اقوام کو اسلام کی طرف لانے والا اور تنافر باعث ضد اور ہٹ اور عدم اطلاع علی المحاسن ہے، اور وہ اسلامی ترقی میں سد راہ ہونے والا اور چونکہ اسلام تبلیغی مذہب ہے اس لیے اس کا فریضہ ہے کہ جس قدر ہو سکے غیر کو اپنے میں ہضم کرے نہ یہ کہ ان کو دور کرے۔ اس لیے اگر ہمسایہ قومیں ہم سے نفرت کریں تو ہم کو انکے ساتھ نفرت نہ کرنا چاہیے،

[1] لخت جگر

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۶) آثار ذہنی نہ ہوتا، اور نہ مجدد صاحبؒ کے خیالات غیر مسلموں کے متعلق وہ ہوتے جس کا اظہار انہوں نے متعدد مکتوبات میں کیا ہے، اور نہ اورنگ زیب بھی وہ پالیسی اختیار کرتا جس پر وہ اپنے عہد حکومت میں کاربند رہا۔

پس جس طرح مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اکبر جب مرنے لگا تو کلمۂ شہادت زبان پر جاری تھا، اور اس کی موت ایک راسخ الاعتقاد مسلمان کی تھی، اسی طرح اکبر کے مذہب کے متعلق اس کے زمانہ ہی میں اختلاف تھا، بدایونی اکبر کے اقرار نامہ میں کہ فلاں بن فلاں بالتمام بطوع و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابراء و تبرا نمودم در دین الٰہی اکبر شاہی در آمدم الخ کو صریحا کفر کہتا ہے، ابو الفضل جو اس مسئلہ پر سب سے زیادہ واقفیت رکھتا تھا، کہتا ہے کہ یہ فقط اسلام کی ایک صورت ہے مجازی و تقلیدی اسلام سے دور لیکن حقیقتہ اسلام سے قریب آج بھی اس مسئلہ پر بحث کی گنجایش ہے

اگر وہ ہم کو نجس اور ملیچھ کہیں تو ہم کو ان کو یہ نہ کہنا چاہیے، اگر وہ ہم سے چھوت چھات کریں، ہم کو ان سے ایسا نہ کرنا چاہیے۔ وہ ہم سے ظالمانہ برتاؤ کریں، ہم کو ان کے ساتھ ظالمانہ غیر منصفانہ برتاؤ نہ کرنا چاہیے۔ اسلام پدر شفیق ہے، اسلام مادر مہربان ہے، اسلام ناصح خیر خواہ ہے، اسلام جالب اقوام ہے، اسلام ہمدرد بنی نوع انسان ہے۔ اس کو غیروں سے جزاءٌ سیئةٍ سیئةٌ مثلها پر کاربند ہونا شایان نہیں، بلکہ اس کی غرض کے لیے سدِ راہ ہے، کفر نے کبھی اسلام سے عدل و انصاف نہیں کیا، اِن یَظْهَرُوْا عَلَیْکُمْ لَا یَرْقُبُوْا فِیْکُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً الخ وغیرہ شاہد عدل ہیں، مگر اسلام نے انصاف، عدل و احسان کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور نہ چھوڑنا مناسب تھا اگرچہ انتقامیہ جذبات بہت کچھ چاہتے تھے، اگر بعض دنیادار بادشاہوں نے کوئی ظلم و ستم کیا ہے تو وہ اس کے ذمہ دار ہیں، اسلام ان کا روادار نہیں۔ اب تفصیلی باتیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) مشرکین بیشک نجس ہیں، مگر علت حکم آیۃ حسب سلیقہ عربیہ کہ مشتق کو محکوم علیہ قرار دینا ماخذ اشتقاق کو علت قرار دیتا ہے۔ لہٰذا علت نجاست شرک ہوگا، جو کہ نجس معنوی ہے۔ اسی بنا پر اگر مشرک کو سات سمندر سے غسل دیا جائے تب بھی بوجہ شرک وہ نجس ہی رہے گا۔ حالانکہ تین مرتبہ غسل سے نجاست ظاہری زائل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور اسلام متفق ہیں کہ مشرک کا سؤر عرق وغیرہ پاک ہے۔ آیت میں مسجد حرام سے صرف خانہ کعبہ یا مسجد مکہ معظمہ مراد نہیں بلکہ تمام حد حرم مراد ہے اس میں مشرکین داخل ہو کر یا قریب آکر تجارت کر سکتے ہیں، اسواق اربعہ میں سے کوئی بھی مجلس مکہ معظمہ بلکہ نفس مکہ معظمہ میں منعقد نہیں ہوتی تھی۔ تو پھر وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً سے کیا مناسبت؟ متنبی کہتا ہے

لا تشتر العبد الا والعصا معه　　ان العبید لانجاس منا کید

---

غلام اگر خریدے تو ساتھ ہی اس کی تادیب و تعلیم کیلیے چھڑی بھی ضروری ہے کیونکہ غلام طبیعت کے ناپاک اور حقیر ہوتے ہیں

ظاہر ہے کہ یہاں بھی مراد وہی نجاست معنوی ہے ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد میں باندھا ، وفود مشرکین کو مسجد میں داخل فرمایا وغیرہ

(۲) کفر ہمیشہ سے ایسا ہی کرتا آیا ہے ، آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام اور اسلاف کے کارنامے یاد کیجئے ، انبیاء علیہم السلام کی تذلیل کفار نے اس سے بدرجہا زائد کی تھی کیا وہ ذلیل ہو گئے

(۳) احکام سیاسیہ ایک حالت نہیں رکھتے ، کبھی زہر ہلاہل دینے کا موقعہ ہوگا تو کبھی شکر کا شربت پیش کرنا ہوگا ، آپ کو محض انتقام کبھی لینا ہوگا اور کبھی شفقت کے ساتھ درگذر کرتے ہوئے اپنی طرف کھینچنا ، آج موقعہ ہے کہ بڑے دشمن سے ترک موالات کیجئے اور اس کو زک دینے کے لیے غیروں کو ساتھ لیجئے ، جیسے یہود بنی حارثہ کو خیبر میں ، صفوان بن امیہ اور دیگر طلقاء مکہ کو حنین میں ، خزاعہ کو حدیبیہ وغیرہ میں ساتھ لیا گیا ، یہی ان کی تذلیلات نے ہی اسلام کو بڑی تقویت پہنچائی ، ادھر مسلمانوں کو ان سے نفرت ہوئی ادھر انکی اقوام کو اسلام کی طرف رغبت ہوئی ، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کروڑوں آدمی تھوڑی سی مدت میں مسلمان ہو گئے ، ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی مردم شماری موجودہ کی تقریباً نصف ہے ، اگرچہ مساوات اور عدالت آپکے خیال کی تائید کرتی ہے ، مگر جاذبہ اسلامیہ تنگدلی کی اجازت نہیں دیتا ، مداراۃ بالاعداء مع البغض الباطنی بالفعل زیادہ ضروری اور مفید ہے ، اور حتی الوسع موالاۃ ممنوعہ سے بچتے رہنا چاہیے ۔

(۴) ضروریات اسلامیہ اور وطنیہ کا لحاظ رکھتے ہوئے الانفع فالانفع پر عمل پیرا ہونا چاہیے ، اور اھون البلیتین کو اختیار کرنا چاہیے ۔

(۵) انگریزوں کے ساتھ معاملہ سیاسی غیر مذہبی نہیں ہے بلکہ مذہبی ہے ، البتہ وہ اکبر الاعداء اور قوی الاعداء اور اضر الاعداء ہیں اور ان کے اسلامیت سے ناامیدی ہے ، ہاں ممکن ہے ایسا نہیں ، اگر وہ انسانی دنیا پر مظالم گذشتہ سے تلافی اور آئندہ کے لیے دست بردار ہو جائیں

تو ترک موالاۃ وغیرہ میں تخفیف ضرور ہو گی، البتہ تا بقاء کفر مصالحت کی بنا پر نہ موالات تامہ ہو گی اور نہ معاودات

(۶) اگرچہ انگریز وہ معاملہ چھوت چھات کا نہیں کرتے مگر اسلام کے بدترین اور اعلیٰ ترین دشمن ہیں بخلاف ہنود۔ یہ ہمارے پڑوسی ہیں اور پڑوسی اگرچہ کافر ہو، پڑوسی پر حق رکھتا ہے، کما ورد فی الحدیث۔ ان کے ساتھ ہمارا خون ملا ہوا ہے، رشتہ اور قرابتداری ہے، یا آبا کے ساتھ یا اجداد کے ذریعہ سے۔ ان کے ساتھ ہندوستان میں ہم کو مجبوراً رہنا اور گذر کرنا ہے۔ بغیر میل جول جس قدر بھی ممکن ہو ہندوستان میں گذر کرنا عادتاً مستحیل ہے، اس لیے ضروریات زندگیہ اس طرف تخفیف ضرور پیدا کرینگی، انگریزوں سے ہم کو نہ یہ تعلقات ہیں نہ مجبوریت۔

(۷) جائز بلکہ مستحسن ہے۔

(۸) یہ بھی جائز بلکہ باعث ثواب ہے۔

نئے تعلیم یافتہ اس چھوت چھات میں نہ صرف قومیت متفقہ کا ضرر سمجھتے ہیں بلکہ اپنی مذہبیت کا بھی شیرازہ بکھرتا ہوا پاتے ہیں، اور انسانی اخوت کے خلاف پاتے ہوئے ازالہ کی کوشش کر رہے ہیں، اور اپنی سیاسی زندگی کے لیے وبالِ جان جانتے ہیں، گاندھی جی خود اس کے ازالہ میں کوشاں ہیں، مگر جو مرض قرنہا قرن سے آ رہا ہے وہ اسقدر جلد کس طرح دور ہو جائے، تجربہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ چھوت چھات ہندو قوم کو روز افزوں کمی کی طرف ڈھکیل رہا ہے، اور اسلام باوجود ہر طرح کی کمزوریوں کے ترقی پا رہا ہے، پس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے، قلت وقت کی بنا پر چند مرتبہ ریل میں مضمون کو پورا کیا ہے، معاف فرمایئے گا۔ والسلام

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہٗ

۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

## مکتوب نمبر ۶۵

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ والا نامہ مشتمل بعض شبہات وارد ہوا تھا، جس کے جواب میں ایک مفصل عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، نہ معلوم ملاحظہ نظر فیض سے گذرا یا نہیں، اور اس کے بعد رائے عالی میں قابلِ قبولیت معلوم ہوا یا نہیں، مسائل میں اعتقاد کو جگہ نہ دینی چاہیے، بلکہ حتی الوسع اطمینان حاصل کرنا چاہیے۔ اگرچہ تحریری میدان تنگ ہے اور بالخصوص ہم جیسے قصیر الباع، قلیل الفراغ، راحت طلب اشخاص سے ..... والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ از دیوبند ۱۲ ربیع الثانی سنہ ۵۸ھ

## مکتوب نمبر ۶۶

حبس[۱] دم نہایت مفید عمل ہے، ایسے وقت میں جبکہ معدہ بھرا ہوا نہ ہو اور نہ اسقدر گرسنگی ہو

(حاشیہ مکتوب نمبر ۶۵) جامد مقلدین اور تنگ نظر مولویوں نے مسائل دینی اور تصوف اسلام کے بارے میں یہ حکم دے رکھا ہے کہ بس وہی درست اور حق ہے جو اپنے استاد یا شیخ طریقت نے بتا دیا اور لکھ دیا ہے، اس زک تمام نے اگر ایک طرف تحقیق و اطمینان سے محروم کر دیا تو دوسری جانب "اربابا من دون اللہ" کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیدیا گیا جو کسی طرح اسکے اہل نہ تھے؛ اس جمود اور تعطل بلکہ شخصیت پرستی نے لوگوں کو بھول بھلیاں میں ڈالدیا اور تحقیق کا میدان تنگ کر دیا، صدر اول میں صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین باوجود غیر معمولی عقیدت اور دلی محبت کے مسائل میں اختلاف کرتے ہیں اور ہرگز اعتقاد کو دخل نہیں دیتے تھے، حضرت امام العصر دامت برکاتہم فی الحقیقت اسلاف کرام کی جیتی جاگتی تصویر ہیں، غیر ممکن تھا کہ آپ متاخرین کی سطحی رائے سے اتفاق فرماتے بلکہ صاف صاف فرما دیا کہ مسائل میں اعتقاد کو جگہ نہ دینی چاہیے بلکہ حتی الوسع اطمینان حاصل کرنا چاہیے۔ ناشر

[۱] صوفیہ کرام نے بہت سی چیزیں تدبیر کے طور پر اختیار کر لی ہیں ان میں سے ایک حبس دم بھی ہے جو مقصود نہیں۔ (بانی ص ۱۶۲ پر)

جو کہ بیقرار کردے۔ معتدل جگہ مین جہان پر نہ زیادہ سردی ہے اور نہ زیادہ گرمی، با وضو چار زانو قبلہ رو بیٹھیں، اور آہستگی سے سانس ناف سے کھینچکر دل پر روک لین، زبان اس وقت مین تالو سے لگی ہوئی غیر متحرک ہو، اور خیال سے لفظ لا الہ بائین زانون سے نکال کر دائین زانون پر گذراتے ہوئے دائے مونڈھے پر ختم کر دین، اور پھر الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائیں۔ اس سب کارروائی مین سر کو حرکت دیتے رہیں یعنی زانوئے چپ سے زانوئے راست پر گذرتا ہوا دائین مونڈھے تک پہنچے اور پھر قلب پر ضرب الا اللہ کی حرکت ہو۔ ہر ایک سانس مین تین مرتبہ ذکر ہو، اس کے بعد آہستہ سے سانس باہر نکالدین، پھر دوسرے سانس مین اسی طرح کریں۔ اس طرز پر دس سانس پہلے روز کرین، دوسرے دن دس اور بڑھائیں، یہانتک کہ سو سانس تک نوبت آجائے، اس کے بعد ہر سانس مین ایک ایک عدد روزانہ زیادہ کرتے رہین۔ یہانتک کہ ہر سانس مین اکیسو اکیس[121] تک ذکر کرنے لگین، اگر ابتدا مین روزانہ اس دس سانس بڑھانے مین دقت ہو تو ایک ایک سانس بڑھائین، مگر ہر سانس مین کم از کم تین مرتبہ ذکر سے شروع کریں اور ہر روز ایک ایک ذکر زیادہ کرین۔ اس مین حرارت زیادہ پیدا ہوگی۔ ذکر کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک سرد پانی یا سرد غذا کو استعمال نہ کرین۔ اس حبس دم سے بہت زیادہ فوائد حاصل ہون گے، مگر مداومت شرط ہے۔ خطرات فاسدہ اور وساوس کاسدہ کے لیے اکسیر ہے۔ مگر اہل تصوف اسلام اس کو اکیسو اکیس مرتبہ ذکر کی مقدار سے زاید کرنا مناسب نہین سمجھتے۔ جوگیون کے یہان اسکی اسقدر مشق کیجاتی ہے کہ کئی کئی مہینہ اور کئی کئی دن ایک ایک سانس مین گذارتے ہین، اللہ کا نام لیکر شروع کیجئے، وہ مدد فرمائے گا۔ اگر اس پر بھی سمجھ مین نہ آوے تو مولانا سراج احمد صاحب گنگوہی، محلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۱) حضرات نقشبندیہ حبس دم کو مانتے ہین اور حبس دم سے حبس غیر مفرط مراد لیتے ہین نہ کہ حصر نفس ایسی صورت مین جوگیون کے حبس دم اور ان بزرگون کے حبس دم مین نمایاں فرق ہو جاتا ہے۔ اور اس فرق نہ کرنے کی بنا پر بہت سے شکوک پیدا ہوتے ہین۔ معاذ اللہ یہ حضرات اور جوگیوں کے طریقہ کے محتاج! معاذ اللہ

ناپسلی حیدر آباد موجود ہیں، ان سے سمجھ لیجئے۔ وہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے خادم ہیں۔ میں نے اس قدر واضح کر دیا ہے کہ غالباً سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

ممبروں کی پوری جماعت نہیں آئی تھی مگر آرا آئیں تھیں، حاضرین کی پارٹیاں اگرچہ ایک ہی خیال نہ رکھتی تھیں مگر آخر میں سب اس امر پر متفق ہوگئیں کہ ہم مولانا تھانوی کے ان ہی اختیارات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں جو ۱۳۴۵ھ میں مولانا نے تجویز فرمائے تھے، اور جنھیں محرم ۱۳۴۹ھ میں مولانا نے ترمیم بھی کی تھی۔ الغرض وہ اختیارات مع ترمیم کے تسلیم کرتے ہیں۔ بشرطیکہ مولانا خود جلسہ میں شرکت فرمایا کریں، مگر شرط کے لفظ کو حامیین نے صراحۃً لکھنا پسند نہیں کیا، اس لیے یہ لکھا گیا تھا کہ ہم فلاں فلاں دفعہ کو مع ترمیم قبول کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ مولانا خود شرکت جلسہ فرمایا کریں، مولانا نے خوشی سے اس کو قبول فرمالیا، اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ سرپرست کو متفق علیہ تجویز میں کوئی اختیار مداخلت نہیں، مختلف فیہ میں اختیار مداخلت ہے جس جانب کو چاہیں ترجیح دیدیں، خواہ اکثریت کو یا اقلیت کو بشرطیکہ ان کو کسی جانب میں شرح صدر ہوجائے، ورنہ اکثریت ہی کو ترجیح ہوگی، مولانا مناظر احسن صاحب جبکہ دار العلوم کے ممبروں کی فہرست میں داخل ہونا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں اور اس کے لیے سال میں ایک دفعہ سفر کرنا اثقل من الجبال خیال فرماتے ہیں تو پھر کیوں اس مسئلہ کے دریافت فرمانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں، ان کی خدمت میں میرا مودبانہ سلام عرض کر دیں۔ مولانا عبد الحلیم صاحب ڈکیتی خاص گرفتار ہوگئے، بعد ازاں قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند۔ وعلی اللہ التکلان۔ والسلام۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، از دیوبند۔

## مکتوب نمبر ۶۷

آپ کے والا نامہ کے متعلق یہ عرض ہے کہ یقیناً قلبی اور روحی حالت درست ہونی چاہیے،

فلسفہ خواہ یونانی ہو یا یورپی اس حالت میں تنفر پیدا کرتا ہے، جو شرعی اور آسمانی تعلیمات سے ہونی چاہیئے

پائے استدلالیان چوبین بود پائے چوبین سخت بے تمکین بود
گر باستدلال کار دین بودے فخر رازی راز دار دین بودے
علم منقولات گندہ می کند علم منقولات بندہ می کند
علم منقولات علم انبیا علم معقولات علم اشقیا الخ

ان فلاسفہ کے کچرا اور پوچ خیالات وَفَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ کے ماتحت ہیں جو علوم الٰہیہ سے کہیں بھی مناسبت نہ رکھنے کی بنا پر مبغوض ہیں، اس لیے قلب پر ضرور گندگی اور نجاست پیدا کرتے ہیں، اور صفاء روح میں حاجز ہیں، قرن اول اس سے بالکل مطہر نظر آتا ہے، لہٰذا حتی الوسع اس سے اشتغال میں کمی ہونی چاہیے، تاہم اس نجاست کے زائل کرنے کے لئے اگر اس میں اشتغال ہو تو جس طرح کھاد سے گل و ریحان پیدا ہو جاتے ہیں، ممکن ہے یہ بھی کسی مفید نتیجہ تک پہنچا دے۔ بہرحال بالفعل اس میں گندگی ضرور ہے۔ دو ضرورتیں اس پر مجبور کر رہی ہیں، نو عمروں اور غیر تجربہ کاروں کی اصلاح، دوسرے ملازمت اور ضرورت معاش اس لیے پوری کوشش ہونی چاہیے کہ اس کے ضرر سے بھی بچیں اور آگے کو صفائی اور تنویر میں بھی فرق نہ آئے، بنابریں جلاء قلب یعنی ذکر کی کثرت اور استغفار کی مداومت بہت زیادہ ضروری ہے، جو خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں بحمداللہ آپ خود ان کو گندہ سمجھکر دفع کرتے رہتے ہیں اسی قسم کے واقعات کو صحابہ نے عرض کیا تھا، جس کو آنحضرت علیہ السلام نے عین الایمان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجیے اور ذکر و فکر میں لگے رہیے۔ عاقبت ازیں بیابانی کام را۔ آپ دیوبند کتبخانہ قاسمیہ سے مجموعہ شجرات منگا لیجئے، اور اس میں سے حضرت نانوتوی رح کا شجرہ فارسیہ جس کی ابتدا الٰہی غرق دریائے گناہم سے ہوتی ہے، اس کو کم از کم ایک مرتبہ

دن میں دعائے نور ضرور پڑھ لیا کیجئے۔

دوسرے امر کی نسبت آپ کو وہ حدیث شریف یاد دلاتا ہوں جس میں فرمایا گیا ہے

| | |
|---|---|
| ان المرأة خلقت من ضلع | بیشک عورت (آدم کی) بائیں پسلی سے پیدا |
| الیسر وان اعوج شیٔ من الضلع | ہوئی ہے، اور بہت ٹیڑھی چیز پسلی میں |
| اعلاہ (الحدیث) | اوپر کی پسلی ہے، |

یہ صنف ہی طبعی طور پر اعوج ہے اور چونکہ اعالی ضلع سے پیدا ہوئی ہے، اس لیے اس میں اعوجاج بھی زیادہ تر ہے، اب دو صورتوں میں سے ایک اختیار کرنی ضروری ہے، یا تو پوری طرح اس کو سیدھا کیا جائے تب تو توڑنا پڑجائیگا، جو کہ بہت سی دینی اور دنیوی مصالح کے خلاف ہے یا اسی اعوجاج کے ساتھ ساتھ منافع دینی اور دنیوی کو حاصل کرلیا جائے، اور اس اعوجاج پر صبر کیا جائے، آنحضرت علیہ السلام دوسری شق کا ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر عورتیں اعوجاج سے پاک ہوتیں تو ازواجِ مطہرات ہوتیں، لہذا استقامتِ کاملہ کو تلاش کرنا اور بالخصوص نوعمر، ناتجربہ کار لڑکی میں، اور وہ بھی دیہات کی رہنے والی میں بہت زیادہ بے موقع بات ہے، شہروں کی لڑکیوں میں بہت سی باتیں حسب طبع پائیں گے، مگر ان میں دوسری خرابیاں اتنی اور ایسی ہیں جن کے سامنے موجودہ خرابی کی کوئی وقعت نہیں، آخر کار کانپور کے متعلق آپ کو کچھ انکشافات ہوئے ہی تھے، اور پھر یہ لڑکی بالکل مستقیم ہوتی تو آپ کے نفس کی اصلاح کس طرح ہو سکتی۔ آپ اپنے نفس کو جنیدؒ و شبلیؒ کا نفس سمجھتے ہوں گے، حالانکہ ان کا نفس بھی نفس ہی تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو فرماتے ہیں وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ۔ ایسے ظلوم وجہول کو جب ہر وقت چونکے اور نیز چونکے نہ پڑیں گے، کب درست ہو سکے گا۔

خدا کا شکر کیجئے کہ آپ کی اصلاح کا اللہ تعالیٰ نے سامان کیا ہے۔ جس میں آپ کو ایک گونہ مجبوری ہے، ملازم اگر خلاف طبع کام کرتا، کان پکڑ کر نکال دیا جاتا، مگر یہاں نہ نکال سکتے ہیں اور نہ جوتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ علیحدہ رکھکر اگرچہ بغیر طلاق ہو زندگی بسر کرنا سخت نامردی اور جبن ہے اور اصلاح نفس سے بہت دور کرنے والا ہے، یہ بہت عمدہ ذریعہ آپ کی درستی کا ہے، تحمل کیجئے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل کو سامنے رکھیے، یہاں تو شرارت کا مادہ نہیں ہے، وہاں فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا ہے، وہاں تو عورتیں سوت موجود ہیں، یہاں ایک ہی بیچاری ہے ؎

بھونرا بولے پھول کا کلی کلی رس لے　　　کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیو دے

ساتھ رکھیے اور بوجھ اٹھائیے اور صبر کیجئے اور کڑوے سے کڑوے گھونٹ پیجئے اور اس کو نعمت سمجھیے، یہاں حوروں کے ملنے کا امکان نہیں ہے، ان کے لیے یہ ذریعہ ہے والدہ ماجدہ درست کرتی رہیں گی اور انشاء اللہ آہستہ آہستہ درستی آتی جائے گی، اللہ تعالیٰ سے تنہائی میں اس کی اصلاح کی بھی دعا کیجئے،

| | |
|---|---|
| وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ | اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر |
| كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا | وہ تم کو نہ بھاویں تو شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز |
| وَيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا الآیۃ | اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی |

اس میں انشاء اللہ خیر و برکت ہے۔ ان کے حقوق مضاجعت وغیرہ میں بھی کمی نہ کیجئے۔ اگر غصہ کی وجہ سے ناگوار امور پر جلنا بھننا بھی پڑے تو ازواج مطہرات نے بھی آنحضرت علیہ السلام کو اس قدر ستایا تھا کہ دو دو تین تین دن تک غصہ کی بنا پر بات نہیں کرتے تھے، نہ آپ کا نفس نفوس نبویہ سے پاک تر ہے کہ اس کے اصلاح کی ضرورت نہ ہو، اور نہ آپ کے لیے ازواج نبویہ

سے بالاتر عورت ڈھونڈھی جا سکتی ہے، صبر نہیں بلکہ شکر کا موقعہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ۔ از نئی سڑک سلہٹ

# مکتوب نمبر ۶۷

والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، آپ کے محبت و عنایت آمیز الفاظ متجاوز ہیں، میں ایک نالائق اور عاجز شخص ہوں، اپنی حالتوں پر نہایت افسوس کناں اور نادم ہوں، مگر اپنی محرومی پر افسوس کرنے سے بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے، تو نجات اور کامیابی کی امید ہو سکتی ہے،

الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ[1]

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتان پیشانیم چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

محترما! ہم ہر چند قصور وار اور کم ہمت ہوں، سراپا خطا و تقصیرات ہوں، مگر جس طرح ہم کو غرور اور امن سے

اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ — کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے

اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ — اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔

یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ — اے آدمی کس چیز سے بہکا تو اپنے رب کریم پر

وغیرہ فرما کر روکا گیا ہے، اسی طرح قنوط اور یاس سے بھی سختی سے روکا گیا ہے، لَا تَیْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اور لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو) ارشاد ہے

ایمن مشو کہ مرکب مردان مرد را در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

---

[1] آنحضرت صلعم کا ارشاد جس کا مفہوم یہ کہ عمل پر نازاں نہ ہونا چاہیے، اگر اسکی رحمت شامل حال نہ ہوئی تو نجات کا معاملہ بڑا اہم ہو جاتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں لیلے۔

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ خوار ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

جس قدر بھی ممکن ہو ذکر و فکر اور توجہ الی اللہ کو عمل میں لاتے رہیے ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔ من نکردم شما حذر بکنید۔

مہربانی فرما کر بعد ملاحظہ عریضہ ہذا ایک مکمل نسخہ معاشیات ہند کا بذریعہ ڈاک رجسٹری کر کے ارسال فرما دیں سخت ضرورت ہے۔ اگر بری صاحب نے معاشیات یا سیاسیات کے متعلق علم المعیشت کے علاوہ اور کوئی کتاب لکھی ہو تو اس کو بھی ارسال فرما دیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۳ ار رجب ۱۳۵۶ھ

## مکتوب نمبر ۶۸

جو بنک ریاست اسلامیہ کے ہیں ان سے سود لینا سمجھ میں نہیں آتا، اگر بعض نصوص شامی وغیرہ کے بنا ء رہے ہیں کہ دار الحرب[1] میں رہنے والے مسلمانوں سے بھی دار الاسلام کے مسلمان

---

[1] اس والانامہ میں ایک فقہی اور اصطلاحی لفظ دار الحرب کا آگیا ہے جس کو کسی قدر ہم واضح کرنا چاہتے ہیں، پوری بحث فقہ کی مبسوط کتابوں میں اختلاف دار وغیرہ کے تحت دیکھنی چاہیے۔

(۱) دار الاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمان بادشاہ کا حکم نافذ ہو اور ملکی انتظام قوانین شرعیہ پر ہونا ضروری ٹھہرایا گیا ہو، باقی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مسلمان بادشاہ کسی غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت نہ ہو، بلکہ ایسی صورت میں بھی وہ ملک دار الاسلام ہو سکتا ہے کہ قوانین ملکی تو مسلمان بادشاہ اپنے اختیار و تصرف سے حسب ارشاد شریعت مطہرہ مقرر کر لیں لیکن اس ملک کا مالیہ کسی دوسری غیر مسلم سلطنت کے آگے ادا کرتا ہو جیسے کہ پانچویں صدی ہجری میں معتمد ابن عباد کے عہد میں قرطبہ و اشبیلیہ کا حال تھا کہ معتمد ذونش قرہ کندہ بادشاہ اندلس کے آگے مالیہ دیتا تھا، مگر اس کے شہروں میں اسلامی قوانین نافذ تھے۔ اس کے خلاف جو ملک ہو وہ دار الحرب ہے۔ پس دار حرب

(باقی ص ۱۶۹ پر)

کو سود لینے کی اجازت ہے، جو بینک مشترکہ مسلم اور غیر مسلم کے ہیں ان کا حکم حربیوں کے بنک کا نہیں ہو سکتا۔ ان میں یقیناً مسلمانوں سے سود لینا پڑیگا۔ معلوم نہیں آپکے یہاں تعطیل کب ہوگی۔

والسلام۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۸) کی دو قسمیں ہیں، دار الامن اور دار القرار۔ دار الامن وہ ہے کہ جسمیں مسلمان بادشاہ اور اسلامی قوانین نہیں ہیں لیکن مسلمان وہاں عبادت میں آزاد ہیں جیسے ہندوستان یا صلح حدیبیہ کے بعد مکہ معظمہ.......

.............. دار القرار: وہ جس جگہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ ہو، جیسے سکھوں کے عہد میں پنجاب یا صلح حدیبیہ سے پہلے مکہ مکرمہ۔ خلاصہ یہ کہ دار الحرب کے اقسام میں سے دار الامن ہے جسکو دار الاسلام بھی کہہ سکتے ہیں، اسکے مسلمان باشندے چونکہ فرائض مذہبی میں آزاد ہیں اسلیے انکو اس ملک میں رہکر اور رعیت کہلا کر حکومت سے خیانت، غدر، فساد کرنا حرام ہے، قرآن کریم اور احادیث و فقہ میں انکی حرمت صریحاً موجود ہے، اور ان مسلمانوں کو اس ملک سے ہجرت بھی ضروری نہیں ہے، شیخ ابن حجر فتح الباری میں لا ھجرۃ بعد الفتح کی شرح میں لکھتے ہیں

ثم اعلم ان من یقدر علی الھجرۃ من دار الحرب ولا علیہ اظہار دینہ بھا داداء واجباتہ فالھجرۃ منھا واجبۃ علیہ وما من ھو قادر ولکنہ یمکنہ اظہار دینہ واداء واجباتہ فمستحبۃ

(ترجمہ) جس دار الحرب سے ہجرت کرنے پر آدمی قادر ہو اور وہاں فرائض مذہبی آزادی سے ادا نہ کر سکتا ہو تو وہاں سے ہجرت فرض ہے، اور اگر آدمی کو دار الحرب سے ہجرت کرنے پر قدرت تو ہے لیکن وہاں فرائض مذہبی ادا کر سکتا ہے تو ہجرت ضروری نہیں ہے صرف بہتر ہے، ارشاد الساری میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ جس دار الحرب میں اظہار دین ہو سکتا ہے وہاں عالم کا اس لیے رہنا بہتر ہے کہ غیر مسلموں کو بھی ہدایت کر سکے اور اسلام کے برکات کا اظہار کرنے پر قادر ہو۔ باقی رہی سنن نسائی کی حدیث انا بری من مسلم مقیم بین المشرکین (او کما قال صلعم) علامہ ابن حجر فتح الباری میں اس روایت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں وھذا محمول علی من لم یامن علی دینہ۔ یعنی نسائی کی حدیث کہ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں میں مقیم ہو۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ یہ اس شخص کے حق میں ہے جو دین میں محفوظ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر مظہری ص ۱۸۱

(باقی ص ۱۷۰ پر)

# مکتوب نمبر ۶۹

پاس انفاس میں تو جہر ہوتا ہی نہیں۔ اس سے دماغ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ البتہ بارہ تسبیح میں جہر ہوتا ہے جس میں پورا کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ) دو سو مرتبہ (الا اللہ) چار سو مرتبہ (اللہ اللہ) چھ سو مرتبہ اور (اللہ) ایک سو مرتبہ ہے۔ اگرچہ یہ مقدار تیرہ سو ہوتی ہے، مگر آخری تسبیح ضروری نہیں تکمیل ہے یہ جہر عنیف نہیں ہے بلکہ ادنیٰ جہر (ان یسمع غیرک) کافی ہے۔ اس میں مقدار سے دماغ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا اور اعتیاد کے بعد تو بالکل مضمحل ہو جاتا ہے، ہاں اس میں ضرب علی القلب ضروری ہے، جو کہ مقامات علامات (-) پر ہونا چاہیے، سو وہ بھی بہت زور سے ضروری نہیں ہے، مجھکو یاد نہیں پڑتا کہ صرف کلمہ طیبہ کے ذکر کو کہا ہو۔ بہر حال بارہ تسبیح اور پاس انفاس پر اکتفا فرمائیں اور بعد از فجر جو ذکر کلمہ طیبہ کرتے ہیں، اس وقت کو بھی پاس انفاس میں ہی صرف فرمائیں۔ پاس انفاس میں زبان اور ہونٹھ کو حرکت نہ ہونی چاہیے۔ نہ آواز جہر پیدا ہونا چاہیے۔ اندر جانے والے سانس میں لفظ اللہ اور باہر نکلنے والے سانس میں لفظ ھو پیدا ہونا چاہیے۔ اور ھو الظاھر والباطن کا تصور قائم کرنا چاہیے۔ اس کو علاوہ وقت مقررہ کے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے حتیٰ کہ پاخانہ اور پیشاب کرتے ہوئے بھی جاری کرنا چاہیے۔ تاآنکہ طبیعت ثانیہ بن جائے اور بلا اختیار و بلا ارادہ ہونے لگے۔ الحمد للہ کہ اب آپ کی طبیعت صحت پر آئی ہوئی ہے، اس سے استفادہ کیجئے۔ مشائخ سلسلہ کے لیے ایصال ثواب کرنے کے بعد یہ دعا ہونی چاہیے۔ اللھم بجاھھم طھر قلبی عما سواک ونورہ بانوار معرفتک وعشقک ومحبتک اگر محبت خداوندی میں آپ کو ہجوم ان خطرات کا ہوتا ہے جن کو آپ ذکر فرما رہے ہیں تو اولاً تو یہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۹) رہ گئی یہ بات کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں سے دار الاسلام کے مسلمانوں کو سود لینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اسی جلد میں دوسری جگہ حضرت امام العصر کی تحقیق درج ہے۔

خطرہ آیات ونصوص کے مخالف ہے۔ "یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ"۔ "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ"
وغیرہ آیات ونصوص پر غور فرمانے سے اگر اپنی بے مائگی اور درماندگی پیش نظر ہے تو اگرچہ یہ خیال بہت عمدہ
اور اعلیٰ ہے تاہم یہ چیز نوع بنی آدم اور حجابہ افراد مین ہے جس طرح افضال خداوندی نے کروڑوں
اور اربوں نفوس انسانیہ کو محض اپنے کرم اور جود سے بارگاہ قدس ومحبت مین جگہ دی ہے اور دیتا
رہتا ہے باوجودیکہ وہ بھی اپنے والدین کے منی اور حیض ہی سے پیدا ہوئے تھے اور باوجودیکہ وہ بھی
پائخانہ اور پیشاب وغیرہ کی نجاستون سے ملوث تھے۔ اسی طرح وہ کریم کارساز ہم کو بھی ان گندگیون
کے ہوتے ہوئے پاک وصاف فرماکر نعمہائے قرب ومعیت سے نوازے۔ آمین

ایسے ہی استفادہ پر آیت "خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" روشنی ڈالتی ہے۔ اسم خداوندی کا ذکر کرنا
ایسی زبان سے جوکہ منی اور حیض کے خون اور علق سے بنی ہے زیادہ مستبعد ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب　　　ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

جس طرح یہ اجازت ذکر عظیم الشان انعام ہے اسی طرح خداوند قدوس کا اپنے کسی بندہ
انسانی سے محبت فرمانا اور اپنے قرب ومعیت اور محبت ورافت سے نوازنا انتہائی انعام وکرم
ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"۔ "اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"۔ "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا
بَنِيْٓ اٰدَمَ" الآیۃ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" بہرحال غور فرمایئے تو بے تعداد
انعامات خداوندی اس خاکی انسان پر فرمائے گئے ہین ؎

نظر کردن بسکینان منافی جلالت نیست　　　سلیمان باچنین حشمت نظر باسوئے موران کرد

جد وجہد جس قدر ممکن ہو جاری رکھیے اور مایوس مت ہو جئے۔ "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" "وَلَا تَيْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ" (الآیہ) اگر بالفرض یہ وہم غالب ہی آنا ہے
تو دعا مین صرف دنیوی وہ باتون سے معرفت پر اکتفا فرمایئے۔ دعا مین ابتہال وتضرع کیساتھ مانگا کیجیے

اور یہ نہ کہیے کہ قبول نہیں ہوئیں۔ اول تو وظیفہ عبودیت ہی کے خلاف ہے، عبد کا کام مانگنا تضرع
وزاری عمل میں لانا، الحاح کرنا ہے ع بشنود یا نشنود من گفتگوے میکنم
دوم یہ کہ ارشاد ہے "یستجاب لاحدکم مالم یقل دعوت لھم یستجب لی[۵۱] (او کما قال)
سوم یہ کہ اجابت دعا کا اثر یہی نہیں کہ ہم جو مانگتے ہیں بعینہٖ وہی چیز حاصل ہو۔ حکیم و رحیم بمقتضائے حکمت
و رحمت جو بھی ہمارے بہبودی کی چیز عطا فرمائے، اجابت دعا ہی میں سے ہوگا۔
معاصی میں کمی اور صدور گناہ سے پر شرمندگی اور نفس کو ملامت علامات کمال ایمانی میں سے
ہے۔ اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئاتک فقد استکملت الایمان[۵۲] الحدیث
(او کما قال) بہرحال اس پر اور حصول قوالب اعمال صالحہ پر شکرگذار رہیے۔ لئن شکرتم لازیدنکم
نزول کے بعد ہی نفخ روح ہوتا ہے، جد و جہد ان شاء اللہ وہاں تک بھی پہنچا سکے گی۔ دعا کرتا ہوں۔
معاشی جد و جہد میں اقتصاد اور توسط کا لحاظ رکھیے، کیا عجب ہے کہ جو خطرات مستقبل میں
آپ کے خیالات میں درپیش ہیں ان کا بہترین حل قدرت ظاہر کردے۔ والسلام

دعاگوے ندیم: ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، از خلوتخانہ
۲ شعبان سنہ ۱۳۶۲ ھجری

## مکتوب نمبر ۷۰

آپ کا ذکر پر مداومت کرنا باعث شکر ہے۔ خواہ جی لگے حضور قلب ہو یا نہ ہو۔ انا مع
العبد ما تحرکت بی شفتاہ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں، اگر قلب ذاکر نہیں ہے تو جسم اور

[۵۱] آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تمہاری دعائیں قبول کی جاتی ہیں جب تک کہ گناہ کی دعا یا قرابت کے توڑنے کی دعا وغیرہ کرو۔ نہ دعا کی اور قبول نہیں ہوئی۔
[۵۲] آنحضرت صلعم کے ارشاد کا منشا یہ کہ جب تجھکو بھلائی اچھی معلوم ہو اور برائی گناہ نظر آئے تو ایسی صورت میں ایمان پورا ہوگیا۔

زبان تو ذاکر ہے، اگرچہ یہ ذکر لسانی ذکر قلبی کے سامنے نہایت کمزور نسبت رکھتا ہو جیسے کہ ذکر قلبی ذکر روحی[1] کے سامنے نہایت کمزور نسبت رکھتا ہے "ذکر اللسان لقلقة وذکر القلب وسوسة" قول سلف ہے۔ مگر تاہم اس ذکر لسانی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے، بسا غنیمت ہے، اور بہت سے اشخاص اس سے بھی محروم ہیں، ثمرہ سے خالی نہیں، اگرچہ ضروری ہے کہ حتی الوسع کوشش کیجائے کہ حضور قلب ہو، سیلاب میں دریا کا پانی بہتا ہے اور اس پر جھاگ اور کوڑا کرکٹ ہوتا ہے، تاہم پانی اپنے فوائد زمینوں اور کاشت کے رقبوں، حیوانات وغیرہ کو پہنچاتا ہی ہے، خدا کی اس نعمت کا کفران نہ ہونا چاہیے، اور ازدیاد کی فکر کرنی چاہیے، میں بذات خود نہایت نالائق ہوں مجھکو خود ان مشائخ کرام اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرنے میں شرم آتی ہے جنکا میں متوسل ہوں۔ اور یہی واقعی وجہ ہے کہ میں اپنے نام کے ساتھ صحیح طور پر ننگ اسلاف لکھتا ہوں۔ اگر فضل وکرم خداوندی شامل حال نہ ہوا تو مجھکو اپنی خلاصی سے ناامیدی ہے ؎

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم　　چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

"ما انا علیك عن الحق فهو طاغوتك" قول حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ان ہی نالائقیوں میں سے میری انتہائی ہمرتبگیاں ہیں ؎

از نکتہ منقصود نشد فہم حدیثے　　لا دین ولا دنیا بیکار بماندیم

[1] معلوم ہونا چاہیے کہ ذکر کی چند قسمیں ہیں، ذکر ناسوتی لا الہ الا اللہ و ذکر ملکوتی صرف الا اللہ و ذکر جبروتی اسم ذات یعنی اللہ اللہ و ذکر لاہوتی ھُو ھُو۔ ہذا زبان سے ذکر کرنیکا نام ناسوتی اور دل کے ذکر کا نام ملکوتی اور روح کے ذکر کا نام جبروتی اور سر کے ذکر کا نام لاہوتی۔ اور بھی دوسرے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً ذکر زبان کو ذکر حسی اور فکر کو ذکر نفسی مراقبہ کو ذکر دلی اور مشاہدہ کو ذکر روحی اور اسی طرح ذکر سری کہتے ہیں، ترتیب مذکورہ کے لحاظ سے مدارج میں بھی فرق ہی ہے، جیسا کہ جناب حضرت امام العصر نے ارشاد فرمایا ہے

صاحب تصنیفات کذاب قول مشہور ہے، یہ بھی بڑی وجہ ان میں سے تھی جن کی بنا پر میں نے بیعت میں پس و پیش کیا تھا، میں اب بھی بخوشی عرض کرتا ہوں کہ جس شخص کو آپ قابل پائیں اس کی طرف متوجہ ہو جائیں نہ صرف آپ کو بلکہ اپنے تمام دوستوں کو میرا مشورہ یہی ہے، یہ میرا مقولہ کسی خفگی یا طعنہ وغیرہ کی بنا پر نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے، من آنم کہ من دانم۔

آپ کو دیوبند میں یا سلہٹ میں میرے ساتھ رہنے کا اختیار ہے، مگر ہر حالت میں محنت کرنے کی ضرورت ہے اگر فضل الٰہی شامل حال ہے تو ہر جگہ کامیابی ہو سکتی ہے ورنہ ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی است

بہرحال فضائل رفاقت اور تاثیر صحبت کا عالم اسباب میں انکار نہیں کیا جا سکتا، صحبۃ الشیخ ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ اور الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ مشہور مقولہ ہے، مگر یہ اُن کمل اور افاضل کے متعلق ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات اور مکارم سے مالامال فرمایا تھا، ہم جیسے مٹھو بچے بجز بدنام کنندہ نکونامے چند کے اور کس قابل ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۔ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

## مکتوب نمبر ۱۷

آپ کا والا نامہ جس کو آپ نے مولانا اعزاز علی صاحب کو لکھا تھا مجھکو کراچی ہی میں ملا تھا، انھوں نے اس کو ملفوف کر کے بعینہٖ بھیجدیا تھا، مگر وہ ایسے وقت میں ملا جبکہ میں جواب نہیں لکھ سکتا تھا، مگر اس سے پہلے میں ایک عریضہ مفصلاً آپ کو لکھ چکا تھا جس پر قدیمی پتہ تو پک ساتھ کا تحریر تھا، آپکے والا نامہ سے

---

۱؎ صحبت شیخ پر ہم اور جگہ مفصل لکھ آئے ہیں یہاں عربی کے مشہور قول کہ شیخ کی صحبت میں ایک گھنٹہ رہنا ساٹھ سال کی عبادت کے برابر ہے اور شیخ کی مثال اپنی قوم کے اندر ایسی ہی جس طرح نبی اپنی امت میں ہوتا ہے۔ آخری قول کے مصداق گھر کے بڑے لوگ بھی ہیں۔

معلوم ہوا کہ آپ نے وہ جگہ بدل دی ہے، نہ معلوم وہ ملا یا نہیں، اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچنے پر آپ کا وہ والا نامہ ملا جس کو آپ نے مستقل طور پر مدینہ منورہ روانہ فرمایا تھا، چونکہ بیرونی ڈاک کا انتظام سنسر کی وجہ سے متغیر ہو گیا ہے اور ہوائی ڈاک بھی بہت دیر میں پہنچنے لگی ہے اس لیے میں نے مدینہ منورہ سے جواب نہیں لکھا، اور یہ ارادہ کیا کہ ہندوستان پہنچ کر عرض کروں گا۔ میرے اور آپ کے حسب حال یہ قدیمی اشعار ہیں جن کو میں نے اپنے اس عریضہ میں پیشانی پر لکھا تھا جس کو کراچی سے بھیجا تھا ؎

سأشكر عمرواً ان تراخت منيتي　　ايادي لم تمنن وان هي جلّت[1]

فتى غير محجوب الغنى عن صديقه　　ولا مظهر الشكوى اذا النعل زلّت[2]

رأى خلّتي من حيث يخفى مكانها　　فكانت قذى عينيه حتى تجلّت[3]

میرے محترم! آپ ان نقود کے ارسال پر خفگی کا اظہار فرماتے ہیں اور اس ہبہ کو اپنی نالائقی کا ہبہ قرار دیتے ہیں، کیا تعجب کی بات نہیں ہے، کیا آپ نے یہ دستگیری اس وقت نہیں فرمائی تھی جبکہ مجھکو شدید حاجت تھی، دیواریں مکان کی چھت تک بلند ہو گئی تھیں، اور برسات کا زمانہ آگیا تھا، روپیہ ختم ہو چکا تھا خوف تھا کہ اگر چھت نہ ڈالی گئی تو برسات میں دیواریں گر جائیں گی۔ آپ نے ایسی ضرورت کے وقت میں دست اعانت دراز فرمایا فجزاکم اللہ خیرا لجزاء۔ پھر جبکہ میں نے کچھ عرصہ کے بعد ادائے قضا دین ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جبتک تم روانہ مکان سے فارغ نہ ہو جائے جبتک اس کی فکر نہ کرنا۔

---

[1] (ترجمہ) اگر میری موت نے مہلت دی تو میں عمرو کے ان احسانات کا شکریہ ادا کروں گا جن پر اس نے احسان نہیں جتایا، اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے تھے [2] وہ ایک ایسا نوجوان تھا جو اپنے دوستوں سے اپنا مال روکتا نہ تھا، (بلکہ ان پر اسکا مال نثار تھا) اور فقر و مصیبت کے وقت حرف شکایت زبان پر نہ لاتا بلکہ صابر رہتا) [3] اس نے میری حاجت مکان کو بھی معلوم کر لی جہاں سے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی تھی، پھر جب تک میری سوء حالی دور نہ ہوئی، اس کی آنکھوں کا تنکہ بنی رہی یعنی اسکے دور کرنے کی فکر میں لگا رہا۔

چنانچہ سال گذشتہ میں مردانہ حصوں سے بھی فارغ ہوگیا، اس مدت کو کئی سال گذر گئے، آپ نے اس تمام مدت میں کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی تقاضا نہیں فرمایا، کیا یہ دوسرا احسان عظیم الشان احسان نہیں ہے، آپ کے معاملات میں کسی قسم کا ادنیٰ درجہ کا تغیر نہیں پایا گیا، حالانکہ القرض مقراض المحبۃ مشہور مقالہ ہے، کیا مجھکو کسی طرح درست تھا یا ہے کہ ایسے عظیم الشان انعامات کو فراموش کرسکوں، کیا میرے لیے نہایت زیادہ شرمندگی کی بات نہیں ہے، کہ میں نے اس قرض کے ادا کرنے میں سالہا سال کی مدت لگادی بیشک میں اپنی ناداری اور مصارف تعمیر کی بنا پر عاجز تھا، مگر مجھکو فی النفس مجبوریت ضرور تھی اور ہے، مہینہ دو مہینہ نہیں، سال نہیں سالہا سال یعنی تقریباً دس سال یا زیادہ گذر چکے ہیں، پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس وقت جبکہ میں حجاز جارہا تھا اور جبکہ بتقاضائے وقت وحال لازم تھا کہ میں پوری رقم ادا کرتا، کیونکہ موت وحیات کا معاملہ سوائے اللہ تعالیٰ کوئی نہیں جانتا، چاہیے یہ تھا کہ میں بالکل بری الذمہ ہوکر جاتا اور پوری رقم آپ کی خدمت میں بھیجتا، مگر میں نے خواہ بمجبوری یا بغیر مجبوری تین سو کی رقم بھیجی اور باقی کے متعلق توکل الی اللہ کیا، کہ وہ کریم کارساز اس کی کوئی صورت کردیگا، مگر تعجب ہے کہ آپ اس پر بھی ایسے الفاظ تحریر فرماتے ہیں، آپ کو چاہیے تھا کہ مجھکو سرزنش فرماتے کہ ایک تو اتنی مدت کے بعد قرضہ ادا کرتا ہے اور پھر وہ بھی پورا نہیں تجھکو شرم آنی چاہیے، مگر بجائے میری سرزنش کے آپ خود اپنے آپ کو ملامت فرماتے ہیں، بہرحال میں آپ کے ان عظیم الشان احسانات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اور ......... مجوب ہوں کہ اس قدر دیر کیوں ہوئی، اور انشاء اللہ باقیماندہ رقم بھی جلد ادا کرنے کی کوشش کرونگا۔ اور امیدوار ہوں کہ گذشتہ تاخیرات کو بنظر عفو دیکھیں گے، اور اگر آئندہ بھی تاخیر ہو تو اس پر بھی وسعت قلب اور عفو کو کام میں لائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے اور آپ کے علایق محض لوجہ اللہ ہونے چاہئیں، کسی دنیاوی امر کو درمیان میں حائل نہ ہونا چاہیے۔ علایق اور اغراض مادیہ نہایت ذلیل امور ہیں جن سے ہرگز

سخت احتراز چاہیے، اللہ تعالیٰ مجھکو اور آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ ہمارے جملہ افعال و اعمال، حرکات و سکون محض اس کی رضا جوئی کے لیے ہوں اور بس۔ میں ابتک اپنی ڈائری میں قرضوں کو لکھتا رہا، کیونکہ معلوم نہیں کب داعی اجل کو لبیک کہنا پڑے، آپ کا قرضہ چونکہ سب سے بڑا تھا اس لیے اس کو سب سے پہلے لکھتا رہا۔ کیونکہ معاملات کی صفائی از بس ضروری ہے، آپ حضرات کی محبت اور مودت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میرے عیوب سے چشم پوشی کریں بلکہ یہ لازم ہے کہ مجھکو میرے عیوب پر اور میری کمزوریوں پر متنبہ فرماتے رہیں، المومن مرآۃ المومن[1] بجز انبیاء علیہم السلام اور کوئی معاصی اور عیوب سے پاک نہیں اور انسان کو اپنے عیوب نظر نہیں آتے۔ ؎

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ[2] ولکن عین السخط تبدی المساویا

حبک الشئ یعمی ویصم۔ چونکہ انسان کو اپنے نفس کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے اس لیے اسکے عیوب سے انسان اندھا ہی ہوتا ہے، اور اگر کچھ جانتا بھی ہے تو اس کو تاویلات رکیکہ وغیرہ سے کمال بتلاتا ہے

---

[1] ایک بہت اہم چیز کی جانب حضرت نے تنبیہ فرمائی ہے جو ہمارے علما اور صوفیہ کی وہ کمی ہے جس سے بہت کم لوگ محفوظ ہیں، وہ یہ کہ شیخ طریقت، استاد اور بڑوں کی محبت و مودت بسا اوقات انکے عیوب سے چشم پوشی پر مجبور کرتے ہیں، حدیث کہ مومن مومن کیلیے آئینہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ سب سے بڑا ہدیہ یہ ہے کہ کوئی میرے عیب اور کمزوریاں سے مجھکو مطلع کرے تو پیر کی جو بات سمجھ میں نہ آئے یا واقعی اسکی کوئی کمزوری معلوم ہو تو تخلیہ میں ادب کے ساتھ اسکو صاف کرے اور ظاہر کر دے، مگر خدا ناس کرے پیر پرستی کا کہ اس نے مساحمت و مداہنت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ حضرت نے اس بدعت پر کاری ضرب لگائی اور اپنے متوسلین کو خصوصی اور دوسروں کو عمومی انتباہ دیا۔ اور کیوں نہ ایسا تحریر فرمایا جاتا جبکہ آپ کا سلوک و تصوف مجاہدین فی سبیل اللہ کا تصوف تھا چنانچہ یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی اور کسی وجہ سے دیر میں تشریف لائے تو آپ کے مرید اور وزیر حضرت مولانا عبدالحیؒ نے ٹوکا اور سید شہیدؒ نے اسکو مستحسن قرار دیا، فاعتبروا یا اولی الابصار (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرت شہیدؒ ص ۲۶۷۔ [2] شعر کا مفہوم یہ ہے کہ بناؤ اور دوستی میں ہر عیب معمولی نظر آتا ہے لیکن اختلاف و دشمنی کی آنکھ میں چھپے عیب بھی اجاگر نظر آتے ہیں۔

دو ستون کا فریضہ ہے کہ اس پر متنبہ کرکے اس کا ازالہ فرمائیں نہ کہ اسکو چھپائیں، اور نہ دوسرے اس پر طعن و تشنیع کریں۔ میں ۱۳ ذیقعدہ کو جدہ پہنچا، چونکہ کراچی سے عزیزم محمود کو تار دیچکا تھا اس لیے وہ اسی روز اپنی موٹر لاری لیکر جدہ پہنچ گئے اور کوشش کی کہ مجھکو معہ عائلہ کے کوشان سے مستثنیٰ کر دیا جائے، چنانچہ یہ امر اس بنا پر قبولیت کو پہنچ گیا تھا کہ میں عرصہ دراز تک مدینہ منورہ رہ چکا ہوں، اگلے روز یعنی ۵ ذیقعدہ کو ہم مدینہ منورہ اسی لاری پر روانہ ہو گئے ۴ ذی الحجہ تک مدینہ منورہ میں قیام رہا......... ۷ ذی الحجہ کی شب میں مکہ معظمہ پہنچنا ہوا......... ۱۸ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ سے روانہ ہوکر ۲۰ ذی الحجہ کو جدہ سے روانگی ہوئی......... آج بتاریخ ۲۸ ذی الحجہ بخیر و عافیت سب کراچی پہنچ گئے

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۷) امام العصر کی ساری زندگی سبق آموزی ہے، پیر اور مرید کے تعلقات لین دین میں بظاہر یہ چیز کسی اور عینک سے دیکھی جاتی ہے لیکن احقر کی نظر میں تو یہ چیزیں بھی حضرت کے فضل و کمال کی مستقل کرامت ہے اور افادہ اور سبق آموزی کے نہ جانے کتنے پہلوؤں کو حاوی ہے، آدمی معاملات سے پہچانا جاتا ہے، معاملات کی صفائی اخلاق و تزکیۂ نفس کا اہم عنصر ہے۔ اسیلیے شریعت نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور صوفیہ نے اسکو بنیادی مسئلہ بنا دیا ہے جو والا نامہ کے ہر ہر فقرہ سے ظاہر ہے، جو لوگ قرض کو شیر مادر سمجھکر پیتے اور فراموش کر جاتے ہیں وہ اللہ و رسول کے نزدیک جس طرح مجرم ہیں اللہ کے بندوں کے نزدیک بھی اس سے زیادہ گناہ گار ہیں حقوق العباد معاف نہیں ہوتے جبتک ادا نہ کیے جائیں اور حق والا معاف نہ کرے اس لیے حضرت نے اس پر بہت زور دیا ہے۔

مولانا عبدالباری صاحب ندوی امام العصر حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کے مرید ہیں، اور مراحل سلوک حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم سے طے فرماتے رہے، جیسا کہ مندرجہ والا ناموں سے ظاہر ہے، چونکہ حضرت امام العصر کے تدریسی مشاغل اور سیاسی سفر و فیتیں ارشاد و اصلاح کی راہ میں حائل ہوتی رہتی ہیں اس لیے آپنے مولانا عبدالباری صاحب وغیرہ کو بار ہا مشورہ دیا کہ وہ اپنی تعلیم و تربیت کا سلسلہ حضرت مولانا تھانویؒ سے قائم کرلیں، مولانا ندوی نے اسپر عمل کیا، (باقی ص ۹ ۱ پر)

# مکتوب نمبر ۲۷

علالت اور رعشہ کی کیفیت پیدا ہونے سے رنج ہوا، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ کریم کارساز اپنے فضل وکرم سے صحت اور عافیت عطا فرمائے۔ آمین۔

بیماری اور صحت میں جسقدر زیادہ سے زیادہ ذکر ہو سکے کرتے رہیں، خواہ زبانی ہو یا پاس انفاس یا ذکر قلبی بہرحال جسطرح بھی ہو ذکر سے غافل نہ رہیں، اور رحمت خداوندی سے کسی وقت بھی مایوس نہ ہوں، وہ کریم کارساز عمیم الاحسان، غفار الذنوب والخطایا ہے، اسکا وعدہ ہے اور نہایت سچا وعدہ ہے کہ آسمان وزمین کے تمام فضا سے بھرے ہوئے گناہوں کو بھی رجوع اور انابت الی اللہ کی بنا پر اپنی مغفرت سے بھر دے گا، اس نے اسرائیلی[۱] کو سو اہل ایمان کے قصداً قتل کردینے پر بھی مغفرت فرمادی اور جبکہ وہ توبہ کرکے ارض مقدسہ کی طرف گھسیٹتے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۸) مولانا مدنی کی یہ کرامت ہے کہ ہر دو شیخ طریقت کا پورا پورا احترام اور حسن ظن قائم رکھا، چنانچہ امام العصر کے اس جوابی والا نامہ سے ظاہر ہے کسی مزید ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے، اور طریق میں یہ چیز طے ہو چکی ہے کہ اگر شیخ اپنی مقصد فوت کی وجہ سے بطیب خاطر اپنے مرید کو یہ اجازت دیدے کہ تو بجائے میرے فلاں بزرگ سے سلوک اور تصوف میں رجوع کرلے تو اس شیخ ثانی پر رجوع جائز ہوگا کہ شیخ اول کا ادب واحترام اور اس کے ساتھ عقیدت میں فرق نہ آئے جیسا کہ بعضوں نے کیا، خدا جزا دے مولانا عبدالباری صاحب نے حضرت مولانا تھانوی پر مفصل کتابیں لکھی ہیں، اور ان میں بعض بزرگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے مگر عجیب بات ہے کہ امام العصر مولانا مدنی دامت برکاتہم سے زبردست علاقہ رکھنے کے باوجود شاید ایک جگہ بھی بھول کر ذکر نہیں فرمایا گیا ہے حالانکہ نسبت اور محبت کا تقاضا تھا کہ اگر اس کے لیے کوئی عنوان الگ سے اختیار نہ کیا جاتا تو ضمناً ہی سہی، اگر اتنی زبردست ہستی کو فراموش نہ کیا جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی راز ہو۔

[۱] حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جس اسرائیلی کا حوالہ اپنے اس والا نامہ میں دیا ہے اس کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے کہ ایک شخص بنی اسرائیل میں تھا جس نے ننانوے ۹۹ اشخاص کو قتل کردیا تھا پھر نکلا اور پوچھتا تھا کہ

ہوئے مرگیا تو اس زمین کو جہاں سے ارتکاب کرکے چلا تھا دراز ہونے اور ارض مقدسہ کے حصہ کے قصیر ہونے کا حکم دیکر مغفرت کا سامان پیدا کر دیا، پھر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے متوسل کے لیے کیونکر یا یوس ہونا جائز ہوگا، توبہ اور انابت میں مشغول رہیے، اور ذکر سے غافل مت ہوجیے، اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری اور تمام امت کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

دار العلوم دیوبند، ۲ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

---

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۹) میری توبہ ہو سکتی ہے) ایک عابد وزاہد کے پاس پہنچا اور سوال کیا کہ آیا میری توبہ ہو سکتی ہے؟ جواب دیا کہ نہیں، اس نے انکو بھی قتل کر دیا، پھر پوچھنا شروع کیا، ایک شخص نے کہا کہ تو فلاں گاؤں میں جاکر دفعتہً موت آگئی، مرتے وقت اس نے اپنا سینہ بستی کی طرف مائل کر لیا، اسکے بعد ملائکہ رحمت و عذاب روح قبض کرنے میں جھگڑ پڑے (کہ ہم قبض کرینگے دوسرا کہتا ہم) بس اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو حکم دیا کہ تو نزدیک ہوجا اور دوسری کو حکم دیا کہ دور ہوجا، پھر اللہ نے دونوں بستیوں کے پیمائش کا حکم دیا پس پایا گیا وہ شخص اس بستی کے قریب جسکی طرف چلا تھا ایک بالشت زیادہ اسکے سبب اللہ نے اسکی مغفرت فرمادی (روایت کیا اسکو مسلم اور بخاری نے)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۲) میں نے مولانا ندوی مدظلہ کو ایک عریضہ لکھا تھا جس میں میں نے مولانا تھانویؒ اور حضرت امام العصر کے بارے میں اپنے تأثرات کا اظہار کیا تھا اور یہ مصرع لکھ گیا تھا "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" جسکے جواب میں مولانا عبد الباری صاحب نے تحریر فرمایا تھا "یہ آپنے بالکل سچ لکھا کہ "ہر گلے را الخ"۔ ایک صاحب اپنے چھوٹے بھائی کو لائے کہ انکو پرانی عقیدت تو حضرت مولانا مدنی سے ہے لیکن اب حضرت تھانوی سے بھی بہت اعتقاد ہوگیا ہے، دونوں کو کس طرح جمع کریں، میں نے کہا کہ عمر و علی رضی اللہ عنہما کے جمع کرنے میں دشواری تو رافضی یا خارجی کو ہو سکتی ہے، سنی کو کیا دشواری؟" مولانا ندوی کی یہ تشبیہ بہت خوب ہے، اسکے بعد خود ہی فرماتے ہیں" اور الحمد للہ اس جمع اضداد میں یہ سراپا نالائق بھی زیادہ نالائق نہیں رہا" (مکتوب ۵ ذو القعدہ ۱۳۶۸ھ) ع

تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

باسمہ سبحانہ

# مکتوب نمبر ۳۷

## مولانا ابو الحسن حیدری[51] غازیپوری کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف ۔ امورِ مستفسرہ کے متعلق مندرجہ ذیل امور معروض ہیں:

(۱) حدیث اول اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری[52] کے متعلق وجہ اشتباہ درج نہیں کی گئی، بظاہر وجہ اشتباہ یہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جنکو ہم لوگ بھی جانتے ہیں، اسلیئے لا یعرفھم غیری کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لیے عرض ہے کہ یہ قضیہ سورِ کلیہ سے خالی ہے اس لیے مہملہ ہوگا جو کہ قوت جزئیہ میں ہوتا ہے۔ یہ اشکال جب ہوتا کہ کہا جاتا جمیع اولیائی تحت قبائی الخ، اس جزئیہ کے صدق میں کوئی کلام نہیں ہے کیونکہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جنکو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مدارِ ولایت ظاہری اعمال پر نہیں ہے۔ فرمایا جاتا ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور

---

[51] جناب مولانا ابو الحسن حیدری صاحب مدظلہ نے مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب فرمایا تھا، جو حالات کی ناسازگاری کی بنا پر طبع نہ ہو سکا لیکن جب موصوف کو معلوم ہوا کہ اصلاحی صاحب نے اس کام کو پورا کرنیکا ارادہ کر لیا ہے تو پوری فیاضی سے اپنا مجموعہ کلی اختیار کیساتھ عنایت فرمایا ناچیز مولانا کے اس ایثار کا تہ دل سے شکر گزار ہے، جزاہ اللہ خیر الجزا، حیدری صاحب کا یہ مجموعہ اپنی جگہ پر ۔۔۔ یہ مجموعہ ہے جسکو ہم عربی و فارسی عبارات کے ترجمے، بعض غیر ضروری خطوط کے حذف، ترمیم اور حواشی و فوائد کے اضافہ کیساتھ درج کرتے ہیں، تاخیر طباعت میں اس مجموعہ کو بھی کافی دخل ہے، اصلاحی،

[52] "اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری" کے معنی و مطلب کیا ہیں؟

نہ وہ غمگین ہوں گے، جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے، انکے لیے ہے خوشخبری دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، بدلتی نہیں اللہ کی باتیں، یہی ہے بڑی کامیابی)

تفسیر اولیا میں ایمان اور تقویٰ کو ذکر فرمایا ہے اور دونوں قلبی امور میں سے ہیں، ایمان قلبی ہونا ظاہر ہے، فرماتے ہیں قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ الآیۃ (کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی گھسا ایمان تمھارے دلوں میں)

اور تقویٰ کے لیے ارشاد ہے: الا ان التقوی ھھنا واشار الی قلبہ (اوکما قال علیہ السلام) (آنحضرت صلعم نے فرمایا، اور کھو تقویٰ یہاں ہے، اور آپ نے اپنے سینہ مبارک کی جانب ۳ بار اشارہ فرمایا)

اعمال ثمرات اور نتائج امور قلبیہ اور ان سے صادر ہونے والے ہوتے ہیں جنکی دلالت قطعی نہیں امور قلبیہ کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، عام لوگ تو صرف ظاہر کی بنا پر کسی کی ولایت کی شہادت دے سکتے ہیں جو محض ظنی دلیل ہے، بسا اوقات اس میں غلطی اور فاش غلطی ہوتی ہے ۵ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست الخ

البتہ اولیاء کاملین کو قلبی امور پر بھی اطلاع ہو جاتی ہے مگر یہ بھی علم یقینی نہیں ہے، عقائد میں تصریح ہے کہ کشف والہام و رویاء صالحہ غیر انبیاء علیہم السلام میں ظنی اور غیر حجت شرعیہ ہیں، اگرچہ مشہور ہے کہ ولی را ولی می شناسد۔

(۲) مدار ولایت حقیقت میں موجودہ اعمال اور احوال اور صفات ظاہرہ یا باطنہ پر نہیں ہے، بلکہ حسن خاتمہ پر ہے. فرمایا جاتا ہے وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالخواتیم (اوکما قال علیہ السلام) اور فرمایا جاتا ہے ان الرجل لیعمل بعمل اھل الجنۃ حتی لا یکون بینہ وبین الجنۃ الا ذراع واحد فیسبق علیہ الکتب فیعمل بعمل اھل النار، فیکتب من اھل النار، الحدیث (بیشک ایک شخص اہل بہشت کا کام کرتا ہے یہانتک کہ اسکے اور بہشت کے درمیان میں ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر جو لکھی جا چکی ہے اس پر غلبہ کرتی ہے

پس وہ دوزخیوں کا کام کرتا ہے اور جہنمی لکھ دیا جاتا ہے)۔ بنابریں خواہ کیسے ہی تقوی پر انسان ہو اور کیسے اعمال صالحہ اور کشف و کرامات کا مظہر ہو کسی کے متعلق ولایت حقیقیہ کا فتوی نہ عامی دے سکتا ہے نہ کوئی ولی دے سکتا ہے، جب تک کہ خاتمہ کا علم نہ ہو جائے، اور یہ مخصوص بعلم اللہ تعالی ہے یا وحی سے پیغمبر کو علم کرا دیا جاتا ہے، جیسا کہ مبشرین بالجنۃ کے متعلق واقع ہوا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من کان منکم مستنا فلیستن بمن مات فان الحی لا یومن علیہ الفتنۃ۔ اس لیے کوئی شخص بھی سوائے اللہ تعالی کے کسی ولی کو نہیں پہچان سکتا۔ بلعم باعور اور برصیصا وغیرہ کے احوال معروف و مشہور ہیں، کس قدر کرامات و کشوف اور فیوض کے مالک تھے مگر آخر الامر کیا ہوا۔

(۴) حدیث شریف میں لا یعرفھم غیری فرمایا گیا ہے لا یعلمھم نہیں فرمایا گیا، اور معلوم ہے کہ معرفت ہر علم کو نہیں کہتے بلکہ اس ادراک کو کہتے ہیں جو کہ مسبوق بالعلم ہو اور اس وجہ سے اس شخص کو کہا کرتے ہیں کہ پہچان لیا جسکو پہلے سے جانتے ہیں، چونکہ اللہ تعالی ازل سے سب لوگوں کے احوال کو جانتے ہیں اس لیے وہی پہچان سکتے ہیں کہ کون ولی ہوگا، اور کون نہ ہوگا۔ ملائکہ مقربین اور اولیاء اللہ وغیرہ نہیں پہچان سکتے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ الآیۃ (جنکے لیے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور رہیں گے)۔ اُولٰٓئِکَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَھُمْ لَھَا سٰبِقُوْنَ الآیۃ

ترسم ز گنہ نیست کہ او غفار است از سابقہ روز ازل می ترسم

اگرچہ اطلاق لفظ عارف جناب باری عز اسمہ پر ایہام کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ انسانوں میں اس کا اطلاق ادراک بعد الذہول پر بھی ہوتا ہے وھو محال علی اللہ عزوجل۔ اور کبھی ادراکات جزئیہ پر ہوتا ہے، جس سے ایہام ہوتا ہے کہ معاذ اللہ کلیات کا علم اس کو نہیں ہے، ورنہ فی ذاتہ یہ اطلاق جناب باری عز اسمہ پر ممنوع نہیں تھا، جیسا کہ روایات میں لفظ مذکور کا بصیغہ فعل ماضی یا فعل مضارع وغیرہ موجود ہے

(۵) حصر اس روایت میں اضافی ہو یعنی استغراق حقیقی نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے اولیا کو عام لوگ نہیں پہچان سکتے۔ اگرچہ خاص خاص لوگ بتعلیم اللہ پہچان جاتے ہوں، یا بالذات کوئی نہیں پہچانتا بلکہ بتعلیم اللہ تعالیٰ و بتعریفہ پہچان سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

اگر موجب اشتباہ فی معنی الحدیث اور کوئی امر ہو اور اس کے لیے یہ جواب کافی نہ ہوں تو اس کو تحریر فرمائیں تاکہ اس پر غور کیا جائے۔

(۱) یہ روایت[۱] نہایت قوی ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، مگر معلوم ہے کہ حسب قواعد عربیہ ضمیر کو اقرب مراجع کی طرف لوٹانا چاہیے اور وہ لفظ آدم ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا، ایسا نہیں ہوا جیسا کہ عام آدمیوں میں ہو رہا ہے سورہ حج میں یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ الآیۃ (اے لوگو اگر تم کو دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر قطرہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی الخ) سورہ مومنون میں ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً الآیۃ (اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے رکھا اسکو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی)

سورہ مرسلات میں ہے اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ الآیۃ (کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے)

الحاصل تمام انسانوں کی خلقت تدریجی ہے، مگر حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت دفعی ہے، اسی بنا پر روایت موجودہ میں بعد کو فرمایا ہے طولہ ستون ذراعاً الحدیث (دیکھو بخاری شریف نصف ثانی) اب اس تقریر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] "خلق اللہ آدم علی صورتہ" کے کیا معنی و مفہوم ہے؟

(۲) صورتہ کی ضمیر حضرت آدم علیہ السّلام ہی کی طرف راجع ہو اور مراد ان کی صورت روحانیہ ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جسمانی اور مادی حیثیت ایسی ہی دی گئی جیسی ان کو روحانی صورت عطا کی گئی تھی تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسانی ارواح بھی واقع میں مرکب ہیں بسیط وہ نسمہ یعنی روح حیوانی، نفس ناطقہ، روح ملکوتی سے مرکب ہے اور اس میں مادہ شیطانی اور مادہ ملکی وغیرہ بھی رکھا گیا ہے۔ اس میں عالم علوی کی تمام موجودات کا عنصر اسی طرح رکھا ہوا ہے جس طرح اس کے جسم میں عالم سفلی کے تمام مواد خاک، نار، ماء، ہوا، نفس جمادی، نفس نباتی، نفس حیوانی وغیرہ موجود ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں وہ سب چیزیں اور قوتیں پیدا کی گئیں جو کہ اس کی روح میں کامن اور مستتر تھیں، اس کی روح میں قوت باصرہ تھی، اسکو آنکھ دی گئی، اس میں قوت بطش تھی، اسکو ہاتھ دیے گئے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس کی روح میں قوت حاسہ بھی اسلیے اس کے جسم میں قوتِ حاسہ رکھی گئی، اس کی روح قوت واہمہ تھی، اس کے دماغ میں یہ قوت رکھی گئی، اس کی روح میں قوتِ بہیمہ تھی اس کے جگر میں یہ قوت رکھی گئی۔ علیٰ ہذا القیاس، اس کو قلب دیا گیا تاکہ قوتِ بہیمیہ کا مرکز ہو، اس کو دماغ دیا گیا تاکہ قوی عقلیہ کا تخت سلطنت بنے، وہکذا غرضکہ مبدأ فیاض سے انسان پر فیض کامل کیا گیا اور اس کی باطنی اور ظاہری دونوں طرح تکمیل فرمائی گئی مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (کس چیز نے روک دیا تجھکو کہ سجدہ کرے اسکو جسکو میں نے بنایا اپنے ہاتھوں سے) ارشاد فرمایا گیا ہے۔ یہاں مخلوق ہے جس میں باطنی تکمیل ہے مگر ظاہری نہیں، جیسے فرشتے وغیرہ، یا ظاہری تکمیل ہے مگر باطنی نہیں جیسے حیوانات اور پہاڑ، نباتات وغیرہ، بخلاف انسان کے کہ وہ خلاصہ موجودات اور عالم اصغر بنایا گیا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب اندازے پر) اس لیے اس پر بوجھ شکر سب سے زیادہ رکھا گیا، اور اسی وجہ سے عدم شکر پر عذاب بھی زیادہ اور سب سے زیادہ رکھا گیا، قاعدہ ہے کہ جس پر زیادہ انعام ہوتا ہے اس سے بازپرس بھی زیادہ

ہوتی ہے ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ الآیۃ (پھر پھینک دیا اسکو نیچوں سے نیچے)۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہی مستحق خلافت ربانیہ قرار دیا گیا شہنشاہ کی نیابت ہر شخص کو نہیں دیجاتی۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کی روح ارواح میں سب سے زیادہ جامع اور خوبصورت پیدا کی گئی، جس پر بشارت خلافت اور مجلس ملائکہ میں اس کو پیش کرنا بتلاتا ہے، اسی طرح ان کو جسم بھی تمام اجسام سے خوبصورت اور مکمل دیا گیا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ شاعر کہتا ہے:

مالنت مادحها یا من یشبهها　　بالشمس والبدر لا بل انت هاجیها

لے مادح تو محبوبہ کی تعریف کرتا اور اسکو سورج اور ماہ کامل سے تشبیہ دیتا ہے، تو تعریف نہیں ہوئی بلکہ اسکی ہجو ہے۔

من این للشمس خال فوق وجنتها　　ومضحك من نظام الدر فی فیها

بھلا سورج کے گالوں پر سیاہ تل اور اس کے منہ میں موتیوں کی لڑی کہاں ہے؟

من این للبدر اجفان مکحلة　　بالسحر والغنج یجری فی حواشیها

بھلا بدر کامل میں وہ سرگیں آنکھیں کہاں جو جادو اور ناز کے ساتھ گردش کرتی رہتی ہیں۔

فارسی شاعر کہتا ہے ؎

من ماہ ندیدم کلہ دارد　　من سرو ندیدم قبا پوشش

(۴) اگر ضمیر صورتہ کی لفظ جلالہ کی طرف راجع کی جائے، اگرچہ یہ طریقہ شائعہ عربیہ کے خلاف ہے تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسے اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ الآیۃ (انفال) اور لِتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (فتح) ضمیر تسبحوہ ابعد مذکور کی طرف راجع ہے، تو البتہ اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ جناب باری عز اسمہ صورت اور شکل سے منزہ ہے، لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ذی صورت کے لیے محاط بحد یا محدود ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بکل شئی محیط ہے وہ محاط نہیں ہو سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورت اس جگہ بمعنی صفت ہے جیسے مسائل عقلیہ غیر مادیہ کے لیے کہا جاتا ہے صورۃ

المسئلۃ کذا وکذا ای صفتہا کذا وکذا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا، اور حضرت آدم کو اپنی تمام صفات کمالیہ میں سے حصہ دیا۔ ان کے ظلال وعکوس تمامہا اس میں رکھ دیے، اور مخلوقات سب کو جامع نہیں ہیں۔ جس طرح آئینہ مظہر نور شمس ہے اسی طرح آدم علیہ السلام مظہر جملہ صفات کمالیہ جناب باری عز اسمہ بنائے گئے۔ اور اسی لیے اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ ہو سکے، کسی کا نائب وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ منوب کے صفات خاصہ کا کم ومبیش حامل ہو، آفتاب کا نائب چاند یا ستارے یا شمع، چراغ ہو سکتے ہیں، شجر حجر نہیں ہو سکتے۔

والسلام
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۴۷

آپ اسی آیۂ کریمہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ الآیۃ پر اکتفا فرماتے ہیں، آپ کا استخراج صحیح ہے، مگر اس کے ساتھ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھانا چاہیے انکو کچھ مزہ اس کام کا تاکہ وہ پھر آئیں)۔ اسی طرح آیت يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ........ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ (اے گروہ جنوں کے اور انسانوں کے اگر تم سے ہو سکے کہ نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کے کناروں سے تو نکل بھاگو نہیں نکل سکنے کے بدون سند کے ........ چھوڑے جائیں تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے ہوئے پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے)۔ اسی طرح وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (اور وہ جو کہتے ہیں اپنے کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا ہم نے عہد ان کا پھر بھول گئے نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو انکو کی گئی تھی

پھر ہم نے لگادی آپس میں ان کے دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک اور آخر جتا دیگا اللہ ان کو جو کچھ کرتے تھے)
وغیرہ آیات آج تاویل اور صرف عن الظاہر کی محتاج نہیں رہی ہیں، جملہ فرق یعنی مسلمان، یہود، نصاریٰ
مشرکین، ملاحدہ سب کے قلوب پر غشاوات تہ برتہ چڑھتے چلے جارہے ہیں، اور ان مواعظ اور آیات
سے تذکر اور توجہ الی اللہ کا نام تک بھی حاصل نہیں کرتے، آج حروب میں دخان سے مختلف طریقوں سے
کام لیا جاتا ہے اور دشمن کو زیر و زبر کیا جارہا ہے، فضا میں دخان سے مختلف طریقوں پر کام لیا جاتا ہے،
اور دشمن کو زیر و زبر کیا جارہا ہے۔ فضا میں بحر میں بر میں دخان کو پھیلا کر دشمن کو برباد کرتے ہیں جس کی
تفصیل اخباروں میں آچکی ہے کیا یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ
أَلِيمٌ ....... اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى الآیۃ (اس دن کر لائے آسمان دھواں صریح جو گھیرے لوگوں
کو یہ ہے عذاب دردناک...... اے رب کھول دے ہم پر سے یہ آفت ہم یقین لاتے ہیں۔ کہاں نصیب ہو انکو
سمجھنا الآیۃ) بغیر تاویل اس پر چسپاں نہیں ہوتی ہے۔ یہ سب قہر الٰہی کے مظاہر ہیں دمخلق ما لا تعلمون
کے ماتحت ہو رہے ہیں، مگر حضرت انسان حسب آیۃ وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ
عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ
غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ الآیۃ (اور بہتری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر گذر ہوتا رہتا ہے انکا
اور وہ ان پر دھیان نہیں لاتے۔ اور نہیں ایمان لاتے.......... بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی
شریک بھی کرتے ہیں، کیا نڈر ہو گئے اس سے کہ آ ڈھانکے انکو ایک آفت اللہ کے عذاب کی الآیۃ) انتہائی
غفلتوں اور اعراض عن اللہ کرتے ہوئے، فسق و فجور کرتے ہوئے لاھیۃ قلوبھم میں مست
الا وھم یلعبون میں سرشار ہیں۔ اعاذنا اللہ وایاکم من قھرہ وجلالہ۔ آمین۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۷۵

الولایۃ افضل من النبوۃ[1] کسی حدیث کا جملہ نہیں ہے، بعض اکابر طریقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے، کسی قطعی اور منصوص مجمع علیہ امر کے خلاف کسی شخص کا بھی قول معتبر نہیں ہو سکتا۔

(۲) ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس بزرگ نے یہ قول حالت سکر[2] میں فرمایا ہے یا حالتِ صحو میں ظاہر ہے کہ سکر کا قول قابل اعتماد نہیں ہو سکتا،

(۳) اس جملہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ الولی افضل من النبی جو کہ مجمع علیہ اور قطعی کے خلاف ہے، بلکہ الولایۃ افضل من النبوۃ کہا گیا ہے۔

(۴) ولایۃ النبی افضل من نبوتہ اس سے مراد لیا جاتا ہے، اور غالباً یہی معنی مراد ہیں کیونکہ ہر نبی کو مراتب ولایت طے کر لینے ضروری ہیں، اگرچہ وہ نہایت قلیل زمانہ بلکہ آن واحد میں ہو جائے فکل نبی ولی ولا عکس چونکہ ولایت سیر الی اللہ فقط یا سیر فی اللہ[3] کے ساتھ یا سیر فی اللہ فقط

---

[1] الولایۃ افضل من النبوۃ کے کیا معنی ہیں، نبوت سے ولایت کیونکر افضل ہو سکتی ہے۔

[2] سکر ایک خاص قسم کی مستی اور غیبت کا نام ہے، اگر سلطان حال کے غلبہ کی وجہ سے سرایت حال کا اثر باقی ہے تو اس پر اثر سکر کا مستور ہوگا، اور اگر حالت اپنی قرارگاہ پر آگئی تو یہ صحو ہوگا۔ پس سکر اہل قلوب کے لیے ہے اور صحو ان کے لیے جن پر غیب کے حقائق ظاہر ہو چکے ہیں، کیونکہ صحو کے معنی مستی سے ہوشیاری میں آنے کے ہیں یا باصطلاح صوفیہ اپنے اوصاف کو گم کر دینا اور عادات بشری کا مٹا دینا صحو ہے۔

[3] اس والا نامہ میں سیر فی اللہ کا لفظ آگیا ہے جس کو ہم واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ مسائل عقائد و ایمانیات میں سب سے اہم مسئلہ معرفت باری تعالیٰ مانا گیا ہے، جہاں تک اس کے ظاہر کا تعلق ہے کتاب و سنت نے واضح کر دیا ہے، اور جنید جیسے باکمال کو صاف کہدینا پڑا کہ میں نے مسئلہ توحید کی بساط کو بیس سال ہوئے لپیٹ دیا ہے، والناس متکلمون فی حواشیہ۔ اس لیے اگر معرفت باری اور توحید الٰہی پر کچھ گفتگو ہو سکتی ہے تو صرف ارباب معرفت ہی کی زبان سے، چنانچہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ آفاق و انفس میں اللہ تعالیٰ کی حکومت جس طرح قائم ہے اسی طرح اس کے صفات، ظلال، آثار بھی پھیلے ہوئے ہیں، یہ صفات اسماء تک پہنچنے کا ذریعہ اور پھر اسماء سے ذات کو جانا جاتا ہے۔ (باقی ص ۱۹۰ پر)

سے عبارت ہے اور نبوت سیر من اللہ الی العباد کا نام ہے ۔ اس لیے ذاتی حیثیت سے ولایت اعلیٰ اور اکمل ہوئی کہ اس میں توجہ الی المحبوب الحقیقی اور حضور حاصل ہے ۔ بخلاف نبوت کے کہ وہاں پر توجہ الی غیر المحبوب الحقیقی والی العباد کرنی ہوتی ہے اور اس کا انہماک اور اس کے فرائض کا ادا کرنا غفلت یا کم از کم توجہی کا باعث ہوتا ہے ، اِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ اور وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ اور اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا وغیرہ اس کے شواہد ہیں ۔ انہ لیغان علی قلبی الحدیث اس کا مستدل ہے ۔ ایک عاشق صادق قوی العشق کے لیے محبوب کی طرف سے منہ پھیرنا اور غیروں میں الجھنا کس قدر شاق ہے ۔ اہل عشق سے پوچھیے ؎

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) باقی غایت ادراک سوائے عجز کے کچھ نہیں ہے ۔ البتہ ۔

فلما استبان الصبح ادرج ضوءہ باسفارہ اضواء نور الکواکب

پس اپنے اندر ساری موجودات کے صفات کو اللہ تعالیٰ ہی کے صفات کا پرتو سمجھ کر اس کے اندر ڈوب جائے ، اور فرش سے عرش تک سارے عالم کو اپنے اندر لیلے تو اس پر ایسی حالت میں کیفیات عالم اس پر منکشف ہوں گی ، مگر اس پر توقف نہ کرے اور نہ انوار کو مقصود سمجھے کیونکہ یہ تمام چیزیں حجاب ہیں ۔ اگر تائید ایزدی اور جذبِ غیبی شامل حال ہوا تو انشاء اللہ تمام حجابات طے ہو کر صرف ذات بحت تک رسائی ہوگی اور عجیب و غریب حالات پیش آئیں گے ۔ اسی کو سیر فی اللہ سے موسوم کیا جاتا ہے ، یہ وہ مقام ہے جس کی انتہا نہیں اور یہیں پر سلوک اگر منتہی ہو جاتا ہے ۔ بعض حضرات نے اس مسئلہ کی تقریر اس طرح کی ہے کہ وہ نسبت خدا جس کو ولایت سے تعبیر کیا جاتا ہے کبھی کبھی کشفی نظر میں قرب جسمانی کی صورت میں سامنے آتی ہے اور جس قدر ترقی کے اندر قرب حاصل ہوتا جاتا ہے کشفی طور پر عارف کو نظر آنے لگتا ہے کہ گویا وہ ذات باری تعالیٰ کی طرف یا اس کے صفات میں سے کسی صفت کی طرف سیر کر رہا ہے ۔ بنا بریں اسی صورت مثالی کی اس نسبت کو قرب اور اس ترقی کو سیر الی اللہ و سیر فی اللہ و سیر من اللہ و سیر باللہ سے موسوم کرتے ہیں ۔ خلاصہ تحقیق حضرت امام العصر دامت برکاتہم سے جو چیز سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی ولی سے افضل اور نبوت ولایت سے افضل ہے ، کیونکہ ہر نبی ولی ہو سکتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہو سکتا ۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے اور اسی طرح اس پر بھی اتفاق اہل سنت والجماعت بلکہ تمام امت کا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلعم اولیاء امت سے افضل ہیں ، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ وہ غبار جو کہ امیر معاویہ کے گھوڑوں کی ناک میں داخل ہے وہ اویس قرنی اور عمر مروانی سے زیادہ بہتر ہے ۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عارفانہ نکتہ کہ

(باقی ص ۱۹۱ پر)

ہر آنکہ غافل از وے یکزمان است | ہماندم کافر است اما نہان است
مبادا غائبی پیوستہ باشد | در اسلام بر وے بستہ باشد
از سر بالین من برخیز اے نادان طبیب | دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست

اہل جنت کو کوئی نعمت رویت باری عزاسمہ کے برابر معلوم ہوگی، اس لیے ذاتی حیثیت سے فضیلت ولایت ہی میں ہے، مگر چونکہ نبی مامور ہے کہ مخلوق کو کھینچکر بارگاہ محبوب حقیقی تک لائے اور ان کو پروانہ شمع محبوب بنائے اس لیے وہ خلاف جذبہ طبیعت اطاعۃً للحبیب دن ورات جور و جفا و شدائد مکارہ جھیلتاہے، اور معلوم ہے کہ جس قدر اس کو عشق تام ہوگا اسی قدر توجہ الی الغیر میں تکلیف اور گرانی ہوسے

بھونرا بوے پھول کا کلی کلی رس لے | کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جی دے

اوذیت فی اللہ ولا یوذی نبی واخفت فی اللہ ولا یخاف نبی مقالہ (جتقدر مجکو اللہ کے راستہ میں تکلیف دی گئی کسی نبی کو نہیں دی گئی اور جتقدر مجکو اللہ کے راستہ میں ڈرایا گیا کسی اور نبی کو نہیں ڈرایا) حضرت سرور کائنات علیہ السلام ہے یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ قول خداوندی ہے۔ اس سے یہ شبہہ بھی زائل ہوجاتاہے کہ بعض بعض انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کو بظاہر آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ تر تکلیف پہنچائی گئی۔ حضرت ذکریا اور حضرت نوح علیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعات ظاہر ہیں، بہر حال اگر یہ مراد ہے کہ اس پیغمبر کا مقام ولایت اسکے مقام نبوت سے افضل ہے، اگرچہ بحیثیت امتثال حکم محبوب حقیقی مقام نبوت میں خارجی اور عارضی فضیلت اس قدر آجائے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ جائے۔ تب تو جواب ظاہر ہی ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۰) اخر نہایات الصدیقین اول بدایات النبیین اپنی جگہ پر یہ قول فیصل ہے کہ صدیقین کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہ حضرات انبیا علیہم السلام کی ابتدائی منزل ہے۔ ریاض المرتاض اصلاحی

(۵) اور ممکن ہے کہ نفس مقام کی فضیلت بتلانی منظور ہو کہ مقام ولایت میں مقام نبوت سے ذاتی طور پر افضلیت ہے، اگرچہ خارجی طور پر مقام نبوت کی فضیلت مقام ولایت کی فضیلت سے بڑھ جائے، قد یوجد فی النہر مالا یوجد فی البحر۔ واللہ اعلم

(۱) انا مدینۃ العلم[1] یا انا دار الحکمۃ وعلی بابھا نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں،

(۲) ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے جس میں حسن لغیرہ ہونے کا بھی احتمال ہے، اور ممکن ہے کہ کسی نے اس کی تصحیح بھی کی ہو کتابیں ہمارے پاس موجود نہیں ہیں کہ ان کا انکشاف کیا جاتا تاہم یہ حدیث ان روایات سے مقابل ہونے کی طاقت نہیں رکھتی جو بالاتفاق صحیح ہیں، پس بوقت تعارض ساقط سمجھی جائے گی،

(۳) اگر اس کے مفہوم میں تعارض نہ ہو تو البتہ قابل اعتماد قرار دی جا سکتی ہے۔ مگر جب ہم لفظ مدینۃ اور لفظ باب میں غور کرتے ہیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ مدینۃ اس جگہ کو کہتے ہیں، جہاں بہت سے مکانات مجتمع ہوں، ایک مکان بلکہ دس پندرہ مکان والی آبادی کو مدینہ نہیں کہا جاتا،

---

[1] انا مدینۃ العلم یا انا دار الحکمۃ وعلی بابھا سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ خود کو تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے علم وحکمت کا شہر قرار دیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو باب (دروازہ) قرار دیا ہے۔ یعنی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم علم وحکمت کے شہر ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس شہر میں داخل ہونے کے لیے دروازہ ہیں، مختصر یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری وباطنی معنی بتوسط جناب علی کرم اللہ وجہہ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔
اس حدیث کو عبدالسلام بن صلاح ہروی شیعی نے بھی روایت کیا ہے ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد کلام کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ حدیث شریک تابعی سے روایت کیا ہے، مگر علماء حدیث اس حدیث کو ثقات میں سے کسی سے نہیں پہچانتے سوائے شریک کے۔ علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں اس کے جملہ طرق پر یقین کیساتھ باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ اور ایک جماعت محدثین کی اس کے موضوع ہونے کی قائل ہے، امام الجرح والتعدیل یحیی بن معین تو صاف فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سرے سے کوئی اصل نہیں ہے، اس لیے ...... فیروزآبادی وغیرہ بھی اس حدیث کی صحت پر مطمئن نہیں ہیں۔

خود لفظ مدینہ کا لغوی مفہوم بھی اجتماع پر دلالت کرتا ہے، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس علمی مدینہ مین بہت سے علمی گھر ہون گے اور بہت زیادہ آبادی اس کے اندر ہوگی، اور در دروازہ خواہ مکان کا ہو یا شہر کا، ہمیشہ خارج ہوا کرتا ہے، شہر کا اندرونی حصہ یا مکان کا اندرونی حصہ شمار نہین کیا جاتا، اور کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ من وجہ خارج ہو، اور من وجہ داخل ہو، اس بنا پر اور صحابہ کرام بالخصوص انکے خواص (رضی اللہ عنہم) اس مدینۃ العلم کے اندر واے ہون گے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بحیثیت باب اندر داخل نہین ہون گے، لہذا ان کی فضیلت دیگر صحابہ پر ثابت نہ ہوگی، ہاں باہر سے آنے والون یعنی غیر صحابہ پر ممکن ہے کہ فضیلت ثابت کی جائے کہ ان کو اس مدینہ مین بغیر توسط حضرت علی کرم اللہ وجہہ داخل ہونا ممکن نہین، اسلیے اشکال کی کوئی وجہ باقی نہین رہتی،

(۴) کیا دنیا مین کوئی مدینہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جس کا ایک ہی دروازہ ہو، آخرت مین جنت اور دوزخ کے لیے بھی متعدد ابواب رکھے گئے ہین، جہان کا انتظام انتہائی قوت والا ہے، اور دنیا مین تو حوائج شدیدہ اور کمزوری انتظامات ہمیشہ اسی کے متقاضی ہوتے رہے ہین کہ ہر سور البلد اور ہر شہر کے ابواب متعدد ہوا کریں ورنہ اہل شہر سخت تنگیون مین مبتلا ہو جاتے ہین، اسی لئے مدینۃ العلم کے لیے بھی متعدد دروازے ہونے چاہئین، اس روایت مین اس کی نفی کہان ہے کہ اس کیلیے سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوئی دوسرا دروازہ نہین ہے، لہذا شبہہ کی گنجائش ہی نہین رہتی۔

(۵) انامدینۃ العلم "العلم" اصل الف ولام مین عہد خارجی ہے، جس کے معنی علی طریق الاستولین والبیانین فردمعین کا ارادہ کرتا ہے، خواہ اس کا تعین عبارۃً ہو یا حضوراً یا عملاً یا حساً لہذا کیون نہین ممکن ہے کہ کسی خاص علم کا ارادہ فرمایا گیا ہو، اور اس کے حاصل کرنے کے صرف

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۳) طاہر فتنی نے بھی صحت کا انکار کیا ہے، امام العصر نے روایت انا دارالحکمۃ کی توجیہ فرمائی ہے وہ بعض محدثین کی تصحیح کی بنا پر ہے ورنہ خود امام العصر بھی روایت کی صحت کو تسلیم نہین فرماتے۔ اصلاحی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذریعہ ہوں، جملہ علوم، روحانی یا مادی شرائع سے تعلق رکھتے ہوں یا طریق تصوف سے عبادات کے علوم ہوں یا معاملات وغیرہ وغیرہ سب کا ارادہ کرنا محلّی باللام الخارجی سے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ باتفاق الاصولیین والبیانیین اصل عہد خارجی ہے، استغراق کا ارادہ صرف اس وقت میں کیا جا سکتا ہے کہ عہد خارجی ممتنع ہو جائے اور واقعہ بھی یہی ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم متنوعہ تمام صحابہ کرام سے پھیلے، صرف تصوف کا نشو و نما حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا، دنیا میں جسقدر بھی سلاسل طریقت ہیں سب کا مرجع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی ہے، نقشبندیہ کا ایک سلسلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، مگر اس میں انقطاع بہت زیادہ ہے، اتصال والا طریقہ ان کا بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دریوزہ گر ہے، بنا بریں علیہ اس حدیث کو اسی پر محمول کرنا لازم ہے کہ علم باطن اور تصوف میں داخل ہونے کے لیے پسماندوں اور بعد میں آنے والوں کے لیے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ وسیلہ ہیں، صراط مستقیم میں حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، (ص ۵۸)

"حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ را یک نوع تفضیل بر حضرت شیخین رضی اللہ عنہما ہم ثابت است و آن تفضیل محبت کثرت اتباع ایشان و وساطت مقامات ولایت بل سائر خدمات است مثل قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہ ہمہ از عہد کرامت مہد حضرت مرتضیٰ تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشان است و در سلطنت سلاطین را امارت امرا ہم ہمت ایشان را دخلے است کہ بر سیاحان عالم ملکوت مخفی نیست[1]" الخ

[1] (ترجمہ) مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک خاص قسم کی فضیلت حضرات شیخین پر ثابت ہے، وہ فضیلت بوجہ کثرت تبعین اور مقامات ولایت بلکہ تمام خدمات مثل قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہ آپ ہی کے واسطے سے ہے اور اختتام دنیا تک باقی رہے گی، اور بادشاہوں کی حکومت اور امرا کی امارت میں بھی آپ کی ہمت کو ایک گونہ دخل ہے جو دنیا کے سیاحوں پر مخفی نہیں ہے،

اسی قسم کی تفصیل حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تصنیفات میں بھی بکثرت موجود ہے، بہرحال مراد اس جگہ پر عموم نہیں ہو سکتا، نہ قواعد اس کے حامی ہیں نہ واقعات واللہ اعلم،

والسلام　　ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ۔

## مکتوب نمبر ۷۶

والا نامہ مع مرسلہ اشیاء کے حسب تحریر پہنچا، خواب نہایت مبارک اور بشارات سے پُر ہے، آپ کی اور شیخ ولی محمد صاحب کی مخلصانہ جدوجہد اگرچہ مجھکو رہا نہ کر سکی، مگر آپ حضرات کی بے لوث مساعی عند اللہ مقبول و محمود ہوئی، اللہ تعالیٰ کی قبولیت اور عنایت بصورت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ آپ دونوں حضرات سے ملاقی ہوئی ہے، اور آپ کی مہمان بنتی ہے، اور علاوہ ازیں آپ کو کدورات روحانیہ سے صفائی بصورت غسل حاصل ہوتی ہے، اگرچہ اس میں تھوڑی بشارت میرے لیے بھی ہے کہ میری پرسان حالی کی جاتی ہے، وللہ الحمد۔ بہرحال آپ دونوں صاحبوں کو میں بھی مبارکباد دیتا ہوں، اب تو آپ دونوں صاحبوں کا غم اور غصہ بالکل جاتا رہنا چاہیے اور خوش ہونا چاہیے مقصودِ اعظم جملہ حرکات و سکنات رضا باری عزوجل ہے، وہ راضی ہو تو ساری خدائی پوجنے لگے، اور اگر خدانخواستہ وہ ناراض ہو جائے تو کوئی بھی اپنا نہیں، بالخصوص عالم علوی میں ؎

سیّاں انکھیاں پھیریاں بری ملک جہان　　تک جہانکی اک مہر کی لاکھوں کریں سلام

(حاشیہ مکتوب نمبر ۷۶) سیدنا المحترم ذوالمجد والکرم دامت برکاتہم السامیہ۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج گرامی۔ آج یوم الخمیس بوقت شب کو تقریباً ۲ بجے یا ۳ بجے میں نے ایک عجیب غریب خواب دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے مکان پر ہوں، اور دریائے گنگ میں غسل کر رہا ہوں، عصر کا وقت ہے۔ اور لوگ بھی حسب معمول نہا دھو رہے ہیں، دریائے گنگا اصل سطح زمین سے بوجہ گنگ شکست بہت زیریں نشیب میں رواں ہے، عالم رویا میں دیکھ رہا ہوں کہ میں غسل کر رہا ہوں اور چند نوجوان عالم

(بقیہ ص ۱۹۶ پر)

ہماری اس تحریک کے روح رواں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہیں، باوجود ہر قسم کے کمالات ظاہری اور باطنی کے اور تصوف و معرفت خداوندی کے استغراق و انہماک کے ان کی خصوصی توجہ اس خبیث حکومت کے انقطاع و انہلاک کی طرف ہمیشہ آخر دم تک ساری رہی، ان پر بغض فی اللہ کا اسقدر غلبہ تھا کہ فرماتے تھے کہ "مجھکو اپنے نفس کے ساتھ یہاں تک بدگمانی ہے کہ غالباً مجھکو اسلام کی خیرخواہی اور محبت اس قدر نہیں ہے جتنی کہ اس خبیث قوم کی بدخواہی اور عداوت"۔ حالانکہ یہ بغض بھی اسلامی محبت کا ہی لازمہ ہے، بہرحال حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر دیوبند کا آپکے پاس تشریف لانا اور آپ کے دسترخوان پر سب کا شریک ہو کر کھانا نہایت مبارک امر ہے۔ جس سے ان بزرگوں کی توجہ اور

(بقیہ حاشیہ ۹۵) کچھ اور بھی سن عالمانہ لباس میں دریا کی جانب آرہے ہیں، ان میں ایک بزرگ ضعیف العمر ہیں قد عبا پہنے ہوئے ان علما کے آگے آگے ہیں، اور ایک بزرگ ان کے آگے آگے بطور رہنما ہیں، اور سب کے سب ڈھالو زمین سے اتر کر ساحل پر چلے آرہے ہیں، ان علماء کے گروہ میں سے ایک صاحب نے جلدی جلدی قدم میری جانب بڑھا کر زور سے آواز دی کہ مولانا حیدری! غسل سے فارغ ہو کر جلد تشریف لایئے، آپکے حضرت شیخ الہند ملنے آئے ہیں، اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی خیریت مزاج دریافت کرنے کی غرض سے تشریف لائے ہیں، میں نے آواز دینے والے صاحب سے پوچھا کہ یہ اور لوگ ان کے ہمراہ کون ہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ دیوبند کے علماء کرام ہیں جو حضرت شیخ کی معیت میں حضرت مولانا مدنی کی خیریت کے طالب ہیں،

حضرت شیخ الہند سطح زمین سے ڈھالو راستہ پر نصف اتر آئے تھے، مگر ان کو اترنے میں اور ساحل تک پہنچنے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی، اس لیے وہ علماء کرام جو معیت میں تھے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! دریا تک پہنچنے میں بہت دشواری ہے، اوپر چل کر اس مسجد میں آپ تشریف لے چلیے اور نماز عصر سے فارغ ہو لیجئے، مولوی حیدری دریا میں غسل کر کے ابھی آجاتے ہیں، دریا کے بالائی حصہ پر ایک چھوٹی سی مسجد نظر آئی، وہاں سے مڑ کر حضرت شیخ الہند اس مسجد میں مع اپنی جماعت کے تشریف لے گئے، اور میں جلد غسل سے فارغ ہو کر سیدھے گھر آیا اور اپنی نانی صاحبہ اور والدہ صاحبہ سے کہا کہ چند اللہ والے مہمان تشریف لائے ہیں ان کے لیے کھانا تیار کیجئے، اس وقت گوشت تو نہیں ملے گا، جو کچھ ممکن ہو تیار کیا جائے میری والدہ صاحبہ وغیرہ کھانے کی تیاری میں مصروف ہوئیں اور میں کپڑا پہنکر جلدی جلدی مسجد حضرت موصوف سے ملنے چلا، مجھے پہنچنے میں دیر ہو گئی، اس اثنا میں حضرت شیخ الہند مع اپنی جماعت کے میرے گھر کی جانب روانہ ہو

(باقی ص ۱۹۷ پر)

ربانی الطاف کا پتہ چلتا ہے۔ اللھم زد فزد، اسکی اطلاع شیخ ولی محمد صاحب کو بھی دیدیجئے۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۶) راستے میں ملاقات ہوگئی، حضرت ممدوح نے مصافحہ کرکے دست بوسی کی، اللہ اکبر، نورانی چہرہ، ریش مبارک سفید نور علیٰ نور، مجھے دیکھتے ہی متبسم ہوئے اور فرمانے لگے کہ اتنی دیر کہاں رہا، میں نے عرض کی کہ حضرت غسل کرکے کپڑا پہننے گھر چلا گیا تھا، معذرت چاہتا ہوں، اور علمائے کرام سے بھی مصافحہ ہوا، اور سب کے سب اس خادم کے گھر آئے، حضرت شیخ الہندؒ باطمینان بیٹھکر خیریت مزاج واستفسار کیفیات وحالات حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی بہت دیر تک پوچھتے رہے، اس کے بعد فرمایا کہ شیخ ولی محمد کہاں ہیں، میں نے کہا کہ حضور وہ جونپور ہیں، ابھی تار دیکران کو بلاتا ہوں، فوراً ان کو تار دیکر طلب کیا، پھر حضرت ان سے مخاطب ہوئے، میں اٹھکر اندر گیا تو دیکھا کہ میری تائی صاحبہ اور والدہ صاحبہ بریانی، قورمہ، زردہ وغیرہ پکارہی ہیں، میں نے تائی صاحبہ سے کہا کہ آپ لوگوں نے گوشت کہاں سے اس وقت حاصل کیا دیہات میں اس وقت کہاں سے گوشت مل گیا، تو میری تائی صاحبہ نے مسکراکر فرمایا کہ بیٹا جس کے مقدر کی جو چیزیں ہوتی ہیں وہ ضرور مل جاتی ہیں، یہ سب ان ہی بزرگوں کی کرامت ہے جو تشریف لائے ہیں، کھانا تیار ہوا، میں نے باہر نشستگاہ میں دسترخوان لگایا، کھانا سامنے رکھا گیا، سب بزرگوں نے کھانا کھایا، اثنائے تناول طعام میں حضرت شیخ الہندؒ بہت محظوظ رہے، پھر اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، آج خلاف معمول نماز فجر کے لیے کچھ وقت سے پہلے بیدار ہوگیا، اور اس وقت سے الی الآن اس خواب کی کیفیت اور مسرت کا اثر باقی ہے، ایک کیف وسرور کے عالم میں ہوں، کاش اللہ تعالیٰ اس کیف وسرور کا اثر تازیست باقی رکھتے، حضرت اقدس اس خواب کی تعبیر سے سرفراز فرمائیں۔

خادم ابوالحسن حیدری، ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ

یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کون تھے؟ اس کا مفصل جواب مورخین دیں گے، ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ جنگ آزادی ہند کا ہیرو، اسلاف کرام کا حقیقی جانشین، مسلمانان ہند کا بے لوث خیرخواہ، مجاہد فی سبیل اللہ کا مظہر، لانخافو نہم وخافون کا واقعی منظر، قطب العالم حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیارا لعل، جس کی نسبت ارشاد تھا کہ مولوی محمود الحسن کو کم نہ سمجھو، وہ اپنے زمانہ کا شیخ ہوگا، حضرت نانوتوی وگنگوہی رحمۃ اللہ علیہما کا وہ لاڈلا جس کی منہ بھر تعریف کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ مولوی محمود حسن کا علم کھلا ہے، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا استاد، حضرت امام العصر مولانا مدنی کا استاد ومربی، جامعہ دہلی کا موسس، علی گڈھ اور دیوبند کے بعد کو قرب میں تبدیل کرنے والا حکیم، برطانوی سامراج کا دشمن، اور ایسا دشمن کہ جسکو اپنے نفس کے ساتھ اتنی بدگمانی ہو کہ شاید اسلام کی خیرخواہی ومحبت اس قدر نہیں ہے جتنی کہ خبیث قوم انگریز کی بدخواہی وعداوت، بادی النظر میں یہ دشمنی غلو سے تعبیر کی جاسکتی ہے، لیکن ان سفید بھیڑیوں کی داستان ظلم واستبداد سے نہ صرف ارض ہند بلکہ دنیائے اسلام کا ذرہ ذرہ ماتم کناں اور ارض مقدسہ کے مرغان حرم قیامت تک سکے لیے سوگوار ہیں تفصیل تاریخ بتائے گی تاہم کچھ داغہائے سینہ کی تازگی کے لیے اس دفتر پارینہ کو کبھی کبھی دہرالینا عقائد وایمانیات

(باقی ص ۱۹۸ پر)

(۱۱) ہم نے قربانی کی اجازت مانگی تھی، خیال تھا کہ اگر اجازت ہوئی تو ایک بکرا یا بھیڑ منگا لیں گے مگر ابھی تک اجازت نہیں دیگئی یہ کہا گیا کہ ہم غور کریں گے، اگرچہ میں نے قاری صاحب کو باضابطہ خط میں لکھ دیا ہے کہ وہ مثل سابق میری طرف سے وہاں قربانی کر دیں، تاہم اگر یہاں بھی اجازت ہو جائے تو بہتر ہو۔ مالٹا میں ہم کو اجازت دیگئی تھی، اگر مل گئی تو آفس میں جو اکاونٹ ہے اس سے قیمت ادا کیجائے گی، اس کے لیے میں نے قاری صاحب کو لکھا ہے کہ عہ اور بھیجدیں، کیونکہ باقی ماندہ مقدار اکاونٹ میں اب تھوڑی ہی ہوگی،

(باقی حاشیہ ص ۱۹۷) کی تجدید کے مرادف ہے۔ اور قرآنی صداقت وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ کا اعتراف۔

مانا کہ عیسائیت اگرچہ ابتدائے اسلام سے ملت اسلامی کی دشمن رہی ہے مگر اس نے قرون وسطی میں جو وحشیانہ مظالم اسلام پر کیے ہیں ان کو دیکھ کر آسمان کانپ اٹھا اور زمین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اندلس کے کھنڈر، غرناطہ کی ٹوٹی ہوئی دیواریں، قرطبہ کے اجڑے ہوئے مکانات، اسپین اور سسلی کے مستحکم قلعے، مالٹا کے اسلامی کھوپریوں سے بنے ہوئے قلعے، جدہ پر گولہ باری، بیت المقدس پر قبضہ، نجف اشرف کاظمین کربلا و بغداد پر تسلط، حرمین شریفین کی توہین، طائف وجدہ وغیرہ میں کئی سو عورتوں کی گرفتاری، سمرنا، اناطولیہ، استنبول، تراکیہ شرقیہ، تھریس وغیرہ کے مظالم، بحر ابیض کے غیر ترکی جزائر کے رہنے والے اور یونانی، سرویہ، مانٹی نگرو، ہرسک، مجارستان، بلغاریہ، رومانیہ وغیرہ اور بحر اسود کے سکان اہل اسلام سے پوچھیے کہ ان سفید بھیڑیوں نے کیا ظلم ڈھائے، عیسائی حسب شہادت تاریخ خونخوار بھیڑیے ہیں جن کے شدائد سے یروشلم فلسطین، سواحل سوریہ، اناطول میں خون سے بہنے والی گلیاں اسپین، جبل الطارق، پرتگال، سسلی، مالٹا، کریٹ، مقدونیہ کے کھنڈرات دھاریں مار کر اب تک رو رہے ہیں، غرض اسلامی دنیا پر وہ مظالم کیے گئے کہ خود عیسوی دنیا چیخ اٹھی، چنانچہ ۱۸۱۵ء میں گیلی پولی کے بیڑہ کو غرق کیا، ۱۸۲۱ء میں یورپ نے یونان کو ترکوں سے بغاوت پر ابھارا، اسی سنہ میں یونانیوں نے شہر نادرین پر قبضہ کیا، بچوں کو ماؤں کی گود سے چھین کر بوٹی بوٹی کر ڈالا، اور قتل عام سے وبا پھیل گئی ۱۸۲۷ء میں ابراہیم پاشا مصری پر اچانک حملہ کر کے عثمانی ومصری بیڑہ کو غرق کر کے ایک انگریز کے قتل کے افترا میں سب جائز سمجھا گیا۔ ماسکوں میں ترکی سپاہیوں کی ہڈیاں ڈھیر کی گئیں جنکو بلغاری پتھروں سے کچلتے تھے، جن کے متعلق روس کا سپہ سالار لکھتا ہے کہ ایسے وحشیانہ مظالم کی مثال عالم بہیمیت میں بھی نہیں ملتی، میں بار بار اپنی معلومات کو جھٹلاتا ہوں کہ ہزاروں بے گناہوں کو کتنی بری طرح ذبح کیا گیا ہوگا، ہندوستان کے لاکھوں بچوں کا خون فرانس کے میدانوں، اطالیہ کے پہاڑوں، سالونیکا کے مرغزاروں، دردانیال کے چٹانوں صحرائے سینا اور سویز، سوریہ کے ریگستانوں، عدن اور یمن، عراق و ایران کی خندقوں اور سبزہ زاروں، مشرقی ومغربی افریقہ کی جرمنی آبادیوں، ایشیائے کوچک وغیرہ کے برفستانوں، بحر اسود اور ابیض حتی کہ بحر جم

(باقی ص ۱۹۹ پر)

(۲) اگر آپ یہاں رہے اور قربانی کی تو کیا آپ تن تنہا اس سے مستفید ہوں گے، جیسے کہ خواب میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقا کو کھلایا، اور خود بھی کھایا اور ہم کو پوچھا تک بھی نہیں، یا اس میں سے ہم کو بھی اگرچہ ایک ہی تکیہ کباب ہو، حصہ دیجئے گا،

(۳) آپ فصوص الحکم[1] کے متعلق استفسار فرماتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ آپ کو بالفعل سلوک طے کرنا چاہیے، اور کتب تصوف کو مطالعہ کرنا نہ چاہیے، جتنا وقت آپ ذکر میں صرف کر سکیں وہ ہی اشد ضروری ہے، کتب تصوف کے مطالعہ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سالک کے لیے منع فرماتے تھے، مریض ظاہر اگر کتب طب کو مطالعہ کرے تو بجز تشویش کے اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور اگر خود ان ادویہ اور نسخہ جات کو استعمال کرنے لگے تو عموماً بجائے نفع نقصان اٹھاتا ہے، مریض ظاہر کو لازم ہے کہ طبیب نے جو دوا تجویز کی ہے اسی کو استعمال کرے، ورنہ نقصان ہی نقصان ہوتا ہے جبکہ مرض ظاہر اور ادویہ ظاہریہ کا یہ حال ہے تو امراض روحانیہ اور ادویہ باطنیہ جو کہ حواس ظاہرہ سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۸) سواحل وغیرہ میں پانی کی طرح بہایا گیا، اسی طرح رولٹ بل کا پاس ہونا، کورٹ مارشل لا کا جاری ہونا، پنجاب میں رنگین مظالم کا منتشر ہونا، جلیان والا باغ میں مشین گنوں کا مینہہ برسانا، مساجد کا منہدم کرنا اور نماز سے روک دینا اور گذشتہ ۳۵-۳۶ بیرون ہند جنگوں میں کروڑوں ہندوستانیوں کا بر فانی سبزہ زاروں میں میٹھی نیند سونا تاریخ کی اہم روداد ہے، غرض ٹرکی اور یورپ کی قدیم و جدید تاریخیں ان مظالم پر پوری روشنی ڈالتی ہیں، تفصیل کے لیے زید بک کی تاریخ آل عثمان، مصطفےٰ کامل کی مسئلہ شرقیہ عربی، مراد بک اور رشید بک کی تاریخ ترکی زبان میں اور مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی کی ٹرکی اور یورپ وغیرہ، تاریخ اردو اور امام العصر دامت فیوضہم کی تقریر دہلی و سیوہارہ ملاحظہ فرمایا جائے، اسی کے ساتھ رسالہ الامداد تھانہ بھون وغیرہ "کا لتجدن اشد الناس" آیت سورہ مائدہ کو مذہب عیسائی کے مشفقانہ برتاؤ پر بے سر تال الاپنا کیا کھلی ہوئی جہالت اور تحریف دین کے مرادف نہیں تھا؟ حضرت شیخ الہندؒ ان تمام مظالم سے نہ صرف واقف تھے بلکہ دیکھ رہے تھے، چنانچہ جنکو کچھ بھی علم و احساس اور ایمان تھا انھوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور جنکے اندر دھن پیدا ہو چکا تھا وہ اسکے رد عمل میں مصروف تھے، غرض شیخ الہند کو ہم نہ جان سکے ہیں اور نہ جانچ کر کیا تھے، البتہ حضرت امام العصر کا وجود گرامی مسلمانوں کے اندر موجود ہے اور خدا کرے تادیر موجود رہے، اس حقیقی و سچے جانشین کے قول و عمل بصورت تبشیر، جہاد دریا صنت وغیرہ میں زمزمہ شیخ الہند مالٹہ جلد مجاہدین ہند کو دیکھا اور پڑھا جا سکتا ہے، فافہم و تفکر۔

[1] فصوص الحکم کا مطالعہ مجھے کرنا چاہیے یا نہیں؟

پردہاے خفا میں ہیں، کیا حال ہوگا۔ یہ تو ان کتب کا حال ہے جو واردات باطنیہ اور سلوک و ریاضیات سے تعلق رکھتی ہیں، اور کتب حکم و حقائق جو کہ تکوینیات اور ثمرات و نتائج سے تعلق رکھتی ہیں، جنمیں فصوص الحکم اعلیٰ پیمانہ کی کتب میں سے ہے اور ان کا حقیقی طور پر سمجھنا صرف ان نفوس کے لیے ہوسکتا ہے جو کہ عوالم علویہ کے مشاہدات سے فیضیاب ہوچکے ہیں، ہما شما کے لیے کیسے درست ہوسکتا ہے، اس مین غلط فہمی اور غلط کاری کا بہت زیادہ خطرہ ہے، اس لیے خود شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مماثل کا مقالہ مشہور ہے کہ وہ فرماتے ہین یحرم علی من لیس من اھلنا مطالعہ کتبنا[۱] بہت سے شراح فصوص بھی اس کو سمجھے ہیں یا نہین اس مین کلام ہے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ مقالات شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کو سنکر ارشاد فرماتے ہیں فھو زندیق! اور جب وفات شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ ہوئی تو فرمایا مات[۲] قطب الوقت من کان ولی اللہ آپ نے ان کی زندگی مین تو ان کو زندیق فرمایا تھا، ہم لوگون نے ان سے اجتناب کیا اور

---

[۱] ان کتابون کا پڑھنا اس شخص کیلیے حرام ہے جس نے ہماری کتابون کو پڑھا نہین ہے،

[۲] قطب وقت جو ولیا اللہ تھا وہ آج جاتا رہا۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ المتوفی ۶۵۰ھ کے متعلق بہت غلط فہمیان عوام اور خواص تک مین پھیلی ہوئی ہین، چنانچہ بہت سے فقہا اور علماء ظاہر نے مطعون کیا ہے، اسی کیساتھ صوفیہ کی ایک جماعت اور فقہا نے علو مقامات اور ولایت مقیدہ محمدی کا خاتم قرار دیا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی سے جب پوچھا گیا کہ شیخ اکبر کو آپنے کیسا پایا، فرمایا رجل مملو من فرقہ الی قدمہ من السنۃ۔ یعنی شیخ سر سے پیر تک سنت نبوی صلعم میں ڈوبے ہوئے ہین، سعدالدین حموی جو اصحاب نجم الدین کبریؒ میں سے ہین فرماتے ہین کہ ابن عربی، بحر مواج لا نہایۃ لہ۔ یعنی شیخ اکبر ایک بحر زخار ہین جسکا کنارہ نہین، شیخ صدرالدین قونوی، شیخ مؤیدالدین جندی، شعرانی، جامی، قاضی شوکانی، اور امام ولی اللہ دہلوی نے شیخ اکبر کے کلام پر گہری بحثین فرمائی ہین، اور صاف صاف فیصلہ کردیا ہے کہ کلام محتمل تاویل ہین لیکن یہ کام علماء ظاہر کا نہیں ہے، اسلیے ان تمام بزرگون نے بھی فصوص الحکم وغیرہ کے مطالعہ سے علماء رسوم کو سختی سے روکا ہے، چنانچہ یہی فیصلہ امام العصر نے بھی کیا ہے، باقی رہ گئی یہ بات کہ ان حضرات نے جو زبان اختیار فرمائی اور اشارات میں باتین کین اس میں کیا راز ہے، اس کو ہم مقدمہ مین واضح کرینگے، تاہم اتنا تو سمجھ رکھنا چاہیے کہ علوم اسلامیہ میں سے تصوف

(باقی ص ۲۰۱ پر)

اب آپ یہ ارشاد فرماتے ہیں، ہم کو ان کے فیوض سے محروم کر دیا، تو فرمایا، ان کی زبان اسرارِ غیوب کے ساتھ کھل گئی تھی جن کو تم سمجھ نہیں سکتے تھے، اگر تم ان کی صحبت میں جاتے تو بجز زندقہ تم کو کچھ حاصل نہ ہوتا، اس لیے میں نے تمھاری حفاظت کے لیے وہ کیا تھا بعض اہل اللہ نے شیخ اکبرؒ کو خواب میں دیکھا، ان کے گرد کچھ عیسائی اور کچھ مسلمان، جن کے چہرۂ پُرنور ہے، بیٹھے ہوئے ہیں، اور عیسائیوں پر ظلمتیں برستی ہیں، پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، فرمایا یہ عیسائی وہ لوگ ہیں جنھوں نے میری تصانیف کو مطالعہ کیا اور سمجھے نہیں اور ظلمات اور عیسائیت میں مبتلا ہو گئے، اور یہ مسلمان وہ لوگ ہیں جو سمجھے اور صحیح عقیدہ پر باقی رہے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر ان کی کتابوں کے مطالعہ سے سختی سے روکتے ہیں، اسرارِ تکوینیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا پیش نہیں آیا، حالانکہ ان کا تعلق اسی عالمِ شہادت کے ساتھ تھا، تو پھر تکوینیاتِ علویہ اور اسرارِ غیب میں ہم جیسوں کا کیا حال ہوگا، اس لیے اس کو ترک کر دینا ہی ضروری ہے، اگر شوق ہے تو صراطِ مستقیم ملفوظات حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور امداد السلوک اور مکتوبات حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ فرمائیے، اربابِ سکر جو کہ مغلوب بالسکر ہیں ان کی تصانیف سے اس وقت تک احتراز ضروری ہے جب تک کہ ہم کو اور آپ کو ان کا مقام نہ حاصل ہو جائے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۰) بھی ہے۔ اور اسی طرح اس کے اندر بھی بہت سی اصطلاحات موجود ہیں جس طرح فقہ اور کلام وغیرہ فنون میں پائی جاتی ہیں، اور جب تک کسی فن کے اصول و مبادی اور اصطلاحات پر عبور نہ ہو ہرگز ان بزرگوں کی باتوں کی تہ تک رسائی نہیں ہو سکتی جو اس علم و فن کے مؤسس و شارح ہیں۔ اس لیے سب نے فرمادیا ہے کہ ہم پر تنقید کرنے سے پہلے ہماری کتابوں اور ہمارے اصول کو سمجھ لیا جائے، ہمارے استاد حضرت مولانا ماجد علی شاگرد قطبِ گنگوہی اثنائے درس ترمذی میں فرمایا کرتے تھے کہ ابو عیسیٰ کی بولی کو سمجھو کیونکہ امام ترمذی جب قال ابو عیسیٰ بولتے ہیں تو اسی میں دن کی ساری بقاہرت اور محدثانہ تحقیق مستور ہوتی ہے، اسی پر اور علوم کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ • ۲ اصلاحی ؛

ہمارے لیے فتوحات مدینہ اور فصوص محمدیہ (نفع) در لازم ہیں، ان ہی میں ہمارے لیے شغل اور ہدایات ہیں، ان کو لازم کر لیجیے اور ذکر پر اس قدر التزام کیجیے کہ قلب اور روح ذکر دائم کے ساتھ منور ہو کر ذکر حقیقی اور مشاہدہ تحقیقی کیلیے ذریعہ اور سُلّم بنجائیں ؎

کار کن کار بگذر از گفتار ‌ ‌ ‌ کاندریں راہ کار دارد کار

ضرورت علم تصوف کی نہیں ہے، ضرورت حال[1] تصوف کی ہے، اس کے لیے جد وجہد فرمایئے، آمین، والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۷

(۱) صلوٰۃ[2] تہجد کا وقت عشا کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک ہے، حضرت عائشہ رضؓ سے صحاح میں روایت موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے شب میں بھی اور وسط شب میں بھی اور آخر شب میں تہجد پڑھی ہے، مگر آخری ایام میں اور زیادہ تر اخیر شب میں پڑھنا ہوا ہے جس قدر بھی رات کا حصہ متاخر ہوتا جاتا ہے برکات اور رحمتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں، اور سدس آخر میں سب حصوں سے زیادہ برکات ہوتی ہیں، تہجد ترک سجود یعنی ترک نوم سے عبارت ہے، اس لیے اوقات نوم بعد از عشا سب کے سب وقت تہجد ہی ہیں۔

---

[1] حال تصوف بدون صحبت شیخ کے ذرا دشوار ہے، مولانا رومیؒ نے صاف بات فرمادی ہے ؎

قال را بگذار مرد حال شو ‌ ‌ ‌ پیش مردے کاملے پامال شو

کسی دوسرے عارف نے بھی خوب بات فرمائی ہے ؎

سبحان دل کن کہ دیار بر از ین نیست ‌ ‌ ‌ در یاد خدا باش کہ کارے بہ از ین نیست

از کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را ‌ ‌ ‌ در مصحف دل بین کہ کتابے بہ از ین نیست

خلاصہ یہ کہ رسائی دل کے لیے اس راہ کے بڑے سیاح کی رہنمائی ضروری ہے۔ اصلاحی۔

[2] (۱) صلوٰۃ تہجد کا صحیح وقت کیا ہے؟

(۲) منہ مین گلوری[1] رکھ کر اگر اس میں تمباکو نہ ہو ذکر وغیرہ میں کوئی حرج نہیں، ہاں اگر تمباکو ہو تو کلی کرنا اور بدبو کو دور کر لینا چاہیے۔

(۳) الصلوٰۃ[2] معراج المومنین کے متعلق دو توجیہیں اس وقت خیال میں ہیں

(الف) لفظ معراج علی وزن المفتاح صیغہ الہ ہے، اس تقدیر میں حمل حقیقی ہے یعنی نماز مومنون کے لیے آلۂ عروج ہے، کیونکہ بہیمیت سے ملکیت کی طرف، مادیت سے تجرد کی طرف، بعد سے قرب خداوندی کی طرف، غیبوبت سے حضور کی طرف عروج اسی نماز کے ذریعہ ہوتا ہے۔ طہارت جسمانی بالوضوء والغسل وغیرہ انسان میں تشبہ بالملائکہ اور ان سے قرب پیدا کرنے والی اور انجاس ظاہری کے ساتھ ساتھ انجاس باطنیہ یعنی ذنوب، اور ان کے ثمرات کو دور کرنے والی ہیں، قطرات وضو اور غسل کے ساتھ ساتھ ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، دماغ وغیرہ کے ذنوب نکل جاتے ہیں، حتیٰ یخرج نقیا من الذنوب الحدیث (یہانتک کہ وہ گناہ سے صاف ہوجاتا ہے) یہی طہارت ظاہری قیامت مین غرہ اور تحجیل کی باعث ہوگی، ملائکہ جنکو بالذات طہارت اور روشنی سے محبت ہے اور نجاست اور ظلمات سے نفرت ہے وہ اس کی وجہ سے نمازی کے ساتھ تعلقات پیدا کرتے ہین، اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے، فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہین پاک رکھنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والون کو) اہل قبا کی ظاہری استنجا بالماء بعد الاستنجا بالحجارہ کے متعلق نازل ہوئی۔ الطہور شطر الایمان (پاکی نصف ایمان ہے) ارشاد ہوی ہے، اسباغ الوضوء علی المکارہ اور اس طہارت کی تحصیل میں مالی اور جسمی فدائیت نہ صرف رضا باری عزوجل کی سبب ہے، بلکہ اخلاق خبیثہ رذیلہ البخل رذیلہ الکسل وغیرہ کو زائل کرنے والی

---

[1] منہ مین گلوری رکھکر ذکر وغیرہ کرنا چاہیے یا نہیں، [2] الصلوٰۃ معراج المومنین کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟

اور آئندہ کو قابل ہمنشینی و ہم کلامی بنانے والی بھی ہے، علیٰ ہذا القیاس دیگر شروط صلوٰۃ بالخصوص توجہ الی القبلہ یکے بعد دیگرے غفلت کو دور اور بارگاہ ذی الجلال سے قریب کرنے والی بھی ہے، توجہ باری عزوجل کو کھینچنے میں مقناطیسی اثر رکھتے ہیں، جس کے لیے ارشاد اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ توجہ الی اللہ وارد ہے، پھر نماز کے اثمار زاہیہ میں فرمایا گیا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے) ترک فحشا اور منکرات کا اثر جس قدر بھی قرب خداوندی اور بُعد از رذائل بہیمیت و نفسانیت میں ہوگا اظہر من الشمس ہے: نماز میں جس قدر قرأت اور ادعیہ وغیرہ ہیں ان میں جناب باری عزاسمہ سے ہم کلامی اور تخاطب اور اس کا ذکر موجود ہے، جس سے غفلت کا دور ہونا اور توجہ الی اللہ حاصل ہونا اور ترقی پذیر ہونا معلوم ہوتا ہے، اگر انسان اس تخاطب کو سمجھتا ہوا حضور قلب کے ساتھ خشوع و خضوع کو ملحوظ رکھتا ہے (جو کہ مومنین کی نماز ہے) جب تو اس عروج کا حاصل ہونا ظاہر ہے ہی۔ مگر اس میں کوتاہی کرنے میں بھی نفع موجود ہے۔ الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل اور ادعیہ ماثورہ اور درود شریف کی تاثیریں سمجھنے پر موقوف نہیں ہیں، گل بنفشہ جان کر کھایئے یا بغیر جانے ہوئے اسہال بلغمی کا حاصل ہونا ضروری ہے، الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل حامل تاثیرات ہیں جو کہ بے سمجھے ہوئے بھی حاصل ہوتی ہیں، اگرچہ کمزور بہ نسبت سمجھنے کے ہوں۔ من قرأ حرفا من القرآن کانت لہ عشر حسنات لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف (جس نے قرآن سے ایک حرف پڑھا اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں بڑھ جاتی ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے، اذا صلی احدکم فلا تبتخمن قبل وجھہ فان اللہ بینہ وبین القبلۃ وفی روایۃ فان الرحمۃ تواجھہ (اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) (جب تم میں سے کوئی

نماز پڑھے تو اس کو لازم ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان حائل ہوتا ہے، یا اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے) اسی طرح التفات کے متعلق ارشاد ہے کہ جب تک بندہ نماز میں التفات نہیں کرتا ہے اس وقت تک بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ متوجہ رہتا ہے، یہ توجہ اور قرب خداوندی نماز کی وجہ سے بندہ کو حاصل ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین فاذا قال العبد الحمد للہ رب العلمین قال اللہ حمدنی عبدی فاذا قال الرحمٰن الرحیم قال اللہ اثنی علی عبدی فاذا قال العبد مالک یوم الدین قال اللہ مجدنی عبدی فاذا قال العبد ایاک نعبد وایاک نستعین قال اللہ ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سئال الحدیث (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا ہے، پس جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے اپنے بندہ نے میری تعریف کی، اور جب کہتا ہے الرحمٰن الرحیم تو اللہ فرماتا ہے ثنا کی میرے بندہ نے میری، اور جب مالک یوم الدین کہتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری عظمت بیان کی، اور جب ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ آیت میرے اور میرے بندے کے لیے ہے، اور جو میرا بندہ مانگے وہ اس کے لیے ہے۔ مسلم)۔

یہ نعمت مکالمہ اور مناجات بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں جاری ہونا کس قدر عروج اور ترقی انسانی ہے، اسی مکالمہ میں انسان اپنے لیے نعمت ہدایت جو کہ سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی ضرورت انسانی ہے طلب کرتا ہے، جس کو وہ اپنا نصب العین قرار دیتے ہوئے اس انعام و ہدایت سے خالص کرنا چاہتا ہے جو کہ مغضوب علیہم اور اہل ضلال پر ہوا تھا (موسوین وعیسوئین) اور ایسی کھری اور خالص ہدایت (ایصال الی المطلوب) مانگتا ہے جو کہ اہل اجتبا واصطفا کو عطا کی گئی، حسب ارشاد احادیث صحیحہ اس کو عطا کر دیا جاتا ہے، اور بندے کو کہہ دیا جاتا ہے کہ

تم کو ایسی ہدایت خالصہ عطا کر دی ، یہ ہماری کتاب جس کو ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الآیۃ کہا گیا ہے، یہی ایسی ایصال الی المطلوب ہے جس میں الفاظ اور حروف کے لباس اور کسوت میں اپنی صفت ازلیہ کلام نفسی کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ صفت کو موصوف کیساتھ کس قدر قوی اور شدید تعلق ہے ، بالخصوص جبکہ وہ واجب الوجود تعالیٰ شانہ کی ہو، اور پھر وہ صفات ذاتیہ میں سے ہو۔ ایسا انعام کسی امت اور کسی پیغمبر پر اس سے پہلے نہیں ہوا ، بے شک کتابیں اتاری گئیں ، مگر کلام خداوندی قدیم نہیں اتارا گیا ۔ یہ نعمت مومن محمدی کو دیجاتی ہے اور بارگاہ ذوالجلال سے قبولیت دعا ہدایت کے بعد قرآن پڑھنے اور اپنے نفس اور حاضرین کو سنانے کا اسی طریقہ پر حکم ہوجاتا ہے ، جیسے کہ جج اپنے فیصلہ وغیرہ کو سررشتہ دار کو دیتا ہے ، کہ ہمارے ججمنٹ کو پڑھ کر لوگوں کو سنا دو ، اس وقت میں سررشتہ دار جج کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے ، آپ اس سے اندازہ کر سکیں گے کہ محمدی مومن کے لیے کس قدر اعلیٰ اور ارفع عروج ہوا ، نیابت خداوندی ، صفت قدیمہ بکسوت الفاظ عربیہ ہر دو امر انتہا تقرب کے موجب ہیں ،
پھر اس انعام کے بعد عظمت و جلال خداوندی کا لحاظ کرنا اور جسم کو جھکا دینا شکریہ عملی اور قولی بجا لانا اور پھر شکریہ کرتے کرتے آقا کے سامنے زمین پر سر کو ٹیک کر پیشانی اور ناک کو رگڑنا اور آقا کی عظمت اور قدوسیت کو سراہنا کس قدر عروج اور تقرب کا باعث ہوگا ، مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے : ان اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا فیہ من الدعاء (اوکما قال علیہ السلام) (آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے ، بندہ اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوجاتا ہے ، لہذا اس حالت میں بہت دعا کرتے رہو۔ صحاح)

خلاصہ یہ ہے کہ ارکان صلوٰۃ اور اس کے سنن و آداب کو غور سے دیکھیے تو ضعیف البنیان مخلوق من الماء المھین بشر کے لیے وہ اعلیٰ مکان اور ارفع مرتبہ دکھائی دیتا ہے ، کہ جس کو

اگر کروبی بنظر غبطہ دیکھیے یا مولی العالمین محفل ملائکہ میں مباہات فرمائے اور اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ اس کے لیے دعوات صالحہ سے رطب اللسان ہوں تو کچھ تعجب نہیں ہے۔

افسوس ہے ہم اپنی نمازوں سے سخت غافل ہیں، فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ (پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔) وفقنا اللہ وایاکم للصلوٰۃ الحقیقیۃ۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ حمل اس جملہ میں حقیقی نہ لیا جائے، بلکہ مثل زید اسد بطور تشبیہ اور نعم مَرًّا لسّحاب بطور تمثیل قرار دیا جائے، یعنی الصلوٰۃ للمومنین کالمعراج للنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ معراج سے خصوصی معراج جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھی مراد لی جائے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم مادی اور خاکدان سفلی سے عالم تجرد اور عالم علوی کی طرف نقل کیا گیا، آپ کو دنوا ور تدلی اور قرب بمنزلہ قاب قوسین سے نوازا گیا، آپ کو نعمت مکالمہ اور اوحی الی عبدہ مااوحی سے مشرف کیا گیا، آپ کو نعمت رویت سے مالا مال کیا گیا، لقد رای من آیات ربہ الکبری مَازَاغَ الْبَصَرُ وغیرہ فرمائے،

مومن تجردی نمازوں میں ان ادناس مادیہ سے اٹھایا جاتا ہے، تدلی اور قرب کی نعمت عطا کی جاتی ہے، فان اللہ بینہ وبین القبلۃ اس کا شاہد عدل ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہر نمازی کے سامنے جب کہ وہ نماز کی نیت کرتا ہے تجلی خداوندی اور حقیقت از حقائق الہیہ ظہور پذیر ہوتی ہے، خواہ وہ اس کا احساس کرے یا نہیں، اور اسی تجلی کو راز فان اللہ بینہ وبین القبلۃ قرار دیتے ہیں، اور اس تجلی کی نسبت ذات مجمع الکمالات سے نسبت ساق الی الذوات قرار دیتے ہوئے یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ الآیۃ کی توجیہ فرماتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بھی سورہ قیامہ میں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

نمازوں میں رہنے کی وجہ سے اس تجلی خداوندی سے مومن محمدی کو طبعی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، جو کہ میدان قیامت مین ذریعہ معرفت خداوندی ہو جائے گی، اور مومن سجدہ میں گر جائے گا، بہر حال دنو اور تدلی کا حصول اس درجہ ہو جاتا ہے کہ فرمایا گیا انا جلیس من ذکرنی، انا مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ وغیرہ روایات، اور فرمایا گیا واسجد واقترب، رویت خداوندی کا حصول احسان والی حدیث سے پوچھیے، ان تعبد ربک کانک تراہ اور جب ظاہرین کو یہ شبہہ لاحق ہوتا تھا کہ مجرد محض کا تدرکہ الابصار کی رویت کس طرح ہو سکتی ہے، اس کو محالات میں سے شمار کرنے لگا تو اس کے استبعاد کے لیے ارشاد کر دیا گیا، فانہ یراک۔

اگر ارکان وآداب وسنن صلوٰۃ پر غور کیا جائے تو یقیناً وہ نعمتیں جو کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقی طور پر شب معراج میں عطا فرمائی گئیں، آپ کے طفیل میں ان سب کی تمثیلیں مومن کو اسی زمین پر عطا کی جاتی ہیں، وقت کی قلت کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا، مگر مختصر بھی انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا، ھذا ما لدی واللہ اعلم۔ کتابیں موجود نہیں ہیں، جن سے کچھ نقل اور استدلال کر سکوں۔ والسلام فقط

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔

## مکتوب نمبر ۶۸

ختم تراویح پر کچھ تقسیم کرنا[1] سلف سے منقول نہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف تین راتوں میں پڑھا تھا، اور پھر فرضیت کے خوف سے ترک کر دیا، حضرت عمرؓ نے اس کی جماعت باقاعدہ منظم فرمائی، مگر ختم پر کچھ تقسیم کرنا روایات میں نظر سے نہیں گذرا

[1] تراویح ختم ہونے پر شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ سورہ بقرہ یاد کر لیا تو خوشی میں احباب کی کھانے کی دعوت کی، اس روایت اور اسی قسم کی دوسری روایات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے اگر ختم قرآن جیسی نعمت حاصل ہونے پر احباب وغیرہ کو کچھ پیش کیا جائے تو خلاف شرع نہ ہوگا، اور امید ہے کہ ذریعۂ خوشنودیٔ باری عز اسمہ ہو۔ مگر جو طریقہ آج رائج ہو رہا ہے کہ مساجد میں اہل اور نا اہل سب جمع ہو کر نمازیوں کو مشوش کرتے اور شور و شغب عمل میں لاتے ہیں۔ تقسیم میں مار پیٹ گالی گلوچ وغیرہ رونما ہوتی ہیں، بانٹنے کی چیزیں فرش مسجد پر گرتی ہیں اور فرش گندہ ہو کر نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں، چندہ جبری طریقہ پر کیا جاتا ہے، غیر مستطیع کو طعنے دیے جاتے ہیں، التزام مالا یلزم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور ایسے ہیں جن کی بنا پر یا تو اس کو بالکل بند کر دینا چاہیے یا اس کی اصلاح اس طرح کرنی چاہیے، کہ اصحاب استطاعت حضرات اپنی خوشی سے جو کچھ میسر ہو لائیں اور مسجد سے باہر تقسیم کیا جائے۔ مسجد میں کچھ بھی کسی کو نہ دیا جائے، جو لوگ آئیں ان کو تاکید کی جائے کہ ختم تک بالکل ساکت و صامت رہیں، دعا میں اخلاص کے ساتھ شرکت کریں، بچوں اور شور و شغب کرنے والوں کو مسجد سے باہر ہی بٹھایا جائے۔

کھجوروں یا چھواروں یا مٹھائی پر دم کرنا بالکل غیر متعلق چیز ہے۔ بہر حال ایسی چیز کا تقسیم کرنا جس سے مسجد کے احترام اور فرش وغیرہ کے تلوث کا اندیشہ نہ ہو یقیناً ان چیزوں کے تقسیم سے بہتر ہوگا جن میں تلوث کا اندیشہ ہے، ہاں باہر مسجد کے مضائقہ نہیں۔

(۲) سفر حج میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ذبح فرمانا اور پھر گوشت کو ان میں تقسیم کرنا صحاح میں موجود ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا

؎۱ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کا گوشت کھایا ہے یا نہیں؟

ہے کہ آپ نے باری والی زوجہ کے یہاں جب کھانا کھایا ہوگا تو یہ گوشت بھی کھایا ہوگا، اسکی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کے یہاں کھانا اور بھی قرین قیاس ہے، اس کے علاوہ اور کوئی روایت جس میں صراحۃً لحم بقر کا تناول فرمانا ذکر کیا گیا ہو یاد نہیں آئی، کتابیں موجود نہیں ہیں کہ زیادہ تتبع کرکے جواب دوں۔

(۳) صحاح میں پائجامہ خریدنا[۱] منقول ہے، نیز محرم کے لباس میں پائجامہ کی ممانعت کا بھی تذکرہ ہے، غیر صحاح میں پائجامہ کی تعریف بھی مذکور ہے اور ترغیب بھی، اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہننا بھی۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی معجم اوسط اور موصلیؒ کی مسند میں بسند صحیح (خریدنے کی روایت میں اضافہ کرتے ہوئے) ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| قلت یارسول اللہ وانک لتلبس | میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے |
| السراویل قال اجل فی السفر والحضر | پائجامہ پہنا ہے، آپ نے فرمایا ہاں سفر و حضر اور رات |
| وباللیل والنہار فانی امرت بالستر | و دن میں پہنا ہے، ستر پوشی کا مجھکو حکم کیا گیا تھا، |
| فلم اجد شیئا استر منہ | سو اس سے زیادہ مستر میں نے کسی چیز کو نہیں پایا۔ |

مسند امام احمد اور معجم طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ میں ہے:

| | |
|---|---|
| عن ابی امامۃ قلنا یارسول اللہ ان | ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اہل کتاب |
| اھل الکتاب یتسرولون ولا یاتزرون | پائجامہ تو پہنتے ہیں مگر تہمد نہیں پہنتے ہیں، آنحضرت |
| فقال صلی اللہ علیہ وسلم تسرولوا و | صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پائجامہ پہنو اور تہمد بھی باندھو |
| ائتزروا وخالفوا اھل الکتاب | اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ |

[۱] حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائجامہ پہنا ہے یا نہیں، اگر پہنا ہے تو وہ کس وضع کا تھا؟

کنز العمال میں اور بھی روایات موجود ہیں، چونکہ عرب کے اصلی لباس میں ازار ہی تھا اور یہ پائجامہ فارس وغیرہ سے عرب میں داخل ہوا ہے، وہاں کے لوگ اس کو شلوار کہتے تھے اس لیے عرب نے اسی کی تعریب سروال کے لفظ سے کی ہے یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا مفرد نہیں ملتا، اب اس کے بعد اس کی ساخت کیسی تھی، اس کا پتہ چلانا مشکل ہے، بجز اس کے کہ اس میں اسراف اور اسبال یعنی ٹخنے سے نیچا ہونا (لقولہ علیہ السلام ما اسفل من الکعبین فھو فی النار) نہ چاہیے۔ اور علیٰ ہذا القیاس تشبہ باعداء الاسلام نہ ہونا چاہیے۔ ریشم کا نہ ہونا چاہیے، اور کسی قسم کا فیصلہ مشکل ہے۔ کتابیں موجود نہیں ہیں، اور غالباً کوئی خاص تنگی بھی اس میں نہیں ہے[1]۔ واللہ اعلم۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

## مکتوب نمبر ۷۹

(۱) قرآن شریف میں ہے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ الآیۃ[2] اس لیے تعمیر مساجد میں بلا واسطہ ان کا مال نہ خرچ ہونا چاہیے، ہاں اگر وہ ایسا کریں کہ کسی مسلمان کو مال کا مالک کر دیں اور وہ اپنی خوشی سے اس مال کو مسجد میں لگا دے تو مضائقہ نہیں۔

(۲)[3] مدرسہ دینیہ میں غیر مسلم کا چندہ لیا جا سکتا ہے اور طلبا یا دیگر مذہبی یا تعلیمی امور میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

[1] سیرۃ النبی جلد دوم میں ہے کہ "پائجامہ کبھی استعمال نہیں فرمایا، لیکن امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہے کہ آپ نے منا کے بازار میں پائجامہ خریدا تھا، حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا۔" اصلاحی

[2] غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

[3] مدرسہ دینیہ میں غیر مسلم سے چندہ لینا چاہیے یا نہیں؟

محترما ! آپ کو معلوم ہے کہ کتب فتاوی میرے پاس نہین ہین، پھر بھی بار بار آپ والانامجات مین فتاوی لکھتے ہین، حالانکہ آپ کو خود ہر قسم کی آسانیان مہیا ہین، کتب بھی اور اہل کتب بھی، اور مراکز فتاوی بھی آپ کے پاس اور زیر نظر ہیں۔ یہ الٹی گنگا کیون بہتی ہے۔

والسلام ، ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۸۰

عشق مین ان کے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

آپ کا اور شیخ ولی محمد صاحب کا خط پڑھکر بہت رنج ہوا، خصوصاً آپ کی کمزوری پر۔ آپ اس واقعہ کو سنکر روئے اور دونوں صاحبون کو قلق و اضطراب کی اس قدر نوبت آئی۔ میرے محترم ! یہ نانی جی کا گھر نہین ہے، اور نہ سسرال ہے، جہان عزت، راحت، آرام، سکون کا خیال کیا جائے۔ یہ جیل ہے اور اہل وطن کا نہین، سات ہزار میل بسنے والی اس قوم کا ہے جس سے نہ ہم کو مذہبی، نہ زبانی، نہ نسلی، نہ معاشرتی، نہ لونی، نہ وطنی کسی قسم کا اتحاد نہین اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت مین اس قوم کو ہم سے کوئی ہمدردی کہان ہو سکتی ہے اور وہ کسی ہندوستانی کی عزت یا رفعت کو کب پہچان سکتی ہے۔ صرف اتحاد نوعیت یعنی انسانیت ہے مگر آج یورپین قومیں خود آپس مین کونسی انسانیت عمل مین لارہی ہین، جو ایشیائی اور افریقی قوموں کے ساتھ عمل میں لائیں گے۔ جرمن سے روسی کس قسم کے شاکی ہیں، اور روسیون سے جرمن کیا شکایت کر رہے ہیں، پھر ہم تو ایشیائی اور ہندوستانی نیم وحشی ہیں ہی (ان کی نظرون مین) وہ جو کچھ مراعات کرتے ہین محض اپنی مصالح کی بنا پر۔ فقط۔ پھر ایسے کافر قوم کے افراد سے کوئی امید ایسی ہی ہے جیسے آگ سے پیاس بجھانے کی اور پانی سے جلا دینے کی۔ بہرحال

ہمارا اس میدان میں اترنا اس نصب العین کی بنا پر ہے جو ہم کو سید المرسل علیہ السلام اور قرآن مجید نے بتایا ہے، اور ہر قسم کی قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ الآیۃ | اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور اور ان کا مال الخ |
| جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم[۱] (الحدیث) | مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال اپنی جان اور اپنی زبان سے (حدیث) |
| افضل الجہاد کلمۃ حق (الحدیث) | بہتر جہاد حق بات کا ظالم بادشاہ کے سامنے کہنا ہے۔ |
| قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّۃً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّۃً الآیۃ | اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سے ہر حال میں۔ |
| قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ الآیۃ | اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے۔ |

میرے محترم! جبکہ اس دار الحرب کو جو کہ اس سے پہلے دار الاسلام تھا، کفار نے اپنے قبضہ میں لا کر احکام کفریہ اور شعائر لا دینیہ کا مرکز بنایا ہے تو ہر اس فرد پر فرض ہے جو کہ خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہے کہ اپنی طاقت کے موافق ایسے ملاحدہ کے تسلط اور غلبہ سے آزاد کرائے اور ان کی قوتوں اور شوکتوں کو مٹا دے جبکہ کوئی ایسے عزائم لیکر کھڑا ہوگا تو کیا طاغوتی قوتیں اس کی طاقت، عزت راحت وغیرہ کو صحیح وسالم چھوڑیں گے۔ انبیاء علیہم السلام نہیں چھوٹے، ہم اور ہمارے جیسے لاکھوں کروڑوں عوام الناس تو درکنار۔

جو کچھ آپ تک خبریں پہنچیں یا جو کچھ شاہد صاحب نے بنارس میں بیان کیا اس تمام مجموعہ کو

---

[۱] غالباً یہ ابت بالمعنی ہے، مفہوم صحیح ہے مگر الفاظ نظر سے نہیں گذرے۔ اصلاحی۔

ایک پلڑے میں رکھیے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو انتہائی تکالیف اور مشاق کفار سے اٹھانی پڑی ہیں اوذیت فی اللہ ولا یوذی نبی الحدیث (مجھکو اللہ کی راہ میں جو تکلیف دیگئی وہ کسی اور نبی کو نہیں دیگئی) ان کی معمولی مصیبت اور بے عزتی کو دوسرے پلڑے میں رکھیے، پھر دیکھیے کون پلڑا بھاری رہتا ہے، ہم کو آپ وارث نبوت مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس وراثت میں سے کچھ نہ ملے۔ ؎ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

بہرحال، خود جیل کیا کم بے عزتی اور بے راحتی ہے، پھر اس کے بعد وہاں پر تو انسان بالکل بے دست و پا ہو ہی جاتا ہے، اور حکام جیل ہی کے مراحم پر اس کا بسر اوقات ہوتا ہے، وہ اگر مار بھی ڈالیں تو کس کو خبر ہو سکتی ہے، اور ہاتھ پیر توڑ ڈالنا، مارپیٹ، بے عزتی اور تکالیف تو ادنی چیزیں ہیں، مگر جب اس راستہ میں چلے تو سب چیزوں کو پھول سمجھنا ضروری ہے۔ اوکھل میں سر دیا تو موسلوں سے کیا ڈرنا ؎

بھنورا بولے پھول کا کلی کلی رس لے کانٹا لاگے پریم کا تڑپ تڑپ جیوے

اب تفصیل واقعہ سنیے

(۱) جبسے میں یہاں آیا ہوں اس واقعہ تک نہ میں افسر اعلیٰ اور اس کے نائب سے ملا ہوں اور نہ وہ مجھ سے ملا تھا، اس نے تو مجھ کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا، میں نے دور سے دیکھا تھا، مگر صورت شناس نہ تھا (۲) حکام جیل بالخصوص وہ شخص جو کہ سابقہ جیلوں میں چھوٹے عہدوں سے بڑا ہوا، مثل زبانیہ جہنم نہایت سخت اور بدخو، بد زبان، تند خو ہوتے ہیں، بالخصوص اینگلو انڈین۔

(۳) میں عصر کے بعد اوراد و وظائف میں عموماً مشغول رہتا ہوں، اور کمرہ ہی کے اندر رہتا ہوں، مغرب کی نماز کے وقت نکلتا ہوں اور کمرہ کے باہر ہی کمبل وغیرہ بچھا کر ہم چند مسلمان بارک کے اندر ہی پنجوقتہ نماز جماعت پڑھا کرتے ہیں، بعض مسلمان دوسری بارکون

سے آجاتے ہیں اور جو کہ اسی بارک میں رہتے ہیں جس میں میں ہوں یعنی نمبر ایک وہ عشا اور فجر میں بھی شریک جماعت ہوا کرتے ہیں، مغرب کی فرض ادا کرنے کے بعد میں نوافل میں ڈیڑھ دوپارہ پڑھا کرتا ہوں۔ اس کے بعد بارک کے مسلمان کھانا ساتھ کھاتے ہیں اور پھر عشا کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں ہو جاتے ہیں،

(۴) بارکوں کے دروازے گرمیوں میں آٹھ بج جانے کے بعد بند ہوا کرتے تھے، جاڑوں میں ساڑھے سات بجے سے بند ہونے لگتے تھے، شمار اور گنتی ہر بارک کے آدمیوں کی بارک ہی میں ہوا کرتی ہے، پولیٹیکل قیدی اپنی اپنی جگہ پر گنے جاتے ہیں میں نماز میں مشغول ہوتا تھا گننے والے کمرہ ہی میں ہوتے ہوئے گن جاتے تھے اور اب بھی وہی حال ہے۔

(۵) افسر اعلیٰ نے اہل سرکل نمبرہ کے جیلر سے کہا کہ تم اپنے سرکل کی بارکوں کو سات بجے بند کرو، اس نے ذمہ دار بعض اشخاص سے کہا کہ افسر کا حکم سات بجے بند کرنے کا ہے، سرکل نمبرا والے (جن میں دوسرے پولیٹیکل قیدی ہیں) ساڑھے سات بجے بند ہو جاتے ہیں، تم بھی اسی وقت بند ہو جایا کرو، اس نے جواب دیا کہ ہم نے بعض مطالبات سپرنٹنڈنٹ کو بھیجے ہیں، ان کا جواب اب تک نہیں آیا، جب تک وہ پورے نہ ہو جائیں ہم اس مطالبہ کو پورا نہیں کریں گے، مگر اس کی مجھ کو اور میرے رفقا کو کوئی خبر نہ تھی، مجھکو اور میرے رفقا کو اس بند ہونے پر نہ کوئی اعتراض تھا اور نہ ان کے متعلق کوئی سوال پیدا ہوتا تھا، کیونکہ مغرب سے پہلے وہ سب بارک میں آجاتے تھے، اور صبح تک وہاں ہی رہتے تھے، اور بالخصوص میں تو عصر سے تقریباً بند ہی رہتا ہوں، بلکہ دوسرے اوقات میں بھی کمرے سے باہر بلا ضرورت نہیں نکلتا۔

(۶) افسر اعلیٰ کو یہ جواب اس ذمہ دار کا ناگوار گذرا اور اپنی طاقت کے مظاہر کرنے کے لیے اپنی فورس لے کر ساڑھے چھ بجے جب کہ عین مغرب کا وقت تھا بلا خبر اور بلا نوٹس

سرکل نمبر ۲ میں داخل ہوا اور سب سے پہلے ہماری بارک میں داخل ہوا، کیونکہ نمبر ا اسی کا ہے، اس لیے بارک میں جو لوگ موجود تھے حکم دیا کہ بارک سے باہر نکل آؤ اور دھکے دیکر لوگوں کو نکلوایا۔

(۷) میرا کمرہ بارک کے مشرقی کنارہ پر ہے، وہ پہلے مغربی کنارے پر گیا، اور جو لوگ اس طرف کمروں میں یا باہر کمروں کے تھے، دھکے دیکر نکالا، پھر مشرقی کنارہ پر آیا، ہمارے رفقا مغرب کی نماز کی تیاری کر رہے تھے، کمبل اور چادر بچھا رہے تھے، آفتاب غروب ہوچکا تھا، ان سے جب کہا گیا کہ بارک سے باہر نکل جاؤ تو انھوں نے کہا کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے، نماز پڑھ لیں جس میں صرف پانچ چھ منٹ لگیں گے، اس کے بعد نکل جائیں گے، چھوٹا افسر جو کہ یورپین ہے، اس کو سنکر ساکت ہوگیا، اتنے میں افسر اعلیٰ (سپرنٹنڈنٹ) انگلو انڈین پہنچا اور اس نے مولانا عبدالباری صاحب گورکھپوری کی بنیائن میں اوپر سے ہاتھ ڈالکر کھینچا اور زور سے کہا کہ نکل جاؤ، دوسروں نے پھر ان کو دھکا دیا، اسی طرح مولانا عبدالسمیع صاحب سلطانپوری کو دھکا دیا گیا۔ اور مولوی احمد صاحب بسنوی کو مارنے کے لیے بھی ہاتھ اٹھایا گیا، یہ سب یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے، میں کمرہ میں وظیفہ پڑھ رہا تھا، مجھکو ان تمام معاملات کی کوئی خبر نہ تھی، شور و شغب سنکر میں کھڑا ہوا، دیکھتا ہوں کہ کمرہ کے دروازہ پر سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کھڑے ہیں اور انکے ساتھ وارڈر اور نمبردار وغیرہ ہیں، میں نکلا تو انھوں نے کہا کہ نکل جاؤ، میں نے کہا کہ اچھا جوتا پہن لوں، میں اس وقت چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے تھا جو کہ سردیوں میں پہنا کرتا ہوں، میں کھڑاؤں لینے کے لیے بڑھنا چاہتا تھا کہ مجھکو دھکا دیا گیا، میں اس دروازہ کی طرف جو کہ بارک سے نکلنے کا ہے دھکے کی وجہ سے چلا ہی تھا کہ دوسرا دھکا دیا گیا، اس کی وجہ سے عمامہ سر پر سے گرنے لگا، میں اس کو سنبھالنا چاہتا تھا کہ تیسرا دھکا دیا گیا، میں اس کو سنبھال نہ سکا وہ گر گیا، پھر میں ٹوپی سنبھالنے لگا تو چوتھا زور سے دھکا دیا گیا، یہ اس قدر زور سے

دھکا دیا گیا تھا کہ ٹوپی بھی گر پڑی اور اگر میں سنبھل نہ جاتا تو زمین پر گر پڑتا، بہر حال میں ننگے سر اور ننگے پاؤں وہی موزہ پہنے ہوئے باہر نکل گیا، اس کے دو منٹ بعد سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ وغیرہ سب باہر آگئے، مجھ سے سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ آپنے تو کمرہ کو ہوٹل بنا رکھا ہے، میں نے کہا کہ کیا بات ہے، اس نے کہا کہ بارک میں چلے جاؤ، ہم لوگ پھر ایک ایک کرکے داخل ہو گئے۔ اور گننے کے بعد بارک بند ہو گئی،

(۸) ہماری بارک والوں کو کوئی نوٹس اس سے پہلے نہیں دیا گیا تھا اور نہ کسی نے باہر نکلنے سے انکار ہی کیا تھا، البتہ ہمارے ساتھی مسلمانوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے، ہم نماز پڑھ لیں تو حسب حکم نکل جائیں گے، مگر میں نے یہ بھی نہیں کہا تھا،

(۹) جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ہمارے رفقا اور بارک والوں میں کسی کو مارا نہیں گیا، صرف دھکے دیے گئے۔ البتہ نمبر ۷ یا نمبر ۶ میں کچھ لوگ بارک سے باہر کھانا کھا رہے تھے اور یہ ہی ہمیشہ سے ان کی عادت تھی، ان کو کھانے نہیں دیا گیا، اور بعض کو مارا پیٹا بھی گیا، کھانا اور برتن چھوڑ کر وہ بند ہو گئے، ہماری بارک میں بھی بعض وہ لوگ جن کا کھانا دوسری بارکوں میں پکا کرتا تھا اس رات بھوکے رہے،

(۱۰) صبح کو ہم چار آدمیوں نے (حسین احمد، عبد الباری، ماجد حسین، عبد السمیع) اپنی دستخطوں سے عرضی لکھی کہ چونکہ ہمارے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا گیا ہے اس لیے ہم کو مشیر قانونی لاری صاحب سے ملایا جائے تاکہ ہم قانونی چارہ جوئی کریں، یہ عرضی ہم نے سرکل جیلر کے ہاتھ میں دیدی، یہ عرضی انگریزی میں تھی، اور تقریباً بارہ بجے جیلر صاحب کو دی گئی تھی، جیلر اس ہنگامہ کے وقت وہیں میں موجود نہ تھے۔ واقعہ سنکر ان کو بھی بہت افسوس ہوا۔

(۱۱) تقریباً ۲ بجے سردار جگندر سنگھ (جو کہ ضلع بہرائچ سے پولیٹکل سیکورٹی پرزنر تھے

اور مرکزی اسمبلی کے ممبر ہیں) آئے، (وہ پہلے سے اسپتال میں تھے، ان کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو پہلے صبح کو ۹ یا ۱۰ بجے آئے تھے، اور تمام واقعہ سنکر بہت برہم ہوئے تھے) انھوں نے فرمایا کہ سپرنٹنڈنٹ تین ہوائی میں (وسط جیل میں ایک چوکی ہے جس میں محافظ جیل وغیرہ بیٹھا کرتے ہیں) آیا ہوا ہے اس نے مجھکو بلایا تھا اور وہ مجھ سے کہتا ہے کہ کل شام کو جو واقعہ ہوا ہے اس کا مجھکو بہت افسوس ہے میں مولانا مدنی کو پہچانتا نہ تھا، ان کو بلا دو۔ میں ان سے معافی مانگونگا، سردار صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں نے اسکو بہت لعنت ملامت کی ہے، اس لیے میری رائے ہے کہ تو میرے ساتھ چل کر اس کو معافی دیدے میں نے کہا کہ یہ سوال اب شخصی نہیں رہا ہے، بلکہ تمام جماعت کا سوال ہے، اس لیے آپ سب صاحبوں سے پوچھ لیجئے، انھوں نے ہر بارک کے چیدہ چیدہ اشخاص بلائے اور مشورہ لیا سبھوں کی غالب رائے یہ ہوئی کہ جب وہ معافی مانگتا ہے تو معافی دیدینی چاہیے۔

میں نے کہا کہ اچھا آپ جاکر اس سے کہہ دیجئے کہ حسین احمد نے معاف کر دیا، اتنے میں چیف وارڈر آگیا اور اس نے اصرار کیا کہ مجھکو خود وہاں چل کر معافی دیدینی چاہیے، بخبر سردار صاحب موصوف بھی اسی کے ہم کلام ہو گئے، بعض دوسروں کی بھی اسی قسم کی رائے ہوئی۔ میں چلا گیا، اس نے اولاً عذر کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ تو سفید ریش معمر آدمی ہوگا، میں تجھکو پہچانتا نہ تھا وغیرہ وغیرہ میں اس کو جوابات دیتا رہا، بالآخر اس نے کہا کہ مجھے افسوس ہے اور میں معافی چاہتا ہوں، میں اس کے بعد چلا آیا، اس نے اثنائے گفتگو میں یہ بھی کہا کہ میں نے وارڈروں کو پہلے سے تاکید کر دی تھی کہ (۔۔۔) کو ہاتھ نہ لگانا۔ میں نے کہا کہ پھر ان کو سزا دینا چاہیے، اس نے چیف وارڈر کو کہا کہ پتہ لگاؤ وہ کون کون تھے، ان کو سزا دیں گے، مگر یہ وقتی مدافعت تھی، ورنہ جو کچھ گذرا تھا، اس کے سامنے ہی گذرا تھا، اس نے کسی کو کچھ بھی نہیں کہا تھا،

میرے آنے کے بعد دوسرے لوگوں اور سردار صاحب موصوف سے اس کی گفتگو میں

ہے ہیں اور جو تشدد وہ تمام سرکل والوں پر کرنا چاہتا اس سے باز آگیا۔ اب کوئی سختی نہیں ہے۔

یہ واقعہ ہے، مجھے معلوم نہیں کہ اب تک کیا کیا باتیں پہنچیں۔ ہمارے تین شرکا رباقیین سے نہ معافی طلب کی گئی اور نہ انھوں نے معافی دی، وہ عرضی ہم کو آج تک نہ واپس کی گئی اور نہ ہم نے طلب کی۔ ایک شریک مولانا عبدالسمیع صاحب سلطانپوری رہا ہو کر چلے گئے۔ مولانا عبدالباری صاحب اور ماجد صاحب باقی ہیں، آج کل میں ان کی بھی رہائی کی خبریں ہیں، وہ نکلیں گے تو ان سے اور احوال وغیرہ معلوم ہوں گے، پریشان نہ ہونا چاہیے۔ شیخ ولی محمد صاحب کو بھی یہ تفصیل بتادیجئے اور مولوی فضل الرحمٰن سلمہ کو بھی، مولوی نور محمد صاحب کی زبانی معلوم کر کے بے چینی ہوئی ہے ان کو بھی مطمئن کر دیجئے۔ اس واقعہ کی بنا پر شیخ ولی محمد صاحب کو طلب کرنا بے موقع تھا، میں نے کوئی ضرورت نہیں سمجھی تھی، اس لئے آپ کو نہیں لکھا تھا۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

لہ ۲۴ر جنوری ۴۳ء حضرت امام العصر کو نینی جیل الہ آباد میں داخل کیا گیا، مولانا سید محمد شاہد صاحب فاخری خلف جناب مولانا محمد فاخر صاحب الہ آبادی سجادہ نشین دائرہ حضرت شاہ اجمل صاحب قدس سرہ العزیز (الہ آباد) مولانا عبدالحی صاحب، عبدالمجید صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب لکھنوی، مولانا عبدالباری صاحب عباسی گورکھپوری جیسے احباب یہاں بھی موجود تھے، یہ حضرات یکے بعد دیگرے رہا ہوتے رہے۔ مگر حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی تقریباً ۱۹ ماہ نینی جیل میں محبوس رہے۔ یکم نومبر ۴۳ء کو نماز مغرب کے وقت سپرنٹنڈنٹ جیل نے حضرت کیساتھ گستاخانہ حرکت کی، صرف اس بناپر کہ گنتی کیلئے جس قدر عجلت وہ طلب کر رہا تھا اتنی عجلت سے حضرت اس کی تعمیل نہ کر سکے تھے، سپرنٹنڈنٹ کی اس شوخ چشمی سے جیل کے تمام نظر بند برافروختہ ہوگئے، اور جب رفتہ رفتہ باہر خبر پہنچی تو ہندوستان کے ایک سرے کو دوسرے سرے تک اضطراب کی لہر دوڑ گئی، اور اگرچہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو اگلے دن ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا چنانچہ تیسرے روز حضرت سے معافی مانگ لی تھی، مگر جیل کے باہر تمام ہندوستان میں ایجی ٹیشن بڑھتا رہا، چنانچہ ۲۶ر نومبر ۴۳ء کو تمام ہندوستان میں احتجاجی جلسے کئے گئے۔ بالآخر ۴ر نومبر ۴۳ء کو ہندوستان ٹائمز میں گورنر یوپی کا ایک کمیونک شائع ہوا جس میں متذکرہ واقعہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے ذکر کیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے مولانا کے سامنے اظہار افسوس کیا اور اب مولانا اس سے بالکل مطمئن ہیں لیکن حضرت کے متوسلین کیلئے یہ کمیونک کوئی اطمینان بخش نہ تھا انکا اصرار تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کو برطرف کیا جائے لیکن حضرت کا ایک پیغام پہنچا کہ ہم نے سپرنٹنڈنٹ جیل کو معاف کر دیا۔

(حیات شیخ الاسلام) اصلاحی۔

# مکتوب نمبر ۱۸

آپ کے رسالہ جات دیکھے، ماشاء اللہ بڑے پیمانہ اور درجہ کے ہیں، میں شعر و شاعری سے واقف نہیں، اس میں کیا دخل دے سکتا ہوں، چند اشعار برائے اصلاح ارسال کرتا ہوں، آپ کی تقریر دربارہ نور عام فہم نہیں ہے، نیز اس حدیث کی سند میں بھی گفتگو ہے، اگرچہ صوفیہ کرام اور محققین اہل کشف اس کے قائل ہیں، مگر اس کی تحقیق و تفصیل فہم عوام تو درکنار خواص سے بھی بالاتر ہے۔ اس پر تقریر یا و بحث کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم اتحبون ان یکذب الله و رسوله کے خلاف ہے ؎

بجز خدا کے بھلا تجھکو کوئی کیا جانے　　تو شمس نور ہے ستّر منظاہو الابصار

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ مدحیہ میں ارشاد فرماتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں،

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت　　نہ جانا تجھکو کسی نے بجز خدا ازنہار

مجامع عامہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فضائل اور محاسن اخلاق و اعمال اور تعلیمات بیان ہونی چاہئیں جن کو عوام ادراک کرسکیں اور ان میں جذبہ عمل و اتباع پیدا ہو اور اپنی اصلاح کے درپے ہوں، زبان جہانتک ممکن ہو عام فہم ہو ایسا مضمون عالی، خواص یا اخص الخواص کے مجمع میں ہو تو مضائقہ نہیں، نفس مضمون پر عرض معروض ان مختصر تحریرات میں نہیں ہوسکتا، جوش و لا صفحہ ۷ میں فٹ نوٹ میں یہ عبارت قابل غور ہے، "عرب جاہلیت (قبل زمانہ اسلام) میں جو لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں ان کو زندہ درگور کردیتے تھے"، اگر اس کا مفہوم ظاہری لیا جائے تو سوال وارد ہوگا، پھر توالد تناسل کس طرح ہوتا تھا، صنف نسار کا وجود ہی نہ رہنا چاہیے، بہرحال نظم بہت اعلیٰ ہے، صفحہ ۷ میں ع

وہ ماں کو بھی بنالیتے تھے بی بی یہ جہالت تھی۔

بی بی اور بیوی میں کوئی فرق ہے یا دونوں مرادف ہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے بی بی بمعنی حرہ ضد باندی اور بیوی بمعنی زوجہ مقابل زوج ہے۔ اس لیے اس مصرعہ میں بیوی ہونا چاہیے، اکبر مرحوم کہتے ہیں ؎　　کل بے حجاب چند نظر آئیں بیبیاں،

صفحہ ۱۰ میں ہے

گرے اصنام منہ کے بھل الخ

جہانتک میں سمجھتا ہوں بہ لفظ بل بدون الہاء ہے،

مہربانی فرما کر شاندار ماضی چند دنوں کے لیے بھیج دیجئے۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں مولوی محمد صاحب[1] سے سلام مسنون کہدیں۔　　والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۸۲

مولوی احمد حسین صاحب لاہرپوری سے روپیوں کا وصول ہونا معلوم ہوا، ان کو سختی سے لکھ دیجئے کہ آیندہ ہرگز ہرگز روپیوں کے بھیجنے کا ارادہ نہ فرمائیں، وہ خود انتہائی کشمکش میں ہر طرف سے مبتلا ہیں، وہ اپنی ضروریات کو انجام دیں، بحمد اللہ مجھکو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پروردگار جل شانہٗ بہت اچھے طریقہ پر کام چلا رہا ہے، اس مرتبہ تو یہ روپے رکھ لیے گئے، آیندہ اگر بھیجا تو واپس کر دیے جائیں گے،

ان روپیوں کو ہمارے پاس نہ بھیجئے، میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مصاریف ڈاک وغیرہ کا باقاعدہ حساب منضبط رہنا چاہیے، اور پیسہ پیسہ کا حساب لینا چاہیے، جو مصرف میری

---

[1] مراد مولانا ابوالحسن حیدری صاحب کے برادر مرحوم۔

وجہ یا میرے کہنے اور میرے لکھنے سے واقع ہو اس کو بتمامہا وصول کرنا چاہیے، اس میں ذرا بھی تامل نہ ہونا چاہیے، ہاں اگر بلا طلب آپ نے کوئی صرف میرے لیے یا میری وجہ سے کیا ہو تو اس میں آپ کو اختیار ہوگا، اگر کوئی دقت نہ ہو تو ایک پارسل ڈیڑھ سیر عمدہ قسم کے پیڑوں یا اور کسی عمدہ ایسی مٹھائی کا جو کہ جلدی خراب نہ ہونے والی ہو ٹین کے ڈبہ میں یا بانس کی پٹاری میں کپڑا مڑھکر بذریعہ ڈاک پارسل ریحانہ سلمہا کے لیے ٹانڈہ میں بھیج دیجئے، پتہ یہ ہو (ریحانہ سلمہا بوسیلہ سید محمد بشیر صاحب محلہ اللہ داد پور، قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد) اس پارسل کے مصارف اسی میں سے انجام دیجئے۔ باقی روپے اپنے پاس رکھیے اور مصارف متعلقہ محسوب کرتے رہیے، میں تو دیوبند سے روپئے آپ کے پاس منگانے والا تھا۔ ہاں تین چار روپئے کی دوائیاں، چوتیاں، الکیّاں، جمع کرکے رکھئے یہ خردے خواہ چاندی کے ہوں یا نکل کے۔ جب ضرورت ہوگی طلب کروں گا۔ اظہر[1] صاحب کے قاصد کے ذریعہ سے پہنچا دیجئے گا،

مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے ہم خیال مدرسین و ملازمین اب ڈابھیل ضلع سورت کو ۱۶-۱۸ ربیع الاول کو چلے گئے، نواب چھتاری نے ان کو دو سو روپیہ ماہوار نہیں دیا بلکہ کئی سال ہوئے تھے، حیدر آباد سے وہاں کے وزیر اعلیٰ جن کے جانشین چھتاری صاحب ہیں انھوں نے دو سو روپیہ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ سے مقرر کرا دیے تھے، وہ ان کو برابر ملتے رہے۔ یہ وزیر اعلیٰ حیدری صاحب مشہور و معروف بزرگ تھے، چودھری[2] صاحب کا روپیہ دار العلوم کے توڑنے کے لیے غلط افواہ معلوم ہوتی ہے، البتہ چودھری صاحب اپنا اقتدار اسی طرح وہاں

---

[1] حاجی شیخ ولی صاحب جونپوری مراد ہیں۔ شیخ صاحب موصوف کو امام العصر مدظلہ العالی، اظہر، محمود داد، غلام حسین وغیرہ اسماء سے اپنے مکتوبات میں یاد فرمایا ہے، جو زیادہ تر نینی جیل الہ آباد کو لکھے گئے ہیں جس طرح امام العصر کا وجود گرامی ریشمی خطا کی تحریک کی اہم کڑی ہے اسی طرح شیخ صاحب موصوف آپ کے مخلص اور جانباز مجاہدین میں ہیں۔ صفا دل کے غازی ہیں اور وہ وہ کارنمایاں کیا ہے کہ سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان ہی میں ہمارے مولانا ابو الحسن حیدری بھی ہیں جو کبھی غلام حسین، خادم حسین، حامد، مظفر وغیرہ اسماء سے موسوم رہتے ہیں۔ اصلاحی

بھی جانا ضرور چاہتے ہیں جس طرح علی گڈھ اور لیگ پر ہے۔ اور اسی نہج پر ہر قسم کی کوششیں ہمیشہ جاری رہتی ہیں، میرا بڑا قصور یہی ہے کہ میرے ہوتے ہوئے چودھری صاحب کی دال نہیں گلتی، مجھکو جدا کیا گیا اور پھر اپنی دال گلانی چاہی مگر بحمد اللہ کامیابی نہیں ہوئی اور منہ کی کھانی پڑی، غضنفر اللہ صاحب کا واقعہ اگر صحیح ہے تو معلوم کرنا چاہیے کہ وہ آنے والے صاحب کون بزرگ تھے۔

آپ فرماتے ہیں "یہ ہمارے علماء کرام کا حال ہے تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔" آپ کے یہ جملے تعجب خیز ہیں، چودھری صاحب کا ہمیشہ سے یہ اصول ہے کہ اپنے مقاصد کے لیے ارباب اثر و نفوذ علماء کرام اور صوفیائے عظام اور اسی طرح امرا و دنیا کو ہمیشہ طرح طرح سے لایا کرتے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے عام مسلمانوں اور عام پبلک پر اثر جمایا کرتے ہیں، فتاوی نکلواتے ہیں، مریدوں کے لیے احکام نشر کراتے ہیں اور اس قسم کی سیکڑوں صورتیں بناتے اور خزانہ کی اچھی مقدار صرف کرتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر زمانہ ایسے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔

متعلقین اور والدہ، اہلیہ وغیرہ کی علالت سے فکر ہوا، دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تمام آفات سے محفوظ رکھے، آمین۔ صاحبزادہ کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ حسب ارشاد تعویذ بھیجوں گا۔ مجھ ناکارہ و نالائق کے ملفوظات جمع کرنے کا خیال غلط ہے، متقدمین اور اسلاف کرام کے ملفوظات کیا کم ہیں، جو ہمارے جیسے ننگ خلائق کے ملفوظات جمع کیے جائیں اور مینڈکی کے لیے نعل تیار ہوں، ہم دنیا کے کتوں سے بجز نفس پرستی، راحت طلبی نصوص کو خواہشات کے بدلتے میں ڈھالنے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، من کان مستنا فلیستن بمن مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ (تم میں سے جو شخص نمونہ اور اسوہ بنائے وہ گذرے ہوئے (اصحاب رسول اللہ صلعم) کا کیونکہ جو شخص زندہ ہے ابھی وہ فتنہ سے محفوظ نہیں ہے)۔ جبکہ خیر القرون کے لیے یہ فیصلہ ہے تو ہمارے زمانہ کا کیا حال ہوگا، لوگ اسلاف کرام کی کتابوں

سے نفع اٹھاتے ہی نہیں، نہ ان کا مطالعہ کرتے ہیں، ہم جیسے لغو اور بیکار کی کتابوں اور ملفوظات سے نفع اٹھانا سراب سے عطش کے زوال کی امید باندھنا ہے، اسلاف کی تصانیف کو شائع کرنا اور ان کی طرف توجہ دلانا البتہ ضروری ہے، اس لیے میں کسی تصنیف و تالیف کا قصد ہی نہیں کرتا بلکہ اضاعت وقت سمجھتا ہوں۔ پھر اس جگہ حسب ضرورت ذخیرہ کتب بھی نہیں ہے۔ جو کتابیں میرے پاس ہیں وہ ناکافی ہیں، اپنی ناقص یاد اور ناقص سمجھ سے کچھ لکھ دیتا ہوں، انکو درج ملفوظات کرنا کیا غلطی نہیں ہے۔

## جواب سوال اول[1]

(۱) محبت عموماً دو قسم کی ہوتی ہے، محبت اجلال اور محبت شفقت، قسم اول میں والد سب سے بڑھا ہوا ہے اور قسم ثانی میں ولد سب سے بڑھا ہوا ہے، ہر دو محبتوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور عقلی محبت سب سے بالا ہونی مطلوب ہے۔ یعنی انسان کو اپنی نفسانی خواہشات اور رامات سے پھرنے والی یہ محبتیں ہوتی ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور اتباع میں ان دو محبتوں کے پھیرنے سے زیادہ تر پھیرنا ازبس ضروری ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ محبت طبعی کے لیے بڑے بواعث احسان اور قرابت ہیں۔ درباره احسان سب سے بڑا احسان عالم ظاہر میں باپ کا احسان ہے، اور قرابت میں سب سے زیادہ قرابت بیٹے کی قرابت ہے کہ وہ جزء والد ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان والدین کے احسان سے بھی بڑھا ہوا ہے، والدین کے احسانات صرف جسمانی اور مادی ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات روحانی اور مادی دونوں قسم کے تمام امت

---

[1] لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین (الحدیث)
اس حدیث مبارک میں "ولد" اور "والد" کی قید کیوں لگائی ہے؟

پرہیں، روحانی احسانات سے آخرت کے عذاب سے نجات، روح کی حقیقی پرورش، اس کو غضب خداوندی کے موجبات سے بچانا وغیرہ وغیرہ بے شمار ہیں، اور مادی پرورش بھی ظاہر و باہر ہے، امت کو جب تک وہ تابعدار رہی اقوام عالم پر فوقیت اور حکومت عطا فرمائی گئی،

فرماتے ہیں زویت لی مشارق الارض ومغاربھا وان ملک امتی سیبلغ ما زوی لی منھا۔ (الحدیث) (آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ میرے لیے مشرق و مغرب کی زمینیں اکٹھا کر دی گئیں، میں نے دیکھا کہ عنقریب میری امت کی حکومت ان تمام حصوں پر ہوگی۔) لتفتحن کنوز کسری والروم۔ الحدیث (یقیناً کسریٰ اور روم کے خزانہ پر قبضہ کیا جائے گا) وغیرہ ہیں،

بیٹے کی قرابت والدین سے صرف مادی اور جسمانی ہے جس پر جملہ النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم (نبی سے زیادہ لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے) دلیل کامل ہے جب کہ آپ ارواح مومنین سے ان کے نفوس سے بھی زیادہ قریب ہوئے چونکہ لفظ اولیٰ کا لفظ مدلول مطابقی ہے تو وہ قرب مفہوم ہوا جو کہ آباء کے قرب سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے کیونکہ جزئیت و کلیت کا قرب نفس شی کے قرب سے کمزور ہوتا ہے، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لفظ اولیٰ اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قرب نفوس مومنین کے اپنے قرب سے بھی زیادہ ہے، تو دو وجہ سے آپ کے قرب کو آباء و امہات کے قرب سے زیادتی ہوئی، ایک شدت قرب اور دوسرے روحانی قرب جو کہ جسمانیت سے بہت زیادہ بالاتر ہے اور اسی کا نتیجہ ازواج مطہرات کی امومیت ہے وہ بھی روحانی امہات ہیں، نیز بعض قراءت میں وھو ابوھم بھی واقع ہے، خلاصہ یہ کہ طبعی محبت کے اقوی اسباب کا ان دونوں لفظوں والدہ و ولدہ میں اظہار فرمایا گیا ہے، واللہ اعلم

جواب ثانی (۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ جو لوگ منکر ہیں اللہ سے

| | |
|---|---|
| وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ | اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں |
| اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ | اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے |
| وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا | ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں |
| اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا | کہ نکالیں اسکے بیچ میں ایک راہ۔ ایسے لوگ وہی ہیں اصل |
| لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا. وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا |
| بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ | عذاب۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں |
| مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ | پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو جلد دیگا ثواب |
| وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (نساء۔ پ ۶) | اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ۔ |

آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہو گیا کہ نہ فقط اللہ تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا ایمان بغیر رسول کے ایمان کے معتبر ہے اور نہ فقط رسول پر ایمان بغیر اللہ کے اور اس کی توحید کے ایمان کے معتبر ہے اور نہ بعض رسولوں پر ایمان اور بعض پر عدم ایمان معتبر ہے، اس لیے یہ قول کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کا قائل یا عامل قابل نجات ہے اس کو اقرار بالرسالۃ کی ضرورت نہیں، باطل ہے۔

(۲) ہر نص میں بہت سی قیود بوجہ ظہور ملحوظ ہوتی ہے جن کو بسا اوقات ذکر نہیں کیا جاتا اور وہ بالاتفاق ضروری ہوتی ہیں، مثلاً اسی حدیث میں قلبی یقین اور تصدیق کا تذکرہ نہیں ہے فقط یہی کہا گیا ہے کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ تو کیا اگر کسی نے یہ کلمہ استہزا اور مذاق کے طور پر یا کسی کے کلام کے نقل کے طور پر کہا تو وہ بھی اس کا مستحق ہو گا، یا کسی نے مسلم جیش کے سامنے جان بچانے کے لیے یہ کلمہ کہا اور قلب میں تصدیق نہیں ہے تو کیا وہ اس اجر کا مستحق ہو گا یا اس کلمہ کے کہنے کے بعد انکار کر دیا یا کلمہ شرک بول دیا۔ یقیناً معلوم ہے کہ وہ توحید نجات کے لیے کافی نہیں ہے

(۲) جو شخص صرف موحد ہو مقر بالرسالۃ نہ ہو اسکی نجات ہوگی یا نہیں۔ پھر من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کے کیا معنی ہیں؟

اور حسب تصریحات روایات و آیات قید تصدیق قلبی کی ضرور لگانی ہوگی اور عدم انکار کی بھی قید ضروری ہوگی۔ اسی طرح اس روایت میں ایمان بالرسالہ کی بھی قید لگانی ضرور ہوگی جیسا کہ آیت مذکورہ نمبر ۱ سے ظاہر ہے۔

سورہ حجرات میں ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ | ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے |
| وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ | رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور |
| فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ | اپنی جان کر وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے |

لفظ انما جو کہ صیغہ حصر ہے یہاں استعمال کیا گیا ہے، حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اور حدیث وفد عبدالقیس میں ایمان کی تفصیل اور تعریف اسی لیے بیان فرماتے ہوئے ایمان بالرسل والملائکہ والکتب والقیمہ والقدر کو ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۳) توحید کا دعویٰ تو یہود، نصاریٰ، مشرکین عرب اور ہنود ہند سب کرتے ہیں، مگر اسی توحید کے ساتھ یہود عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ اور ید اللہ مغلولہ اور ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء اور تجسیم وغیرہ کے قائل ہیں۔ نصاریٰ اسی توحید کے ساتھ تثلیث اور ابن اور روح القدس اور زوجہ وغیرہ کے قائل ہیں، بت پرستان ہند نہ انکار صرف خدا کے قائل ہوتے ہوئے اوتاروں اور عبادت غیر اللہ کے قائل ہیں، تجسیم اور حلول وغیرہ ان کے عقائد ہیں، کیا ایسی توحید قابل اعتبار ہوگی، اس لیے قائل من قال لا الہ الا اللہ ہی سے جو تفسیر توحید منقول ہے وہ ہی موجب نجات ہوگی۔ اور جب اسکی تعلیم کا اعتبار کیا گیا تو تصدیق رسالت لازم آگئی، ورنہ وہ توحید حقیقی نہیں لفظی ہے، جو کہ قابل اعتبار نہیں واللہ اعلم۔

(۴) اسی روایت من قال لا الہ الا اللہ الحدیث کے جملہ طرق اگر جمع کیے جائیں تو معلوم ہوگا روایت مختصر واقع ہوئی ہے، اس میں کچھ اور بھی زیادتی ہے جو کہ راوی نے بوجہ ظہور یا اختصار یا نسیان یا

عدم ضرورت بعض اوقات میں چھوڑ دی ہے اور بعض اوقات میں ذکر کر دیا ہے مثلاً مخلصاً من قلبہ بخاری شریف وغیرہ میں اسی روایت میں موجود ہے، دوسری روایتوں میں وانی رسول اللہ بھی موجود ہے اسی لیے ائمہ فن فرماتے ہیں کہ جب تک کسی روایت کو اس کے تمام طرق سے نہ دیکھا جائے جب تک معنی متعین کرنے میں غلطی ہوتی ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو ستر اور اسّی تک کی قید لگاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ کے جملہ طرق کو جمع کیے ہوئے بغیر کسی معنی کو متعین کرنا ناواقفی اور بے اصولی ہے، کسی فن میں اس کے اصول اور قوانین کو ترک کر کے داخل ہونا اہل فن کے نزدیک انتہائی غلطی ہوتی ہے جس کو تمام اہل فن ضروری مانتے ہیں، مگر افسوس کہ طبابت، ڈاکٹری، انجینیری، نقشہ نویسی تاریخ، سائنس وغیرہ میں تو یہ قاعدہ ضروری قرار دیا جاتا ہے، مگر فن حدیث و فقہ میں ہر ناواقف بغیر اصول و قوانین رائے زنی کرنا ضروری سمجھتا ہے اور اپنی رائے کے خلاف کی تحمیق کرتا ہے۔

واللہ اعلم۔ والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۸۳

ایمانِ فرعون[۱] کے بارے میں جو کچھ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے وہ جمہور کی رائے کے خلاف ہے، استدلال کی سخافت سے شبہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ قول ان کا نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ ملاحدہ نے ان کی کتاب میں اپنی طرف سے زیادہ کر دیا ہے، بہر حال جو کچھ بھی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقالہ پر رد کے لیے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے

---

[۱] فرعون کے ایمان کے بارہ میں حضرت اقدس کی کیا رائے ہے، صاحب فصوص الحکم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کا خاتمہ ایمان کیساتھ ہوا ہے، نیز حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی بھی اپنی شرح فصوص الحکم میں اسی کے قائل ہیں۔

جس کو عرصہ ہوتا ہے میں نے مدینہ منورہ زید شرفا میں دیکھا تھا، یہ نہیں معلوم کہ وہ چھپ گیا ہے یا نہیں،

(۱) استدلال میں اولاً امراۃ فرعون رضی اللہ عنہا کا قول پیش کیا گیا ہے، مگر یہ استدلال نہایت کمزور ہے، جس وقت یہ قول ان سے صادر ہوا جب تک وہ خود بھی ایمان نہیں لائی تھیں، پھر ان کا عالم الغیب ہونا یا امور مستقبلہ پر مطلع ہونا کسی وقت میں بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کا کشف و الہام کسی زمانہ میں شرعی حجت ہو سکتا ہے، پھر کس طرح یہ قول قابل استدلال ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر محض ان کے قول کو نقل فرمایا ہے، اس کی تصحیح اور تصدیق نہیں فرمائی، یہ عادت خداوندی اقوال صحیحہ اور باطلہ دونوں میں جاری ہے، نیز قرۃ العین ہونا محبوبیت سے کنایہ ہے جو کہ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ (اور ڈالدی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے) کا نتیجہ تھا:

اس لیے ہر مومن اور غیر مومن کے اس زمانہ طفولیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب اور قرۃ عین تھے، اس سے ایمان فرعون پر استدلال نہایت ہی کمزور ہے، بالخصوص جبکہ اس کے خلاف قواعد کلیہ اور آیات جزئیہ دونوں کھلے بندوں دلالت کر رہی ہوں۔

علیٰ ہذا القیاس اس کو آیۃ قرار دینا بھی اسلام پر دال نہیں، ہر وہ شئی جس سے جناب باری عز اسمہ کے صفات و افعال و ذات پر کسی وجہ سے استدلال ہو سکتا ہو وہ آیۃ ہو سکتی ہے اس میں ذی روح ہونے کی شرط بھی نہیں ہے، چہ جائے کہ اسلام مشروط ہو۔

(قواعد کلیہ شرعیہ جو کہ قطعی طور پر اس کے بطلان کے شاہد ہیں)

| | |
|---|---|
| فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ | پھر جب انھوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو بولے ہم یقین لائے |
| وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ | اللہ اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جنکو شریک بتلاتے تھے۔ |
| فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا | پھر نہ ہوا کہ کام آئے ان کو یقین لانا ان کا جس وقت دیکھ چکے |
| بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ | ہمارا عذاب رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اس کے |

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُوْنَ (پ ۲۴ ع ۱۱) — بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر۔

اس آیت سے قاعدہ کلیہ اور سنت الٰہی کا پتہ چلتا ہے، کہ عذاب الٰہی کے دیکھنے کے بعد ایمان معتبر نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ (انبیاء۔ پ ۱۷ ع ۲)

پھر جب آہٹ پائی انھوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے بھاگنے۔ مت بھاگو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا، اور اپنے گھروں میں شاید تم کو کوئی پوچھے کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے گنہگار۔ پھر برابر یہی رہی انکی فریاد یہاں تک کر ڈھیر کر دیے گئے کاٹ کر بجھے پڑے ہوئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ (پ ۱۱ ع ۱۰۔ یونس)

سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر کام آتا انکو ایمان لانا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لائی اٹھالیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو ایک وقت تک۔

الغرض عذاب کے دیکھنے کے بعد ایمان لانا نفع نہیں دیتا، اس قاعدہ کلیہ سے صرف قوم یونس علیہ السلام کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، جس کی وجہ یہ تھی کہ حقیقۃً ان پر عذاب نہیں آیا تھا، بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کی جلد بازی کی بنا پر صورت عذاب نمودار کی گئی تھی، اُدھر حضرت یونس علیہ السلام پر اس جلد بازی پر عتابات متعددہ وارد کیے گئے تھے۔ اسی قاعدہ کلیہ کو سورہ نساء میں مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ مشرح فرمایا گیا ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَابًا اَلِـيْمًا (پ ۴ ع ۳) | اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کیے جاتے ہیں برے کام یہاں تک کہ جب سامنے آجاوے ان میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں، ان کے لیے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک |

جس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ موت حاضر ہو جانے کے وقت میں (جب کہ علامات موت ظاہر ہو جائیں اور انسان کو عالم غیب کی اشیا دکھائی دینے لگے) توبہ مقبول نہیں ہے، نہ عذاب دنیوی دور ہوتا ہے اور نہ عذاب آخرت سے رستگاری ہوتی ہے، نیز ان آیات نے صاف طور پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ فرعون جس نے ادراک غرق اور عذاب الٰہی کے مشاہدہ کے بعد ایمان کے کلمات کہے وہ ایمان دار عند اللہ اور عند الشرع نہیں ہوا، اور اس کی توبہ مقبول نہیں ہوئی، ادراک غرق کا مرتبہ تو رویت عذاب الٰہی اور رویت یاس خداوندی سے بعد کا ہے جبکہ رویت ہی سے ایمان کا نفع دینا ممنوع ہو جاتا ہے، تو ادراک عذاب سے بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور فرعونیوں کے لیے بد دعا میں ارشاد فرمانا فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ خود اس کے لیے شاہد عدل ہے، اگر ایسے وقت میں ایمان نافع ہوتا تو اس بد دعا کے کوئی معنی نہیں تھے، حالانکہ یہ دعا مقبول ہوئی اور فرمایا گیا قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ اور اسی بد دعا کا بھی اثر تھا کہ فرعون نے مرتے وقت تک ایمان قبول نہ کیا۔ بہر حال ان آیات سے جو حکم اور قاعدہ خداوندی مفہوم ہوتا ہے وہ نہایت قوی ہے، اور نصوص محکم ہیں جو استدلال ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کوئی بھی وقعت اور قوت نہیں رکھتا۔ غور فرمائیے۔

(۵) فرعون کے متعلق آیات خصوصیہ بھی جمہور ہی کی تائید کرتی ہیں)

سورہ ہود (علیہ السلام) رکوع ۹ میں فرمایا جاتا ہے:

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا | اور البتہ ہم بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور |
| وَسُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ | واضح سند دیکر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس |
| فَاتَّبَعُوْا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ | پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ |
| بِرَشِيْدٍ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ | کام کی۔ آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچا دیگا |
| فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ | ان کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے، اور پیچھے |
| وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ | سے ملتی رہی اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے |
| بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ | بھی، برا انعام ہے جو ان کو ملا۔ |

آیات مذکورہ بالا میں یَقْدُمُ قَوْمَهٗ الخ کے جملہ پر غور کریں، اگر اس کا ایمان عند اللہ معتبر ہوتا ہے تو دوزخ کے وارد کرنے میں وہ سب کے آگے آگے کیوں ہوتا اور دنیا و آخرت میں لعنت کیوں اس پر کی جاتی۔ بالخصوص صاحب فصوص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی بنا پر فقبضہ طاہرا مطہرا لیس فیہ شئ من الخبث لانہ قبضہ عند ایمانہ قبل ان یکتسب شیئا من الاثام والاسلام یجب ما قبلہ (فرعون دنیا سے طاہر اور مطہر مرا اس کے اندر کوئی گناہ نہیں رہا کیونکہ اس کی موت قبل اس کے کہ کچھ گناہ کرے ایمان کے ساتھ ہوگئی اور اسلام ماقبل گناہوں کو محو اور قطع کر دیتا ہے) تو اس آیت کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے اور بالکل ہی مناقضہ لازم آتا ہے۔

(نوٹ) یہ تاویل کرنا کہ ضمیریں صرف ملاء کی طرف راجع ہیں، فرعون اس میں داخل نہیں ہے، خلاف عربیت اور خلاف لسان عربی ہے، بالخصوص جبکہ یقدم اور قومہ کی ضمیر خصوصیت کے ساتھ فرعون ہی کی طرف راجع ہوتی ہے، اس لیے آیندہ کی ضمیریں مجموعہ کی طرف ہی عائد ہوں گی۔

نیز یہ تاویل کہ وہ اپنی قوم کو تو داخل فی النار کرادیگا مگر خود داخل نہیں ہوگا، بالکل غلط ہے،
اگر اس کا امر بالمعصیت معصیت نہیں رہا تھا اور اسلام نے حسب ارشاد یجب ما قبلہ گذشتہ
کو محو کر دیا تھا تو پھر یہ جزا یقدم قومہ الخ کیوں دی گئی، اور وہ اگر کار کیوں بنایا گیا، اور جب کہ
وہ طاہر اور مطہر لیس فیہ شئی من الحیف ہے تو قیامت میں یہ معاملہ کیوں ہے، ایسے لوگوں کے لیے تو
ارشاد کیا گیا ہے لا یسمعون حسیسھا، نیز دوزخ کی گرمی اور تغیظ زفیر و شہیق وغیرہ مسیرۃ
سبعین سنۃ تک پہنچتی ہے، کیا اس ایراد قوم میں وہ خود عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا۔

سورہ قصص رکوع ۴ پارہ ۲۰ میں ہے:

| | |
|---|---|
| وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ | اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق |
| بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ | اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئینگے، پھر پکڑا ہم نے |
| فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ | اس کو اور اسکے لشکروں کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو |
| فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ، وَجَعَلْنَا | دریا میں سو دیکھ لیا کیسا انجام ہوا گنہگاروں کا اور کیا ہم نے |
| هُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ | ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت |
| لَا يُنْصَرُونَ، وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا | کے دن انکو مدد نہ ملے گی اور پیچھے رکھدی ہم نے ان پر اس |
| لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ | دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن ان پر برائی ہے، |

ان آیات میں غور فرمایئے، استکبار کی معصیت میں فرعون کی نسبت خاص طور پر ذکر کی گئی ہے،
اور پھر ما بعد کی ضمیریں مجموعہ کی طرف عاید کی جارہی ہیں، نیز ائمۃ یدعون الی النار کا حقیقی
مصداق خود فرعون ہوتا ہے، اس کے ملا کے لوگ تو تابعاً و بالعرض ہوں گے، اور ان سب کو
قیامت میں مقبوح فرماتے ہیں، کیا ایمان اور اس کے آثار کے ہوتے ہوئے یہ جزائیں مرتب
ہو سکتی ہیں، آیت

| | |
|---|---|
| فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ | پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤں سے جو وہ کرتے |
| بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ | تھے اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب |
| عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ | وہ آگ ہے کہ دکھا دیتے ان کو صبح اور شام اور |
| اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ | جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو فرعون والوں |
| (مومن - پ۲۴) | کو سخت سے سخت عذاب میں۔ |

میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاویل کہ آل فرعون میں خود فرعون داخل نہیں ہے، قرآن کے محاورہ کے خلاف ہے، فرمایا جاتا ہے اعملوا آل داؤد شکرا الایۃ میں بالاتفاق حضرت داؤد علیہ السلام مخاطب ہیں، اسی طرح آیت وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ الایۃ (سورہ اعراف) میں فرعون بھی بالاتفاق اس مواخذہ میں داخل ہے،

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ ہیں اور بہت بڑے محقق ہیں اسلیے یہ قول یا تو درحقیقت ان کا ہے ہی نہیں، بلکہ ان کی تصانیف میں ملاحدہ نے چھپا کر کے داخل کر دیا ہے جیسا کہ امام العارفین شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے، اور اگر ان کا قول ہی ہو تو یقیناً اس میں ان سے خطا ہوئی ہے، وہ بڑے ہیں، مگر معصوم نہیں ہیں، اس لیے جمہور کا قول صحیح ہے۔

حدیث قوی میں وارد ہے کہ اس کے اس قول کے وقت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریا میں سے گارا نکال کر اس کے منہ میں بھر دیا کہ کہیں رحمت خداوندی اس کی نگران کار نہ بن جائے (مخافۃ ان تدرکہ الرحمۃ) یہ فعل ان کا یقیناً بغض فی اللہ ہی کی بنا پر ہو سکتا ہے، جو کہ اعلیٰ درجات ایمان میں سے ہے، اگرچہ ہستی کہ لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون کے مصادق کی امام اور عند ذی العرش مکین مطاع اور امین ہو۔ بغیر مرضی خداوندی کب ایسا فعل اور عمل کر سکتی ہے

لہذا یہ جملہ تاویلات غیر مرضی اور غیر قابل التفات ہیں، قدرۃ خداوندی میں کلام نہیں، واقعات سے بحث ہے، واللہ اعلم، رحمت الٰہی کی وسعت اور نصوص سے معلوم ہوتی ہے اسی پر منحصر نہیں ہے،

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۸۴

جو حالت لرزہ کی بدن میں بعض اوقات نماز وغیرہ میں پیدا ہوتی ہے بہت مبارک اور امید افزا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور ترقی عنایت فرمائے۔ ہمیشہ ذکر کی مداومت کا خیال رکھیے، مندرجہ ذیل امور کی زیادتی کر دیجئے۔

(۱) اثنائے ذکر میں ہر سو مرتبہ کے بعد دل لگا کر مندرجہ ذیل دعا پڑھا کیجئے،

(اللھم انت مقصودی ترکت الدنیا والاخرۃ وما فیہا لاجلک فامنن علیّ بوصلک التام ورضاک الکامل۔

(۲) دو ہزار مرتبہ روزانہ ذکر قلبی کیا کیجئے، قلب بائیں پستان کے چار انگل نیچے واقع ہے، خیال کیجئے کہ اسم ذات (اللہ قلب سے نکل رہا ہے، زبان کو حرکت نہ ہو، اور انگلیوں سے تسبیح کے دانوں پر اس ذکر خیالی قلبی کو شمار کرتے جائیں، خواہ ایک مجلس میں یا چند مجلسوں میں، یہ مقدار دو ہزار کی روز و شب میں پوری کر لیا کیجئے، باوضو قبلہ رو ہونا چاہیے، اس مقدار میں کمی نہ ہو، اور یہ بھی دھیان رہے کہ محبوب حقیقی صرف ذات وحدہ لاشریک لہ ہے، حسب قاعدہ من احب شیئاً اکثر ذکرہ اس بے تابی کے ساتھ قلب اس کو یاد کر رہا ہے،

(۳) جہانتک ممکن ہو اتباع سنت کا جملہ امور میں خیال رکھیے۔

دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمایئے۔ والسلام

خواجہ صاحب اور مولوی محمد صاحب اور دیگر واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیجئے

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۸۵

والا نامہ شیخ ولی محمد صاحب کے قاصد کے ذریعہ سے پہنچا تھا، اسی روز ننگ کو عریضہ ارسال کرنے کے بعد ہی شیخ صاحب کا مرسلہ پانوں کا پارسل پہنچ گیا تھا، اس میں کیوڑہ کے عرق کی بوتل بھی تھی شیخ صاحب کو رسید مع شکریہ تحریر فرمادیں۔

مرسلہ سوالات کے جوابات مختصر ارسال ہیں، بعد کو میری سمجھ میں آیا کہ احوال قلمبند کر دیئے جائیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر اسلاف نے بھی ایسا کیا ہے اور اہل زمانہ بھی ایسا کر رہے ہیں۔ نیز اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ احباب بہت سے غیر واقعی چیزیں محبت میں لکھ دیا کرتے ہیں، اور اعداء بہت سے مثالب عداوت میں غیر واقعی لکھ دیتے ہیں، دونوں سے فی الجملہ نجات ہو جائے گی، بنا بریں میں نے تفصیلات کچھ قلمبند کرنا شروع کیا ہے، اگر کسی قابل ہو گیا تو پیش کروں گا۔

تاریخ افکار سیاسیات اسلامیہ[1] دیکھی، اس کو دیکھ کر مجھے صدمہ ہوا، لعن آخر ہذہ الامۃ اولہا کی یاد تازہ ہو گئی، مصنف بلسان حال کہہ رہا ہے مسلمانان در دوزخ و مسلمانی در ہوا

[1] یہ کتاب جناب عبدالوحید خاں صاحب بی اے ایل ایل بی کی تالیف ہے، تقریظات ذی مولانا عبید اللہ سندھی کی ہے دیباچہ مولانا حافظ اسلم صاحب جیراجپوری اور دوسرا دیباچہ مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کا ہے، تقریب پرواز صاحب خود در دیبا مصنف نے لکھی ہے، اول الذکر ہر سہ بزرگوں نے کچھ اشارات فرمائے ہیں جس سے مولف کی غلط روی کا سراغ ملتا ہے، حالانکہ ضرورت تھی کہ اس طرح کی کتابوں کی ستائش کے بجائے اس کی پوری اصلاح کر دی جاتی۔ مولف کے گمراہ قلم کی شاخوں سے کتاب بھری ہوئی ہے اور کہنا پڑتا ہے ع "تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

یہاں کے قول مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب کی پوری اصلاح و ترمیم کردی گئی ہے، جو فوٹو اسلام اور حاملین اسلام کا اس کتاب میں کھینچا گیا ہے اس نے ملاحدہ، دہریہ، آریہ، مخالفین اسلام و مذہبیت کے لئے پورا مادہ اور ہتھیار مہیا کر دیا ہے، بارہ تیرہ سو برس سے اسلام اس بھیانک صورت پر ہے، پھر کس منہ اور کس زبان سے کسی کو اسلام کی طرف بلایا جا سکتا ہے، ہر طبقہ اور ہر شعبہ حاملین اور حفاظ اسلام کا جاہل، محرف، کذاب، غلط رو ضال و مضل وغیرہ وغیرہ ہے، والعیاذ باللہ۔ راوی اور شہود کی ضلالت اور تحریف سے نفس مروی کا غلط ہونا معلوم ہی ہے، ماشاء اللہ اسلام کی جڑ خوب کھودی اور کاٹی گئی ہے۔

یہاں بحمد اللہ خیر و عافیت ہے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، مولانا محمد صاحب اور دیگر پرسان حال حضرات سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفر لہ،

# مکتوب نمبر ۸۷

امور مسؤلہ عنہا کے جوابات ذیل میں مندرج ہیں۔

---

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۶) ہندوستان میں ایک خاص قسم کا گروہ پیدا ہو گیا ہے جس کا کام یہ ہے کہ تاریخ کو مسخ کرے اور بزرگوں کے دوش بدوش ایسوں کو کھڑا کر دے جن کی زندگیاں تاریخی قربانیوں سے خالی ہو، اس کتاب کو بھی مثال میں رکھ لیجیے۔ اور اسی طرح جناب اکرام صاحب کی آب کوثر، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ ہم ائمہ دین کے مقابل ڈاکٹر اقبال مرحوم کو کھڑا کر دیا گیا ہے۔ مانا کہ اقبال فلسفی سہی مگر یہ کیا ظلم ہے کہ جو اقبال خود سلف کا خوشہ چیں اور حضرت اقدس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کرنے والا ہو اس کو شاہ عبد الحق، شاہ ولی اللہ بنا کر پیش کر دیا جائے، یہ افراتفری مفید نہیں بلکہ سخت مضر ہے۔ تاریخ افکار سیاست بھی اسی طرح کی ہے، انشاء اللہ کسی فرصت میں اس کی نقاب کشائی کی تقریب منائی جائے گی۔ اصلاحی

(حاشیہ مکتوب نمبر ) شب برات کے اعمال کیا ہیں؟

(۱) [۵] ونیز باید دانست کہ بعضے از مفسرین قدر را بمعنی تقدیر گرفتہ اند وگفتہ اند کہ درین شب ارزاق وآجال ومصائب واعمال ودیگر حوادث عالم کون وفساد مقدر می شود واز لوح محفوظ بملائکہ نسخہائے امور متعلقہ بآنہا نقل کردہ حوالہ می گردد تا برطبق آن در تمام سال عمل نمایند لیکن اصح آنست کہ ایں تقدیر در نصف شعبان است کہ آنرا شب برات نامند اگرچہ بعضے ائمہ تابعین چنین گفتہ اند کہ نقل نسخہا دران شب شروع می شود ودرین شب بتصدیان تسلیم می نمایند پس ابتدائے تقدیر شب براءت است وانتہائے آں درین شب است وتحقیق ہماں است کہ مذکور شد۔ (تفسیر عزیزی سورہ قدر صفحہ ۲۵۵)

اور جاننا چاہیے کہ بعض مفسرین نے قدر کو تقدیر کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ اس شب کے اندر روزی موت مصیبت اعمال اور دوسرے حوادثات جو دنیا میں ہونے والے ہیں مقدر ہوتے اور لوح محفوظ سے ملائکہ کو ان کے کاموں کی نقل کرکے حوالہ کردیے جاتے ہیں تاکہ اسی کے مطابق تمام سال عمل در آمد کرتے رہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ تقدیر شعبان کی پندرھویں میں ہوتی ہے جسکو شب برات کہتے ہیں، اگرچہ بعض تابعین نے تاویل یہ کی ہے کہ یہ جو نقل اس رات کو شروع ہوتی ہے اور اس شب میں پیشکاروں کو حوالہ کردیتے ہیں، پس شروع تقدیر شب برات میں ہوا اور اس کا آخر اس رمضان کی رات میں ہوا اور تحقیق وہی ہے جو گذری۔

(۲) ودر قرآن مجید نزول قرآن را مورخ فرمودہ اند بسہ وقت شہر رمضان، وشب قدر وشب مبارک کہ نزد اکثر علماء عبارت است از شب برات کہ پانزدہم شعبان است۔ پس تطبیق دریں امر واقعی وایں تعبیرات متخالفہ چگونہ درست آید۔ آنچہ بعد از تنقیح معلوم شدہ آں است کہ نزول قرآن از لوح محفوظ درمقام بیت العزت

(۲) مورخین نزول قرآن مجید کو تین وقتوں میں مانا ہے رمضان المبارک، شب قدر اور شب مبارک جو کہ اکثر علماء کے نزدیک شب برات سے تعبیر کیجاتی ہے، جو پندرھویں شعبان ہے پس اس امر واقعی میں توفیق کی کیا صورت ہے اور توجیہات جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکر ٹھیک ہوسکتی ہیں، تتبع اور تنقیح کے بعد جو چیز سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کا نزول لوح محفوظ سے مقام بیت العزت

کہ بقعہ ایست از آسمان دنیا محفوف است،
بملائکہ ذی قدر در شب قدر است کہ در ماہ رمضان
واقع است و تقدیر نزول قرآن حکم فرمودن
حافظان لوح را کہ نسخہ آن را نقل کردہ بآسمان
دنیا رسانند در شب برات ہماں سال بود پس
ہر سہ تعبیر درست افتاد و نزول حقیقی در شب قدر
از ماہ رمضان واقع شد و نزول تقدیری پیش
ازاں در شب برات و نزول قرآن بر زبان پیغمبر
صلی اللہ علیہ وسلم در ماہ ربیع الاول سر سال
چہلم ست و اتمام نزول آن در بقیہ عمر
پس تعارضے نماند (تفسیر عزیزی سورہ قدر)

(۳) دریں جا ہم باید شنید کہ اتباع پیغمبر
را صلی اللہ علیہ وسلم مراتب است، و دراں افراط
و تفریط واقع می شود ہر چند دراں افراط
و تفریط قبیح نبود لیکن ہر چہ بر جادہ اعتدال
است بلا ریب افضل است از جانبین افراط
و تفریط۔ پس ادعیہ کہ در حق اموات در وقت
حضور قبور یا غیبت آن بوضعی کہ از جناب
رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم مروی و ثابت شدہ۔

ہیں جو کہ آسمان دنیا میں ایک جگہ ہے بڑے درجہ کے فرشتوں
سے گھری ہوئی شب قدر میں ہوا جو رمضان کے مہینہ میں
واقع ہے اور نزول قرآن کی تقدیر یا محافظین کو حکم دینا
کہ اس نسخہ کو نقل کر کے آسمان دنیا پر پہنچائیں شب برات
میں ہوئی جو اسی سال تھی پس تینوں تعبیرات صحیح ہو گئیں،
لہذا نزول حقیقی رمضان المبارک کے مہینہ شب قدر
میں ہوا، اور نزول تقدیری اس سے پہلے شب برات
میں اور پیغمبر صلعم کی زبان پر نزول قرآن ربیع الاول
کے مہینہ میں جو شروع نبوت کا چالیسواں سال ہے،
اور پھر پورا پورا نزول قرآن آپ کی باقی ماندہ عمر میں
ہوتا رہا، لہذا کوئی تعارض نہیں رہ گیا،

(۳) غور سے سننا چاہیے کہ آنحضرت صلعم کی پیروی کے
درجے ہیں، جس میں کمی اور زیادتی ہو جاتی ہے، اگرچہ یہ
افراط تفریط زیادہ بری نہیں تاہم جو چیز اعتدال کیساتھ
ہوگی وہ یقیناً اس افراط تفریط سے افضل ہوگی، پس وہ
دعائیں جو مردوں کے بارہ میں ہیں قبروں کے سامنے
یا قبروں کی عدم موجودگی میں آنحضرت صلعم سے جس
طرح مروی اور ثابت ہیں اگر اسی طرح اسکو عمل میں
لایا جائے تو یہ طریقہ دوسرے طریقوں سے افضل و

بہاں و منع اگر بر توزیع آید افضل است از
اوضاع دیگر۔ مثلاً آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم
در شب برات تنہا بے اطلاع و اعلام احدے
در بقیع تشریف بردند و دعا فرمودند و کسی را
از صحابہ امر نفرمودند کہ دریں شب بر مقام باید
رفت و دعا باید کرد چہ جائے کہ تاکید کردہ باشند
پس الحال اگر کسے اتباع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
منظور داشتہ در شب برات در مقبرہ مجمع عملی نمودہ
ادعیہ وافرہ کند اورا بنا بر مخالفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
ملام کردن نمی رسد لیکن ایں قدر باید فہمید کہ ایں
امر شدہ شدہ برسم انجامیدہ حقیقت کار وران
باقی نخواہد ماند۔ و مثال موضح ایں بیان است
مسئلہ فقہیہ کہ جماعت نفل مکروہ نیست اگر
تداعی باشد مکروہ است۔ (صراط مستقیم صفحہ ۸۵ و ۸۶)

بہتر ہوگا، مثال کے طور پر آنحضرت صلعم کا شب برات میں
چپکے سے اٹھکر بغیر اطلاع بقیع میں تشریف لیجانا اور دعا فرمانا
اور بغیر صحابہ میں سے کسی کو حکم نہ دینا کہ اس رات کو قبرستان
میں جانا چاہیے اور دعا کرنا چاہیے، لہذا اگر کوئی شخص اتباع
نبوی کو مد نظر رکھکر شب برات میں قبرستان کے اندر عملی کا
مجمع کرکے زیادہ دعائیں کرے تو ماناکہ اسکو مخالفت آنحضرت صلعم
سے تعبیر کرنا اور ملامت کرنا نہ کہا جائیگا، لیکن اتنا ضرور
سمجھنا چاہیے کہ یہ بات آہستہ آہستہ رسم بنجائے گی،
اور حقیقت اس کے اندر سے جاتی رہے گی،
اس بیان کی تائید اس مسئلہ فقہیہ سے ہوتی ہے
کہ جماعت سے نفل نماز مکروہ نہیں ہے لیکن
اگر التزام کرکے ادا کی جایا کرے تو فقہاء
اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ . . . . . . . . . . . . . . . . .

مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوگیا کہ شب برات ایک مبارک رات ہے اور راجح یہی ہے کہ سورہ دخان کی آیت

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا
كُنَّا مُنذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ
أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ رَحْمَةً

ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں ہم ہیں کہ
سنانے والے، اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا،
حکم ہوکر ہمارے پاس سے، ہم ہیں بھیجنے والے رحمت

مِنْ رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔ سے تیرے رب کی ، وہی سننے اور جاننے والا

سے مراد ارجح الاقوال پر یہی شب برات ہے ، اس روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بقیع میں تشریف لیجاکر اہل بقیع کے لیے دعا فرمائیں ، چنانچہ حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر خبر کیے ہوئے دبے پاؤں نکل کر بقیع میں گئے اور اہل بقیع (مقبرہ مدینہ منورہ) کے لیے دعا فرمائی ، اس دن کے لیے روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے ، اس لیے اگر ہو سکے تو ۱۴ اور ۱۵ کو روزہ رکھیں ، اور درمیانی شب میں جس قدر ممکن ہو نوافل اور ذکر و تسبیح سے اس شب کو معمور کریں اور بلا اجتماع مقبرہ میں جاکر اہل قبور کے لیے دعا کریں ۔ ان اعمال کے علاوہ بدعات سیئہ[1] اور قبائح ہیں ،

[1] امت محمدیہ صلعم کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ عقیدہ کی صحت مذہب کی روح ہے ، اس میں جہاں رخنہ ہوا مذہب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں ، شرک و بدعت کی تولید اکثر مذہبی عظمت ، تمول و سرمایہ داری سے ہوتی ہے ، جس کے مظاہر صحابہ کرام کے زمانہ میں نہایت کثرت سے موجود تھے ، لیکن جب کبھی صحابہ کرام کو یہ خطرہ ہوا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف شرک و بدعت کی صورت اختیار کرلے گا تو فوراً اس کی مخالفت کی ، اس لیے کہ عقائد و اعمال کی تجدید اور مذہب و اخلاق کی اصلاح صحابہ کرام اور آپ کے جانشینوں کا سب سے اہم فریضہ تھا ، اس لیے اور بھی کہ بنی آدم کی بھوکی روح کو مضر اور بدترین غذاؤں کی طرف بڑھنے دیا جائے تو کوئی شبہہ نہیں کہ وہ مفید اور پاکیزہ غذاؤں سے محروم ہو جائیں گی ، بدعات ایک بدترین غذا ہیں ، جو اس کو اختیار کرے گا وہ انبیاء علیہم السلام کی ستھری اور مفید غذاؤں سے نہ صرف محروم بلکہ نفرت کرنے لگے گا اور تو بہ سے عجب کیا محروم رہ جائے ، کیونکہ صادق مصدق کا ارشاد ہے "کبھی کسی قوم نے بدعت ایجاد نہیں کی کہ خدا نے ایک ویسی ہی سنت سے اسے محروم نہ کر دیا ہو ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس دل میں بدعت کا کوئی رشتہ لگا ہوا ہے ، اسلامی عظمت اور اتباع سنت کی برکات کی کمی بھی اس کے اندر لازمی ہے" ۔ اس لیے بانی اسلام نے اپنے مذہب کو تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے بدعات پر شدت سے نکیر کی ، کتاب و سنت اس پر گواہ ہیں ، چنانچہ صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و محدثین اکابر صوفیہ و جمہور مفسرین اور تمام اہل حق کا اجماعی مسئلہ ہو گیا ہے کہ بدعات و محدثات کا ارتکاب گناہ اور ایجاد کرنا تحریف دین کے مرادف ہے اور ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہے ، نہ اس کے فرائض قبول نہ نوافل ، بلکہ اللہ ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی اس پر لعنت ہے ، خوب سمجھ لیا جائے کہ بدعت ایک شرعی اصطلاح ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ مذہب کے عقائد یا اعمال میں کوئی ایسی بات داخل ہو جائے جس کی تعیین صاحب مذہب نے نہ فرمائی ہو اور نہ ان کے کسی حکم یا فعل سے اس کا منشا ظاہر ہو یا یوں سمجھو کہ دین میں دین کا مقصد جان کر کسی نئی چیز کا اضافہ کرنا بدعت ہے نہ کہ متقاضہ دین

(۲ - الف) ابوداؤد کی روایت میں ردّ اللّٰہ علیّ روحی فرمایا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں ما من مسلم یسلم علیّ الا ردّ اللّٰہ علیّ روحی حتی اسلم علیہ او کما قال۔ اگر لفظ الیّ روحی فرمایا گیا ہوتا، تو

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۱) کے لیے تجربہ وغیرہ کی بنا پر کسی چیز کا اختیار کرنا، اس تعریف کی رو سے قرآن کا جمع کرنا، سورتوں کی ترتیب، نماز تراویح ہیئت مخصوصہ کے ساتھ، اعراب قرآن مجید، اہل باطل سے مناظرہ دلائل نقلیہ کیساتھ، حدیث وفقہ کی کتابوں کی تصنیف قواعد نحو، رجال اور استنباط احکام فقہی، منارے اور مدارس کا قیام، کپڑوں اور میدے کی روٹی کھانا، شادی میں پلاؤ پکانا وغیرہ۔ ان پر لغوی اعتبار سے بدعت کا اطلاق بادی النظر میں ہوتا ہے لیکن بقول علامہ قونوی العبدان میں سے کوئی چیز بدعت نہیں، بلکہ اکثر ملحق بالسنۃ ہیں، یا تو ایسی ہیں کہ ان کے کرنے کا حکم صاحب شریعت ہی سے سمجھا جاتا ہے، اس لیے حسنہ اور سیئہ کی تقسیم ایک فقہی تقسیم ہے، صاحب شریعت نے تو ہر بدعت کو گمراہی فرمایا ہے، پس جسکو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے فی الحقیقت وہ بدعت ہے ہی نہیں کیونکہ بدعت شرعیہ بجمیع افراد مذموم ہے، اس نکتے کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب سمجھا ہے، آپ کے سارے مکتوبات رد بدعت پر حجۃ بالغہ ہیں۔ فرماتے ہیں "فقیر در ہیچ بدعتے ازیں بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کند و جز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید الخ (فقیر ان بدعتوں میں سے کسی میں خوبی اور روشنی نہیں دیکھتا ہے اور سوائے تاریکی اور تیرگی کے کوئی چیز محسوس نہیں ہوتی الخ) لہذا رسول اللہ صلعم کے ارشاد کل محدث بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ سے تمام بدعات سے بچنا چاہیے اور منطقی طور پر اس حدیث سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کل محدث ضلالۃ۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ لا شئی من الضلالۃ بھدایۃ فلا شئی من المحدث بھدایۃ۔ اور اس حدیث میں لفظ کل افرادی ہے نہ کہ مجموعی، اس لیے ہر بدعت گمراہی ہو جائے گی، چنانچہ حضرات مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں ان القول لا یقبل ما لم یعمل بہ وکلاھما یبقلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لا یقبل ما لم توافق السنۃ۔ (رباعی المراص) مفہوم یہ ہے کہ قول بلا عمل کے قبول نہ کیا جائیگا اور قول اور عمل بغیر نیت کے غیر مقبول اور اسی طرح قول، عمل اور نیت جبتک سنت نبوی صلعم کے مطابق نہ ہوں مقبول نہ ہوں گی، پس وہ اعمال جو سنت کے مطابق ادا نہ کیے جائیں مقبول نہ ہوں گے تو پھر ثواب کہاں سے ہو سکتا ہے، خوب سمجھ لیا جائے۔ بدعت ایک طاعون ہے اور بدعتی وہ چوہا ہے جو اس وبا کے جراثیم لیے پھرتا ہے، اسلیے بدعت کو پرورش کرنا ساری سوسائٹی کو تباہ کرنا ہے، آنحضرت صلعم تو اپنے حکیمانہ فقرہ میں یہاں تک فیصلہ سنا دیتے ہیں کہ جس شخص نے کسی صاحب بدعت کی تعظیم و توقیر کی وہ دراصل اسلام کی عمارت ڈھانے میں مددگار ہوا۔ (معاذ اللہ) اس نکتہ کو متقدمین صوفیہ نے سمجھا، چنانچہ ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری جو ذوالنون مصری کے خلیفہ ہیں فرماتے ہیں "جس کا ایمان و توحید خالص ہے وہ کسی متبدع (بدعتی) سے انس نہیں رکھ سکتا"۔ یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے "جو بدعتی سے دوستی رکھتا ہے اس سے سنت علیحدہ ہو جاتی ہے ..... اور جو بدعتی کیساتھ ہنسے گا اس سے اللہ تعالیٰ ایمان چھین لیگا" خلاصہ یہ ہے کہ محبت اور تعظیم رسول وہی معتبر اور مقبول ہوگی جس طرح اللہ کے رسول نے محبت کرنے کا سلیقہ بتایا اور تعظیم کا حکم دیا ہے، اصحاب رسول صلعم کی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، ان کے جیسی محبت اور تعظیم نہ کسی نے کی ہے اور نہ کر سکتا ہے صحابہ نے سمجھا تھا کہ آپکے اندر اتنی محبوبیت ہے کہ جو شخص آپ کی اتباع کرتا ہے وہ بھی محبوب بنجاتا ہے، مدارج کی ترقی، مراتب کی بلندی اور ولایت کے مقامات تک رسائی بدون پیروی سنت نبوی صلعم غیر ممکن بلکہ محال ہے ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا      تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا، علی استعلاء کے لیے ہے اور الی نہایت ظرف کے لیے ہے، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ و سلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہو گئی تھی، اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے،

چونکہ آنحضرت علیہ السلام مدارج قرب و معرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں، اس لیے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کر دیتا ہے، چنانچہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہد ہوتی ہیں، مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنایا گیا ہے اسلیے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لیے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی گئی کہ خود سرور کائنات علیہ السلام کو اس استغراق سے منقطع کر کے درود والے کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے اور آپ اس کے لیے متوجہ ہو کر دعا فرماتے ہیں،

(ب) اگر بالفرض وہی معنی لیے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور علی اور الی میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو،

(حاشیہ ص ۲۴۲) لے ایک شبہ باقی ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں باحیات ہیں، یہی ہمارا عقیدہ ہے پھر سلام کے جواب دینے کے لیے روح کا واپس آنے کے کیا معنی؟

ابن قدامہ نے احمد سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ما من احد یسلم من عند قبری الحدیث کی بنا پر آنحضرت صلعم کا زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ ہے اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے، مگر بعض روایات کی بناء پر علماء نے جمع کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صرف بذریعہ ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماعت بھی ہوتی ہے، لہذا قرب سے صلوٰۃ و سلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ زائر کی آواز کا آنحضرت صلعم کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑی شرف و مجد کی بات ہے، اس گرامی نامہ میں حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جو خاص تحقیق فرمائی ہے وہ اپنی جگہ پر ایسی تحقیق ہے جو عرفاء اور کاملین ہی کا حصہ ہے اور اہل نظر کے لیے اس میں وہ کچھ ہے جو اب دوسری جگہ سننے میں نہ آئیگا، بقول خواجہ نظامی

• صحبت نیکان ز جہاں دور شد     خانۂ عسل خانۂ زنبور شد

ع

خواجہ صاحب عام حالت کہہ گئے ہیں، مگر خواص بقول شیخ احمد عبدالحق اس میں نہیں ہیں بلکہ انکو آنحضرت صلعم کی صحبت گویا بیطرح حاصل ہوتی ہے جس طرح صحابہ کو حاصل تھی، ہمارے حضرت بھی تو ارباب حال اور محبان ذوالجلال میں سے ہیں یہ مکتوب سامی گواہ ہے۔

(اصلاحی)

اس لیے دوام حیاۃ لازم آئے گا،

(ج) سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (قطب العصر) کے مجموعہ ملفوظات مسمی بہ ابریز میں درج ہے کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ سینہ مبارک میں سے نہایت باریک دھاگے نورانی بے شمار نکلے ہوئے ہیں، اور ہر مسلمان کے قلب کے ساتھ ایک ایک دھاگے کا تعلق ہے، اور اسی تعلق کی بنا پر وہ اسلام اور ایمان پر ثابت ہے اگر وہ منقطع ہو جائے تو ایمان باقی نہیں رہ سکتا، اس کشف پر متعدد اہل عصر نے انکار کیا تو سیدی عبدالعزیز نے کہا کہ اچھا مجھکو اجازت دو کہ میں تم لوگوں کے دھاگے کو توڑ دوں اور تمہارے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں حائل ہو جاؤں، انھوں نے کہا کہ آپ ضرور یہ کریں، چنانچہ سیدی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا تو وہ لوگ اسلام پر قائم نہ رہ سکے، کوئی یہودی کوئی نصرانی کوئی دھریہ ہو گیا، معاذ اللہ۔ بناءً علی ذلک حدیث مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شعبہ جو کہ اس درود بھیجنے والے سے تعلق رکھتا تھا، اس کی طرف روح پرفتوح کی توجہ شدید ہو جاتی ہے، اور آنجناب علیہ السلام اس کی طرف مزید اور خصوصی توجہ فرما کر دعا فرماتے ہیں،

(د) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ آب حیاۃ صفحہ ۲۲۱ میں اس پر طویل بحث کی ہے جو کہ دقت مضمون اور طول کی وجہ سے اس وقت نقل نہیں کی جا سکتی، البتہ اس کے خلاصہ کو نقل کرتا ہوں،

اس صورت میں معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پرفتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے، ہوش عطا فرما دیتا ہے، یعنی مبدأ انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا،

مبدل بانقباض ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے، اور اپنی ذات
اور صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے،
سو چونکہ سلام امتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لیے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن
اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں، اس صورت میں اثبات حیات اور دفع مظنہ ممات
بمعنی انقطاع تعلق حیات کے لیے جواب میں اور تکلفات کی حاجت نہ رہے گی، قطع نظر
تصدیق وجدانی کے جو واقفان حقیقت مبدا انکشاف کو حاصل ہے، لفظ رد جو خود حدیث
میں موجود ہے اس پر شاہد ہے، ہاں ایک شبہ باقی ہے وہ یہ کہ ایک جہان آپ کا شیدائی
ہے، کوئی دم ایسا نہ گذرتا ہوگا جو کوئی نہ کوئی آپ پر سلام نہ عرض کرتا ہو، اس صورت میں
استغراق برائے نام ہی رہا، بلکہ یوں کہو کہ در پردہ اس کا انکار کرنا پڑا، یہ شبہ ایسا ہے کہ اور
مجیبوں کے جواب پر تو اس کا زوال مشکل ہے، ہاں بطور احقر البتہ اس کا جواب سہل ہے
وجہ اس کی یہ ہے کہ روح پر فتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جب منبع اور اصل ارواح باقیہ
منبع و منشا ارواح مومنین امت ٹھہری تو جو نسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی
طرف کا شعبہ لوٹے گا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں، اور ظاہر ہے اس شعبہ کا ارتداد
باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا، آخر شعب
غیر متناہیہ اور ہیں" الخ ص ۲۲۳

۳- ملائکہ سیاحین کی روایت فقط ابن حبان ہی کی نہیں صحاح میں بھی متعدد طرق
ست موجود ہے۔[1] القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1]: دوسری حدیث ابن حبان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت اسی کام کیلئے مقرر کر رکھی ہے جو سیاحی کرتی رہتی ہے اور میری امت میں سے جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اس سلام کو یہ فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں،
بود: دونوں حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سلام کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مصنفہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ میں روایت قوی نقل کی گئی ہے،

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ جب میں بھی مواجہہ شریفہ میں مزار اقدس پہ حاضر ہوا روح پر فتوح علیہ السلام کو عظیم الشان تموج میں پایا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ زائرین صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کی طرف خصوصی طور پہ توجہ فرماتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں، اور اسی طرح پر ان لوگوں کی طرف خصوصی طور پہ توجہ ہوتی ہے جو کہ آپ کی مدح کرتے ہیں اور ان سے خوش ہوتے ہیں، میں نے دیکھا کہ روح پرفتوح کی موج نے تمام متصل مکان اور فضا کو بھر رکھا ہے۔ (انتہی مختصراً بالمعنیٰ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مزار مقدس کے پاس صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو روحانی سماع ہوتا ہے اور باعث جواب ودعا بنتا ہے، اور اگر امکنہ بعیدہ سے صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو ملائکہ سیاحین جو کہ اس خدمت کے لیے متعین ہیں پہنچاتے ہیں، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور جواب سے درود پڑھنے والے کو شرف حاصل ہوتا ہے،

---

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۵) خود دیتے ہیں، مستدرک کی حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کی خدمت عالی میں سلام بوساطت ملائکہ پہنچتا ہے،

غرض یہ ہے کہ مواجہ رسول میں سلام پڑھا جائے یا قریب بعید مقام سے سلام پڑھا جائے وہ حضرت تک پہنچتا ہے ان دونوں حدیثوں میں مقام قرب بعد ومواقع سلام کی کوئی تخصیص نہیں ہے یعنی ہر مقام سے سلام پہنچتا ہے اور جب چاہے سلام بھیجنے والا بھیج سکتا ہے قیام وقعود کی بھی کوئی قید نہیں ہے، پھر اگر بوقت تذکرہ یا ذکر ولادت رسول اللہ صلعم قیام کرکے سلام پڑھنے والے سلام پڑھیں تو اس میں کیا نقص ہے؟ (حیدری)

نیز محمد بن عبد الباقی زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں اور سیوطی وجیز میں، امام بیہقی شعب میں، قاضی عیاض شفا میں اور ابن حجر اپنے فتاویٰ میں بھی ملائکہ سیاحین کی روایات کو درج کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے بعض طرق پر جید کا حکم دیا ہے، اور بیہقی نے بھی اس کے اور شواہد کو ظاہر کیا ہے، ہاں ابن عبد الهادی نے جس روایت پر کلام کیا ہے وہ ہے جس میں محمد بن مروان واقع ہے، وہ ضعیف ہے نہ کہ جملہ طرق، خوب سمجھ لیا جائے۔

(اصلاحی)

درود شریف پڑھنے کے لیے قیام وقعود کی کوئی تخصیص نہیں ہے، جیسے کہ اس کے لیے کسی وقت اور مکان کی تخصیص نہیں ہے، مگر جس طرح امکنہ نجسہ جو کہ مستوجب قلت مبالاۃ اور قلت ادب ہوں اس سے مستثنیٰ ہوں گے، اسی طرح وہ اوقات جو کہ موجب اسارۃ ادب وقلت مبالات ہوں وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ جیسے کہ فقہا نے تصریح فرمایا ہے فتح دکان کے وقت میں یا تاجر کے متاع خریدار پر پیش کرنے کے وقت میں درود شریف پڑھنا یا قعدہ اولیٰ میں بعد التحیات پڑھنا یا خطبہ پڑھتے وقت مقتدی وغیرہ کو ممنوع ہے۔ اسی طرح کوئی ایسی ہیئت جو کہ استخفاف اور قلت مبالاۃ یا کسی دیگر محظور کو مستلزم ہو ممنوع ہوگی، اس کی تفصیل شامی (رد المحتار حاشیہ درمختار لابن عابدین الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ) اور دیگر کتب میں موجود ہے۔

بہرحال مواجہ شریفہ میں درود شریف اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنا فقہا رحمہم اللہ تعالیٰ نے آداب زیارۃ میں کھڑے ہو کر ہی تبلایا ہے، اور سلف سے بھی یہی منقول ہے، دور سے کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنے میں بشرطیکہ کوئی محظور شرعی نہ ہو کوئی ممانعت نہ ہوگی، ہاں اگر تخصیص مطلق شرعی یا اطلاق مخصوص لازم آئے تو یقیناً اس کی ممانعت ہوگی، مثال ثانی کی درود شریف فی القعدۃ الآخیرۃ ہے اور مثال اول کی قیام فی المولد ہے۔

(الف) مجالس مولد قیام برائے صلوٰۃ وسلام ہونا خلاف واقع ہے، (کما مذکر) مگر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس وقت یعنی ذکر ولادت شریفہ کی تخصیص کرنی یہ تخصیص مطلق ہوئی جو کہ بالاتفاق فقہاء درست نہیں۔

(ب) واقعہ یہ ہے کہ یہ قیام ذکر ولادت کے لیے کیا جاتا ہے جس میں عموماً پڑھنے والے اور سننے والے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال اور تعظیم بالقیام سمجھتے ہیں، اور اسی بنا پر اس کے مواقع سلام کیا گیا ہیں؟

تارک کو تارک تعظیم جناب سرور کائنات علیہ السلام سمجھتے اور کہتے ہیں، درود شریف کے پڑھنے کے لیے قیام کوئی نہیں سمجھتا۔ مولود برزنجی کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں،

اردو موالد میں پڑھا جاتا ہے ع "اٹھو بہر تعظیم آتے ہیں حضرت" اور بعضوں میں اس کے ہم معنی اشعار اور کلمات ہوتے ہیں، بنا بریں بہت سے عامی تو یہ سمجھتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام خود مجلس مولود میں اس وقت تشریف لاتے ہیں اگرچہ ہم نہیں دیکھتے اس لیے تعظیما کھڑا ہونا چاہیے، اور بہت سے وہ لوگ جو کہ اپنے آپ کو سمجھدار اور واقف سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا استحضار بالذکر ہوا ہے تو جبکہ آپ جناب والدہ ماجدہ کے بطن مبارک سے اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے ہیں اس کا خیال آنے پر ہم کو آپ کی تعظیم بجا لانی چاہیے، یعنی وہ معاملہ کرنا چاہیے جو کہ آنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے، بہرحال یہ کہنا کہ آپ مجلس مولود میں تشریف لاتے ہیں یا یہ کہنا کہ صورۃ ولادت کا استحضار کرتے ہوئے کھڑے ہونا چاہیے، ہر دو میں تعظیم قادم ان لوگوں کے ذہن میں ہوتی ہے، اور قیام نہ کرنے والے کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نہ کرنے کا مرتکب خیال کیا جاتا ہے، یہ کہیں نہیں سمجھا جاتا کہ یہ قیام درود شریف پڑھنے کیلیے ہے، یہ توجیہ القول بما لا یرضی عاملہ ہے، دونوں امور کی سخافت ظاہر ہے، یعنی ہر مجلس میلاد میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف ارزانی فرمانا کسی نص ضعیف یا قوی سے ثابت نہیں جس پر عقیدہ جمایا جائے اور معاملہ مناسبہ عمل میں لایا جائے، یہ امر اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے کہ استحضار صورت ولادت کیا جائے اور مولود کی تعظیم بجا لائی جائے، اس کی کوئی شریعت میں نظیر نہیں۔[1]

---

[1] قیام کے متعلق حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے جو فیصلہ دیا ہے وہی حق اور صحیح ہے، بات صاف ہے کہ ممنوع میں تعظیم و احترام کہاں کو پیدا ہو سکتا ہے، بلکہ ادب و تعظیم وہی افضل اور بہتر ہے جو محبوب کو پسند آئے جب قیام تعظیم یا اکرام کے مباح کی طرف بعض لوگ گئے ہیں اور حدیثوں کے مطلب میں دانستہ یا نادانستہ غلطی کی ہے سو وہ بھی قیام دست بستہ بشکل نماز نہیں ہے، بلکہ وہ قیام اکرام کے قائل ہوئے ہیں، اسلیے دونوں میں بڑا فرق ہے، سمجھ سے کام لینے کی بات ہے کہ ابو داؤد و ترمذی کی صحیح

(ج) یہ اگر جملہ عوارضا سے قطع نظر کیجائے تو غایۃ مافی الباب اباحت یا استحسان کہا جاسکتا ہے مگر ایسے امور پر نفس مداومت ہی شرعاً مکروہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا تصریح فرما رہے ہیں کہ ان سورتوں پر عملاً مداومت کرنا جن کو کبھی کبھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نماز میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے مکروہ ہے، چہ جائیکہ اس پر اس قدر تشدد کیا جائے کہ تارک قیام کی بے عزتی، گالی گلوچ، مارپیٹ وغیرہ کی نوبت آجائے، ان امور کے ہوتے ہوئے تو وہ اباحت واستحسان بھی مبدل بالکراہت بلکہ بالحرمت ہو جائے گا،

(د) ذکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان میں، اقامت میں، تشہد میں درود شریف میں مجالس وعظ میں، مجالس قرأۃ قرآن وغیرہ میں بار بار ہوتا رہتا ہے، مگر کہیں قیام نہیں کیا جاتا ہے یہ محض تاویلات رکیکہ ہیں کہ بوقت تذکرہ یاذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کرکے سلام بھیجنے والے سلام بھیجتے ہیں"، اصل بات وہی ہے جو نمبر ب میں ذکر ہوئی،

(ھ) آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام قیام تعظیمی کو اپنی زندگی میں اپنے لیے منع فرماتے ہیں، ترمذی وغیرہ کی روایت ہے عن انس رضی اللہ عنہ انہ قال ماکان احد احب الیھم من رسول

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۸) حدیث میں آچکا ہے کہ جس کو خوش لگے کہ لوگ اس کے واسطے تصویر کی طرح کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ ٹھہرالیوے، یہی بات تھی کہ ملا علی قاری حنفی مرقاۃ میں رقمطراز ہیں وان اصحابہ ماکانوا یقومون تعظیما لہ الخ یعنی صحابہ آپ کی تعظیم کو نہیں کھڑے ہوتے تھے، باوجود اس کے کہ آپ سردار خلق ہیں کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلعم ایسا کرنا پسند نہیں فرماتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ولادت کے وقت ملائکہ کھڑے ہوئے تھے، یا اور اسی طرح کی بے سروپا روایات کی نہ تو کوئی سند ہے اور نہ متن ہی محدثین کے اصول پر ثابت ہے، اسی طرح کشف والہام یا شہود یہ بھی محققین صوفیہ کے نزدیک حجت نہیں ہے حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں ولاتیکلم بباطن فی علم ینقضہ علیہ ظاہر الکتاب اوالسنۃ یعنی اور کوئی پوشیدہ بات کسی علم کی ایسی نہ کہے کہ جس کے خلاف، یہ ظاہر کتاب وسنت کا ہو یہی قول جنید بغدادی سلیمان دارانی اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ کا ہے، دوسری اصولی بات یاد رکھنی چاہیے کہ عقائد میں حدیث متواتر جو مفید علم یقینی ہوتی ہو پیش کرنا چاہیے، خبر احاد جو صحیح بھی ہو اس میں معتبر نہیں ہے، اور اسی طرح اصول میں طے ہو چکا ہے کہ حدیث ضعیف سے کوئی حکم نہیں ثابت ہوتا ہے، چہ جائیکہ اعتقاد۔ خوب سمجھ لیا جائے کیونکہ غلو اور تنقیص دونوں خطرناک ہیں، (اصلاحی)

صلی اللہ علیہ وما کانوا یقومون لہ لما یعرفون من کراہیتہ لذالک[1] (اوکما قال)

دوسری روایت میں ہے لا تقوموا لی کما یقوم الاعاجم لبعضہم[2]۔ ایک اور روایت میں ہے سرہ ان یمثل لہ فلیتبوأ مقعدہ من النار[3]۔ ان روایتوں کی موجودگی میں تو ہم پر یہ بھی لازم ہو جاتا ہے کہ اگر بالفرض جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی تقدم میمنت لزوم کی نوبت آئے جب بھی قیام نہ کیا جائے، امتثال الحکم خیر من سلوک الادب مشہور مقالہ ہے، حضرات صحابہ کرام جو یقیناً افضل الامت ہیں انھوں نے ایسا عمل کیا حالانکہ وہ سچے عاشق تھے پھر اگر ہم اس میں کوتاہی کریں گے تو یقیناً خطاوار ہوں گے،

## آپ کے شبہات کا جواب

(۱) صلوٰۃ وسلام علی النبی علیہ السلام تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے، حسب ارشاد یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ جبکہ کسی مجلس میں ذکر جناب سرور کائنات علیہ السلام آئے تو ایک مرتبہ واجب ہو کہ صلوٰۃ وسلام زبان سے ادا کیا جائے، بشرطیکہ نماز یا خطبہ میں نہ ہو حسب ارشاد البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علی ومثلہ من الروایات العدیدۃ[4]۔ نماز میں بعد التحیات فی القعدۃ الاخیرہ سنت موکدہ ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔ دوسرے اوقات میں مستحب ہے بعض اوقات میں مکروہ اور بعض میں حرام ہے تفصیل شامی میں ملاحظہ فرمائیے،

---

[1] حضرت انس کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم صحابہ کو سب سے زیادہ محبوب تھے باوجود اس کے صحابہ آپ کی تعظیم کیلئے نہیں اٹھتے تھے کہ آپ اسکو ناپسند فرماتے تھے [2] آنحضرت صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے لیے کھڑے نہ ہو اکرو جس طرح عجمی لوگ اپنے سرداروں کیلئے کھڑے ہوا کرتے ہیں [3] یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی تعظیم کیلئے دوسروں کا کھڑا ہونا وغیرہ سے خوش ہو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے [4] آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میرا نام جس کے سامنے لیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا وہ بخیل ہے۔

(استفسارات) رسول اللہ صلعم کے دربار سے دور رہکر کیونکر سلام پڑھنا چاہیے، کھڑے ہو کر یا بیٹھکر؟ کیا سلام کے الفاظ متعین ہیں یا ہم بھی حسب منشاء اپنی تخیل سے عربی، فارسی اور اردو میں تیار کرکے سلام پڑھ سکتے ہیں؟ صحابہ کرام بھی مدینہ منورہ سے دور رہ کر سلام پڑھتے ہوں گے، حضرات کا کیا طریقہ عمل رہا ہے؟

(۲) ہر طرح جائز ہے، بشرطیکہ کوئی محذور لازم نہ آئے۔ کما ذکرناہ سابقاً۔

(۳) متعین نہیں۔ اظہار مدح جو کہ درجہ عدم جواز کو پہنچ جائے، نہ ہونا چاہیے، لا تطروني کما اطرت الیہود والنصاری انبیاء ھم[له] - اردو، فارسی وغیرہ میں ہو سکتا ہے۔

(۴) دوری کی مسافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح اور سے بیٹھکر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے تھے یا کھڑے ہو کر میری نظر سے اس کے متعلق کوئی خصوصی روایت نہیں گذری، اور نہ اس وقت یاد ہے۔ القول البدیع السخاوی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ الٰہ آباد اور شفا قاضی عیاض شرح شفا ملا علی القاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

## دیگر مسائل کے جوابات

(۱) تبلیغی سلسلہ کے جاری کرنے کا بیان پر ارادہ کرنا نہایت محمود امر ہے، مگر مسائل مختلفہ فیہا کو ابتدا میں لانا، مقصود بالذات قرار دینا حکمت کے خلاف ہے، اس وقت مسلمان عوام پر جہل اس قدر غالب ہو گیا ہے کہ وہ اساس اسلام و ایمان اور اصول دین سے ہی سخت غافل اور نادان ہو گئے ہیں، نماز اور جماعت کی پابندی فیصدی پندرہ یا بیس میں بمشکل پائی جائیگی عام مسلمان نماز پڑھنا ہی نہیں جانتے، بلکہ نیچے طبقہ والے خدا اور رسول کو بھی نہیں جانتے کلمہ طیبہ نہیں جانتے، توحید اور رسالت کیا ہے، اسلام کے اصول اور عقائد و فرائض کیا ہیں۔ تبلیغ میں الاہم فالاہم پر توجہ ضروری ہے، مسائل اختلافیہ کی بنا پر مخالف پارٹی کے لوگ پروپگنڈہ شروع کر کے عوام کو بدظن بنا دیتے ہیں، پھر امور متفقہ علیہا پر بھی موثر تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ اس لیے نمازی بنانا اور اصول و عقائد اسلام و اہل سنت کو سمجھانا اولاً بالذات ضروری ہے، شرک سے نفرت دلاتے وقت عبادت اصنام و احجار و اشجار و حیوانات وغیرہ

له آنحضرت کا ارشاد ہے کہ تم لوگ میری تعریف میں حد سے نہ بڑھ جاؤ جیسے یہود اور نصاریٰ انبیاء کی تعریف میں غلو سے کام لیا۔

کو جو کہ ہنود اور دیگر کفار کرتے ہیں اور جن میں ابناءِ وطن غیر مسلم قومیں مبتلا ہیں، ان کو ذکر کیا جائے۔ اور عوام کو سمجھایا جائے، اس مقام پر قبور، تعزیہ وغیرہ کو صراحۃً ذکر کیا جائے۔ جب نفرت عبادت غیر اللہ ان کے قلوب میں خوب راسخ ہو جائے، اور وہ مانوس ہو جائیں، اعمالِ مفترضہ کے عادی ہو جائیں تب ان کو آہستہ آہستہ ان شرورِ حالیہ سے بھی آگاہ کیا جائے، نماز کی وہ اسکیم جس کو میں نے متعدد خطوط میں ذکر کیا ہے، جاری کرنا ازبس ضروری ہے، ہر ممبر اس کا پابند ہو کہ وہ کم از کم دس آدمیوں کو خواہ مرد ہوں یا عورتیں نماز سکھلائیگا اور اس کا پابند بنائے گا، وعظ و نصائح میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو عام فہم ہوں، لعن طعن تشنیع وغیرہ سے احتراز کیا جائے۔

تعلیم یافتہ طبقہ بالکل دہریت اور الحاد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بقول ڈبلو ڈبلو ہنٹر ہمارے اسکولوں اور کالجوں سے تعلیم یافتہ کوئی نوجوان خواہ ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے بزرگوں کے عقیدوں کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو، ان کو فرداً فرداً اور جماعۃً جماعۃً سمجھانا اور درست کرنا ضروری ہے، اگرچہ ان میں وہ مادہ قبولیت نہیں ہے جو عوام میں ہے۔ ان کی تفہیم میں وہ زبان اور وہ طرز مناسب ہوگا جس کے یہ عادی ہیں۔ ان کو اعلیٰ درجہ کی اردو میں خطاب کیا جا سکتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ علماء نے عوام کے پاس جانا اور ان میں خلط ملط پیدا کر کے ان کی اصلاح کرنا تقریباً بالکل ہی چھوڑ دیا ہے، اور اسی طرح پر تعلیم یافتہ بالخصوص نوجوان طبقہ کو بھی ... ... بالکل چھوڑ ہی دیا ہے، یہ بالکل غلط ہے۔ کسی زمانہ میں کفر و نفاق وغیرہ کے الفاظ سے دہشت پیدا کی جاتی تھی، مگر آج وہ موثر نہیں ہے، جدوجہد سمجھ بوجھ کر کرنی چاہیے ایک سادہ سے کالج ہونے کی حیثیت سے آپ کا دائرہ وسیع اور سود مند ہے، اس سے نفع اٹھائیے اور ضائع نہ ہونے دیجئے۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۲۶ شعبان ۱۳۶۲ھ

# مکتوب نمبر ۸۰

آپ نے ۱۷ جنوری والا آرڈی نینس نہیں بھیجا، حالانکہ جمعہ کی تحریر میں وعدہ فرمایا تھا کہ اگلی مرتبہ قاصد کے ہاتھ بھیجوں گا۔

حسب ارشاد اخبار مرسل ہیں، مدینہ اخبار تو شاید آپ کے پاس براہ راست آتا ہے، اس لیے ارسال نہیں کرتا ہوں، اگر نہ آتا ہو تو اس کے پرچے بھی ارسال کروں۔ لیگی حضرات مساجد کو اپنی جولانگاہ بنانے میں انشاء اللہ کامیاب نہ ہوں گے، کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو پھر مسلم قوم کی بے راہ روی کا علاج ہی کیا ہے، آپ نے مدینہ ۵ صفر کے صفحہ ۲ کے مضمون جس کی سرخی

"مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس - ایک عینی گواہ کے قلم سے"

ہے دیکھا ہوگا، اب آپ ہی فرمائیے کہ جس صوبہ میں ۷۵ فیصدی سے زیادہ مسلمان بستے ہوں اور وہ لوگ بہ نسبت دوسرے صوبوں کے بہت زیادہ مذہبی شمار ہوتے ہوں جبکہ وہاں کے مسلمانوں کی یہ انقلابی مذہبی حالت ہوگئی ہے تو کیا امید کیجا سکتی ہے۔ اس الحاد اور بے دینی کی کوئی حد بھی ہے؟ جمعیۃ علماء اس طوفان اور شورش میں کیا کرسکتی ہے، اور خود علماء کس حال میں ہوگئے ہیں۔ کیا آپ کی نظر سے یہ نہیں گذرا کہ اسی پنڈال میں لیگ کے اجلاس کے بعد علماء کا اجلاس ہوا۔ اور برچونڈی شریف کے پیر صاحب نے صدارت فرمائی، مولانا جمال صاحب صاحبزادہ مولانا عبدالباری صاحب مرحوم فرنگی محلی اور مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی اور بہت سے حضرات الخ دونوں میں ان تمام اجلاسوں میں شریک رہے، جب حالت اس درجہ بدل گئی ہو کہ مسلم عوام، ارباب طریقت، ارباب شریعت سب کے سب اس سیلاب کے شکار ہوتے ہوئے

دین اور احکام دین سے برگشتہ ہوتے جارہے ہیں، تو جمعیتہ کے مٹھی بھر آدمی اپنی خستہ حالی کے ساتھ کیا کر سکیں گے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

آپ کو معلوم ہے کہ جمعیتہ کے بھی اکثر سرگرم ارکان جیلوں میں بند ہیں، جو لوگ باہر ہیں وہ ڈیفنس کے آرڈیننسوں سے خائف ہیں، یہ ایسا ہتھیار ہے کہ جس کی نہ داد ہے نہ فریاد جس کو چاہا دھر لیا، اول تو علماء میں عموماً احساس ہی نہیں اور جن کو کچھ ہے بھی وہ اپنی اپنی جگہ پر ہراساں اور مثل بید لرزاں ہیں، پھر کس طرح بنے ؎

بنے کیونکر کہ ہے ہر بات الٹی ہم الٹے یار الٹا بات الٹی

آپ نے خود دیہات کے عوام کی حالت بچشم خود دیکھی کیا اس کی ذمہ داری سے علماء بری ہو سکتے ہیں، روایت میں فرمایا گیا ہے کہ آج فوجاً فوجاً لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، پھر ایک زمانہ آئے گا کہ فوجاً فوجاً لوگ اسلام سے خارج ہوں گے، فطوبیٰ للغرباء کیا اس کی شہادت نہیں دیتا ہے، جس طرح ابتدا میں اسلام اُپرا اور منکر تھا (بدأ الاسلام غریباً) اسی طرح اس زمانہ میں غریب ہوتا جارہا ہے (وسیعود غریباً) ان لیگیوں کی اسلامیت کیا مصطفےٰ کمال[1] کی سی صرف نام کی اسلامیت نہیں ہے فالی اللہ المشتکی ۔ مولانا ان شکستہ حال اور گرے

---

[1] ممکن ہے کہ امام العصر کے ان فقروں سے یورپ زدہ اشخاص کو اور ان کو تکلیف ہو جو یورپ کے اسباب عروج و اسباب تنزل اور اسلام کے عروج و زوال کی علت میں فرق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ اگر اتاترک نے قرآن اور سیرت محمدی کا مطالعہ کیا ہوتا اور ترکی قوم پرستی کے بجائے اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ترکی جدید کی تعمیر کی ہوتی اور ان کو اگر معلوم ہوتا کہ ایک محدود قومیت کی طاقت اور ایک عالمگیر تبلیغی مسلک کی طاقت میں کتنا عظیم فرق ہے تو وہ اپنی قوم کو پولینڈ، ہالینڈ اور بلجیم کی سی پوزیشن میں چھوڑ کر نہ جاتے، بلکہ روسی اشتراکیت سے کہیں زیادہ زبردست طاقت

ہوئے مسلمان ادنیٰ طبقہ اور متوسط کو تو سنبھالا جا سکتا ہے، مگر تعلیم یافتہ (انگریزی خوان و ارباب دول) مسلمانوں کو تو پہلے بھی مشکل تھا اور اب تو تقریباً محال ہو گیا ہے، میں ۵ صفر والے پرچہ کو اس بنا پر کہ شاید آپ نے دیکھا نہ ہو، بھیج رہا ہوں، اس کو واپس کر دیجئے تاکہ محفوظ رکھوں۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۴) کے ساتھ چھوڑ کر جاتے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ مصطفیٰ کمال نے اسلامی قانون ترکی قلمرو سے ایک قلم منسوخ کر کے جرمنی کا تجارتی قانون، اٹلی کا فوجداری قانون، اور سوئٹزرلینڈ کا دیوانی قانون جاری کیا، وراثت میں مردوں عورتوں کو مساوی قرار دیا، تعدد ازدواج کو قانوناً ممنوع ٹھہرایا، پردہ کا کلی استیصال کیا، اپنا اور اپنے ساتھیوں کا بت بنوا کر انقرہ، سمرنا اور قسطنطنیہ میں شاہراہوں پر نصب کرائے، وغیرہ کو اگر ان کے مسلمان ہونے کی شہادت میں پیش کیا جائے تو کیا خلاف ہوگا؟ بلاشبہ اتاترک ایک اچھا جنرل تھا، قیادت کی بعض صلاحیتیں بھی اس میں پائی جاتی تھیں، سیاسی تدبر بھی ایک حد تک اس میں موجود تھا، اس کی رہنمائی میں ایک شکست خوردہ قوم تباہی سے بچ گئی اور اس نے اپنے قومی وطن کو پھر سے ایک آزاد سلطنت بنا لیا، مرحوم کمال پاشا کا یہ کمال ہر آئینہ مستحق تبریک و مبارکباد ہے کہ صدیوں سے جو مرعوبیت یورپ والوں کی ترکی کے دلوں میں چھائی ہوئی تھی رخصت ہو گئی، جو اتاترک کا اہم کارنامہ ہے، اسی کے ساتھ بانی پاکستان اور لیگیوں کی اسلامیت، خیالات، اصول، طریقے سب ہی چیزیں یہ غریب یورپ سے مانگ کر لائے ہیں، کیونکہ ان کے مفلس دماغ کا اختراع صرف اسی قدر تھا کہ جو ملکی حقوق اور عہدے ہندوؤں نے حاصل کیے ہیں اس میں اور مسلمانوں کا حصہ معین کر دیا جائے، یہ حقیقی پالٹکس نہ تھی بلکہ حقیقی پالٹکس گورنمنٹ سے رعایا کے مطالبہ کا نام ہے، یعنی پالٹکس گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی مطالبہ جات کا نام ہے، نہ یہ کہ رعایا کے باہمی تنازعات اور حقوق طلبی کا اس نازک فرق اور بنیادی چیز کو نظرانداز کرنے کے معنی یہی تھے کہ لیگ کا اولین سنگ بنیاد دشمنہ کا ڈپو دشمن ہو گیا، سوچنے کی بات تھی کہ اگر ہماری پالٹکس در اصل صحیح پالٹکس ہوتی تو جد وجہد اور ایثار و خود فراموشی کے جذبات خود بخود پیدا ہو جاتے لیکن ہمارے کالجوں سے نکلے ہوئے تمام صاحب بہادروں کا عجیب الخلقت گروہ کے نظام فکر اور اس کے اساسی قانون سے بغاوت ہی ایک دوسرے نظام فکر و قانون حیات کو علانیہ قبول کر لیا۔ انا للہ الخ۔ پاکستان بننے سے پہلے

(الف) حالت جنابت میں استغراق مسجد کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر ائمہ سب کے لیے[۵ ج] قائل ہیں ان کا استدلال آیت یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون ولا جنباً الا عابری سبیل حتیٰ تغتسلوا الآیۃ (اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے یہاں تک کہ غسل کر لو) سے ہے، یہ حضرات جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے قائل ہیں، بطور صنعۃ استخدام صلوٰۃ سے اول میں حقیقۃ نماز اور ثانی میں موضع صلوٰۃ یعنی مسجد مراد لیتے ہیں اور عابری سبیل سے استطراق یعنی حقیقی معنی مراد لیتے ہیں،

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ چونکہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے مانع ہیں صلوٰۃ کو ہر دو امور میں حقیقت پر حمل کرتے ہیں اور عبور سبیل کو سفر پر حمل کرتے ہیں اور حالت سفر میں بغیر غسل تیمم سے نماز کی اجازت دیتے ہیں اس لیے کہ عدم وجدان ماء سفر میں عذر ہے حضر میں نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز حضر میں عموماً نہیں پائی جاتی،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵۵) جو کچھ ہوا اور اب جو پاکستان میں اسلام کے نام پر ہو رہا ہے اور مجھ کو ہی غلط ثابت کیا جا رہا ہے وہ دنیا دیکھ رہی ہے۔ اتاترک مرحوم نے تو ترکی کے دل سے یورپ کے خوف کو دور کر دیا اور ان کا مد مقابل بنا دیا، مگر قائد اعظم نے ہندی مسلمانوں پر ہندوؤں کا بھوت اور ان کا خوف مرتے دم تک کے لیے سر پر سوار کر دیا، اور پاکستان انگریزوں کی خواہش پر بنا کر انکی سرپرستی قبول و منظور کر لی، اس لیے ترک قوم و ملک میں اور پاکستان میں نمایاں فرق ہے، ہماری دعا ہے کہ اسلام کے نام پر پاکستان بنانے والوں کو توفیق ہو جائے کہ وہ اسلام کے نام کو جو ان کی وجہ سے بدنام ہو رہا ہے اونچا کر دیں۔ (اصلاحی)

[۵] عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علی لا یحل لاحد یجنب فی ہذا المسجد غیری وغیرک قال علی بن المنذر فقلت لضرار بن صرد ما معنی ہذا الحدیث قال لا یحل لاحد یستطرقہ جنبا غیری وغیرک (رواہ الترمذی)

بحالت جنب آنحضرت صلعم و حضرت علی کرم اللہ وجہہ دخول مسجد میں کیوں مستثنیٰ ہیں حالانکہ بشریت سے خارج نہیں ہیں؟

دوسری توجیہ حنفیہ کے یہاں عبور سبیل کی مخصوص اُس حالت کے ساتھ ہے کہ کسی کو مسجد ہی میں جنابت بالاحتلام عارض ہوگئی اس کو بالتیمم اور بعض ائمہ (غالباً بخاری بھی ان ہی میں سے ہیں) بغیر تیمم اسی آیت سے عبور سبیل اور خروج عن المسجد کی اجازت دیتے ہیں، بہرحال جنب کے لیے استغراق مسجد مطلقاً ممنوع ہی نہیں تاکہ اشکال کیا جائے، جو احادیث ممانعت پر دال ہیں وہ صراحتہً یا بعض مراداً دخول کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، اور مسئولہ عنہا روایت استغراق پر دلالت کرتی ہے، اس لیے مخالفت اصل مذاہب نہ ہوگی، اس صورت میں اندروں کو منع کرنا حقیقت میں فتح ابواب الی المسجد سے کنایہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بلکہ جملہ ازواج کے حجرے سب کے دروازے مسجد ہی کی طرف تھے، اور علاوہ نماز کے جملہ امور مسلمین مسجد ہی میں انجام پاتے تھے، مجلس قضا بھی یہیں ہوتی تھی، مجالس تعلیم و مشاورت بھی یہیں منعقد ہوتی تھی، اور دیگر امور متعلقہ بالامت یہاں ہی انجام پاتے تھے، اس لیے ہر وقت مسجد میں آمد و رفت کی ضرورت پڑتی تھی، اس لیے بخاری نے ابواب مسجد میں ان جملہ امور کے لیے ابواب منعقد کیے ہیں، بنا بریں آپ کے لیے ضروری تھا کہ مسجد ہی کی طرف دروازہ رکھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوقت مواخاۃ آپ نے اپنا حلیف اور اخ بنایا اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بعد از بدر نکاح کر دیا، اور ان کی آمد و رفت اور دوسری ضروریات مقتضی تھیں کہ ان کا دروازہ بھی مسجد کی طرف ہی رکھا جائے، دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے دروازے مسجد کی طرف بنائے، اس حدیث میں ان کو ان دروازوں کے بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی علت فرمائی گئی ہے کہ دروازوں کا مسجد کی طرف رہنا مرور فی المسجد فی حالۃ الجنابت کو مستلزم ہے، اور یہ درست نہیں ہے، مگر چونکہ حسب قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کے لیے ایسی ضرورتیں تھیں جن کی بنا پر اس کی اجازت دیجا سکتی ہے، اس لیے اور دوسرے دروازے بند کر دیے جائیں صرف یہ دروازے کھلے رہیں، اس کے بعد سب لوگوں نے اپنے اپنے دروازے دوسری طرف کھول لیے، مگر چونکہ نمازوں میں اور جماعات کے اوقات میں شرکت جماعت میں مشکلات حائل ہوئیں تو کھڑکیوں کی اجازت چاہی، چنانچہ ان کو اس کی اجازت دیدی گئی، کہ اس میں استطراق فی حالۃ الجنابت کی نوبت نہیں ہو سکتی تھی، پھر آخر میں ان خوخات کو بھی بند کر دا دیا گیا اور صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خوخے کی اجازت دیگئی، جس سے ائمہ نے خلافت کی طرف اشارۃً استنباط کیا ہے،

مساجد کی تعظیم اور ان کو امتہان سے بچانے کا حکم بھی تدریجاً ہوا ہے، چنانچہ یہ روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، حالت جنابت میں بالتیمم مرور کی اجازت اور خاص خاص احوال میں اجازت ائمہ نے مجموعہ احادیث سے جو کہ آخری استقرار حکم پر دلالت کرتی ہیں استنباط کیا ہے، واللہ اعلم

مسئلہ خلافت یزید پر آئندہ عرض کروں گا۔　　والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۸۸

اپنے سوالات[۵] کا جواب بغور پڑھیے۔

(مقدمہ اولیٰ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی

---

[۱] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کیا غیر مستحسن نہیں ہے کہ انھوں نے یزید جیسے فاسق و فاجر کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا۔

روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں، اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تاریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

(مقدمہ ثانیہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں، مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا (اے اللہ تو معاویہ کو ہدایت یاب اور ہادی بنادے) یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ۔ اس لیے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضروری ہوگی۔

(مقدمہ ثالثہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض صحبت سے ان کی روحانی اور قلبی اس قدر اصلاح ہوگئی ہے اور ان کی نسبت باطنیہ اس قدر قوی ہوگئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہاسال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر ہر صحابی کی افضلیت کا بعد والوں پر ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہ (رضی اللہ عنہم) تو فرمایا کہ امیر معاویہ کے اس گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جس پہ سوار ہو کر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے، عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔

(مقدمہ رابعہ) معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہو سکتا، مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہو جاتا ہے، اگرچہ گناہ صورۃً ہی گناہ ہے، حقیقۃً نہیں ہے، حقیقت میں اس کو گناہ نہ کہا جائے گا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون رضی اللہ عنہ کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا ایک پیغمبر کی اور وہ بھی بڑا بھائی سخت اہانت ہے، جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے، مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا، محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے

کی وجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہو گی۔ اگر یہ امر اس وقت باعث خوف نہ ہوگا۔ حالانکہ وہ کافر تھا، ملک دار الحرب تھا، دشمن خدا و رسول کا ہم قوم اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریقہ پہ اسرائیلی پر غلبہ کرتا ہوا ستا رہا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا، اور پھر اس کے بعد معافی مانگ لی اور معافی دیدی گئی۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ قَالَ رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ[1] (سورہ قصص) مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں۔ حضرت موسیٰ ؑ نے الواح کو پٹک دیا وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ (سورہ اعراف) کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس میں کوئی شبہ نہیں کس قدر بڑا گناہ ہے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں ہوا۔ یقیناً یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی تھی، اور اس جوش نے یہ سب کچھ کرایا تھا، جو عشق خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا، یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جبکہ طور پر خبر دی گئی تھی فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ[2] (سورہ طٰہٰ) اور قبطی کا قتل عصبیت نسلی پر مبنی تھا، اس لیے وہ خطرناک ہوا۔ اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہو سکتا ہے، تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو کیوں نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اور کتاب اللہ کی اہانت اور بے اعتنائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علیؓ اور صاحبزادوںؓ سے جنگ و جدال پر کیا مواخذہ متروک نہیں ہو سکتا۔ اور اگر حضرت موسیٰؑ کا غصہ بھائی پر ان کی رشتہ داری اور قرابت قریبہ کی وجہ سے تیز ہو سکتا ہے تو بنی ہاشم اور حضرت علیؓ اور صاحبزادوں پر حضرت معاویہؓ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہو سکتا

---

[1] وہ بولا اے میرے رب میں نے برا کیا اپنی جان کا سو بخش مجھ کو، پھر اس کو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان

[2] ہم نے تو بچلا دیا تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے۔

ہر دو ابناء عم ہی تو ہیں۔

(مقدمہ خامسہ) ہم فرط عقیدت اہل بیت میں اکثر ہر دو کے مقامات اور اس زمانہ کے احوال سے بالکل غافل ہو جاتے ہیں، مورخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں مندرجہ ذیل احوال پر نظر ڈالیں،

عبد مناف کے ۴ بیٹے ہیں، عبدشمسؓ، نوفلؓ، مطلبؓ، ہاشمؓ۔ عبدشمس نے قریش ہی کی لڑکی سے کثرت اولاد حاصل کی، بنی امیہ پھلے اور پھولے اور خاندان میں کثرت ہوئی۔ ہاشم کے کوئی اولاد مکی کسی عورت سے نہیں ہوئی، ایک لڑکا نجاریہ عورت سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوا، اس کی صغرسنی ہی میں ہاشم کا انتقال ہوا، لڑکا ننہال میں پرورش پاتا ہے جب بڑا ہوتا ہے تو چچا یعنی مطلب اس کو مکہ میں لاتا ہے، وہ اونٹنی پر ردیف ہے، لوگ اس کو مطلب کا عبد سمجھ کر عبدالمطلب کہہ کر پکارنے لگتے ہیں، اس کا نام شیبۃ الحمد ہے، مگر اس نام کو کوئی نہیں جانتا، اس لڑکے کی پرورش وغیرہ کا تکفل چچا یعنی مطلب ہی کرتا ہے، (یعنی وہ اس زمانہ میں ہر طرح دست نگر چچا ہی کا ہے) لڑکا اگرچہ ہونہار ہے، اور وہ مجد اور شرافت طبعی اور اخلاقی ایسی رکھتا ہے کہ چچا اور اس کی اولاد نہایت محبت اور شفقت کرنے لگتے ہیں اور اس کی اخلاقی عظمت اجنبیوں کو بھی گرویدہ بناتی ہے (اور کیوں نہ ہو نور محمدی علیہ السلام اس کی پشت میں جلوہ ریز ہے) مگر یہ زمانہ فخر بالانساب اور فخر بالاحساب اور فخر بالمال اور فخر بالعز کا ہے، یہ لڑکا ہاشم کی نسل سے ہے، مگر ماں باہر کی، اس کے کوئی بھائی حقیقی جو کہ قوت بازو ہوتا موجود نہیں، مال جس کی وجہ سے عزت اور ناموری پیدا کرتا موجود نہیں، اس لیے اس کے لیے عزت کا سامان نہیں ہے ادھر اس کے اخلاق حمیدہ لوگوں کو کھینچتے ہیں، عوام میں اس کی عزت اور توقیر ہوتی ہے

اس صورت میں ابناء عم کو رشک پیدا ہونا طبعی امر ہے۔ اور ان کو یہ حسد لوگوں کے سامنے بھی اور اپنے قلب میں بھی حسب رواج زمانہ و ممالک مجبور کرتا ہے کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور نہ سب کو ظاہر کریں۔

عبد المطلب بڑے ہوتے ہیں، تجارت کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں، خواب میں زمزم کو دیکھتے ہیں جس کو جرہم نے بند کرکے اس طرح معدوم النشان کر دیا تھا کہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا حالانکہ یہ کنواں بنی اسماعیل علیہ السلام کا مایۂ فخر تھا، عبد المطلب خواب کے اشارہ کے موافق کنواں کھودنا چاہتے ہیں، ابناء عم مانع ہوتے ہیں، جس قدر بھی دلائل عقلیہ پیش کی جاتی ہیں سب اس رشک اور ظاہری قوت کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں، قلت عدد اور ضعف بالرجال آخر کار ناکامی کا منہ دکھاتی ہے۔ (آخر تو اس دنیا میں ہمیشہ قوت ہی سے لوہا منوایا گیا ہے، تہذیب اور تمدن عقل اور انسانیت کا مدعی یورپ آج کیا کر رہا ہے) اس زمانہ میں تو اس قوت کا بت جس قدر بھی رنگ لاتا کوئی تعجب خیز نہیں، عبد المطلب مجبور ہو کر خداوند کریم سے نذر کرتے ہیں کہ اگر میرے اس قدر اولاد ہو جائے جو کہ ان رقبا و حساد کا مقابلہ کرے تو میں ایک بیٹے کو تیرے واسطے ذبح کر دوں گا، اپنی اس قوت کے لیے ہر بڑے خاندان میں متعدد شادیاں کرتے ہیں، خداوند کریم اپنے فضل سے ان متعدد ازواج سے بہت سے اولاد ذکور و اناث دیتا ہے بیٹے جوان ہو جاتے ہیں، متعدد داماد ہو جاتے ہیں، خاندانوں میں مصاہرت کی وجہ سے قوی رشتہ داری قائم ہو جاتی ہے۔ اب بارہ نوجوان قوی ہیکل بیٹوں کو لیکر زمزم کھودنا چاہتے ہیں، پھر وہی ابناء عم مانع آتے ہیں، مگر اب عبد المطلب تن تنہا نہیں ہیں، ان کے ساتھ جاں نثار و کن دیہ قوت قوی ہیکل جوان بیٹے ہیں جو شخص سامنے آئے اس کو موت کا پیالہ پلانے کے لیے

تیار ہیں، ایک ایک نفر سو سو کا مقابلہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، ہمدرد بہت سے پیدا ہو چکے ہیں، عبد المطلب کی عظمت کا سکہ بیٹھ چکا ہے، بالآخر عبد المطلب اپنے بیٹوں وغیرہ کی امداد سے کنواں کھود ڈالتے ہیں اور ابناء عم کو سخت ناکامی اور عاجزی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، کنویں کے ظاہر ہو جانے اور پرانی نشانیاں کے ہویدا ہونے سے عبد المطلب کی عزت اور ناموری کو چار چاند لگ جاتے ہیں، سقایۃ الحاج ان ہی کا حصہ ہو جاتا ہے جس سے تمام عرب اور حجاج و عمار میں ان کا بے مثل وقار قائم ہو جاتا ہے، مگر یہ وقار اخلاقی ہے دوربین انصاف پسند عقلمند لوگ اس کی ضرور قدر کرتے ہیں، مگر ظاہر بین اشخاص جن کی ہر زمانہ اور بالخصوص اس زمانہ اور اس شہر اور ملک کی اکثریت ہے، وہ مادی ہی برتری کے پوجاری ہیں، جو کہ ابناء عم یعنی بنی امیہ میں ہی ہے۔

پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بنی ہاشم میں ہوتا ہے اور بنی المطلب پر ہوتا ہے، اس کے بیان کی حاجت نہیں، بالآخر حنیف بنی کنانہ میں ہر قبیلوں کو تین سال تک قید اور نان کو پریشن کی مصائب جھیلنی پڑتی ہے، ابناء عم کی مادی طاقت میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ قبائل عرب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے، مگر آسمانی طاقت بنی ہاشم کے ساتھ ہے بالآخر صلح اور نان کو اپریشن کو فیل کرنے کی نوبت آتی ہے، تاہم نہ اُن کی قلبی آتش رشک میں کمی آتی ہے اور نہ ان کی مادی طاقت میں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، اُن صاحبزادیوں کو جن کو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے طلاق دلوادی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے اور تیسری کی ابو العاص بن الربیع رضؓ سے شادی کر دیتے ہیں جس سے بنی امیہ کی طاقت میں نیز ان کی رشک کی آگ میں کمی کی قوی امید ہے؛ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے

اُن کے بیوہ ہو جانے پر حبشہ میں نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خط بھیجکر شادی کرتے ہیں، اس شادی کی خبر ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو جب پہنچتی ہے تو ان کی حمیت اور غضب کی آگ ایک درجہ تک ضرور ٹھنڈی پڑتی ہے، اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ وہ یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اہل ہیں۔ (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج کا سلسلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے، جن میں سے ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے جس کو سیاسی مصلحت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج میں کوئی ہاشمیہ یا مطلبیہ یا انصاریہ عورت نہیں پائی جاتی، کیونکہ یہ قبائل تو آپ کے جاں نثار پہلے ہی سے تھے، ان سے علائق مودت و نصرت قائم کرنے اور ان کی آتش حسد کو بجھانے کی ضرورت ہی نہیں) آسمانی نصرت نے بالآخر تمام بنی اعمام کو آپ کے سامنے سر جھکانے اور بنی ہاشم کا لوہا ماننے پر مجبور کیا، مگر تاہم ان کی مادی طاقت کم نہیں ہوئی، حدیبیہ کے میدان میں صلح کا پیغام دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی بنا پر عمل میں لایا گیا، جس کی تصریح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور یہی ہوا بھی۔ کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کے مجمع میں پہنچتے ہیں، تو بنی عبد شمس اور بنی امیہ ان کے دائیں اور بائیں آکر ان کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور انتہائی عزت کرتے ہیں، مخالفین اسلام جو مسلمانوں کے قتل اور توہین کے انتہائی پیاسے تھے ان کو گزند نہیں پہنچا سکتے۔ فتح مکہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مبارک سعی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر رنگ لاتی ہے، اور ابو سفیان مسلمان ہو کر وہ عزت ظاہری بھی حاصل کر لیتے ہیں، جس سے ان کا اور اُن کے خاندان بنی امیہ کا سر تمام قریش میں اونچا ہو جاتا ہے۔ آپ اعلان میں یہ کلمات فرما دیتے ہیں، من دخل دار ابی سفیان فھو آمن (جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا امن پا گیا) ابو سفیان کو سفیر

بنا کر بھیجا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ بنی امیہ اگرچہ سر جھکانے پر مجبور ہو گئے ہیں، مگر ان کا وقار برباد نہیں کیا گیا، بلکہ زندہ ہی رکھا گیا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت معاویہ اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہما کا آنا جانا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے خلفاء کا احترام قائم و دائم ہے۔ اس رشتہ کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں اور صاحبزادوں حضرت حسین و حسن رضی اللہ عنہما کے نانا مانے جاتے ہیں، الغرض یہ خاندان نہ تو اسقدر اجنبی ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں اور نہ اس قدر گرا ہوا ہے جتنا اہل تاریخ اور ابناء زمان ظاہر کرتے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کی پالیسی صلہ رحمی کی اس قدر زور پکڑتی ہے کہ بنی امیہ تقریباً کامل عروج مادی حاصل کر لیتے ہیں، اور بنی امیہ کا جذبہ اعتلاء اور قوت اس قدر زور پکڑ لیتا ہے کہ وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ مسلمان کا اقتدار اور تحفظ اب صرف بنی امیہ ہی کر سکتے ہیں، اسی درمیان میں واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیش آگیا۔
اہل فتنہ کے سردار حضرت علی کرم اللہ کے ربیب ہیں محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے یہ فتنہ پیش آیا، ان کی پرورش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمائی تھی، اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں تھیں، باوجودیکہ حضرت علی اور ان کے صاحبزادے اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم اس فتنہ سے بالکل علیحدہ تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سراسر حامی تھے، مگر مصالح وقتیہ وغیرہ کی وجہ سے نہ اہل فتنہ کو دفع کر سکے نہ اس کے بعد اپنے اقتدار اور بیعت کے بعد اہل فتنہ سے قصاص لے سکے، اس پر یہ عقیدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قوی ہو جانا مستبعد نہیں ہے کہ نظام خلافت جو کہ مادی قوت کا بہت زیادہ محتاج ہے، بنی ہاشم سے نہیں ہو سکتا وہ اگرچہ تقویٰ اور صلاحیت کی حیثیت سے بہت بلند ہیں، مگر مادی اور حسن تدبیری میں اعلیٰ قابلیت

نہیں رکھتے اس کے بے غزوہ جمل اور غزوہ نہروان وغیرہ ان کے نزدیک بہت بڑے شہود عدل ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ اپنے ہی لوگوں کو بھی سنبھال نہیں سکتے، خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ ہے کہ خلافت اور نظام اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لیے مادی طاقت اولین شرط ہے، اور اس میں آج صرف بنی امیہ تمام قریش میں واحد مرکز ہیں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہ اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے یعنی خلافت اسلامیہ کے لیے اولین شرط تقویٰ اور خدا ترسی ہے، اور اس کے واحد مرکز بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علیؓ ہیں، یہ دونوں اجتہادی نظریے اپنا پھل پھول لاتے ہیں، یقیناً ہمارے نزدیک حضرت علیؓ کا نظریہ صحیح ہے، اور جمہور اسلام بھی یہی رائے رکھتے تھے، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو بالکل غلط بھی نہیں کہا جا سکتا، بہر حال صفین کا ناگوار واقعہ پیش آیا اور آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے صلح اور شرائط کی نوبت آئی جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے،

اب اس کے بعد بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا جس میں اندرونی سازش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی، مگر اس کے لیے کوئی مستند ثبوت نہیں ہے۔ اور نیز یہ امر ان نصوص کے موافق ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق قرآن اور احادیث صحیحہ میں وارد ہیں یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہیں، اس لیے اگر زہر کا واقعہ ثابت بھی ہو جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے،

دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید کی خلافت کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش فرمائی، اور اس کو نامزد کیا اور لوگوں سے بیعت کا سامان کیا اور اسی امر کو آپ پوچھ رہے ہیں، تو اس میں مندرجہ ذیل امور قابل لحاظ ہیں،

(الف) اس کے متعلق آیا ایسی مستند تاریخی روایات موجود ہیں جن کو ان روایات صحیحہ اور نصوص قرآنیہ کے مقابل لایا جا سکے جو کہ علو شان صحابہ کرام پر دلالت کرتی ہیں، یقیناً ایسی روایات نہیں ہیں، اس لیے کیوں نہ کہا جائے کہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ خود یزید اور اسکے اعوان نے اس کے لیے کوشش کی، (یہ لوگ متقی نہ تھے اور ملوکیت پسند تھے) عام مسلمان اور بالخصوص اہل حجاز اس کے خلاف تھے،

(ب) اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا سعی اس کے لیے ہوئی تھی تو جب کہ حسب شروط صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی، تو پھر اب ان عہود و مواثیق کی رعایت باقی ہی نہیں رہی تھی، جو کہ بحیثیت صلح عمل میں آئی تھیں، اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا، ان کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہو سکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسن تدبیر ہو اور یہ امر آج بنی امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے، یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجے، اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتی کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا، تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے، اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا، اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی، ایک وہ شخص جو کہ فقیہ فی الاسلام ہے حسب دعوات مستجابہ ہادی اور مہدی ہے، وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا[1] کا مصداق اور وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ[1] کا مظہر، كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور اصحابی کالنجوم الحدیث اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا وغیرہ

[1] میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو اور میرے بعد انکو نشانہ نہ بنانا۔

احادیث و آیات کا مورد ہے، کیا وہ کسی مجاہر بالفسق والعصیان کو عالم اسلامی کی رقاب اور اموا وغیرہ کا ذمہ دار کر سکتا ہے،

بخاری شریف کی بعض روایات سے کچھ اس نامزدگی کے اشارات معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں تصریح نہیں ہے، صرف رغبت اور پروپگنڈا مفہوم ہوتا ہے، پھر یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ پروپگنڈا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امر اور اطلاع سے ہو رہا تھا،

(ج) اگر بالفرض یہ امور تسلیم بھی کر لیے جائیں تو غایۃ ما فی الباب ایک خطا کا ارتکاب معلوم ہوتا ہے، جو کہ انسانی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے، جس سے کوئی مقرب یا ولی خالی نہیں ہو سکتا، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان سے معصوم ہیں، اس کمزوری کا مرکز نہ صرف محبت اولاد ہے بلکہ یہ تجربہ اور ظن قوی بھی ہے کہ امت مسلمہ کے اس وسیع احاطہ کو بجز ایسی قاہر ہستی اور ایسے منتظم اور مادی قوت والے شخص کے موجودہ قریش میں سے کوئی سنبھال نہیں سکتا تھا، بنی ہاشم اور دیگر اشخاص میں اگرچہ ایسی بے مثال ہستیاں موجود ہیں جو کہ تقویٰ اور خشیۃ الٰہی کے آفتاب ہیں، مگر یہ امر اتنے بڑے مہم امر کے لیے کافی نہیں ہے، ورنہ سفک دما اور اضاعۃ اموال اور فساد فی الارض پیدا ہوگا، اس لیے اہون البلیتین کو اختیار کرنا لازم ہے، ادھر تنافس خانگی بھی رنگ لاتا ہے،

بہر حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق حسن ظن جس کے لیے نصوص متعددہ وارد ہیں کسی حال میں چھوڑا نہیں جا سکتا، خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں ہیں، واللہ اعلم بالسرائر۔

قوم طہر اللہ سیوفنا عن دماءھم فلنطہر السنتنا عن اعراضہم[1]۔ حضرت علیؓ

---

[1] فاتبایکیا ذکرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ہے کہ جس قوم کے خون سے ہماری تلواریں پاک ہیں تو ہم اپنی زبانوں کو ان کے بارے میں کیوں آلودہ کریں (اصلاحی)

فرماتے ہیں وَنَزَعْنَا مَا فِی صُدُوْرِہِمْ الآیۃ کے مصداق میں اور معاویہ ہوں۔ غور فرمایئے۔

اس تحریر میں طول زیادہ ہوگیا ہے، مگر انشاء اللہ بہت سے امور میں مفید ہوگی، اس کو بغور ملاحظہ کرنے کے بعد جو جو تنقیدات آپ کے خیال میں آئیں ان سے ضرور مطلع فرمائیں، میرے پاس اس وقت کتابیں نہیں ہیں اپنی ناقص محفوظات اور ناقص علم کی بنا پر عرض کر رہا ہوں،

والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۲۳ رجنوری ۱۹۴۲ء

## مکتوب نمبر ۸۹

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے ان امور میں جن کو میں نے دربارہ حضرت امیر معاویہ رضؓ اور یزید کے نامزد کرنے کے کہا تھا، بخوبی غور نہیں فرمایا، جو اشکال آپ نے ظاہر فرمائے ہیں، وہ اسی بنا پر ہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ قاسم العلوم نمبر ۴ صفحہ ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں:

"تا وقتیکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید را ولیعہد خود کردند فاسق معلن نہ بود واگر چیزے کرد باشد در پردہ کردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہ رضؓ را ازاں خبر نہ بود۔ علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد انچہ کہ از وے مشہور شد مشہور است در بیت ام ملحان رضی اللہ عنہا کہ حضرت رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین کیبار دو بار خفتہ و بیدار شدند ہر بار خندیدند و در وجہ خندہ فرمودند کہ جماعتے از امتیان خود را دیدہ ام کہ در دریا جہاد

جس وقت حضرت امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولیعہد کیا تھا اس کا فسق ظاہر نہ تھا، اگر کچھ کیا ہوگا تو در پردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی۔ اس کے علاوہ جہاد میں ان سے حسن تدبیر کا مشاہدہ ہونا: چنانچہ ام ملحانؓ کے گھر میں آنحضرت صلعم کا دو مرتبہ سونا اور جاگنا اور ہر مرتبہ ہنسنا مشہور بات ہے۔ آپ نے ہنسنے کی وجہ بیان فرمائی کہ میں نے اپنی امت کی ایک جماعت کو دیکھا ہے کہ وہ دریا میں جہاد کر رہی ہے، جن کے متعلق کہا گیا ہے

می کنند و در شان اوشان فرموده اند صلوٰۃ علی
الاسرۃ و مثل الملوک علی الاسرۃ۔ مصداق
خواب ثانی همین یزید و همراهیانش برآمدند۔ چنانچه بر
تاریخ دانان و حدیث خوانان پوشیده نیست نهایته
ما فی الباب بسبب خرابیهای پنهانی که داشتند بگو
منافقان که در بیعة الرضوان شریک بودند بوجه
نفاق رضوان الله نصیب اوشان نشد یزید هم
از فضائل این بشارت محروم ماند۔ و از آن طرف
مذهب حضرت امیر معاویه رضی الله عنه در باره خلافت
آن بود که هر کرا سلیقه انتظام مملکت زاید از دیگران
باشد گو افضل از و باشند افضل است از دیگران۔
نظر برین او را افضل از دیگران دانستند و اگر
افضل ندانستند پس بیش ازین نیست که ترک
افضل کردند، چنانچه در مقدمات سابقه واضح شده که
استخلاف فضل افضل است نه واجب لیکن این
قدر گناه نتوان گفت که بسبب شتم امیر معاویه رض
پیش آئیم۔ و از این طرف امیر معاویه رضی الله عنه
را هم از اجله صحابه می شماریم۔ که بنسبت ترک
افضل و اولی هم درین چنین امور معذور میدانیم۔

صلوٰۃ علی الاسرۃ و مثل الملوک علی الاسرۃ
اس دوسرے خواب کا مصداق یزید اور اس کے
ساتھی ہی نکلے۔ جیسا کہ تاریخ جاننے والوں
اور احادیث کے پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔
نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح بیعۃ الرضوان میں منافقین شریک
ہوئے اور نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی
سے محروم ہوگئے، یزید بھی اپنی اندرونی خرابیوں
کی وجہ سے اس بشارت کی فضیلت سے محروم ہوگیا
اور ادھر امیر معاویہ رض کا مذہب خلافت کے بارے
میں یہ تھا کہ جو شخص بادشاہت کرنے کا سلیقہ دوسروں
سے زیادہ رکھتا ہو، اگرچہ اس سے بہتر لوگ موجود ہوں
مگر ترجیح اسی کو ہوگی، اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے
یزید کو دوسروں سے بہتر جانا یا اگر بہتر نہیں سمجھا تو
اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ افضل کو ترک کر دیا،
جیسا کہ مقدمات سابقہ سے واضح ہو چکا ہے کہ استخلاف
افضل صرف افضل ہے نہ کہ واجب لیکن یہ بھی نہیں کہہ سکتے
کہ سب وشتم کے ساتھ امیر معاویہ رض سے پیش آیا جائے
اور امیر معاویہ رض کو ہم اجلۂ صحابہ میں شمار کریں گے۔
بلکہ اولیٰ اور افضل کو چھوڑ دینے کی وجہ سے اس طرح کے
امور میں ان کو معذور سمجھیں گے۔

ہاں پس از انتقال او شان یزید پائے خود از شکم
بر آورد و دل بکام دوست بجام سپرد اعلان نمود
ترک صلوٰۃ داد بحکم بعض مقدمات سابقہ قابل عزل
گردید و ایں قسم تحول احوال گفتہ آمدہ ام کہ ممکن است
محال نیست مگر دریں وقت رائے اہل الرائے
و تدبیر مختلف افتاد کسے را کہ اندیشہ فتنہ و فساد غالب
افتاد ناچار دست بہ بیعت بکشاد و احتراز عن المعصیۃ
شرطا اتباع معروف درمیان نہاد۔ و آں را کہ بوعدۂ
یک جماعت کثیرہ مثلاً امید غلبہ و رجاء شوکت بنظر
آمد حسبۃً للہ برخاست و تہیہ کار زار ساخت
پس ہر چہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ و امثال
او شان کردند بجا کردند و آنچہ حضرت سید الشہداء
نمودند عین حق و صواب نمودند۔ بنا ایں اختلاف
بر اختلاف امید است نہ بر اختلاف در جواز اصل
فعل و عدم جواز آں مگر انجام کار بوجہ نقض عہد
کوفیان تدبیر حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ بر
نشانہ نہ نشست در روز عاشورا قیامت قبل از
قیامت در میدان کربلا برخاست انا للہ و انا الیہ راجعون
بہمیں کار نہ فقط حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ

البتہ امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے
اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا، برائی کا اعلان
شروع کر دیا، نماز چھوڑ دی پس بعض مقدمات گذشتہ کی
بنا پر عزل کر دینے کے لائق ہو گیا، حالات میں اس طرح کا
الٹ پھیر جیسا کہ میں نے کہا ہے ممکن ہے محال نہیں ہے، شاید
اس وقت ارباب حل و عقد کی رائیں اور تدبیریں مختلف ہو گئیں،
کسی پر فتنہ و فساد کا غلبہ ہو گیا مجبوراً بیعت قبول کر لی اور
گناہ سے بچنے کے لیے اتباع معروف کو بطور شرط مد نظر رکھا،
اور جس کو ایک جماعت کثیرہ کے وعدوں پر کامیابی اور دبدبہ
کی امید دکھائی دی خدا کے بھروسہ پر تیار ہو گیا اور لڑنے کا
فیصلہ کر لیا، لہٰذا جو کچھ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور آپ کی طرح
دوسروں نے کیا ٹھیک کیا، اور اسی طرح سید الشہداء نے
جو کچھ کیا بالکل ٹھیک اور درست کیا۔ اس اختلاف کی بنیاد
امیدوں کے اختلاف پر ہے نہ کہ اصل فعل کے جائز و ناجائز
کی بنا پر اختلاف ہوا ہے۔ مگر اہل کوفہ کی غداری کی وجہ سے
حضرت امام حسینؓ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور عاشورا کے
دن میدان کربلا کے اندر قیامت سے پہلے ایک
قیامت قائم ہو گئی۔ انا للہ الخ
اس طرح کے کاموں میں ایسی باتیں نہ فقط سید الشہداءؓ

با پیش آمد در جہاد این چنین اکثر پیش می آید واقعہ احد و حنین شنیدہ باشی پس چنان کہ شہیدان احد و حنین بذر وہ شہادت رسیدہ اند و اتیان بر ہمی گار خللے در فضائل ایشان را نیافت ہمچنین شہیدان کربلا را باید دانست

و این دقتے ہست کہ مجرد استخلاف امیر معاویہؓ یا بیعت مردم یا تسلط او خلافتش را عام و شامل شمارند و اگر باین قدر کہ بوقوع آمد فقط بانعقاد مطلق خلافت او قائل شویم و عموم و شمول خلافتش را تسلیم نکنیم و گوئیم کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و اتباع ایشان از ربقہ اطاعت او ہنوز خارج بودند حالت عزل ہیچ نیست و ایشان را در خروج برمحذورے نیست

و این فرق انعقاد مطلق و عموم انعقاد ہر چند امروز کم فہمان نفہمند مگر بہ تتبع معاملات سابقین واضح است کہ بیعت ہر کس را از اہل حل و عقد فقط موجب اطاعت در حق او در حق خدام اوی شمرند ورنہ حاجت بیعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ و اہتمام بداں بر دست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چہ بود و ہمچنیں یزید بعد بیعت اہل شام و دیگر اہل حل و عقد خواستگار بیعت از حضرت حسین و عبد الرحمٰن

ہی کو پیش نہیں آئی ہیں۔ بلکہ جہادوں میں اکثر آیا کیے ہیں مثلاً واقعہ احد و حنین کو سنا ہی گیا ہے پس جس طرح شہدائے احد و حنین شہادت کے مرتبہ پر پہنچے اور ان ہر دو واقعات میں کچھ گڑبڑ ہو جانے کی وجہ سے انکے فضائل میں خلل نہیں پڑا۔ اسی طرح سے

اور یہ اس وقت ہے کہ صرف استخلاف امیر معاویہؓ یا لوگوں کا بیعت کر لینا یا انکا تسلط ہو جانا وغیرہ کی وجہ سے انکی خلافت عام اور سب کو شامل شمار کریں اور اگر اسیقدر پر اکتفا کریں کہ جو ہوا تو صرف انکے خلافت کے مطلقاً منعقد ہونے کے ہم قائل ہونگے اور انکی خلافت کے عموم و شمول کے قائل ہو نہ سکینگے اور ہم صاف کہدینگے کہ حضرت امام حسینؓ اور آپکے اتباع و انصار امیر معاویہؓ کی اطاعت کی ذمہ داری سے ہنوز خارج تھے معزولی کا

اگرچہ نا سمجھ لوگ انعقاد مطلق اور عموم انعقاد کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ پس گذشتہ واقعات کے تتبع سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ارباب حل و عقد میں سے ہر ایک کا بیعت کر لینا صرف اسکے حق میں اور اسکے ماتحتوں کے حق میں اطاعت کا سبب شمار کرتے ہیں ورنہ پھر حضرت ابوبکرؓ کے دست مبارک پر حضرت علیؓ کے بیعت کر لینے کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ اسی طرح یزید بھی اہل شام اور ارباب حل و عقد کے بیعت کر لینے کے بعد حضرت حسینؓ و عبد الرحمٰنؓ بن ابی بکر اور

بن ابی بکر و دیگر رضوان اللہ علیہم نشدے. چوں
ایں قدر دانستہ شد دیگر معلوم باد کہ مدار کار بر نیت
است بشہادت انما الاعمال بالنیات و حسن
نیت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ قابل آں نیست
کہ در آں تردد کردہ آید۔

اندریں صورت در شہادت حضرت امام ہمام
رضی اللہ عنہ چہ تردد نہ یزید در حق اوشان خلیفہ بود
نہ خروج برو ممنوع و اگر خلیفہ بود تاہم خروج
ممنوع نہ بود و اگر خروج ممنوع بود عزل ممنوع
نبود و بالجملہ وجود ممانعت مفقود و موجبات
جہاد موجود در حسن نیت کلام نیست باز اگر
اوشان شہید نشوند دیگر کدام خواہد بود و ازیں
ہم در گذشتیم اگر موجبات جہاد نہ بودند اوشاں
نیز از قصد جہاد باز آمدہ می خواستند کہ براہ خود
روند لشکریان یزید پلید نگذاشتند و محاصرہ کردہ
ظلماً شہید ساختند من قتل دون عرضہ ومالہ
فھو شھید

باقی ماند اوشان مخالفت اجماع کردند جوابش
آنست کہ اول اجماع مسلم نیست اگر باشند ہم مخالفت

دیگر بزرگوں سے بیعت کا خواستگار نہیں ہوا، جب اتنی
بات معلوم ہوچکی تو جاننا چاہیے کہ ہر کام کا دارومدار نیت
پر ہے کیونکہ حدیث میں ہے "انما الاعمال بالنیات" اور حضرت
امام حسینؓ کے حسن نیت اسکی مقتضی نہیں کہ اس میں
تردد و تذبذب کو راہ دیجائے

موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت میں
کیا شبہ ہے، یزید نہ تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا
ناجائز تھا، اور اگر خلیفہ تھا بھی تو بھی اس پر خروج ممنوع
نہ تھا، اور اگر مان ہی لیا جائے کہ خروج کرنا امام رضی اللہ عنہ
کا جائز نہ تھا تو عزل ممنوع نہ تھا، خلاصہ یہ کہ ممانعت کے
اسباب مفقود اور اسباب جہاد موجود تو پھر حسن نیت میں
کیا کلام کیا جاسکتا ہے، پھر اگر یہ حضرات شہید نہ ہونگے تو دوسرا
کون شہید ہوگا، اور ہم اسکو بھی چھوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
اگر اسباب جہاد نہ بھی تھے تو آپ نے جہاد کے ارادہ سے باز آکر
چلے جانیکا راستہ مانگا مگر یزید پلید کے لشکریوں نے جانے نہ دیا
اور گھیر کر مظلوم شہید کر دیا، حدیث میں ہے جو شخص اپنی مال
اور آبرو کی حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ بھی شہید ہے۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ امام حسینؓ نے اجماع کی مخالفت کی
سو اسکا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ اجماع ہی تسلیم نہیں، اگر ہو بھی

باشد باینہمہ اجماع بر عدم جواز خروج بر فساق
است و معنی آں بر وجہ ہست عرض کردہ شد از
اجماع بر عدم جواز خروج بر نفس فسق لازم نمی آید
کہ خصوصیات زائدہ مراتب ایں کلی مشکک نیز
موجب خروج نتواں شد با ایں ہمہ اجماع غیر مسلم
وقتیکہ حضرات حسنین رضوان اللہ علیہما و عبد اللہ بن الزبیر
و اہل مدینہ کارے کردہ باشند مخالف آں را مجمع علیہ
چگونہ تواں گفت و اگر بالفرض اجماع را تسلیم
کنیم آں اجماع اگر منعقد گردیدہ بعد حضرت
امام حسین رضی اللہ عنہ منعقد گردید مخالفت این
اجماع حضرت امام رضی اللہ عنہ را چہ مضر۔
غایۃ ما فی الباب امام ہمام رضی اللہ عنہ در زمان
خود در یک مسئلہ مختلف فیہ خطا کردند و لا محذور فیہ
چنانچہ عرض کردہ باشد اکنوں وقت آں ست
کہ عبارت نووی رحمۃ اللہ تعالی دریں بارہ نقل کردہ
شود تا تفصیل اجمال و تصدیق ایں مقال بدست آید
"اجمع اہل السنۃ ان لا ینعزل السلطان
بالفسق واما الوجہ المذکور فی کتب الفقہ
لبعض اصحابنا انہ ینعزل وحکی المعتزلۃ ایضاً

تو اس بات پر کہ مخالفت نہیں ہوئی باینہمہ فاسق پر خروج
کرنے کے عدم جواز پر اجماع ہوا اور اسکا مطلب جو کچھ کہ ہم
پہلے عرض کیا گیا، عدم جواز پر اجماع کیوجہ سے نفس فسق
پر خروج کرنا لازم نہیں آتا ہے کیوں کہ اس کلی مشکک کے
مراتب کے خصوصیات زائدہ بھی موجب خروج نہیں ہو سکتیں پس اجماع
غیر مسلم۔ جس وقت کہ حضرات حسنینؓ و عبد اللہ بن زبیر اور
اہل مدینہ نے فیصلہ کر لیا تھا مخالف اسکو متفق علیہ کیونکر
کہہ سکتا ہے اور اگر بالفرض اجماع کو مان بھی لیا جائے
تو وہ اجماع حضرت امام حسینؓ کے بعد منعقد ہوا ہے لہذا
اس اجماع کی مخالفت حضرت امام حسینؓ کو کچھ
مضر نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام
موصوف نے اپنے زمانہ میں ایک اختلافی مسئلہ میں
غلطی کر گئے جس میں کوئی شرعی باز پرس نہیں
جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اب ہم امام نوویؒ
کی عبارت درج کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ اس اجمال
کی تفصیل اور گذشتہ باتوں کی تصدیق ہو جائے۔
اہل سنت کا اجماع ہو چکا ہے کہ بوجہ فسق کے خلیفہ
معزول نہیں ہوگا، لیکن ہمارے بعض اصحاب شوافع کی
فقہی کتابوں میں ہے کہ معزول ہو گا، اور معتزلہ سے بھی

فغلط من قائله مخالف للاجماع قال العلما
وسبب عدم انعزاله وتحريم الخروج
عليه ما يترتب على ذلك من الفتن و
اراقة الدماء وفساد ذات البين
فتكون المفسدة في عزله اكثر منها
في بقائه قال القاضي عياض رحمه الله
اجمع العلماء على ان الامامة لا تنعقد
لكافر وعلى انه لو طرأ عليه الكفر انعزل
قال وكذا لو ترك اقامة الصلوة والدعاء
اليها قال وكذلك عند جمهورهم
البدعة قال بعض البصريين تنعقد له
وتستدام له لانه متاول، قال القاضي
فلو طرأ عليه كفر وتغيير للشرع او بدعة
خرج عن حكم الولاية وسقطت طاعته
ووجب على المسلمين القيام عليه و
خلعه ونصب امام عادل ان امكنهم
ذلك فان لم يقع ذلك الا لطائفة
وجبت عليهم القيام بخلع الكافر ولا يجب
في المبتدع الا اذا ظنوا القدرة عليه

حکایت کی گئی ہے سو یہ غلط ہے اور مخالف ہے اجماع کے۔
علما نے فرمایا ہے کہ سلطان کے معزول نہ کرنے اور اس پر خروج
نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کرنے سے خونریزی اور فتنہ وفساد
باہمی بڑھ جائیگا، اور معزولی کا مفسدہ اس کے باقی رہنے
سے زیادہ ہو جائیگا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا
کہ علماء کا اجماع اس بات پر ہو چکا ہے کہ کافر کی
امامت منعقد نہیں ہوتی ہے، اور اگر امام پر کفر
طاری ہو جائے تو معزول کر دیا جائے گا۔ اور کہا
ایسا ہی اگر نماز قائم کرنا اور اس کی طرف بلانا چھوڑ دے
تو بھی معزول ہوگا۔ فرمایا اسی طرح جمہور کے نزدیک بدعت
کا پایا جانا۔ پھر فرماتے ہیں کہ بعض بصریین قائل ہیں کہ بدعتی
کی امامت منعقد ہوگی اور باقی رہیگی، کیونکہ وہ تاویل کرتا ہے
قاضی صاحب فرماتے ہیں اگر کفر اس پر طاری ہوا اور شریعت کے
اندر تغیر یا بدعت شروع کر دیا تو خلافت و ولایت کے حکم سے
نکل گیا اور اسکی اطاعت جاتی رہی لہذا مسلمانوں پر اسکے خلاف
اٹھنا، اسکو علیحدہ کرنا، اور دوسرے عادل امام کو مقرر کرنا واجب
ہو جاتا ہے بشرطیکہ اسکی قدرت ہو۔ پس اگر ایسا کچھ ہی لوگ
کر سکیں تو کافر کو علیحدہ کرنے کیلئے تو اٹھنا واجب ہو جاتا ہے
اور بدعتی پر واجب نہیں ہوتا ہے مگر اس صورت میں کہ بدعتی

فان تحققوا العجز لم يجب القيام وليهاجر المسلم من ارضه الى غيرها ويفر بدينه
قال ولا ينعقد لفاسق ابتداء فلو طرأ على الخليفة فسق قال بعضهم يجب خلعه الا ان يترتب عليه فتنة وحرب قال جماهير اهل السنة من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين لا ينعزل بالفسق والظلم وتعطيل الحقوق ولا يخلع ولا يجوز الخروج عليه بذلك بل يجب وعظه وتخويفه للاحاديث الواردة في ذلك
قال القاضي وقد ادعى ابو بكر بن مجاهد في هذا الاجماع وقد رد عليه بعضهم هذا القيام الحسين وابن زبير واهل المدينة على بني امية وبقيام جماعة عظيمة من التابعين والصدر الاول على الحجاج مع ابن الاشعث وتاول هذا القائل قوله ان لا ننازع الامر اهله في ائمة العدل وحجة الجمهور ان قيامهم على الحجاج ليس بمجرد

کے علیحدہ کرنے پر لوگوں کو امکانی طاقت ہو اور مجبوری تحقق ہوجائے تو ایسے وقت میں اٹھنا نہیں چاہئے بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ ہجرت کر جائیں اور اپنے دین کی طرف بھاگیں۔ فرمایا اور فاسق کی امامت شروع شروع میں منعقد نہ ہوگی ہاں اگر خلیفہ فاسق ہوگیا تو بعض اس کے عزل کو واجب کہتے ہیں بشرطیکہ فتنہ فساد اور جنگ و جدل نہ ہو جمہور اہل سنت میں سے فقہا محدثین اور متکلمین نے کہا ہے کہ خلیفہ کی معزولی بوجہ فسق ظلم اور لوگوں کے حقوق کو چھوڑ دینے کی بنا پر نہ ہوگی اور نہ اسکو علیحدہ کیا جائیگا اور نہ اس پر اٹھنا جائز ہوگا بلکہ اسکو سمجھانا اور ڈرانا ضروری ہوگا۔ ان حدیثوں کی بنا پر جو اس بارے میں موجود ہیں۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ابوبکر ابن مجاہد نے اجماع کا دعوی کیا ہے اور لوگوں نے امام حسین و ابن زبیر اور اہل مدینہ کا بنی امیہ پر خروج کرنا اور اور تابعین کی ایک بڑی جماعت اور صدر اول کا حجاج پر مع ابن الاشعث کے اٹھنے کو پیش کرکے ان کا رد کیا ہے اور تاویلین نے ان کے قول "الا ننازع الامر اہلہ" کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد امام عادل ہے اور اور حجاج پر خروج کی دلیل جمہور کی یہ ہے کہ محض اس کے

الفسق بل لاغيير الشرع وظاهر من
الكفر قال القاضي وقيل ان هذا الخلاف
كان اولا ثم حصل الاجماع على منع
الخروج عليهم والله اعلم انتهى بلفظه۔

پس از مطالعہ این عبارت تصدیق اکثر مقدمات
مذکورہ حاصل می شود بالجملہ بر اصول اہل سنت
حال یزید بہ نسبت سابق متبدل شد نزد بعض
کافر شد و نزد بعض کفر او متحقق نگشت اسلام
سابق مخلوط بفسق لاحق شد اگر حضرت امام
کافرش پنداشتند در خروج بر وے چہ خطا کردند
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ را ہمیں خاطر پسند
خاطر افتادہ مگر چنانکہ ممکن است کہ کفر کسے
نزد یکے متحقق شود و نزد دیگراں نشود
ہمچنیں خروج بر وے در حق این و آں مختلف
خواہد بود و اتفاق در تکفیر و تفسیق و تعدیل و
تجریح کسے از ضروریات دینی یا از بدیہیات
عقلی نیست کہ حاجت معذرت افتد۔

و در صورت فسق آنچہ پیش کردہ ام یاد
خواہد بود تاہم ہیچ صعوبتے بر اصول اہل سنت نیست

فاسق ہونے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس نے شریعت میں تغیر
اور اظہار کفر کیا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ
یہ اختلاف پہلے تھا بعد کو ایسے لوگوں پر اٹھنا
منع ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

علامہ نوویؒ کی اس عبارت کے مطالعہ کے بعد مقدمات
گذشتہ کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ پس اہل سنت کے اصول
پر یزید کی سابق حالت بدل گئی بعض کے نزدیک
کافر ہو گیا اور بعض لوگوں کے نزدیک اس کا کفر ثابت نہیں
ہوا بلکہ سابق اسلام فسق کے ساتھ مخلوط ہو گیا۔ اگر امام
موصوف نے یزید کو کافر سمجھا تو اس پر خروج کرنے میں کیا
غلطی فرمائی۔ امام احمدؒ کو یہی بات پسند آئی جیسا کہ
یہ بات ممکن ہے کہ کسی کا کافر ہونا ایک شخص کے نزدیک
ثابت ہو اور دوسروں کے نزدیک ثابت نہ ہو ایسا ہی
اس پر خروج کرنے میں اختلاف ہو جائے گا، اور تکفیر
تفسیق، تعدیل اور جرح وغیرہ وغیرہ پر کسی کا اتفاق
کرنا ضروریات دینی یا بدیہیات عقلی میں سے نہیں
ہے کہ عذر و معذرت کی ضرورت پیش آئے۔

اور فسق کی صورت میں جو کچھ کہ میں نے پیش کیا ہے وہ تو
یاد ہی ہوگا، پھر بھی اہل سنت کے اصول پر کوئی دشواری

چہ یزید اندریں صورت یا فاسق معلن بود تارک
صلوٰۃ وغیرہ یا مبتدع بود چہ از رؤسائے نواصب
است باایں ہمہ عموم خلافتش غیر مسلم. نظر بریں وجوہ
و ملفوظات سابقہ در خروج بر وے ہیچ قباحتے نے
باایں ہمہ خروج برایں چنیں کساں تا حال نزد ہمہ
جائز یا اگر نزد ہمہ جائز نیست نزد بعض جائز چنانچہ
از مشاہدہ عبارت نووی رحمۃ اللہ علیہ واضح است
و در مسائل مختلفہ خلاف یکے مر دیگراں را موجب
تفسیق اوشاں آمد و بطلان اعمال او عند اللہ
نمی تواں شد چنانچہ دانستہ شد۔

واگر فرض کنیم بر عدم جواز خروج بر چنیں
کساں اجماع است اجماع حادث است
اجماع قدیم نیست تا بر اصول اہل سنت در شہادت
امام ہمام رضی اللہ عنہ تردد راہ یابد زیادہ از
زیادہ اگر کسے گوید ایں بگوید کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ
خطا کردند لیکن چہ حرج المجتہد یخطی ویصیب
بنای ثواب بر نیست خطائے اجتہادی دریں
بارہ مزاحم منال نمی شود چنانچہ در اصول اہل سنت
مصرح است و ہم واضح است چہ اگر بطن

نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یزید یا تو کھلم کھلا فاسق تھا
یعنی تارک نماز وغیرہ یا پھر بدعتی تھا یعنی رؤسائے نواصب
ان تمام باتوں کے باوجود اسکی خلافت عام طور پر غیر مسلم تھی
ان وجوہ مذکورہ کی بنا پر اس کے خلاف خروج کرنے میں کوئی
قباحت نہیں رہجاتی ہے۔ پس ایسے لوگوں کے خلاف اٹھنا
اسوقت تمام لوگوں کیلیے جائز ہے اور اگر تمام کے نزدیک جائز
نہیں ہے تو بعض کے نزدیک جائز جیسا کہ علامہ نووی کی عبارت
سے سمجھا جاتا ہے اور مسائل مختلف فیہ میں ایک کا خلاف دوسرے
کے حق میں فسق وفجور کا سبب یا انکے اعمال کا خدا کے نزدیک رائگاں
ہوجانا نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ سمجھا جاتا ہے۔

اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ایسے لوگوں پر خروج کرنے کے
عدم جواز پر اجماع ہوچکا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ اجماع حادث
ہے قدیم نہیں ہے کہ اہل سنت کے اصول پر حضرت امام حسین رض کی
شہادت میں شبہہ و تردد کو دخل ہو۔ زیادہ سے زیادہ
اگر کوئی کچھ کہہ سکتا ہے تو یہ کہ امام موصوف نے غلطی کی
لیکن کوئی مضائقہ نہیں جبکہ مشہور ہے کہ مجتہد کبھی چوک جاتا ہے
اور کبھی نہیں لہذا اجتہادی غلطی کی وجہ سے
ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی جیسا کہ اہل سنت کے اصول
میں طے ہوچکا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی آفتاب کے غروب کو نکلے

غروب روزہ افطار کرد تا نماز مغرب بخواند
ہنوز آفتاب غروب نشدہ بود این کس را
تا آخر عمر بر خطاے خود اطلاع نشد ہرگز عاقلے
تجویز نمی تواں کرد کہ از ثواب محروم ماند
ورنہ تکلیف مالایطاق لازم خواہد آمد و ہو محال
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

آرے بر طبق اصول شیعہ شہادت حضرت
امام الشہداء در کنار دین و ایمان شان
ہم از دست می رود نعوذ باللہ منہا۔ اگر باور
نباشند بنگرد در کافی کلینی روایات درین
باب کہ ہر کرا تقیہ نیست دین و ایمان ندارد
وارد شدہ اند مع سند نقل می کنم۔

(۱) عن ابن عمر عن ہشام بن سالم عن ابن
ابی عمر الاعجمی قال قال ابو عبد اللہ
یا ابا عمر ان تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ
ولا دین لمن لا تقیۃ لہ والتقیۃ فی کل
شی وفی المسح علی الخفین

(۲) عن محمد بن یحیی عن احمد بن محمد
بن عمر بن خلاد قال سألت ابا الحسن ع

روزہ افطار کر لیا کہ نماز مغرب ادا کرے اور ابھی
آفتاب ڈوبا نہیں تھا اور اس آدمی کو زندگی بھر
اپنی غلطی کا علم نہیں ہوا کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ
غریب ثواب سے محروم ہو گیا ورنہ پھر تکلیف
مالایطاق لازم آئے گی جو محال ہے۔ لَا یُکَلِّفُ
اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

البتہ امامیہ کے اصول پر حضرت امام حسین رض
کی شہادت دین و ایمان سے بھی خارج ہو جاتی ہے
معاذ اللہ منہا۔ اگر کسی کو یقین نہ ہو تو اسکو
چاہیے کہ کافی کلینی کے اندر اس باب میں جو
روایات ہیں انکو دیکھے لکھا ہے کہ جس نے تقیہ نہیں کیا
اسکا نہ تو دین ہے اور نہ ایمان جسکو مع سند کے ہم نقل کرتے ہیں

(۱) ابن عمر روایت کرتے ہیں ہشام بن سالم سے وہ
روایت کرتے ہیں ابن ابو عمر اعجمی سے کہ کہا فرمایا ابو عبد اللہ
نے اے ابو عمر دین کا دس میں سے نو حصہ تقیہ میں ہے
اس کا دین نہیں جو تقیہ نہیں کرتا۔ اور تقیہ تو ہر چیز میں ہے
اور مسح علی الخفین میں بھی۔

(۲) محمد بن یحیی روایت کرتے ہیں احمد بن محمد بن
عمر بن خلاد سے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

عن القیام للولاۃ فقال ابو جعفر التقیۃ
دینی و دین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ
ازیں دو روایت مثل آفتاب روشن می برآید
کہ ہر کہ تقیہ نکند بے دین و بے ایمان است اکنوں از
حضرات شیعہ التماس است کہ اگر ہمیں تقیہ است
حسن خاتمہ حضرت امام الشہداء معلوم چہ جائیکہ شہادت
و ظاہر است کہ دریں روایت ہیچ گونہ گنجائش تاویل
یا تخصیص نیست اگر تاویل فرمائید یا تخصیص بعد ازاں
و تشخصے نمایند مسموع نخواہد بود اکنوں ازیں چارہ
نیست کہ مذہب اہل سنت اختیار کنند و اگر از
اتباع حق عار و انکار است لاجرم از ائمہ دوازدہ گانہ
کل یازدہ باقی خواہند ماند اندریں صورت انکار از
حق و اصرار بر مذہب باطل لاجرم خواہد آمد . . .
. . . . . . . . . . .
چہ حضرت امام را دریں ضیق و ناچاری کہ مقابل سی ہزار
فوج جرار چند معدود بودند و آں ہم یکے بعد
دیگرے شربت شہادت چشیدند تقیہ لازم بود
اگر در اول امید بود در آخر وقت کہ ہیچکس
نماند تقیہ لازم تر بود۔

بادشاہ و حاکم کے خلاف اٹھنے کے متعلق سوال کیا ابو جعفر نے جواب دیا
کہ تقیہ میرا اور میرے آباؤ اجداد کا دین ہے اس کا ایمان نہیں جو تقیہ نہیں کرتا
ان دونوں روایتوں سے آفتاب کی طرح واضح ہو جاتا
ہے کہ جو شخص تقیہ نہیں کرتا وہ نہ صرف بے دین بلکہ بے ایمان
بھی ہے ایسی صورت میں حضرات شیعہ سے گذارش ہے کہ
اگر یہی تقیہ ہے تو پھر حضرت امام الشہداء کے حسن خاتمہ
ہی یقینی نہیں پھر شہادت تو دوسری بات ہے۔ جانب
ظاہر ہے کہ ان روایات میں نہ تو تاویل کی اور نہ تخصیص
کی کوئی گنجائش ہے، اگر تاویل تخصیص کریں بھی تو کون
قبول کریگا؟ سوائے اس کے چارہ کار نہیں کہ اہل سنت
کا مذہب اختیار کریں، اور اگر حق مذہب و طریقہ کے اتباع
میں شرم محسوس ہوتی ہے اور انکار ہی کرتے ہیں تو ناچار بارہ
دوازدہ امام یازدہ باقی رہجاتے ہیں، اس صورت میں
حق کا انکار اور باطل مذہب پر ضد کرنا لازم آتا ہے۔
کیونکہ حضرت امام اس مجبوری و ناچاری میں کہ تیس ہزار فوج
کے مقابلہ میں صرف چند گنتی کے لوگوں کا ہونا اور پھر یکے بعد
دیگرے شربت شہادت کو نوش فرمانا اس حالت میں تقیہ کرنا
ضروری تھا، مانا کہ ابتدا تو امید تھی لیکن جبکہ آخر میں کوئی
نہیں رہ گیا تھا تقیہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم     تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

وجواب دیگر ان شاء اللہ تعالیٰ بشرط فرصت عنقریب بنظر سامی خواہد گذشت لا تقنطوا این دو روایت کہ نقل کردہ شد اگر احتمال دروغ باشد مطابق نمایند اگر نزد شما کافی کلینی موجود نباشد نسخہ مطبوعہ طہران نزد ما موجود است ملاحظہ نمایند اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔" (صفحہ ۱۱ قاسم العلوم ۷۳)

میں نے یہ عبارت تمامہا آپ کے سامنے پیش کر دی ہے، یہ رسالہ اسی شبہ کے متعلق لکھا گیا ہے جس کو آپ نے پیش فرمایا ہے، صفحہ ۱۲ تک تمہیدات ہیں جن میں بہت سی مفید باتیں آگئی ہیں، مگر تطویل کے خوف سے اصل مقصد عرض کر دیا گیا۔

مورخین کا یہ قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے فسق و فجور کا علم تھا اور وہ معلن بالفسق تھا، اور باوجود اس کے انھوں نے استخلاف کی کوششیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات سے ہی شروع کر دی تھیں، یقیناً شان صحابیت ہی نہیں بلکہ شان عدالت کے بھی خلاف ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں ہے۔

| | |
|---|---|
| كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ | اور تم ہو بہتر امتوں سے جو بھیجی گئی ہے عالم میں، |
| تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ | حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے |
| الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الآیۃ (عمران) | کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر |
| وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا | اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل |
| لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ الآیۃ (بقرہ) | تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر۔ |
| مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ | محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں |
| اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ | زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے |

| | |
|---|---|
| رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ | ان کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں اللہ |
| وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ | کا فضل اور اسکی خوشی، پہچان ان کی ان کے منہ پر ہے |
| اَثَرِ السُّجُوْدِ (فتح) | سجدہ کے اثر سے |
| وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ | اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا اگر وہ تمہاری |
| فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ | بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے پر اللہ |
| اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ | نے محبت ڈالدی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور اچھا دکھا دیا |
| اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ | اسکو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈالدی تمہارے دل میں |
| اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ | کفر اور گناہ اور نافرمانی کی، وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر |
| وَنِعْمَةً وَاللهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (حجرات) | اللہ کے فضل سے اور احسان سے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے |
| يَوْمَ لَا يُخْزِي اللهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ | جس دن کہ اللہ ذلیل نہ کریگا نبی کو اور ان لوگوں |
| اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ | کو جو یقین لاتے ہیں اس کے ساتھ۔ انکی روشنی دوڑتی |
| وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا | ہے ان کے آگے اور انکے داہنے کہتے ہیں کہ اے رب |
| وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ | ہمارے پورا کردے ہمکو ہماری روشنی اور معاف کر |
| (تحریم) | ہم کو بیشک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ |

ان آیات کو اور ان کے مثل دیگر آیات کو جو کہ قطعی طور پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اعلیٰ درجہ کی صفات کمالیہ پر شہادت دیتی ہیں، اور جن کے مصداق اول یہی حضرات ہیں، پھر ان ہی کے ساتھ ساتھ ان اخبار احادیث صحیحہ کو بھی لیجئے جو کہ عامہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی شان میں وارد ہیں مثلاً

| | |
|---|---|
| اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم | میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جنکی |
| اهتدیتم (الحدیث) | تم اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔ |

حاشیہ: [illegible]

| | |
|---|---|
| خیر القرون قرنی ثم الذین | سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس سے متصل |
| یلونھم الحدیث | پھر جو اس سے متصل ہے، |
| فلو ان احدکم انفق مثل احد | اگر کوئی تم میں پہاڑ احد کے برابر سونا خرچ کرے |
| ذھبا ما بلغ مد اصحابی ولا نصیفہ | تو میرے صحابی کے مد کے ثواب اور نہ اسکے |
| الحدیث (اوکما قال) | آدھے ثواب کے برابر پہنچے۔ |
| اللہ اللہ فی اصحابی من احبھم و | ڈرو اللہ سے ڈرو اللہ سے میرے اصحاب کے بارے میں |
| من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم | پس جو دوست رکھتا ہے ان کو میری دوستی کی وجہ سے |
| فببغضی ابغضھم الحدیث ....... | دوست رکھتا ہے انکو اور جو شخص کہ دشمن رکھتا ہے پس |
| ........ | بسبب دشمنی میری کے دشمن رکھتا ہے، |

ان روایات کے ہم معنی بہت احادیث صحیحہ ہیں جو کہ عامۃ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اعلیٰ مناقب پر دلالت کرتی ہیں، پھر اس کے ساتھ اجماع امت کو لیجئے جو کہ بتلاتا ہے کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ایک لحظہ کے لیے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرلی اور ایمان پر اس کی وفات ہوئی وہ بعد کے تمام اولیاء اور اتقیاء اور ائمہ وغیرہ سے افضل ہے، ان امور مذکورۂ بالا کو دیکھتے ہوئے اگر مورخین کی یہ بات کہ فاسق یزید اور معلن بالفسق کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نامزد بالخلافہ کیا مانی جائے گی تو ان تمام نصوص کی تذلیل و توہین ہی نہیں بلکہ انکار لازم ہوگا ایسی صورت میں تو معاذ اللہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی فسق اور معصیت میں مبتلا ہوئے اور اسی بنا پر ان کی وفات ہوئی بلکہ درجہ کفر تک والعیاذ باللہ نوبت آتی ہے (کیونکہ استحلال بالمعصیۃ نمایاں ٹپکتا ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ | کوئی بندہ ایسا نہیں ہوگا کہ اگر اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعیت |

| | |
|---|---|
| فلم یحطها بنصیحۃ لم یجد رائحۃ الجنۃ (بخاری) | کا راعی اور حاکم بنایا اور اس نے انکی نگہبانی اور حفاظت انکی خیرخواہی کیساتھ نہ کی تو اسکو جنت کی خوشبو بھی نہ ملے گی۔ |
| ما من وال یلی رعیۃ المسلمین فیموت وھو غاش لھم الا حرم اللہ علیہ الجنۃ (بخاری) | کوئی شخص اگر مسلمان رعایا کا والی اور حاکم بنایا گیا اور اس حالت میں مرا کہ وہ ان کے حقوق میں خیانت کرنے والا ظالم تھا تو جنت اس پر حرام ہوگی (متفق علیہ) |
| الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامام راع وھو مسئول عن رعیتہ الحدیث (بخاری) | خبردار ہو جاؤ تم سب کے سب راعی اور والی ہو اور تم سب مسئول ہو اپنی رعیت سے۔ امام جو کہ لوگوں پر مقرر کیا گیا ہو راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے۔ |
| من غشنا فلیس منا الحدیث (ق) | جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ |

یہ مورخین کی روایتیں تو عموماً بے سر و پا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث وثمین سے اور ارسال و انقطاع کے ساتھ لیا گیا ہے، خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔

ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احاد

---

[1] اس حدیث میں ہر حاکم کو راعی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر حاکم پر اپنے محکوم اور رعایا کی خبرگیری اور خیرخواہی اسی طرح لازم کی گئی ہے جس طرح جانور چرانے والوں پر جانوروں کے مالک کی طرف سے لازم کیجاتی ہے، اگر چرواہا جانوروں کی خیرخواہی اور خدمات مفیدہ کے انجام دینے میں کوتاہی کرتا ہے تو مالک کے سامنے جوابدہ قرار دیا جاتا ہے، اس لئے لفظ راعی سے بلیغ کوئی اور لفظ ممکن نہ تھا جس سے تعبیر فرمایا گیا۔ (اصلاحی)

احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماول قرار دیجاتیں، چہ جائیکہ روایات تاریخ۔ اب آپ اصول تنقید کو پیش نظر رکھکر کوئی رائے قائم کیجئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مورخین میں سے ان لوگوں کا قول کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ حیات میں یزید معلن بالفسق تھا اور ان کو اس کی خبر تھی اور پھر انھوں نے اس کو نامزد کیا بالکل غلط ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت میں خفیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو مگر ان کو اسکے فسق و فجور کی اطلاع نہ ہو۔ ان کی وفات کے بعد وہ کھیل کھیلا اور جو کچھ نہ ہونا چاہئے تھا کر بیٹھا۔

اب اس کی نامزدگی کی خبر ممکن ہے کہ صحیح ہو، انھوں نے رومیوں اور عیسائی ممالک پر جہاد میں اس کی متعدد دفعہ جد و جہد اور کامیابیاں اور حسن تدبیر و انتظام کو مشاہدہ کر کے اپنی رائے کی بنا پر کہ خلافت کے لیے قرشیت اور حریت عقل و بلوغ کے ساتھ لازم ترین شرط لیاقت انتظام مملکت اور حسن تدبیر ہے اور یہ اس میں پائی جاتی ہے یا بدرجہ کمال موجود ہے، جو کہ اوروں میں نہیں ہے، اور اگر ہے تو اس درجہ پر نہیں ہے اس کی نامزدگی کردی ہو (جیسا کہ بعض مورخین کا قول ہے) یا یہ جد و جہد دوسرے اراکین خاندان بنی امیہ کی طرف سے کی گئی ہو اور یزید بھی اس میں کوشاں رہا ہو مگر عام لوگوں نے اس کو حضرت معاویہؓ کی طرف نسبت کر دیا ہو، کیونکہ انھوں نے روکا نہیں (جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے) یا یہ کہ نامزدگی ان کی طرف سے حقیقۃً یا حکماً کسی طرح نہیں ہوئی، ان کی وفات کے بعد اہل شام میں سے اہل حل وعقد نے اس کو جانشین اور خلیفہ بنا دیا اور بیعت کر لی (جیسا کہ بعض دوسرے مورخوں کا قول ہے) یا یہ کہ وہ خود بالتغلب خلیفہ بن بیٹھا (بعض مورخ اس کے بھی قائل ہیں) بہرحال ان وجوہ کی بنا پر اس کی خلافت منعقد ہو گئی۔ آپ اس کو تسلیم فرماتے ہیں کہ نامزدگی یا اہل حل وعقد کا بیعت کرنا یا تغلب یہ تینوں امور انعقاد خلافت کے طرق میں سے ہیں، اگرچہ تیسرا امر بالضرورۃ والمجبوریۃ ہے، آپ کا یہ ارشاد کہ

خلیفہ عادل جس میں کل شروط امامت پائے جائیں کسی دوسرے جامع شروط خلافت کو اپنا جانشین کر جائے اور وصیت کر دے کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہو، اس میں شروط سے اگر شروط صحت خلافت مطلقہ مراد ہیں، جو کہ عقل، بلوغ، اسلام، قرشیتہ سے عبارت ہیں، تو یہ تو موجود ہی ہیں، اور یہی امور کتب کلام و فقہ میں مذکور ہیں، اور اگر شروط سے مراد شروط خلافت کاملہ مراد ہیں، جن میں صلاح تقوی و علم وغیرہ بھی معتبر ہیں تو اس کی سند کیا ہے، کتب مذہب میں ان کو انعقاد خلافت کے لیے ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے، اور اگر ایسا ضروری ہو گا تو چاہیے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت بھی صحیح نہ ہو حالانکہ بالاجماع ان کو نہ صرف خلیفہ بلکہ خلیفہ راشد بھی تسلیم کیا گیا ہے، انکو نامزد کرنے والا سلیمان بن عبد الملک کا حال معلوم ہے۔

بہر حال وجوہ مذکورہ بالا سے انعقاد مطلق ہو گیا مگر عموم انعقاد جس سے ہر ایک پر اتباع لازم آجائے اور مخالفت کرنا ممنوع ہو جائے وہ نہیں ہوا تھا انعقاد مطلق اور عموم انعقاد میں فرق ہے، عموم انعقاد جب متحقق ہو گا جبکہ تمام اہل حل و عقد متفق ہو جائیں، بعض کی بیعت کافی نہ ہو گی اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت بہت سے حضرات نے اگرچہ کر لی تھی تاہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کی کوشش کی گئی، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد انھوں نے اس کو انجام دیا اور یہی وجہ تھی کہ یزید کو شاں تھا کہ حضرت امام حسین رض حضرت عبد اللہ بن زبیر رض حضرت عبد اللہ بن عباس رض وغیرہ حضرات بیعت کر لیں، حالانکہ یہ حضرات ملتجی بالحرم ہو گئے تھے کسی نے جنگ کا ارادہ نہیں کیا تھا، اور نہ بیعت کی تھی، ان حضرات کا اس زمانہ میں اہل حل و عقد میں سے ہونا بدیہی امر ہے،

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ وجوہ وجوہ عموم انعقاد ہی ہیں، اور انعقاد مطلق اور عموم انعقاد میں کوئی فرق نہیں ہے، تو پھر یزید کا بعد از ظہور فسق و فجور وہ حال ہی نہیں رہا

جو ابتداءً بہ تھا، یعنی اس کے اعمال شنیعہ درجہ کفر کو اگر پہنچ گئے تھے، جیسا کہ امام احمدؒ اور ایک جماعت کی رائے ہے تب تو وہ یقیناً معزول عن الخلافت ہو ہی گیا تھا، اب امام حسین رضی اللہ عنہ کا ارادہ جنگ خروج ہی نہیں شمار ہو سکتا، اور اگر اس کی حرکات ناشایستہ درجہ کفر کو پہنچی تھیں (جیسا کہ جمہور کا قول ہے) تو اول تو یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ممکن ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رائے یہی ہو جو کہ حضرت امام احمدؒ اور ان کے موافقین کی ہے۔

علاوہ ازیں فاسق ہونے کے بعد خلیفہ معزول ہو جاتا ہے یا نہیں، یہ مسئلہ اس وقت تک مجمع علیہ نہیں ہوا تھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کی رائے یہ تھی کہ وہ معزول ہو گیا، اور اس بنا پر اصلاح امت کی غرض سے انھوں نے جہاد کا ارادہ فرمایا،

پھر باوجود اس کے خلع کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرت پر اس کو عزل کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کے عزل اور خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے، وہ اپنی بیعت پر قائم رہے، اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے خلع کیا جس کی بنا پر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا، جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی، کیا مقتولین حرہ کو شہید نہیں کہا جائے گا۔

پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کے مواعید پر مطمئن ہوئے، بالخصوص حضرت مسلم بن عقیل رحمۃ اللہ علیہما کے خطوط کے بعد جن میں پورا اطمینان اہل کوفہ کی طرف سے دلایا گیا تھا، اس لیے ان کا ارادۂ جہاد یقیناً صحیح تھا، اور وہ خلع کرنے اور خروج کرنے میں کسی طرح باغی

نہین قرار دیے جا سکتے، ان کو صاف نظر آ رہا تھا کہ اس حالت مین مفاسد کا قلع قمع ہو جائے گا اور خلل بہت کم ہوگا۔ اپنی ظفرمندی کے لیے متیقن تھے۔

پھر آپ اس کو بھی پس انداز نہ فرمائین کہ اہل تاریخ لکھتے ہین کہ میدان کربلا مین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ اہل کوفہ نے غدر کیا ہے اور مسلم و عقیل رحمہما اللہ تعالے شہید کر دیے گئے۔ اور یزید کی فوج یہاں آ پہنچی ہے تو یہ کہلا بھیجا کہ میں کوفہ نہیں جاتا اور نہ تم سے لڑنا چاہتا ہون مجھکو مکہ معظمہ واپس جانے دو، دشمن اس پر راضی نہ ہوا اور اصرار کیا کہ اس کے ہاتھ پر یزید کے لیے بیعت کریں، آپ نے فرمایا کہ اگر مکہ معظمہ واپس نہیں جانے دیتے تو مجھکو چھوڑ دو کہیں دوسری طرف چلا جاؤں گا، وہ اس پر راضی نہ ہوا تو آپنے فرمایا کہ اچھا مجھکو یزید کے پاس لے چلو میں خود اس سے گفتگو کر لوں گا۔ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور جنگ یا بیعت پر مصر رہا۔ یہ تاریخی واقعہ بتلاتا ہے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ہر طرح مجبور و مظلوم قتل کیے گئے ہین، اگر اس کے بعد بھی شہادت میں کلام کیا جائے تو تعجب خیز نہین تو کیا ہے۔ چنانچہ یہ بھی تصریح آپ کتب تاریخ میں پائیں گے کہ یزید کو جبکہ اس کی اطلاع ہوئی کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ ان تینون امور کو پیش فرما رہے تھے، مگر اس کے عامل نے کسی کو قبول نہیں کیا تو بہت برہم ہوا اور سرزنش کی۔ واللہ اعلم۔

---

حاشیہ مکتو نمبر ۸۹) امام العصر کا یہ والا نامہ بھی اپنی جگہ پر اہم تحقیق اور ایک زبردست تاریخی انکشاف ہے، اور اتنا صاف اور واضح ہے کہ تلخیص کی چندان ضرورت نہیں ہے، البتہ مذہب امامیہ کے بعض اصولی مسائل کا نام آگیا ہے اس لیے اسکو صاف کرنا ضروری ہے، ان میں سے

(۱) تقیہ ہے جس پر آیت سورہ آل عمران اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقَاةً سے استدلال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بقول صاحب بیان القرآن آیت ہذا مین خوف ضرر کے وقت دوستی کے اظہار اور عداوت کے اخفا کا ذکر ہے، اور تقیہ متعارفہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں غور فرمائیں، مجھکو قوی امید ہے کہ آپ کے جملہ شبہات کا ازالہ ہوجائے گا، اور مزید تفصیل کے لیے اگر خواہش ہو تو قاسم العلوم کا یہ نمبر منگا کر دیکھ لیں۔ والسلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے متعلق بھی جناب نے غور نہیں فرمایا۔ غرض یہ تھی کہ غلط فہمی اور خطا اجتہادی سے انبیاء علیہم السلام بھی باوجود معصومیت از ذنوب معصوم نہیں ہیں اور ان سے بھی اس غلط فہمی سے بڑے سے بڑا امر سرزد ہو سکتا ہے اور اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، حالانکہ حسب قاعدہ حسنات الابرار سیئات للمقربین ان سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام پر مواخذہ بیٹے کے متعلق دعا کرنے پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر خوف ثلثہ کذبات کے متعلق طاری ہونا وغیرہ اسی قسم سے ہے۔

---

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۸) میں کفر کا اظہار اور ایمان کا اخفا ہوتا ہے۔

آیت اکراہ پر شبہہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

اول اکراہ صرف دفع ضرر کے خوف سے ہے اور تقیہ مذکور جلب منفعت کے لیے ہے۔

دوسرے اکراہ میں اس ضرر کا شدید اور خوف کا قوی ہونا ضروری ہے اور تقیہ میں ضرر کا خفیف اور خوف کا وجہ وہم میں ہونا کافی ہے۔

علی بن عیسیٰ اردبیلی امامی کشف الغمہ عن معرفۃ الائمہ میں امام رضا سے روایت کرتے ہیں لاایمان لمن لاتقیۃ لہ اسی طرح ابوجعفر طوسی جامع الاخبار میں روایت لایا ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تارک التقیۃ کتارک الصلوٰۃ۔ کنز العرفان مقداد اور کلینی میں تو تقیہ کو حرام تک لکھا ہے، بہرکیف کتب امامیہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص میں ایمان نہیں جو تقیہ کرتا ہے بلکہ تقیہ کا چھوڑنے والا نماز کے چھوڑنے والے کی طرح ہے۔ معاذ اللہ

(۲) اصول امامیہ میں ایک چیز بداء ہے۔ تعریف علامہ ابن حزمؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

(باقی صفحہ ۲۹۰ پر)

حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل قبطی پر تو خائف ہیں مگر حضرت ہارون علیہ السلام رمی الواح کے متعلق خوف کا تذکرہ تک بھی نہیں فرماتے۔ جبکہ ان حضرات کی خطا اجتہادی کا یہ حال ہے کہ سرزد بھی ہوتی ہے اور مواخذہ بھی نہیں ہوتا تو غیر معصوم سے سرزد ہونا کیوں ممنوع ہوگا۔ اور اس پر گرفت کیوں ہوگی۔ بلکہ حسب ارشاد المجتہد "اذا اخطأ فلہ اجر و اذا اصاب فلہ اجران" ممکن ہے کہ اس کو اجر ملے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غیر معصوم ہیں اگر ان سے دربارہ استحقاق خلافت اور شروط خلافت غلطی اجتہادی ہو جائے اور وہ یزید کو مستحق خلافت سمجھکر نامزد فرمادیں یا یہ کہ خلافت میں قریشیت، اسلام، حریت، بلوغ اور حسن تدابیر انتظام ہی کو شرط سمجھیں تقویٰ اور دیانت ضروری قرار نہ دیں تو کیا اس پر گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

رہا حسن نیت کا سوال تو جبکہ ہم کو عام مومنین کیساتھ حسن ظن کا حکم ہے تو ایک صحابی جس کے لیے دعوات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ بھی موجود ہیں، کیوں نہ عمل میں لایا جائے۔ اگر آپ "من لم یرحم صغیرنا" پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں تو دوسرا کہہ سکتا ہے کہ لم یوقر کبیرنا کا خطاب بھی تو موجود ہے۔

بہرحال فکر و غور سے امور معروضہ میں کام لیجئے۔ جلدی مت فرمایئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

(بقیہ حاشیہ ۲۸۹) والبداء ھو الانتقال عن المامور بہ بامر حادث لا بعلم سابق الخ یعنی جس چیز کا حکم دیا اس کو کسی حادث کیوجہ سے نہ کہ اپنے علم سابق کی بنا پر پلٹ جانا بدا ہے۔ علامہ ابوجعفر نحاس نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں نسخ اور بداء کے فرق پر بحث فرمائی ہے طول کے خیال سے ہم بداء کی تعریف پر اکتفا کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے واما البداء فھو ترک ما عزم علیہ مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کا ارادہ کیا اسکو چھوڑ دینا۔ گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ بھی وہم اور غلطی میں پڑ گیا یا پڑ جاتا ہے۔

(۳) امامیہ کا تیسرا بنیادی مسئلہ ایمان بالرجعۃ کا ہے۔ یعنی حضرت علی بادلوں کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں چنانچہ جب وہ آسمان سے پکاریں گے تو ہم ان کی اولاد کے ساتھ خروج کریں گے (شرح مسلم) السلامی

# مکتوب نمبر ۹۰

جواب[1] حلف نامہ ارسال ہے، ملاحظہ فرمائیں اور اعتماد اللہ تعالیٰ پر رکھیں، بندہ کا فریضہ صرف جد و جہد اور عمل ہے، متصرف فی الاکوان جناب باری عز اسمہ ہے۔ قلوب خلائق بین الاصبعین ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ رؤف و رحیم ہے۔ نہ گھبرانا چاہیے نہ مایوس ہونا چاہیے اور نہ مطمئن علی غیر اللہ ہونا چاہیے۔ اور اس کی رضا جوئی ہمیشہ مطمح نظر رہنا چاہیے۔

| | |
|---|---|
| هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ | وہی ہے جو اتارتا ہے مینہ بعد اس کے کہ آس توڑ چکے |
| مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِيُّ | اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت اور وہی ہے کام بنانے والا |
| الْحَمِيْدُ۔ (الشوریٰ) | سب تعریفوں کے لائق |

آپ دونوں کے ساتھ سی آئی ڈی اور سرخ پگڑی کا ہونا پریشانی اور اضطراب کا موجب نہ ہونا چاہیے۔ اور ان آیات میں غور کرنا چاہیے:

| | |
|---|---|
| يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا | اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں |
| مَعَ الصّٰدِقِيْنَ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ | کے۔ نہ چاہیے مدینہ والوں کو اور ان کے گرد کے گنواروں |
| وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا | کو کہ پیچھے رہ جائیں، رسول اللہ کیساتھ سے اور نہ یہ کہ اپنی |
| عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ | جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے یہ اس واسطے کہ جہاد |
| عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ | کرنے والے نہیں پہنچتی ان کو پیاس اور نہ محنت اور نہ |
| ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ | بھوک اللہ کی راہ میں اور نہیں قدم رکھتے کہیں جس سے |
| اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ | خفا ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز |

[1] یہ والا نامہ مولانا حیدری اور شیخ ولی محمد صاحب جونپور کے نام ہے۔

| | |
|---|---|
| وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ | مگر لکھا جاتا ہے ان کے واسطے اس کے بدلے نیک |
| لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ | عمل۔ بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا حق نیکی کرنیوالوں کا |
| أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً | اور خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا |
| وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ | اور نہ طے کرتے ہیں کوئی میدان۔ مگر لکھا جاتا ہے انکے |
| لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ | واسطے تاکہ بدلہ دے انکو اللہ بہتر اس کام کا جو کرتے تھے۔ |

آیات مذکورہ بالا میں ظمأ۔ نصب۔ مخمصہ۔ موطئا۔ نیلاً۔ نفقۃً۔ وادیا یہ تمام الفاظ نکرہ فی سیاق النفی ذکر کے گئے ہیں جن کا مفاد عموم استغراق ہے۔ ان امور میں سے کوئی بھی درجہ چھوٹے سے چھوٹا، بڑے سے بڑا یا متوسط پایا جائے تو انعامہائے مذکورہ کا استحقاق ہونا یقینی ہے۔ آپ حضرات کی یہ کوشش اغاظۃ اعداء اللہ معمولی درجہ پر نہیں کر رہی ہیں۔ بلکہ انکے دلوں میں گھاؤ اور گہری گھاؤ ڈال رہی ہیں، پھر کیوں پریشانی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| من اعان غازیا فقد غزی | جس نے مدد دی جہاد کرنے والے کی تو اس نے |
| من خلف غازیا فی اھلہ بخیر فقد | بھی جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب پایا اور جو کوئی غازی |
| غزا الحدیث | کے اہل کا قائم مقام ہوا گویا اس نے جہاد کیا۔ |

اس صحیح حدیث کی بموجب آپ حضرات مفت میں غازی فی سبیل اللہ بن رہے ہیں۔

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جایر الحدیث۔ کیا آپ کے ذہن سے اتر گیا ہے۔

بہرحال خوش رہیے، شکر کیجئے، اطمینان اور تدبیر سے کام کیجئے۔ دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔ ہرگز ہراساں نہ ہوجیے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

شیخ سراج الدین صاحب کی تشریف آوری اور صحت سے خوشی ہوئی۔ ان کی خدمت

میں بہت بہت سلام عرض کر دیجئے۔ ہمارے بہت قدیم اور ممتاز محسن ہیں، کراچی میں موصوف نے بہت بڑے بڑے احسانات کیے ہیں۔ وہ کیس بھی ان ہی کا رہین منت ہے۔ جزاہم اللہ وایاکم احسن الجزاء۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۹۱

(۱) ایصال ثواب[1] کا جو طریقہ عوام میں رائج ہے غلط ہے، عوام سمجھتے ہیں کہ یہی طریقہ متعین ہے اور رفتہ رفتہ اس میں بہت سی غیر مفید اور ناجائز باتیں داخل کر لی گئی ہیں جو کہ ایصال ثواب کے لیے ضروری سمجھی جانے لگی ہیں، مثلاً اس کو تبرک سمجھنا اور خود کھانا بچوں کو کھلانا، احباب میں تقسیم کرنا۔ اغنیاء کو کھلانا اور یہ اعتقاد کرنا کہ یہ کھانا اس بزرگ کا پس خوردہ ہے جس کے نام پر ایصال کیا گیا ہے۔ قرأت قرآن اور فاتحہ کو ضروری سمجھنا اور اسی طرح دیگر امور مثلاً جگہ کا لیپنا، خوشبو کا سلگانا، پڑھنے والے امام یا موذن یا مولوی کا حاضر ہونا اور پڑھنا۔ عوام کے اعتقاد میں یہ امور اگر نہ ہوں تو ایصال ثواب ہی نہیں سمجھا جاتا، اور عموماً یہ چیزیں محض نام و نمود اور شہرت کی غرض سے ریاءً و سمعۃً کی جاتی ہیں یا لوگوں کے لعن طعن سے بچنے کی غرض ہوتی ہے، اخلاص ہوتا ہی نہیں، علی ہذا القیاس لباس اور قات

[1] (۱) واح بزرگان کو طریقہ ایصال ثواب کیا ہے؟ کیا کھانا وغیرہ یا شیرینی یا کوئی چیز سامنے رکھ کر اور اگر کی تی جلا کر عود وغیرہ سلگا کر چند سورہ قرآن پڑھنا یہ مسنون طریقہ ہے؟ اور اس کھانے میں سے اور اس شیرینی میں سے خود بطور تبرک استعمال کرنا اور احباب کو کھلانا اور کچھ غرباء و مساکین کو دینا کیا یہ صحیح طریقہ شرعی ہے؟ کیا اس طریقہ کو مولانا شاہ فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اور دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے؟

حلال مال ہی نہیں ہوتا۔ بالخصوص میت کے وصال کے بعد اس کے ترکہ میں سے جو کچھ کیا جاتا ہے عموماً ورثہ سے اجازت نہیں لی جاتی، بالخصوص جبکہ وارث بعض یا کل غائب یا نابالغ ہوں مسکینوں یا فقیروں کو یہ مال دیا ہی نہیں جاتا اور اگر دیا جاتا ہے تو بہت کم اور ادنی قسم کا، عمدہ کھانا اور اکثر حصہ اغنیاء اور اہل خانہ ہی کھاتے ہیں، حالانکہ ان کے کھانے میں کسی ثواب کی امید ہی نہیں ہے۔

حضرت قطب عالم مجدد زماں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات میں فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| وآدابیکہ بحضور طعام فاتحہ در بار بجامی آرند | جو طریقہ کہ فاتحہ کے کھانے پر مجلسوں میں برتا جاتا ہے |
| پس ایں ہم اتباع خیالات فاسدہ خود است | یہ بھی اپنے خیالات فاسدہ کی پیروی ہے، کیونکہ |
| چہ فاتحہ بسبب آں طعام بجائے صاحب فاتحہ | فاتحہ اس کھانے کے سبب جس کا فاتحہ کیا جاتا ہے |
| نشدہ، پس چرا آدابیکہ در استحسان آن بہ نسبت | اس کیلئے نہیں ہوتا پس وہ آداب کیوں بجالائے |
| صاحب فاتحہ ہم گفتگو بود بعمل باید آورد۔ | جاتے ہیں جبکہ فاتحہ کے مستحسن ہونے میں کلام ہے۔ |
| وملک وے نگردیدہ چہ اگر ملک اوست | اور وہ کھانا اسکی ملکیت نہیں ہے کیونکہ اگر اسکی ملکیت |
| پس چرا فاتحہ کنندگان دخل دراں میکنند بموجب | ہے تو پھر فاتحہ کرنے والے اسکے اندر کیوں دخل دیتے |
| خواہش خود می خورند و می خورانند بلکہ آں را | ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق خود کھاتے اور کھلاتے |
| بوارثان صاحب فاتحہ رسانند نیاز حضرت | ہیں، بلکہ صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے ہیں |
| سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا را بسادات دہند و | اور حضرت فاطمہؓ کی نیاز کے کھانے کو سادات کو دیتے |
| نیاز حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ با ولاد | ہیں اور اسی طرح نیاز شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو |
| امجاد ایشان حوالہ نمایند و علی ہذا القیاس | انکی اولاد کے حوالہ کرتے ہیں، اسی پر اور قیاس کرنا چاہیئے |
| واگر ایں آداب بگمان حلول روح صاحب فاتحہ | اور اگر یہ آداب صاحب فاتحہ کی روح کے سرایت کرنے |

| | |
|---|---|
| درآں طعام یا لمس وے است آں طعام را | یا اس کے چھونے کے خیال سے ہوتے ہیں کہ یہ کھانا انکا |
| یا بسبب آنکہ تناول کردہ پس خوردہ اوشد | کھایا ہوا اور انکا جوٹھا ہے، تو یہ خیالات باطل |
| ایں ظنون فاسدہ ایشاں است کہ ہرگز | اور لغو ہیں جو ان لوگوں کو قطعاً معلوم نہیں ہیں |
| معلوم ایشان نیست و اگر بالفرض والتقدیر | اگر مان لیا جائے کہ کچھ معلوم ہے۔ پس جو تعریف |
| چیزے ازاں معلوم شود پس حدیکہ درآداب | کہ آداب طعام کے لیے ضروری ہے وہ کھانا |
| طعام ازان تجاوز کردہ پس حاصل ازآداب | اس کھانے کے آداب کا حصل اس کے سوا |
| آں طعام نیست مگر حصول مشابہت بکفرۂ | کچھ نہیں ہے کہ ہندوں کے طریقہ کی مشابہت ہوتی |
| ہنود کہ احیاناً حبوب و غلات و اجناس اطعمہ | ہے جو کبھی کبھی دانہ اور غلہ اور کھانے کی چیزوں |
| را پرستش می کنند الخ (صراط مستقیم ص۵۶ تا ۵۸) | کو سامنے رکھکر پرستش کرتے ہیں۔ |

چونکہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے دادا پیر ہیں، اس لیے ان کی تحریر پیش کر رہا ہوں، خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں صفحہ ۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں (فاتحہ) یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے، مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا۔"

اور صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں

"خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب و فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تعیین ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں ............

سلف میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکاکر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی

نیت کرلی۔ متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہرچند دل سے کافی ہے، مگر
موافقت قلب ولسان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے، اسی طرح اگر یہاں
زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے الخ
خلاصہ یہ کہ جب تک یہ قیود اور تخصیصات لازم نہ تھیں بلکہ کلی تحقق کے تشخصات تھیں
جب تک کسی کو کلام نہ تھا، مگر جبکہ عوام کے اعمال واقوال سے حکماء امت نے اندازہ کرلیا
کہ یہ قیود ضروری سمجھی جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ محظورات کو مشتمل ہوگئی ہیں ان کو منع فرمانے لگے،
کیونکہ تخصیص مطلق اور تقیید ناجائز ہوگئی ہے، جس کو حضرت رحمۃ اللہ خود فرما رہے ہیں
کہ ناجائز ہے، اسی کو صراط مستقیم میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،

صفحہ ۵۷ کے آخر میں ہے۔

مصرف طعام ہر گرسنہ ومحتاج است
اے پرہیزگار بہتر از غیر پرہیزگار است پس صحنک
وتوشاکہ ساختہ پرداختۂ پسینان است وتبلاء حق
انکار ویہ حقیقتے نہایت دور از حق پیدا شدہ واکا
بزرگان حال آنہا در اوقات تربیت وارشاد
درضمن کلیات بیان فرمایند وتخصیص وجاہر
درعین وقت مقابلۂ ایں رسوم غیر مفید انگاشتہ
خاموش می شوند از خاموشی آنہا فریب نخوردہ
درمحو آں سعی باید کرد چہ ایں قیود شدہ شدہ
بقبائح انجامیدہ وآں قیود ضرورتر از قیود

کھانے کے مستحق ہر بھوکے اور محتاج ہیں۔ ہاں پرہیزگار
آدمی غیر پرہیزگار سے بہتر ہے۔ پس صحنک اور توشے
جو بعد کے لوگوں نے ایجاد کر رکھے ہیں وہ خیالات فاسدہ
کے آمیزش سے حق بات سے کوسوں دور ایک حقیقت
پیدا ہوگئی ہے جس کا حال بڑے لوگ تربیت وارشاد کے
اوقات میں کلیات کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں اور تخصیص
اور کھلم کھلا بیان کرنے کو اس رسوم کے مقابلہ کے وقت
غیر مفید سمجھ کر خاموش رہ جاتے ہیں انکی خاموشی کے فریب
میں نہیں آنا چاہیے بلکہ انکے مٹانے کی ہر ممکن سعی کرلی جائے
کیونکہ یہ قیود آہستہ آہستہ برائی تک پہنچاتے اور جاہلوں کے نزدیک

شرعیہ در اذہان جہلا قرار یافتہ کہ التزام آں را جزء اسلام و ایمان می پندارند و تارک ساعی را در ہدم اساس آں خارج از ایمان می شمارند۔

قیود شرعیہ سے زیادہ ضروری ہو جاتے ہیں جسکو بجالانا ایمان و اسلام کا ایک جزء سمجھتے ہیں اور جو اسکا تارک کرتا اور مٹاتا ہے اسکو اسلام کا ڈھا دینے والا اور ایمان سے خارج سمجھتے ہیں۔

چوں التزام رسوم بایں حد رسد بالکل قلب مطلوب و عکس مقصود گردیدہ، واجب الترک می گردد؛ بنا بر تمیز سنن از فرائض تاکیدیکہ در حدیث می شنو دیاد کردہ دریں محل بکار باید برد

جب ان رسومات کا التزام اتنا ضروری ہو گیا تو گویا منفعہ کے برعکس ہوتا اور مطلب جاتا رہا اسلیے اسکا چھوڑ دینا واجب ہو گیا، لہذا احادیث میں سنتوں کو فرائض سے ممتاز کرنے میں جو تاکید آئی ہے اس جگہ کام میں لانا چاہیے اور جو نذر و نیاز کی رسمیں اس حد کو پہنچ گئی ہیں کہ کھانے وغیرہ کی نذر سے گذر کر جانوروں کو نیاز کرتے اور اس کے ذبح کرنے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا ارادہ کرتے مصداق حدیث ہے "کہ لعنت ہے اللہ کی اس پر جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا" ملعون ہو جاتا ہے، چنانچہ اکثر علماء کے نزدیک لعنت بوجہ کفر کے ہے، پس جو چیز کہ کفر ہو گئی اس کو عبادت سمجھنا کس درجہ برا اور خراب ہوگا۔

در رواج نذر و نیاز بایں حد رسیدہ کہ از نذر طعام وغیرہ گذشتہ جانہاے جانوراں کہ نیاز می کنند در ذبح آں خوشنودی غیر خدا جل شانہ قصد کردہ مطابق حدیث شریف کہ لعن اللہ ذبح لغیر اللہ ملعون شوند و بقول اکثر علما ایں لعنت بجہت کفر است پس امرے کہ کفر شد آں را عبادت پنداشتن بکدام مرتبہ زشتی و زبونی خواہد بود

درحقیقت آں است کہ کسانیکہ در نذر و نیاز ارتکاب معاصی و کفر می کنند ایشاں را ایصال ثواب منظور نیست بلکہ شرک می کنند و می دانند کہ ایں کار براے بزرگان می کنیم۔ معنی عبادت خدا ہرگز در ذہن شان نمی باشد و دلیلش آں کہ ہر کہ در توشہا و نیاز ہاے

اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ نذر و نیاز میں گناہ اور کفر کے مرتکب ہوتے ہیں ان لوگوں کو ثواب پہنچانا منظور نہیں ہے بلکہ یہ حضرات شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام بزرگوں کے واسطے ہم کر رہے ہیں اللہ کی عبادت کے معنی ہرگز ان کے ذہنوں میں نہیں ہوتا ہے۔ اس پر دلیل

| | |
|---|---|
| بزرگاں مبلغاں کثیرہ صرف کردہ باشند اگر از وے | یہ کہ جو شخص توشوں اور بزرگوں کی نیازوں میں بہت |
| پرسند کہ گاہے برائے خدا ہم چیزے دادہ خواہم | روپیہ خرچ کرتا اگر اس سے پوچھا جائے کہ کبھی خدا |
| گفت کہ بالجملہ خدا را و آنہا را بعضے در مرتبہ مساوی | کیلیے بھی کچھ دیا ہے کہے گا نہیں، اس صورت میں خدا کو |
| تقرب و رضاجوئی می نہند بجاں حال ہمیں بعض | اور ان بزرگوں کو قربت اور رضاجوئی میں برابر مرتبہ |
| است وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ | پر رکھتے ہیں جنکے مناسب حال یہ آیت ہے اور بعضے لوگ |
| أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا | وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو۔ انکی محبت |
| أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ۔ | ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی اور ایمان والوں |
| (بقرہ) | کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی۔ |
| وبعضے ترجیح می دہند و بعضے آں بارا کافی | اور بعض لوگ تو ان ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض تو اپنی |
| حاجات خود بالاستقلال دانستہ از التجا و دعا | حاجتوں کا مستقلاً پورا کرنیوالا سمجھکر خدا سے دعا اور التجا |
| بجناب حضرت حق جل شانہ بے نیاز می شوند | کرنے میں بے نیاز ہوجاتے ہیں لہذا حق اور صواب کے طلبگار |
| پس چارۂ کار طالب حق و صواب تتبع مرضیات | اور خدا اور رسول کی رضاجوئی کے پیرو کیلیے اسکے سوا چارۂ کار |
| خدا و رسول درین جز ز باں آن ست کہ | نہیں کہ جس شخص کی روح کو ثواب پہنچانا منظور ہو بلا قید |
| بروح ہر شخصے کہ ایصال ثواب منظور باشد | دن اور خاص ہیئت، اقسام کھانا اور کھانے والوں کے |
| بلا قید وضع وجنس طعام و تناولاں آں ہر | جو چیز فقیر اور محتاجوں کے حق میں بہتر اور زیادہ نفع پہنچانے |
| چیز یکہ انفع و بہتر در حق فقراء و محتاجین آن | والی ہو خلوص نیت سے صرف کرے اور اس شخص |
| وقت باشد و بصفائی نیت دن تربوصرف | کی طرف سے نیت کرکے کرے اگر دعا بھی کرے بہتر ہے |
| نماید و از طرف آن شخص نیت کردہ بعمل آرد و اگر دعا | اور تمام قیود و رسوم کو یک لخت |
| ہم کنند بہتر است و تمام قیود و رسوم یک قلم دور کند | دور کر دے۔ |

و نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات
بالطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں
معنے بہتر و افضل. غرض آں ست کہ مقید
برسم نباید شد بے تعین تاریخ و روز و جنس
و قسم طعام ہر وقت و ہر قدر کہ موجب اجر
جزیل بود بعمل آرد و ہرگاہ ایصال نفع
بمیت منظور دارد موقوف بر اطعام
نگذارد. اگر میسر باشد بہتر است و الا صرف
ثواب سورہ فاتحہ و اخلاص بہتریں ثوابہاست
در تعین تاریخ و روز و قسم و نوع طعام ضیق
پیش می آید و اعتنا و اہتمام آں موجب
اضاعت اوقات می گردد و دیگر کارہائے
اہم معطل می ماند۔ یگانہ و بیگانہ آشنا و
ناآشنا بروز و تاریخ منتظر و مترقب می ماند
و اقربا فراہم می آیند و انساں را خواہ نخواہ آنچہ
کردن دشوار می بود سرانجام آں ضروری افتد

اور یہ گمان نہ کرے کہ مردوں کو نفع پہنچانا کھانا اور
فاتحہ خوانی کے ساتھ اچھا نہیں ہے، بلکہ غرض یہ ہو کہ
رسم کا پابند نہ بنے اور بے تعین تاریخ و دن و جنس
و اقسام کھانا ہر وقت اور جس قدر بھی ثواب
کا باعث ہو عمل کرتا رہے، اور جب کسی
مردہ کو نفع رسانی منظور ہو صرف کھانا ہی پر
موقوف نہ رکھے، اگر بآسانی ہو جائے بہتر ہے
نہیں تو سورہ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد بہترین
ایصال ثواب ہے، نیز تاریخ اور دن وغیرہ
کے تعین میں دشواری پیش آیا کرتی ہے اور
اس کا اہتمام وغیرہ کرنا تضیع اوقات کا باعث
ہوتا ہے اور بہت سے اہم کام چھوٹ جاتے ہیں۔
اسی طرح اپنے اور بیگانے آشنا اور برائے تاریخ
وغیرہ پر منتظر رہتے اور اقربا بھی اکٹھا ہو جاتے ہیں
انسان کو خواہ مخواہ جو دشوار ہوتا ہے
پورا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ العزیز گنج مرادآبادی سے اس طریقہ کی پسندیدگی
کو نقل کرنا مناسب ہے، والد صاحب مرحوم مدتہائے دراز ان کی خدمت میں رہے تھے، جو کہ
تقریباً سات آٹھ برس یا زاید ہوتی ہے۔ ان سے بارہا میں نے سنا ہے کہ وہاں اس طریقہ

سے فاتحہ خوانی ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے میرے سامنے حضرت رحمۃ اللہ
سے فاتحہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میاں ہم تو جب کھانا روزانہ ہمارے یہاں تیار ہو جاتا ہے
تو اس کو کسی بزرگ کے لیے فاتحہ دے لیتے ہیں (او کما قال) بہرحال کوئی تقیید وہاں
نہ تھا اور ہوتا کیوں کر، حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ
کے خاص شاگرد تھے، اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ اربعین میں ان
قیود و رسوم پر انکار فرمایا ہے۔ والد صاحب مرحوم اپنے پیر و مرشد میں فنا تھے، اگر
وہاں کا طریقہ پسندیدہ ہوتا تو ضرور عمل میں لاتے، میں نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم ناظم
ندوہ سابق اور خلیفہ حضرت گنج مراد آبادی کو دیکھا ہے، مدینہ منورہ میں بھی اور مونگیر میں بھی
بہت آمد و رفت ان کی خدمت میں رہی اور بہت زیادہ خلط و ملط کے ساتھ رہا، موصوف
بہت عنایت فرماتے تھے، مگر میں نے کبھی ان کے ہاں یہ طریقے فاتحہ وغیرہ کے نہیں دیکھے۔
ہاں ختم خواجگان وغیرہ اعمال تصوف ہوتے ہیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام ننگ اسلام حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۹۲

(۱) ابابیل کے متعلق بعض کتابوں میں تصریح نکل آئی کہ وہ حلال طیور میں سے ہے
اور قاعدہ کلیہ غیر ذی مخلب من الطیور کا بھی اس کا مقتضی ہے، اس لیے اس کی بریٹ طاہر ہوگی۔
(۲) جو کتاب اقوال بزرگان کی بھیجی ہے نہایت بہترین کتاب ہے۔ مگر افسوس کہ اس کی
تصحیح نہیں کی گئی، کاتب کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ کہیں کہیں تصحیح ہے، مگر شاذ ہے۔ ابھی
دیکھ رہا ہوں پھر واپس کر دونگا۔

(۳ [۳]) شیعوں کے متعلق پوری معلومات تو مولانا عبدالشکور صاحب کو ہیں، ان سے دریافت کرنا چاہیے، مگر میرے خیال میں ان کے وضو کا بقیہ پانی پاک ہے۔

(۴ [۴]) علیٰ ہذا القیاس اگر وہ سنی کی جانماز پر نماز پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

(۵ [۵]) نہایت شہرت کو پہنچ چکا ہے کہ شیعہ اگر کسی سنی کو کھانا پانی دیتے ہیں تو اس میں نجاست ضرور ملا دیتے ہیں، اگر کوئی موقعہ نہیں ملتا تو تھوک ضرور دیتے ہیں۔ اس لیے حتی الوسع اس سے احتراز چاہیے۔

(۶) شب برات کے حلوے کے کھانے میں فی نفسہ تو کوئی قباحت نہیں ہے، مگر چونکہ جہال اس کو مذہبی جزء شمار کرتے ہیں اور وہ بالکل غلط ہے تو اگر کوئی مقتدیٰ ایسا ہو کہ اس کے رد کرنے سے عوام کی اصلاح ہوگی تو اس کو ردہی کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

(۷ [۴]) گیارہویں شریف کے کھانے میں اگر کھانے میں سب میں نیت ایصال ثواب کی کی گئی تو غیر محتاج کو نہ لینا چاہیے، اور اگر یہ نیت ہے کہ اس میں سے ایک حصہ ایصال ثواب کے لیے ہے باقیماندہ اہل خانہ اور احباب کے لیے ہے تو کھانا غیر فقیر کو بھی جائز ہوگا۔ وہ حصہ جو آپ کو دیا گیا ہے وہ ایصال ثواب ہی کا ہے تو آپ کو لینا اور کھانا درست نہیں، اور اگر اہل خانہ و احباب کا ہے تو جائز ہے۔

---

[۱] کسی شیعی مذہب رکھنے والے نے وضو کیا اور لوٹے میں اس کے وضو کرنے کے بعد پانی بچ رہا تو وہ پانی طاہر ہے یا نہیں؟

[۲] کسی سنی کی جانماز پر کسی شیعہ نے نماز پڑھی اس سے کوئی حرج تو نہ ہوگا؟

[۳] شیعہ کے یہاں کھانا کھانا چاہیے یا نہیں؟

[۴] گیارہویں شریف کے نذر و نیاز کا کھانا کھانا چاہیے یا نہیں؟ میرے یہاں اکثر میرے اسکول کے شاگردوں کے یہاں نذر و نیاز ہوتا ہے اور میرے پاس کھانا وغیرہ بھیج دیتے ہیں، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ (حیدری)

(۹) صاحبزادہ پر عمل نظر کیا گیا یا نہیں، کوئی نتیجہ ظاہر ہوا یا نہیں۔ امید تھی کہ آپ بھی دونوں صاحبوں کے ساتھ ہوں گے تو زیارت ہوجائے گی، مگر محرومی ہی رہی الخیر فیما وقع۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں اور ذکر میں غفلت نہ کیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۹۳

الحمد للہ دیہاتی اور عام مسلمانوں کی جہالت اور مذہبی ناواقفیت کا آپ کو علم ہوگیا۔ افسوس ہے کہ مسلمان عموماً اور علماء خصوصاً اس سے بے خبر ہیں اور دشمنان اسلام اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور عوام کو گمراہ اور مرتد بنا لیتے ہیں، لیگی صرف سیٹوں اور عہدوں کے لیے طوفان خیز کاروائی عمل میں لاتے ہیں، مگر مسلم عوام کا ذرا بھی خیال نہیں ہے، ان کی دیانت اور اسلام تو کیا دیکھتے ان کی غربت اور افلاس، ان کی جہالت، ان کی بیکاری اور پسماندگی وغیرہ کی طرف بھی بالکل توجہ نہیں کرتے،

علماء دین اول تو نہایت کم ہیں، جو ہیں بھی وہ اپنی بڑی بڑی ملازمتوں اور وجاہت، آمدنی وغیرہ کی فکر میں سرگرداں ہیں، مشائخ اور پیران عظام کا کام صرف ٹیکس وصول کرلینا ہے، مرید جنت میں جائے یا دوزخ میں، ہم کو اپنے حلوے مانڈے سے غرض ہے، یہ ان کی حسب حال ہے، آپ حضرات علم دین پڑھکر ہیڈ مولوی، سکنڈ مولوی وغیرہ کا عہدہ حاصل کرکے پیٹ کے چکر میں ایسے مبتلا ہوئے ہیں کہ ان غرباء اسلام کی ادنیٰ درجہ کی بھی اصلاح نہیں کرتے، اگر تعطیلات اور اتوار وغیرہ کو باقاعدہ نظام کے ماتحت دیہات کا دورہ اور غرباء اسلام کی خبرگیری کا ذمہ اپنے اوپر لیتے تو کیا اس سے عمدہ نتائج نہیں نکل سکتے تھے؟ بہرحال مجھکو بیحد خوشی ہوئی کہ اس مرتبہ آپ کو

اس زبوں حالی کا احساس ہوا، اگر اور بھی آپ کو تجربے ہوئے تو اس سے بھی حالت گری ہوئی معلوم ہوگی، میرے محترم! بہت زیادہ بلند آہنگی اور جد و جہد کی ضرورت ہے، علماء کا فریضہ بہت زیادہ ہے جس سے ہم میں سے اکثر افراد سخت غافل ہیں، اسکیم بنایئے، اس پر غور کروں گا، مگر اس سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ مجنونانہ وار اس وادی میں قدم رکھیے اور جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ خار کے ساتھ گل بھی ہیں، خار ہی خار نہیں ہیں، لوگوں میں تاثر اور استفادہ اور اصلاح بھی ہوتی ہے اور ممبری پر نذرانہ بھی مل جاتا ہے۔ بہرحال مجھکو اس سے بہت خوشی ہوئی، اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنے ہم خیال اہل علم کی جماعت بنا کر ان کو بیدار کرکے اس عملی میدان میں کچھ کاروبار انجام دیں گے۔ شیخ ولی محمد صاحب کے آٹدوں سے خوشی ہوئی۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۹۴

## جوابات مسئلہ شرعیہ

(۱)[۱] عقد نکاح کے لیے مذہب حنفی میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں البتہ ثبوت عند القاضی کے لیے عدالت شرط ہے، تحقق نکاح فاسق معلن بالفسق گواہ سے بھی ہو جاتا ہے۔

(۲)[۲] شیعی مسلمان ہے یا کافر۔ یہ مسئلہ قابل غور اور مختلف فیہ ہے، خود شیعہ بھی سنیوں کو کافر کہتے ہیں اور مسلمان نہیں مانتے۔ چنانچہ ان کے مجتہد نے کالکتہ میں محسنیہ فنڈ کے متعلق ہائی کورٹ میں بحث کرتے ہوئے اس کا اعلان کیا تھا۔ جس کی صورت میرے پاس ہے مولانا عبد الشکور صاحب

[۱] عقد نکاح کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے یا نہیں؟

[۲] شیعی مذہب رکھنے والا مسلمان ہے یا کافر؟

اور بہت سے علماء ان کے کافر ہونے کے قائل ہیں بعض متوقف ہیں بعضوں کا قول فیصل ہے کہ ان کے علماء کافر ہیں اور جہلاء فاسق ہیں، یقیناً قرآن میں تحریف کے ماننے والے، اللہ تعالیٰ کے علم بالجزئیات کا انکار کرنے والے، بدء کے قائل ہونے والے کافر ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھنے والے وغیرہ وغیرہ۔

پھر آپ ہی فرمائیے کہ ایسی صورت میں ان کی شہادت سے نکاح کسی قول پر کیسے منعقد ہو سکتا ہے، ہاں یہ عقائد مکفرہ عوام میں غالباً نہ ہوں مگر ان کے علماء میں ضرور پائے جاتے ہیں۔

(۲[1]) اگر علاوہ شیعی کے اور دوسرے گواہ سنی موجود ہیں تو ضرور ہو گیا۔ گواہوں کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ کہا جائے کہ تم گواہ رہو۔ مجلس عقد میں حاضری اور الفاظ عقد کا سننا کافی ہے، عورت کے سامنے اجازت لینے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ عقد نکاح ہو جائے گا، ایجاب و قبول کے وقت جس میں عورت کا وکیل یا ولی موجود ہے گواہوں کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ فضولی کا عقد بھی صحیح ہوتا ہے۔

(۳[2]) کابین نامہ میں تفویض طلاق اگر شوہر کی طرف سے کر دی جائے گی تو یقیناً صحیح ہو گی۔ اور عورت کو اختیار ہو گا کہ حسب شرط وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر لے، البتہ تفویض[3] طلاق کی صورت

---

[1] عقد نکاح میں علاوہ سنی گواہوں کے ایک شیعہ بھی گواہ ہو تو ایسی صورت میں عقد نکاح صحیح ہو گا یا نہیں؟

[2] کابین نامہ میں اگر تفویض طلاق شوہر کی جانب سے ہو تو صحیح ہے یا نہیں؟　(حیدری)

[3] تفویض طلاق یعنی عورت کو طلاق سپرد کر دینا، مثلاً کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اپنے تئیں طلاق دے یا نیت طلاق سے کہا امرک بیدک یا اختاری (اپنے کو اختیار کر لے) زوجہ کو اختیار ہو گا جس مجلس میں اس کو علم ہوا ہے طلاق دے لیوے، اگرچہ مجلس طویل ہوئے اور اگر بعد علم زوجہ اٹھی یا جو کام کر رہی تھی اس کو چھوڑ کے دوسرا کام شروع کیا مجلس مختلف ہو جائیگی اور خیار باطل ہو گا کیونکہ یہ مسئلہ اتفاقی اور اجماعی ہے باقی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ (اصلاحی)

کتب فقہ میں دیکھ لی جائیں۔

(۴[ل۵]) اصل خطبوں میں کھڑے ہو کر ہی پڑھنا ہے، مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر اب بھی رواج ہے، عرب میں بھی اب یہی رواج ہو گیا ہے۔

امتحان کے اختتام پر اسکول میں تعطیل ہو جائے گی، غالباً آپ وطن مالوف تشریف لیجائینگے۔ اس کے متعلق تفصیلات سے مطلع فرمائیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مضمون پر کیا رائے قائم کی، قائد اعظم کے متعلق کئی پرچون میں مدینہ کا اڈیٹوریل اور دوسرے اخبار جو کچھ لکھ رہے ہیں اس کا کیا اثر آپ نے اور اہل شہر نے لیا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۹۵

(۱) گھر کے خط میں لکھا تھا کہ برخوردار ارشد[۵۲] طاعون میں مبتلا ہو گیا ہے، علاج کیا جارہا ہے، اب معلوم نہیں کہ اس کا کیا حال ہے، اگر کوئی خط گھر کا ہو تو خیر ورنہ آپ ایک جوابی تار بنام محمد بشیر صاحب الہ دیپور، ٹانڈہ، دیدیں کہ ارشد کی صحت سے مطلع فرمائیں۔ یہ تار بروز شنبہ دیا جائیگا، اور میں انشاء اللہ چہارشنبہ یا پنجشنبہ کو ٹانڈہ جاؤں گا، یا جب آپ مناسب سمجھیں۔

(۲) خلیل اللہ جنگ[۵۳] کے مقدمہ کے متعلق کیا ہوا۔ کارروائی سے مطلع فرمائیں۔

---

[ل۵] عرض: نماز جمعہ کے وقت خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے یا بیٹھ کر؟

[۵۲] حضرت مولانا مدظلہ العالی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

[۵۳] خلیل اللہ جنگ۔ جناب نواب محمد اسد اللہ یس جنگ سابق ریڈر لا (قانون) الہ آباد یونیورسٹی ڈسٹرکٹ جج اورنگ آباد کے بڑے صاحبزادے ہیں اور میرے تلمیذ رشید ہیں۔ یہ برطانوی فوج میں کیپٹن کے عہدہ پر مامور تھے، کسی لغزش کے

(باقی ص ۳۰۶ پر)

(۳) دیوبند کا خط بند ہی روانہ فرمائیں۔

(۴) مراد آباد کا خط اگرچہ کھلا ہوا ہے، مگر بند کر کے روانہ فرما دیجئے۔

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۵) باعث سخت جرم کے مرتکب ہو گئے۔ اور عزیز موصوف کو کالکتہ میں کورٹ مارشل سپرد کر دیا گیا، استخلاص اور رہائی کی کوئی صورت نہیں تھی، دہلی اور الہ آباد سے بیرسٹروں نے جا کر مقدمہ میں بحث کی اور کافی پیروی کی، کوئی صورت استخلاص کی نظر نہیں آئی، سب ناامید ہو کر واپس آ گئے اور سارا خاندان پریشان تھا، حضرت مولانا مدظلہ العالی کی خدمت بابرکت میں بہ لجاجت دعا کیلیے درخواست کی گئی، کہ حضرت اقدس استخلاص کے لیے دعا فرمائیں، حضرت اقدس نے خود دعا کی اور مجھے بھی ایک عمل پڑھنے کے لیے لکھا، میں متواتر تا فیصلہ مقدمہ حضرت اقدس کے فرمانے کے مطابق ورد کرتا رہا، فیصلہ سے تین چار روز پیشتر میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا وسیع چٹیل میدان ہے، اس میں میں سویا ہوا ہوں اور بہت سے کثیر تعداد میں بھورے بھورے سرخ رنگ کے کتے مجھ پر حملہ کرنے چاروں طرف سے آرہے ہیں۔ ان کتوں میں ایک کالے رنگ کا بھی کتا تھا۔ جو ان سب کتوں کو ہنکا کر لا رہا تھا اور مجھ پر حملہ کروانا چاہتا تھا، میں ان کو دیکھ کر خوف زدہ ہو رہا تھا اور کہیں پناہ لینے کی جگہ نہیں تھی، ان کے حملے سے بچنے کے لیے میرے ذہن میں فوراً یہ بات منجانب اللہ آئی کہ مردہ بن کر سانس روک کر تھوڑی دیر سو رہوں، میں نے یہی تدبیر کی، سب کے سب کتے آئے اور مجھے سونگھ سونگھ کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تو وہ کالا کتا پھر ان کتوں کو گھیر گھیر کر حملہ کرنے کیلیے لایا، اور مجھ پر آگے بڑھ کر اس کالے کتے نے پہلے حملہ کیا، میں نے اب دیکھا کہ بچنا مشکل ہے فوراً اٹھ کر ہمت کر کے اس کالے کتے کے جبڑے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چیرنا شروع کیا، جیسے جیسے اس کے جبڑے کو چیرتا جا رہا ہوں وہ انسانی شکل اور فوجی لباس میں ہوتا جا رہا ہے، اس کی ہیئت و شکل اور صورت انسان کی ہو گئی، اور وہ بجائے کالے کتے کے گورا فوجی لباس میں ہے، میں نے اس کو جان سے مار ڈالا، اب دیکھتا ہوں کہ بجائے میدان کے ایک بلند کھلے چھت پر ہوں اور میں گھبرا رہا ہوں کہ یا اللہ اس لاش کو کیا کروں، دیکھتا ہوں کہ چھت کے نیچے ایک صاف ستھری چوڑی پختہ سڑک ہے اور اس سڑک پر کچھ لیڈیاں فوجی لباس میں کھڑی ہیں، میں نے اس لاش کو چھت پر سے نیچے سڑک پر پھینک دیا،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۷ پر)

(۵) آرڈی ننس کی کاپی ابتو شاید آگئی ہوگی، کاٹجو صاحب اس کی دفعات کو زیر بحث لارہے ہیں

(۶) خواجہ صاحب اگر موجود ہوں سلام مسنون کہدیجئے، نیز دیگر واقفین پرسانِ حال سے سلام مسنون کہدیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد

# مکتوب نمبر ۹۶

## امور مستفسرہ[۱] کا جواب

عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ یا مصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے، لوگوں کی اختراعات اور بدعات میں سے ہے، احادیث میں جہاں تک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا، غیبوبت کے بعد مصافحہ اور طویل غیبوبت پر معانقہ ثابت ہے، مگر عید کی نماز کے بعد ان کا ثبوت نہیں ہے، یہاں

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۶) اور وہ لیڈیاں اس لاش کو اٹھا کر لے گئیں، اسکے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ صبح اٹھ کر میں نے اس خواب کو قلمبند کیا اور حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں بھیجا، حضرت اقدس نے ان الفاظ میں جواب مرحمت فرمایا تھا "آپکا خواب مبارک ہے آپ کو اپنے دشمن پر فتحیابی حاصل ہوئی، ممکن ہے کہ اسمیں خلیل اللہ جنگ کی کامیابی اور نجات کی بشارت ہو" الخ اس کے بعد حضرت اقدس کے لکھنے کے مطابق تا فیصلہ وہ عمل جو اس مکتوب میں درج ہے کرتا رہا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پانچویں روز خواجہ صاحب مدظلہ العالی کے پاس خبر آئی کہ خلیل اللہ جنگ صاف چھوٹ گئے ہیں اسوقت میں اپنی کرسی میں تھا، جو جناب خواجہ صاحب کے کمرے کے ملحق تھا، خواجہ صاحب نے مجھے آواز دیکر بلایا اور یہ بشارت آمیز خوش کن خبر دی کہ خلیل میاں صاف چھوٹ گئے، اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوا اور دو رکعت نفل پڑھی، اسکے بعد خلیل اللہ سلمہ نے ملازمت سے مستعفی ہوگئے اور دہلی میں آکر اپنے چچا نواب حلیم جنگ کیساتھ دیدی۔ گورنمنٹ میں کام کرنے لگے، دہلی کے عہد حاضر کے ہنگامہ میں لاہور منتقل ہوگئے اور اسوقت وہیں قیام پذیر ہیں۔ (حیدری)

[۱] عید کی نماز کے بعد معانقہ و مصافحہ مسنون اور جائز ہے یا نہیں؟

یہ حالت ہے کہ وہ رفقا، جو نماز میں شریک بلکہ برابر کھڑے تھے، سلام اور خطبہ کے بعد معانقہ دیتے ہیں اور اس کو امر دینی سمجھتے ہیں، اس لیے یہ غلط چیز ہے۔

عید کے روز کوشش کرنے پر اجازت دیدی گئی کہ تمام مسلمان قیدی ایک جگہ عید کی نماز ادا کر سکتے ہیں، اگرچہ حسب قواعد شرعیہ جیل میں اجازت نامہ نہ ہونے کی وجہ سے عید کی نماز کا وجوب نہیں ہے، مگر اس لیے کہ اس ذریعہ سے قیدیوں کو ایک دن کی تعطیل اور ملنے کا موقعہ نصیب ہو جاتا ہے، ہم لوگ راضی ہو گئے، اور پڑھ لیتے ہیں، اس میں خطبہ میں کچھ وعظ و نصیحت کا موقعہ بھی مل جاتا ہے۔ چنانچہ تقریباً ڈھائی سو آدمی نماز کے لیے جمع کر دیے گئے، اگرچہ مسلمان قیدیوں کی تعداد تقریباً چار سو ہے، مگر بے نمازی جاہل لوگ نہیں آئے، سبھوں نے نماز اکٹھا پڑھی اور تقریباً ایک گھنٹہ تک انکو نصیحت کی گئی، اس کے بعد آپ کی فرستادہ سویاں سب کو کھلائی گئیں، آپ کی حسن نیت سے بڑی برکت ہوئی، تقریباً دس بارہ سیر دودھ حاصل ہو گیا، تمام میوہ جات سے شیر اور سویاں دو بڑی بڑی دیگچیوں میں تیار کی گئی اور سب لوگوں کو کھلائی گئی، تقریباً تین سو یا زیادہ آدمیوں نے کھائی، اور بعض بعض نے دو دو اور تین تین دفعہ کھائی، اس لیے کہ ایسی چیزیں شاذ و نادر عام غریبوں کو ملتی ہیں، بہر حال چیزیں گراں آئیں، مگر اس حیثیت سے سوارت ہوئیں اور عمدہ منظر اور مظہر ہوا جس کی اس جیل میں ابتدا سے کبھی نوبت نہیں آئی تھی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔ آپ کا فرستادہ عطر عید میں کام آیا، جناب شیخ ولی محمد صاحب اس بارہ میں فیل ہو گئے، غرضکہ آپ کی فرستادہ تمام اشیا حسب تحریر پہنچیں اور کام آئیں، اور اچھے کام آئیں۔ وللہ الحمد والمنۃ

(۱) ایصال ثواب کے متعلق نہایت عمدہ اور جامع تحریر حضرت امام دوران سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات (صراط مستقیم) میں صفحہ ۶۳ و ۶۴ میں موجود ہے، اگر فرمائیں اور کتاب مذکور موجود نہ ہو تو میں نقل کر کے بھیجدوں۔ حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید نے

(الحق الصریح فی احکام الموتی والضریح) میں پوری تفصیل فرمائی ہے، اس کو دیکھ لیں۔

(۲) آجکل جو طریقہ جاری ہے وہ غلط ہے بلکہ وہی طریقہ صحیح ہے جو کتاب مذکور میں ذکر کیا گیا ہے، میرے خیال میں کسی مفصل اور مستقل تحریر کی ضرورت نہیں ہے، اگر آپ ضرورت سمجھیں تو مستقل رسالہ لکھا جا سکتا ہے، مگر افسوس کہ کتابیں موجود نہیں ہیں، تاہم اگر آپ اس حالت میں بھی ضروری سمجھیں تو لکھ دیا جائے،

چونکہ موسم بدل رہا ہے، امراض زکام و نزلہ و بخار کا دور دورہ ہے، اس لیے اگر مناسب ہو تو گل بنفشہ کے ساتھ ۲ تولہ گاؤزبان، ۲ تولہ ملہٹھی، ۱ تولہ رب السوس، ۲ تولہ سپستان ۲ تولہ لعوق سپستان، ۴ تولہ خمیرہ بنفشہ بھیج دیں، یا ۲۲ تاریخ کا انتظار کریں، اگر رہائی نہ ہوئی تو یہ چیزیں ارسال کریں۔

شیخ ولی محمد صاحب کو سلام مسنون اور عید کی مبارک باد دیں اُن کو اور ان کے جملہ متعلقین کو میری طرف سے لکھ دیں اور انکی سابقہ امراض سے شفایابی کی کیفیت بھی دریافت فرمائیں۔

مولوی محمد صاحب اور صاحبزادوں اور دیگر واقفین پرسان حال سے سلام مسنون کہہ دیں، لاری صاحب، خواجہ صاحب سے بھی سلام مسنون کہدیں، والسلام

والدہ صاحبہ اور متعلقین کی خیر و عافیت سے بھی مطلع فرمائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۹ شوال ۶۳ھ

## مکتوب نمبر ۹۷

ضیافتین (ضیافت اللہ اور آپ کی ضیافت) موجب شکر گذاری ہے، آپ نے اس قدر تکلف اور اتنی وسعت کی جس کا بیان اور شکر دونوں قبضہ قدرت مھجوران سے

باہر ہے، اللہ تعالیٰ جزاءِ خیر عطا فرمائے۔ اس قدر انواع و اقسام اور اتنی بڑی مقدار ہرگز نہ چاہیے تھی، حالانکہ بہت سے لوگوں میں تقسیم ہوا، پھر بھی کئی روز تک ہم خدام کو اس سے فیضیاب ہونے کی شرافت حاصل ہوتی رہی۔ فجزاکم اللہ خیر الجزا فی الدارین۔

کل فیصلہ ہائی کورٹ آگیا، مولوی وحید قاسمی کو نقل بھیج رہا ہوں اور حلفنامہ[1] بھیج رہا ہوں جس پتہ پر وہ منگا رہے ہیں، مخدوش نہیں ہے، ملاحظہ فرمالیں۔

## حلفنامہ مسٹر محمود افسر انچارج پولیس اسٹیشن رڑکی

### سابق افسر انچارج دیوبند

(۱) میں رڑکی پولیس اسٹیشن کا افسر انچارج ہوں، جو واقعات اس حلفنامہ میں درج ہیں ان سے پوری طرح واقف ہوں۔

(۲) یہ کہ مولانا حسین احمد مدنی حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص میں سے ایک ہیں۔ وہ مولانا محمود حسن جو کہ مشہور سازش ریشمی خط کے بانی مبانی تھے۔

(۳) یہ کہ مولانا حسین احمد مدنی سازش مذکور کے سلسلہ میں عرب بھیج دیے گئے تھے، اور وہاں سے ہندوستان لوٹتے ہوئے گرفتار کیے گئے اور مالٹا میں نظر بند کیے گئے تھے۔

(۴) یہ کہ بعد میں مولانا حسین احمد مدنی ۲۰ء میں ہندوستان واپس آئے اور انھوں نے تحریک خلافت کے چلانے میں بہت خاص حصہ لیا، اور وہ ایک امیدوار تھے، عہدہ امیر الہند کے تاکہ اس کے ذریعہ سے جہاد کا فتویٰ دے سکیں، اور ۲۷ء میں خلافت کمیٹی کی مجلس منتظمہ میں بھی منتخب ہوئے تھے۔

---

[1] حلفنامہ اور فیصلہ ہائی کورٹ درج ذیل ہے جو مولانا وحید الدین صاحب قاسمی نے دہلی سے بھیجکر خاص عنایت فرمائی ہے جسکو پڑھکر بے ساختہ زبان پر یہ شعر آگیا۔ من از بیگانگان ہرگز نہ نالم ؏ کہ با من انچہ کرد آن آشنا کرد

(۵) یہ کہ وہ علی برادران کے ساتھ مقدمہ فتوی کراچی میں سزایاب بھی ہوئے تھے۔

(۶) یہ کہ مولانا مدنی نے ۲۴-و-۲۵ کو سہارنپور میں ایک آگ لگانے والی تقریر کی تھی اور خاص تعلق تھا جمعیۃ علماء ہند سے۔ اس کے ذریعہ تبلیغ کرتے تھے ولایتی مال کے بائیکاٹ کی جس میں انگریزی مال بھی شامل ہے، اور کھدر کے استعمال کی اشاعت کرتے تھے۔

(۷) یہ کہ مولانا مدنی نے مرادآباد میں ۱۹۳۰ء میں صوبہ جمعیۃ علماء کی صدارت کی اور صوبہ خلافت کمیٹی کے بھی صدر منتخب ہوئے۔

(۸) یہ کہ مولانا مدنی نے مئی ۱۹۳۲ء میں نوجوان بھارت سبھا سہارنپور کے جلسہ میں شرکت کی اور گورنمنٹ کے خلاف بہت سخت تقریر کی۔

(۹) یہ کہ مولانا مدنی نے ۱۹۳۲ء میں مجلس احرار کے لیے چندہ جمع کیا، اور وہ جمعیۃ علماء ہند کے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے، جو کہ اس وقت دہلی میں غیر قانونی جماعت تھی۔ ان کے اوپر ایک نوٹس اس امر کی تعمیل کی گئی کہ وہ دہلی میں داخل نہ ہوں، لیکن انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی جیل بھیجے گئے اور بعد کو اگست ۱۹۳۲ء میں رہا ہوئے۔

(۱۰) یہ کہ مولانا مدنی نے ۳۶-۱۹۳۷ء کے عام انتخابات میں کانگریس کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی پوری اور انتہائی کوشش کی۔

(۱۱) یہ کہ مولانا مدنی نے ۳۷-۱۹۳۸ء میں ولایتی مال کے بائیکاٹ کی کوشش کی اور انھوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ آنیوالی لڑائی اور بادشاہ کے جشن تاجپوشی میں شریک نہ ہوں۔

(۱۲) یہ کہ ۳۷-۱۹۳۸ء میں مدنی کا داخلہ دہلی بذریعہ تحریری حکم چھ ماہ کیلیے روکدیا گیا۔

(۱۳) مدنی نے ۳۸-۱۹۳۹ء میں ہری پورہ کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی اور آل صوبہ کانگریس کمیٹی کے نائب صدر تھے۔

(۱۴) یہ کہ مولانا مدنی نے آزاد مسلم کانفرنس ۱۹۴۰ء جونپور کی صدارت کی اور اس میں انگریزوں کے خلاف بہت زبردست تقریر کی۔

(۱۵) یہ کہ مولانا مدنی نے اگرچہ گاندھی جی کے خاص حکم کے ماتحت ۴۱-۱۹۴۰ء میں انفرادی ستیہ گرہ میں حصہ نہیں لیا لیکن اس سال کانگریس مجلس منتظمہ کے ایک ممبر تھے۔

(۱۶) اپریل ۱۹۴۲ء میں دو تقریریں بچھرایوں اور سہارنپور میں بہت سخت کیں اور بچھرایوں کی تقریر کے سلسلہ میں ۲۴ ۶/۴۲ کو گرفتار ہوئے اور مقدمہ چلایا گیا اور دفعہ ۳۶ قانون تحفظ ہند کے ماتحت چھ ماہ کی سزا ہوئی۔

(۱۷) مولانا مدنی کا نام سنٹرل گورنمنٹ کی فہرست الف پر اور صوبہ کی گورنمنٹ کی فہرست الف پر درج ہے جو کہ کسی وقت تیار کی گئی تھی۔ اگست ۱۹۴۲ء کی عام گرفتاری کے قبل۔ اس فہرست میں ان ہی لوگوں کا نام تھا جو خاص طور سے خطرناک سمجھے گئے تھے۔ اور بعد میں پوری تحقیقات کے بعد دفعہ نمبر ۲۶ کے ماتحت گرفتاری کا حکم جاری کیا گیا۔

## حلفنامہ ہوم سکریٹری

میں ڈی۔ ایس بیرن سکریٹری صوبہ یوپی ہوم ڈیپارٹمنٹ باحلف بیان کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں۔

(۱) یہ کہ میں سکریٹری صوبہ متحدہ گورنمنٹ کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ہوں۔ اور حکم مورخہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۲ء نمبر ۶۷۵۳ سی۔ این میں نے جاری کیا ہے۔

(۲) یہ کہ اس آرڈر کے جاری ہونے کے قبل مولانا حسین احمد مدنی کا معاملہ اور معاملوں کے ساتھ گورنر کے سامنے رکھا گیا تھا اور ان کی نظربندی کا مذکورہ بالا حکم ہز ایکسیلینسی کے حکم کے مطابق ان کے معاملہ پر غور کرنے کے بعد جاری کیا گیا تھا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لکھنؤ کے سامنے اس بیان حلفی کی تصدیق ۱۸ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو ہوئی ہے۔

## فیصلہ

ہائی کورٹ الٰہ آباد ۔ محکمہ فوجداری ۔ نگرانی الٰہ آباد ۱۶ر نومبر ۱۹۴۳ء

باجلاس آنریبل سر اقبال احمد چیف جسٹس اور آنریبل آلسپ صاحب مقدمہ نمبر ۸۰۵ ، ۱۹۴۳ء

بادشاہ سلامت ! بذریعہ سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل نینی ۔

بنام مولانا حسین احمد مدنی کی طرف سے شیخ ولی محمد !

## حکم

یہ درخواست ضابطہ فوجداری کی دفعہ نمبر ۴۹۱ کے مطابق دی گئی ہے ۔ اس میں یہ استدعا کی گئی ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی جو کہ نینی سنٹرل جیل میں نظر بند ہیں رہا کیے جائیں ۔ مولانا مدنی کو ۲۵ر جولائی ۱۹۴۲ء کو قید کی سزا ہوئی تھی اور اپیل کے فیصلہ کے مطابق جنوری ۱۹۴۴ء کے آخر میں ان کی سزا پوری ہو جاتی ، اسی درمیان میں ان پر دفعہ نمبر ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے مطابق یہ حکم جاری کیا گیا کہ یہ نظر بند کیے جائیں ۔ یہ حکم ۵ر اگست ۱۹۴۲ء کو جاری ہوا جنوری ۱۹۴۳ء سے مولانا اس حکم کے مطابق نظر بند ہیں ۔ دلیل یہ دی گئی ہے کہ حکم ٹھیک طریقہ سے جاری نہیں ہوا اور اس حکم کا کوئی قانونی اثر نہیں ہے ، جہاں تک طریقہ کا سوال ہے ہماری سمجھ میں اعتراض یہ ہے کہ حکم صوبہ متحدہ کی گورنمنٹ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے جبکہ وہ گورنر کی طرف سے ہونا چاہیے تھا ۔ ہماری سمجھ میں یہ اعتراض کوئی مضبوط نہیں ہے ، خاص کر اس وقت جبکہ گورنر ہی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ نمبر ۹۳ کے مطابق گورنمنٹ کے پورے اختیارات خود کام میں لا رہا ہے ، دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ مولانا کی نظر بندی کے مسئلہ پر خود گورنر نے غور نہیں کیا ۔ سرکار کے ہوم سکریٹری نے ایک بیان حلفی داخل کیا ہے کہ مولانا کی نظر بندی کا حکم خود گورنر کی ہدایت سے جاری کیا گیا ۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ معاملہ گورنر کے سامنے رکھا گیا تھا، اور انھوں نے اس پر خود غور کر کے حکم جاری کیا ہے، اس بیان حلفی کے رہتے ہوئے ہمارے لیے یہ کہنا ممکن ہے کہ گورنر نے حکم جاری نہیں کیا، یہ کہا گیا ہے کہ مولانا کی نظر بندی کا حکم گورنر نے جاری کیا ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن جب بیان حلفی میں یہ کہا گیا ہے کہ گورنر کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا اور ان ہی نے حکم جاری کیا ہے تو ہمیں یہ ان لینا چاہیے کہ گورنر نے ہی حکم جاری کیا ہے۔ ہمارے خیال میں اس درخواست میں کوئی زور نہیں ہے اور ہم اس کو خارج کرتے ہیں۔

درخواست دہندہ کے وکیل نے فیڈرل کورٹ میں اپیل کرنے کی اجازت طلب کی ہے لیکن چونکہ اس میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی تشریح کا کوئی معاملہ نہیں ہے، اس لیے ہم ایسی اجازت دینے سے انکار کرتے ہیں۔

## مکتوب نمبر ۹۸

عید مبارک ہو۔ اعادکم اللہ وایانا لامثالہ وامثال امثالہ دائما وایدامفتوحنا برضوانہ تعالیٰ ونعمہ الظاہرۃ والباطنۃ۔ آمین

بمبئی میں بھی رویت ۲۹ ذیقعدہ ہوئی ہے۔ وہاں بھی عید الہ آباد کی طرح بدھ کو ہوئی ہوگی، مرسلہ سبز چاء بہت کام آئی اور خواہش بھی تھی، اس لیے باضابطہ خط میں میں نے جلد بھیجنے کو لکھا تھا، تقریباً دو سو سے زائد آدمیوں کو پلائی گئی، جو کہ نماز عید میں شریک تھے۔ یہ آپ کی برکت تھی، اگر چاء اور شکر نہ ہوتی تو کس طرح یہ کام ہو سکتا۔ فللّٰہ المنۃ ثم لکم۔

آپ نے سبز چاء رکھ لی بہت بڑا احسان کیا، لکھنے کی ضرورت نہ تھی، میں خوش ہوں، مگر یہ نہ فرمائیے کہ اس کا بنانا بھی آپ کے خادموں میں سے کسی کو آتا ہے۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ مجھ کو آپ

بلا لینے میں بنا لیتا، اگر پسند خاطر ہوتی تو ملازمین والا کو سکھلا دیتا، یا ملازم بنجاتا۔ یہ چاء چین یا جاپان سے آتی ہے۔ ہندوستان میں کالکا دیرہ دون وغیرہ میں اس کے باغات ہیں، مگر وہ اس قدر لطیف اور عمدہ نہیں ہوتی، دودھ کی چاء میں تو وہ کام آجاتی ہے، مگر سادہ کے لیے وہ مناسب نہیں ہے، اس کی سادہ چائے فرنٹیر اور افغانستان میں اور حجاز اور نارتھ افریقہ الجیریا، ٹونیشیا، مراکش فاس وغیرہ میں بکثرت استعمال کی جاتی ہے۔ عمدہ سبز چاء کی قیمت گراں زیادہ ہے، چین کے صندوق بمبئی میں بھی نہیں کھلتے۔ پشاور چلے آتے ہیں، یہاں کھلتے ہیں، جنگ سے پہلے پشاور میں یہ چاء چھ یا سات روپیہ سیر بکتی تھی، اب قیمت معلوم نہیں۔ پشاور کے ہی عنایت فرمانے پہلے ہی بھیجی تھی اور یہ بھی بھیجی ہے۔

میں دیوبند میں ظہر کے بعد اسی کو سادہ پیا کرتا تھا، اور احباب موجودہ بھی اس کو نوش فرماتے تھے۔ پانی کھولنے کے بعد براد (چاء دانی) میں اس کے پتے ڈالدیے جائیں اور اوپر سے کھولا ہوا پانی ڈال کر بند کر کے کپڑے سے براد کو ڈھک دیا جائے تاکہ دم آجائے۔ اہل تکلف تو اس میں عنبر کی خوشبو دیتے ہیں، اس طرح کہ چمچی میں سوراخ کرا کے اس میں عنبر بھر دیا جاتا ہے یعنی ان سوراخوں میں۔ پھر چمچی کو چاء دانی میں ڈال کر حرکت دیدی جاتی ہے، اور متوسط الحال طبقہ اس میں سپید الائچی کوٹ کر تاکہ دانے ٹوٹ جائیں دو تین دانہ ڈال دیتے ہیں، اور بعض اہل تکلف سبز پودینہ ڈالتے ہیں۔

دودھ کی چاء بنانے کے لیے اس کو خوب اونٹانا چاہیے، اس کے بعد اس کو ٹھنڈا کر لینا چاہیے ٹھنڈا پانی ملا کر یا رکھ کر۔ پھر اس کو اچھالنا چاہیے، اس کا رنگ سرخ مثل کتھ کے پانی کے ہو جائے گا۔ پھر اس میں دودھ زیادہ مقدار میں ڈالکر اور شکر حسب ضرورت ڈالکر آگ پر رکھنا چاہیے اور پکانا چاہیے، اور چند دانہ الائچی ڈالدینا چاہیے۔ جوش آنے کے بعد استعمال فرمائیے۔

صراط مستقیم بی ملفوظات حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ ہے، ان ہی ملفوظات کو ترتیب دیکر حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف کر کے پھر حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا ہے، بعد میں شائع کیا ہے، ممکن ہے کہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند میں موجود ہو، ورنہ دہلی کے مشہور کتب خانوں مثل مطبع مجتبائی وغیرہ میں ملے گی۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب جو امرتسر میں مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ کی تقطیع اور طرز پر چھپے ہیں، وہ نہایت صحیح اور مکمل ہیں۔ اس کی تصحیح اور کتابت میں پوری جد و جہد کی گئی ہے۔ امداد السلوک اگرچہ رسالہ مکیہ کا ترجمہ ہے، مگر یہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا کیا ہوا ہے، جس پر ان کو ایک مقبول دعا کی بشارت ان کے مرشد مرحوم کے پیر بھائی اور مربی حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ نے دی تھی۔ اور اس ترجمہ کو بہت پسند فرمایا تھا۔ مولانا شیخ احمد تھانوی رحمۃ اللہ کا ترجمہ پسند نہیں کیا تھا، اس میں کہیں کہیں کچھ زیادتی بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ یہ رسالہ کتب خانہ یحیویہ مظاہر العلوم سہارنپور سے مع حضرت رحمۃ اللہ کی دیگر کتابوں کے مل سکتا ہے۔ ممکن ہے صراط مستقیم بھی وہاں ہی مل جائے۔

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

---

مولانا ابوالحسن حیدری کے مجموعہ کا تقاضہ تھا کہ ہم شروع انہیں مکتوبات سے لیں۔ لیکن خود مکتوب کے اندر کلام ہے کر مجبوراً ان کو وسط میں جگہ دینی پڑی جس سے اسکی افادیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس مجموعہ کو ہر اعتبار سے امتیازی جگہ دینا ہمارا فرض تھا، سو بحمد اللہ ہم اس میں کامیاب رہے۔ اصلاحی

# مکتوب نمبر ۹۹

## مولانا محمد ادریس صاحب ندوی نگرام ضلع لکھنو کے نام

امور مسئولہ عنہا کا جواب حسب ذیل ہے۔

(۱) قضا صرف فرائض اور وتر کی ہوگی۔ سنن موکدہ بعد از خروج وقت نوافل ہو جاتی ہیں جن کی قضا نہیں، الا ان یشاء الانسان بنفسہ

(۲) یہ حالت کہ زلزلہ زمین میں بوقت ذکر معلوم ہوتا ہے کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔ ذکر کے آثار محمودہ میں سے ہے، اس سے نہ گھبرایئے اور نہ اس سے دل لگایئے، صرف محبوب حقیقی سے دل لگایئے اور اسی کی طرف دھیان رکھیے، اس میں شیطانی مداخلت نہیں اللھم زد فزد۔

(۳) اللہ اللہ میں لفظ جلالہ اول میں ضرب ہوگی اور ثانی میں ضرب نہ ہوگی، تصور یہ ہوگا کہ میرے قلب میں صرف اللہ ہی اللہ ہے۔ کوئی دوسرا محبوب اس گھر میں جلوہ افروز نہیں۔

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

# مکتوب نمبر ۱۰۰

پہلی حالت پر خوشی اور دوسری پر صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے، آمین۔ میرے محترم! قلب کے متعلق ذکر کا احساس نعمت عظمیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو روز افزوں ترقی فرمائے، انشاء اللہ تھوڑی سی محنت سے یہ جاری اور دائمی ہو جائے گا۔ یہ حالت خواہ بیداری میں ہوئی یا سونے میں بہر حال غنیمت ہے، طبیعت کا بدل جانا یا تو کسی گناہ کی شومی سے یا کسی حالت کے اظہار سے یا طبعی قبض سے جو کچھ بھی ہوا ہے، استغفار کی کثرت لازم ہے۔ افسوس تو اس امر کا ہے کہ چار وقت کی نماز

کیوں چھوٹی، ہمیشہ خیال رکھیے کبھی ایسے وقت میں فرائض ترک نہ ہوں، دل لگے یا نہ لگے کتنا ہی انقباض ہو، مگر نماز ہرگز ہرگز ترک نہ ہونی چاہیے، توبۂ نصوح کیجئے اور کثرت استغفار عمل میں لایئے، انشاء اللہ حالت خوب ہو جائے گی، بارگاہِ الٰہی میں جس قدر بھی رونا اور سوز وگداز ہو بہتر ہے، مایوسی نہ ہونا چاہیئے، تضرع وزاری مطلوب ہے "اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً" (پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے) نسبتِ چشتیہ کا ابتدائی ظہور ہے، اللہ تعالیٰ مبارک کرے..... اس کا خیال رکھیے کہ بجز محبوبِ حقیقی کے کسی چیز کو مقصود نہ سمجھنا چاہیے۔ احوال وکیفیات ذرائع ہیں، مقاصد نہیں......

والسلام، ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ

# مکتوب نمبر ۱۰۱

یہ واقعہ ہے کہ سالک کے لیے بالخصوص ابتدائی ایام میں تنہائی بہت زیادہ ضروری ہے، صحبتِ شیخ تو بیشک مفید ہے، مگر بقول شاعر

از خلائق دور ہمچوں غول باش

دور ہی رہنا تمام لوگوں سے مفید تر بلکہ ضروری ہے، کسی کمرہ کا قرب وجوار میں انتظام کیجئے، حالت بحمد اللہ امید افزا ہے، مگر ذکر کی مداومت شرط ہے، آپ پاس انفاس پر عامل رہیں، انشاء اللہ خود بخود جاری ہوگا، سینہ کا ثقل انشاء اللہ جلد زائل ہو جائے گا۔ نعماءِ الٰہیہ ہیں مزید شکر کیجئے، سوائے محبوبِ حقیقی کسی کی طلب نہ ہونی چاہیے،

کعبہ چہ میروی چہ کشی رنج بادیہ　　　کعبہ است کوئے دلبر قبلہ است روئے دوست
دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کن　　　کایں ہر دو لولیان را من خوب می شناسم

محبوبِ حقیقی کی یاد جس قدر بھی ہو، مفید اور ضروری ہے۔ مَا اشْتَغَلَكَ عَنِ الْحَقِّ

نعوطاغوتت[1] اسی طرف اپنی توجہ رکھیے، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۲۷ جمادی الاول ۵۴ھ

# مکتوب نمبر ۱۰۲

جو جسمانی یا قلبی کیفیات آپ نے لکھی ہیں مبارک ہیں، ذکر کی کیفیات جب جسم میں سرایت کرتی ہیں تو یہ حالتیں پیدا ہوتی ہیں، یہ بعینہ وہی مثال ہے کہ فلاسفہ لکھتے ہیں کہ اجزاء ناریہ دخان میں اجزاء ارضیہ کو اڑا لیجانا چاہتے ہیں، راستہ میں سحاب سے اصطکاک ہوتا ہے تو گرج برق، صاعقہ رعد، شہاب وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، ان سے گھبرانا نہ چاہیے، اور استقلال کے ساتھ کاربند ہونا چاہیے۔ یہ کیفیات قلب سے تجاوز کرکے تمام جسم میں ساری ہوں گی، اور سلطان الاذکار کا غلبہ ہوگا، جو کہ نفوس میں علی اختلاف الاستعداد مختلف اطوار پر ظاہر ہوتا ہے، بعض اشخاص کو محسوس ہوتا ہے کہ جسم کا ہر حصہ اور ہر ہر بال و ذرہ ذرہ ذکر کر رہا ہے، بعض کو دوسری کیفیات پیش آتی ہیں، جو کیفیت تازہ کی طرح معلوم ہوئی وہ بھی بہتر ہے، مگر کسی سے تلذذ نہ کیجئے، صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا میں سرگرداں ہو جیے، اسی سے لو لگائیے اور غیر اللہ کو تحت لا لائیے اور استقلال اور عالی ہمتی کے ساتھ محبوب حقیقی کی طلب قلب اور روح میں قائم کیجئے، اس کے سوا جو کچھ ہے غیر مقصود اور غیر محبوب ہے، اوقات فارغہ کو اسی کے ذکر و فکر میں صرف کیجئے۔ دوہرہ بابا رب سے رشتہ توڑ :: بابا رب سے رشتہ جوڑ

احوال کو کسی سے بیان نہ کیجئے۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۸ رجب ۵۵ھ

---

[1] جو چیز خدا سے غافل کرے وہی طاغوت ہے۔ غفلت سم قاتل اور یاد تریاق ہے۔ طاغوت کا لفظ ایسا جامع ہے کہ اس میں نفس، سوسائٹی خاندان، شیطان اور حکومت سب آجاتے ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں خدا کی یاد سے مانع ہوتی ہیں، اس لیے طاغوت کو ختم کیے بغیر آدمی اسلام کے حقیقی دائرہ میں نہیں آتا ہے، قرآن میں ہے فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (بقرہ) اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لادے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط۔ (اصلاحی)

# مکتوب نمبر ۱۰۳

والا نامہ در بارۂ آیات منسوخ الحکم و منسوخ التلاوت آیا تھا۔ بہت مرتبہ ارادہ کیا کہ کچھ عرض کروں، مگر اس قدر عدیم الفرصت ہوں کہ ابتک موقع نہ مل سکا۔ اس وقت سفر میں وارد ڈھائیا ہوا ہوں تھوڑی سی فرصت پاکر کچھ عرض کرتا ہوں، مگر تمہیداً چند باتیں پہلے ذہن نشین فرمالیجئے۔

(۱) ہمیشہ کلام کی نسبت تالیف کرنے والے کی طرف ہوتی ہے، اس نسبت کے لیے تکلم کا ہونا ضروری نہیں، البتہ کبھی مولف متکلم بھی ہوتا ہے، تو کلام بھی اسی کا کہلاتا ہے، اور تلفظ بھی، اور کبھی مولف دوسرا ہوتا ہے اور متکلم دوسرا اس وقت میں کہا جاتا ہے کہ یہ دوسرے شخص کے کلام کو بول یا پڑھ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ سعدی کی گلستان اور خواجہ حافظ شیرازی کا دیوان کہا جاتا ہے، حالانکہ تکلم اور تلفظ ہمارا ہے، حروف ہجائیہ ہمارے ہی اصوات سے پیدا ہوتے ہیں، ہم تلفظ آج ۱۳۵۹ھ میں کر رہے ہیں اور گلستان ۶۵۶ھ میں معرض وجود میں آئی تھی۔ اسی طرح کبھی اپنے کلمات مولفہ کو اپنی زبان پر اور اپنی طرف سے تالیف کرتا ہے اور کبھی دوسرے کی زبان پر اور دوسرے کی طرف سے تالیف کرتا ہے، معانی اور مقاصد دوسرے کے ہوتے ہیں، نیز اسلوب خطابات وغیرہ بھی اسی دوسرے کے ہوتے ہیں، مگر تالیف کلمات کسی دوسرے کے ہوتے ہیں، ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ فلاں منشی اور محرر نے یہ کلام تصنیف کیا ہے، اور فلاں شخص کی زبان پر تحریر کیا ہے، آپ کے پاس ایک بڑھیا آتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے بیٹے کے پاس خط لکھ دو اور فلاں فلاں مضمون اس میں لکھ دو، وہ بیچاری جاہل اور گنوار ہے، اپنی زبان میں مطلب بیان کر دیتی ہے، آپ اپنی انشاپردازی سے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ اور عمدہ اسلوب میں اس کی طرف سے لکھے ہوئے مکتوب الیہ کو برخوردار نور چشم، قرۃ العین وغیرہ الفاظ تحریر کرتے ہوئے منشیانہ انداز میں مضمون ادا کرتے ہیں، اگر بڑھیا پر یہ عبارت پڑھی جائے تو غالباً سمجھنے سے بھی نا بلد ہوگی، مگر یہ تمام خط

بڑھیا ہی کا سمجھا جاتا ہے. کیونکہ اس کی زبان پر لکھا گیا ہے اس کی طرف سے تخاطب کیا گیا ہے. اس کے مضمون کو درج کیا گیا ہے. ہاں کلام آپ کا شمار کیا جائے گا، اسی وجہ سے اس میں جو کچھ بھی فصاحت اور بلاغت آئے گی وہ آپ کی مہارت کا ثمرہ ہوگی. تو یہ کہا جائے گا کہ یہ کلام تو فلاں منشی صاحب کا ہے. مگر زبان پر فلاں بڑھیا کے لکھا گیا ہے. (یہاں پر اس کی زبان پر کہنا بطور مجاز ہوگا) ہاں کبھی حقیقتاً بھی دوسری زبان پر کسی شخص کا تالیف کردہ کلام جاری ہوجاتا ہے. اگر کسی پر جن یا بھوت چڑھ جاتا ہے تو وہ اپنا کلام اس شخص کے زبان سے بولنے لگتا ہے. اور ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جس کی اس صاحب زبان کو اطلاع تو درکنار لیاقت بھی نہیں ہوتی. صاحب زبان بے ہوش ہوتا ہے. اور وہ جنی اس کی حقیقی زبان سے اپنے تالیف کردہ کلام کو ادا کرتا ہے. خلاصہ یہ کہ کلام ہمیشہ تالیف کرنے والے کا ہی ہوتا ہے. تلفظ کسی کا ہو، منجانب کسی کے ہو، زبان پر کسی کے ہو۔

(۲) کلام کا تالیف کرنا حقیقۃً قلب کا کام ہے. زبان تو صرف اس کی ترجمانی کرنے والی ہے. یہی وجہ ہے کہ شاعر کہتا ہے

ان الکلام لفی الفواد و انما ـــــ جعل اللسان علی الفواد دلیلا

اس لیے اصل کلام کلام نفسی ہوا جو کہ قلب اور فواد کا کلام ہے. زبانی الفاظ اور کاغذی نقوش اور تخیلی کلمات جو کہ خزانۂ حافظہ میں محفوظ ہوگئے ہیں. سب کے سب اسی کلام نفسی کے دوال اور ظلال اور آثار ہیں. ان پر اطلاق کلام ثانیاً و بالعرض اور مجازاً ہے. یہ کلام مولف فی القلب کلام نفسی کو صرف معنی کی صورت میں حاوی ہوتا ہے. بلکہ کلام لفظی (جو کہ مرکب از الفاظ و حروف ہجا ہے) کی کسوت میں بھی ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے. اگر تلفظ نہ پایا جائے یا عرصہ کے بعد پایا جائے. ہاں وجود کلام لفظی مختلف اطوار رکھتا ہے. پس اگر مولف اعلیٰ درجہ کا حکیم اور اعلیٰ درجہ کا فصیح ہے تو معانی بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہوں گے. اور الفاظ بھی اور اگر معاملہ برعکس ہے تو نیک سب گرے ہوئے ہوں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم اور صفت کلام سے جو کہ مثل دیگر صفات حقیقہ ازلی ہیں، قرآن شریف کو تالیف فرمایا، اس لیے معانی اور الفاظ قدیم ہوں گے، اور تلفظ مثل تحریر و نزول وغیرہ حادث ہوگا، ان الفاظ میں ازل میں تقدم اور تاخر صرف ذاتی ہوگا، اور زمانی نہ ہوگا، اور ہمارے تلفظ میں قصور آلہ کی وجہ سے زمانی بھی ہو جائے گا، اس لیے کلام لفظی کو حادث کہنا خلاف تحقیق ہوگا صرف تلفظ حادث ہے، کلام نفسی حادث نہیں ہے اور کلام لفظی بھی حادث نہیں ہے، کما فصلہ بحر العلوم فی فواتح الرحموت۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس کو قدیم کہنا اسی بنا پر ہے، مگر حنابلہ نہ سمجھ سکے، اور بالآخر غلاف اور کاغذ وغیرہ کو بھی قدیم کہنے لگے، اور یہی معنی قول امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں کہ "ناظرت اباحنیفۃ ستۃ اشہر ماجتمع رائی و رایہ علی ان من قال بخلق القرآن فہو کافر" اور یہی وجہ ہے کہ قرآن اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ بھی ہوا جس طرح وہ اعلیٰ درجہ کی حکمتوں اور حقائق کا جامع بھی ہے، کلام الملوک ملوک الکلام۔ اس کا شاہد عدل ہے، اور اسی بنا پر تحدی اور اعجاز بھی اس میں پایا گیا،

(۴) قرآن شریف میں صرف احکام کا ہی بیان نہیں ہے، اس میں تحدی اور اعجاز بھی ہے۔ اس میں قوت تاثیر بھی اعلیٰ پیمانہ کی ہے، لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ[1] الآیۃ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت نزول پسینہ پسینہ ہو جانا، جسم کو قابو میں نہ رکھ سکنا، متغیر اللون والکیف ہو جانا، شدت اور برحا میں مبتلا ہو جانا، آپ کے جسم مبارک میں ایسے ثقل کا ہو جانا کہ دوسروں کو خفت ان ترض فخذی[2] کی کیفیت عارض ہو جائے، وغیرہ اس کے شاہد عدل ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جنات اور آسیب وغیرہ اس سے سخت پریشان ہو جاتے ہیں، تو دیگر جنس ان قوم کہ قرآن خواندند"

---

[1] اگر ہم اتارتے یہ قرآن ایک پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب جاتا اور پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے (حشر)

[2] میں ڈری کہ میری ران ٹوٹ نہ جائے۔

اس کے ہر ہر جملہ اور ہر ہر لفظ میں نورانیت بہت بڑے پیمانہ پر ہے، جس کو اہل اللہ مشاہدہ کرتے ہیں، دیکھو ابریز وغیرہ،

(۵) اس میں شفاء امراض ظاہرہ و باطنہ بھی ہے، اسی لیے فرمایا گیا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ[1] ـ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ[2] ـ

(۶) اس میں ازالۂ ذنوب و آثام بھی ہے۔ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ[3] نص قرآنی ہے، جلاء للقلوب نص نبوی ہے۔

(۷) اس میں ہر ہر حرف پر اجر و ثواب بھی ہے جس پر فرمایا گیا کہ....... جس نے ایک حرف بھی پڑھا اس کو دس نیکیاں ملیں گی لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف[4] اوکما قال علیہ السلام۔ اس کے احکام ہی سے تعبد نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کی تلاوت سے بھی تعبد مقصود ہے، خواہ معنی جانے جائیں یا نہ۔ يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ[5] الآیۃ۔ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ[6] الآیۃ۔ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ[7] (الحدیث) وغیرہ اس کے شاہد عدل ہیں،

اس کی ہر ہر آیت میں ذکر خداوندی بھی ہے، تقریباً کوئی آیت اسماء الٰہی یا صفات و افعال خداوندی

---

[1] اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے واسطے،

[2] کہہ دیجئے کہ وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے،

[3] اور شفا دلوں کے روگ کی،

[4] میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے الف ایک حرف اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے (الحدیث)

[5] وہ راتوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں،

[6] وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے اس کے پڑھنے کا۔

[7] آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ماہر قرآن بزرگ اور نیکوکار لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ (الحدیث)

سے خالی نہیں ہے، اسی وجہ سے اس کا نام بھی ذکر رکھا گیا، غفلتوں کو دور کرنے والا قلوب اور ارواح کو مانجنے والا، ان کو رنگ دینے والا، اس میں رقت اور خشیت پیدا کر دینے والا، ان کی قساوت اور تاریکی اور سیاہی کا نام دور کرنے والا، ملائکۃ اللہ اور سکینت کو کھینچ کر لانیوالا رضاء باری سبحانہ وتعالیٰ کا موجب یہ قرآن ہے۔ ماعبد اللہ بشیئ ماعبد بما خرج منه الحدیث (اوکما قال) وغیرہ چونکہ یہ تالیف از جناب باری عزاسمہ تھی اور اس کا ہی کلام ہے۔ اس لیے ان امور مذکورہ کا ہونا اس میں ضروری ہے۔ انکے علاوہ خدا جانے کتنے کتنے فوائد اسمیں رکھے ہوئے ہیں ہم نے اختصاراً کچھ عرض کیے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نظم قرآنی میں بہت زیادہ فوائد اور مقاصد رکھے گئے ہیں بنابریں اگر کسی آیت کا حکم منسوخ ہوگیا تو اس کے الفاظ میں دیگر مقاصد عظیمہ باقی ہیں، اس لیے منسوخ حکم کو بابت تلاوت باقی رکھا جانا قرین قیاس تھا اور ہے، آیات احکام چونکہ اصلاح عباد بالخصوص اہل عرب کے لیے جنکو استاذ عالم بنانا ہے، اتاری گئی ہیں، اور چونکہ اصلاح تدریجی ہی مفید ہوتی ہے، بالخصوص ان اقوام کے لیے جو کہ بالکل ہی نابلد ہوں، اس لیے ان کو شیئاً فشیئاً مودب کیا گیا، کبھی نرمی سے سختی کی طرف کبھی سختی سے نرمی کی طرف جب وہ کسی حکم کے عادی بن گئے، ان کو آگے بڑھایا گیا اور پہلا حکم اٹھا لیا گیا، تاآنکہ حد کمال تربیت پر پہنچ گئے تو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ[۵۲] الآیۃ مطمئن کر دیا گیا، جس لڑکے کو لکھنا سکھایا جاتا ہے تو ایک زمانہ تک موٹے قلم سے تختی پر لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، جب وہ اس میں ماہر ہوگیا تو تختی لے لیجاتی ہے اور کاغذ دیدیا جاتا ہے، جب اس کا ماہر ہوجاتا ہے تو موٹا قلم لے لیا جاتا ہے، اور باریک دیدیا جاتا ہے، وعلی ہذا القیاس اور یہ سب مدارج تعلیم پہلے ہی سے متعین ہوتے ہیں، اسی بناء پر فرمایا جاتا ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا[۵۳]

پس بہت سی آیتیں منسوخ الحکم و التلاوۃ کر دی گئیں، اور اس سے بہتر یا ان کی مثل آیات اتاری گئیں جن میں ہر قسم کے فوائد اور مقاصد تھے، لہٰذا آیات منسوخہ کی حاجت باقی نہیں رہی، اسی طرح جو آیات فوائد اخروی کی مماثل فوائد یا بہتر کو جامع تھیں انھوں نے بعض ایسی آیات سے مستغنی کر دیا، جن کا حکم تو باقی رہا مگر تلاوت کی حیثیت سے وہ منسوخ کر دی گئیں کہ اعلیٰ کے یا مماثل کے موجود ہونے میں ان کی ضرورت نہیں، اگر اس کے بعد بھی ان سب کو باقی رکھا جاتا تو لوگوں کو قرآن کا حفظ کرنا بھی مشکل ہو جاتا اور تلاوت سے بھی گھبرا اٹھتے، یہ موجودہ قرآن بھی جس طرح یاد کیا جاتا ہے اور جس طرح اس کی تلاوت کی جا رہی ہے وہ سب کو معلوم ہے، بعض بعض سورتیں حسب تصریحات صحابہ کرام رض سورہ البقرہ کے برابر یا زیادہ تھیں، مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر بالقرآن آسان کر دیا گیا وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ[1] الآیۃ اس کا شاہد عدل ہے۔

محترما! اول تو آیات منسوخۃ الحکم کتنی ہیں، اس میں بحث ہے، عام طور سے صحابہ رضوان اللہ علیہم کا نسخ کو بیان مغیر اور تخصیص کے معنی میں ہوتا تھا، نسخ اصطلاحی یعنی رفع حکم شرع بآخر متاخر کے معنی میں بہت کم ہے۔ چنانچہ اتقان، اور اس کے بعد فوز الکبیر میں مقدار بہت ہی گھٹا دی گئی ہے آیات کے معنی اس طرز پر بیان کیے گئے کہ ان کو منسوخ الحکم کہا ہی نہیں جا سکتا: نواب صدیق حسن خان صاحب نے کتاب النسخ میں ان باقیماندہ کو بھی اڑا دیا ہے، مگر علی تقدیر التسلیم (جیسا کہ عام مفسرین کی رائے ہے اور مفہوم ظاہری آیت ما ننسخ الآیۃ کا بھی ہے) ہمارے معروضات سابقہ پر غور سے نظر فرمائیے۔ انشاء اللہ مشکلات حل ہو جائیں گے قلت فرصت میں یہ تحریر لکھی گئی ہے، اس لیے ممکن ہے کہ عبارت میں انجاز ہو یا اختصار مخل فہم ہو، مگر غور کرنے پر انشاء اللہ مطالب حل ہو جائے گا۔

والسلام - ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۱۵ رجب ۱۳۵۹ھ (از دارد ھا)

---

[1] ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو۔

# مکتوب نمبر ۱۰۴

ابھی آپ کو بہت محنت کرنی ہے، استقامت اور مداومت ذکر کی ضرورت ہے، والدعا۔ حب

کا آپ کو حکم کرنا بے محل تھا۔ انھوں نے خود کیوں نہ ان لوگوں کو بیعت کر لیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا

کہ جبکہ وہ موجود تھے تو آپ کو مجبوری کیوں لاحق ہوئی، آپ نے لوگوں کو انھیں کی طرف کیوں

نہ مائل کیا اور اگر وہ موجود نہ تھے تو آپ مجبور کس طرح اور کیونکر ہوئے، میرے عزیز! یہ راہ

دشوار گذار ہے، انانیت، جاہ پرستی، نفس پرستی، خود غرضی کو راہ دینا بہت بڑی غلطی اور اس راہ

میں سد عظیم ہے، قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ

اخلاص اور للہیت ہر قول و فعل اور ہر حرکت اور سکون میں اشد ضروری ہے، اور یہی امر سخت مشکل

ہے، اعانت خداوندی اور سالہا سال کی ریاضت کے بغیر اس کا حصول نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ

اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد لفظ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ لایا گیا ہے، اعنی لا نقدر علی اخلاص عبادتك الا باعانتك

محترم عزیز! نفس اور شیطان کے مکر ہزارہا ہزار ہیں، دونوں انسان کو اگر وہ کھلی ہوئی انانیت

اور جاہ پرستی اور خود غرضی سے بچتا بھی ہے، تو ایسی ایسی خفیہ تدبیروں میں مبتلا کرتے ہیں کہ ان سے

بچنا سخت مشکل ہوتا ہے، عموماً لوگوں میں پیری مریدی، حب جاہ و مال اور خواہشات نفسانی کی

بنا پر جاری ہو رہی ہے، بہر حال ان دونوں کے مکر سے بچئے، ممکن ہے کہ نسبت[1] طریقت سے مالا مال ہو جائیں۔

---

[1] حضرات صوفیاء کرام کی ایک اصطلاح نسبت ہے، جس پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ اور القول الجمیل میں مفصل کلام فرمایا ہے، امام العصر نے اپنے اس والا نامہ میں "نسبت طریقت" کی جانب اشارہ فرمایا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ اس کی کچھ تشریح کر دی جائے، صوفی ہیئت نفسانی کی تحصیل کا نام نسبت رکھتا ہے، کیونکہ نسبت نام ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور ربط رکھنے کا جس کا دوسرا نام سکینت ہے اور نور بھی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

(باقی ص ۳۲۷ پر)

اور آپ کو باقاعدہ بیعت ارشاد و سلوک کی اجازت دیجائے، مگر ابھی بہت سی خامیاں ہیں، البتہ میں آپ کو بیعت توبہ کی اجازت دیتا ہوں، لوگوں کو کلمات ایمانیہ تلقین فرما کر گناہوں سے توبہ کرادیا کریں اور آیندہ کے لیے عہد کرائیں کہ وہ گناہوں اور شرک و کفر وغیرہ سے بچتے رہیں گے، مگر اس کو خود غرضی اور جاہ پرستی، حصول حطام دنیا کے لیے عمل میں نہ لائیں، اور نہ ابھی عام کریں، اتباع شریعت اور احیاء سنت میں نہ صرف قولاً بلکہ عملاً نمونہ سلف صالحین بنیں، ذکر کی مداومت میں کوتاہی کو روا نہ رکھیں، دعوت صالحہ سے اس نابکار کو فراموش نفرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۹ ذی قعدہ ۵۹ھ

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۶) بندہ جب اذکار، عبادت اور طہارت پر مداومت کرتا ہے، تو اس کے اندر ایک خاص صفت پیدا ہوجاتی اور ملکہ راسخہ حاصل ہوجاتا ہے، پس ان دونوں جنسوں کے تحت میں بہت سی انواع داخل ہوجاتی ہیں مثلاً نفس کشی اور بیزاری، لذات مشاہدہ یعنی ملکہ توجہ وغیرہ، لہذا یہ گمان نہ کیا جائے کہ نسبت مذکورہ بدون اشغال صوفیہ کے حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ حق یہ ہے کہ یہ اشغال بھی اس کی تحصیل کا ایک طریقہ اور ذریعہ ہے، چنانچہ صحابہ اور تابعین سکینہ یعنی نسبت کو اور ہی طریقہ سے حاصل کرتے تھے، مثلاً مواظبت صلوٰۃ اور خشوع اور حضور قلب کے ساتھ خلوت میں تسبیحات کی محافظت، موت کی یاد، تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت . . . . . . . اور خیر خواہی کی باتوں پر دھیان وغیرہ سے تقرب الی اللہ کا ملکہ راسخہ پیدا ہوجاتا تھا، اور یہ طریقہ آنحضرت صلعم سے متوارث ہے، باقی مرشدوں کے طریق الوان مختلف اور تحصیل نسبت کے طریقے جداگانہ ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کے سوال پر فرمایا تھا قال ھی ھی بلا فرق یعنی یہ وہی نسبت ہے جو ہم کو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں بلا اختلاف حاصل تھی، جبتک یہ نسبت حاصل نہیں ہوتی شیخ اپنے مرید کو بیعت ارشاد و سلوک کی اجازت نہیں دے سکتا . . البتہ بیعت توبہ اس سے مستثنیٰ ہے، جیسا کہ عام طور پر لوگ پائے جاتے ہیں، ایک غلطی کا صاف کردینا ضروری ہے وہ یہ کہ جو مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں کی نسبت سلب کرلی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے

(باقی ص ۲۸)

# مکتوب نمبر ۱۰۵

والانامہ پُر از معذرت باعث سرفرازی ہوا، واقعی بات ہے کہ انسان کو اولوالعزم مستقل مزاج حطام دنیا سے معرض، نعماء آخرت پر مقبل ہونا چاہیے، حُبّ جاہ نہایت برباد کرنے والی چیز ہے۔ ما ذئبان جائعان ارسلا فی زریبۃ غنم بافسد لھا من حب الجاہ لدین المرء کما قال علیہ السلام (حدیث صحیح ہے) اور یہ حب جاہ اسقدر لیچڑ مرض ہے کہ صوفیہ فرماتے ہیں کہ اخر داء یذھب من قلوب الصدیقین۔ میرے بھائی نفس امدی عدو انسانی ہے۔ (اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک[۲]) اس کے مکر و فریب سے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ غالباً اسم

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۷) فرمایا کہ نسبت قرب الٰہی کا نام ہے، اس کو کوئی سلب نہیں کر سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو چیز حق تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائیں، دوسرا کون ہے جو اسکو سلب کرے، ملاحظہ ہو الافاضات ۲۹ شعبان ۱۳۵۲ھ۔ آجکل کے نام نہاد خلفاء و مجازین کو اپنی جہالت پر ماتم کرنا چاہیے کہ وہ بلا سوچے سمجھے جو زبان بک جایا کرتے ہیں کہ فلاں کی نسبت سلب کر لیگئی۔ تو ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ایسے لوگ مواخذہ عبداللہ سے چھوٹ جائیں گے۔ دوسری بات جو اس مکتوب میں صاف کر دی ہے وہ بیعت ارشاد ہے راقم الحروف کے نام حضرت امام العصر دامت برکاتہم کا والانامہ اسی جلد میں درج ہے ملاحظہ فرما لیا جائے۔ البتہ نیابت و جانشینی، مجاز اور خلیفہ ہونا یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، کیونکہ عجب جاہ ایسی خبیث بیماری ہے کہ صدیقین کے قلوب سے آخر میں نکلا کرتی ہے، اس لیے بسا اوقات مشائخ اجازت خود مجاز کی اصلاح کی مصلحت وغیرہ کی بنا پر دیدیا کرتے ہیں، باقی اہلیت و صلاحیت کیساتھ جلکو اجازت ملتی ہے وہی معتبر ہے، بقول میر سید اشرف سمنانیؒ کہ جبتک پیر مسند ارشاد پر اپنی خوشی سے نہ بٹھلائے بغیر اجازت کے اس منصب کی ہرگز ہمت نہ کرے۔ خوب غور کر لیا جائے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] یہ حدیث تھوڑے تغیر کیساتھ جامع صغیر سیوطی میں بحوالہ احمد و ترمذی موجود ہے، مفہوم یہ ہے کہ آدمی کے دین کو حب جاہ جتنا تباہ کرتا ہے اتنا وہ بھیڑیا نہیں کرتا جسکو شکار کی بھاپ پڑ گئی ہے اور وہ بکری کے بچے میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ [۲] فتوحات مکیہ و دیگر کتب تصوف

(باقی صفحہ ۳۲۹ پر)

والخفایا مطلع علی القلوب ہے، ہم لوگوں سے اپنی قلبی اور نفسانی شرارتوں کو چھپا سکتے ہیں، اگرچہ سب سے

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۸) میں ہم نے (اعدا عدوك نفسك الخ) کو دیکھا ہے، صوفیہ اس کو لفظ حدیث سے تعبیر فرماتے ہیں لیکن جہانتک اپنی نظر صحاح ستہ پر ہے یہ غالباً ان میں موجود نہیں ہے، البتہ اس قول کی صداقت میں کلام نہیں، کتاب اور سنت میں نفس کا ذکر اور اسکے اقسام کا پتہ چلتا ہے، محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک ایسی چیز ہے جو محل نطق والہام بھی بنگیا اور روح انسانی علوی نے روح حیوانی سے سکون حاصل کیا تو اسکو نفس بنادیا، جب روح نے نفس کیساتھ دلبستگی پیدا کی تو قلب پیدا ہوگیا اور اس قلب سے مراد وہ لطیفہ ہے جس کا محل پارہ گوشت ہے، اور یہ پارہ گوشت عالم خلق سے ہے اور لطیفہ عالم امر سے ہے اور قلب کا روح اور نفس سے عالم امر میں پیدا ہونا ایسا ہے جیسے اولاد کا آدم اور حوا سے عالم خلق میں جلوہ افروز ہونا، عوارف میں بعض صوفیہ کا یہ قول بھی موجود ہے کہ نفس لطیفہ ہے جو قالب میں رکھا گیا ہے، اسی سے اخلاق رذیلہ وصفات مذمومہ ہیں اور روح بھی ایک لطیفہ ہے جو قلب میں رکھا گیا ہے اسی سے اخلاق حمیدہ وصفات محمودہ کا ظہور ہوتا ہے بہرکیف نفس کی تین حالتوں کے لحاظ سے نام بھی تین ہو گئے ہیں، پس اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہوا اور اللہ کی عبادت وفرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا، اس نفس کو مطمئنہ کہتے ہیں (سورۃ الفجر) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات وخواہشات میں بھنسکر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اس کو نفس امارہ کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے (سورہ یوسف) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکنا اور شہوت وغضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہوکر ان چیزوں کو برا جانتا اور ان سے دور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جائے شرمندہ ہوکر اپنے نفس کی ملامت کرتا ہے اسکو نفس لوامہ کہتے ہیں (سورہ قیامہ) شیخ محی الدین ابن عربی اور دیگر صوفیہ جہاد نفس کو جہاد اکبر فرماتے ہیں یعنی جب نفس کیساتھ لڑائی میں کامیابی ہوگئی تو سلک جہاد حتی کہ راہ خدا میں جان کا دیدینا معمولی چیز ہو جاتی ہے، باقی قرآنی آیت قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (الخ) کا اسی معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ شیخ اکبرؒ کی بہت سی قرآنی آیت کی غلط تاویل کا نتیجہ ہے یہاں پر ایک اور بات کا صاف کردینا ہے وہ یہ کہ صوفیہ کی کتابوں میں "رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر" کو صحیح حدیث کہا گیا ہے، عسقلانی نے تسدید القوس میں فرمایا ہے کہ امام نسائی نے اس کو ابراہیم بن عبلہؒ کا کلام بتایا ہے، اسی طرح عراقی نے بروایت جابر بیہقی سے منسوب کیا ہے سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ خطیب

(باقی حاشیہ ص ۳۳۰ پر)

سابقہ پڑتا ہے اس سے نہیں چھپا سکتے۔ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ (الآية)[۵۱]

نجات صرف صاحب قلب سلیم کو ہے، يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الآية)[۵۲]

یہ رازہائے سربستہ اس دن ظاہر ہو کر رہیں گے۔ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ[۵۳]۔ اگر واسطہ

دنیاوی اشخاص سے ہوتا تو ہم بہت کچھ کامیابیاں حاصل کر لیتے۔

ما برون را ننگریم وقال را ما درون را بنگریم حال را

اس علام الغیوب کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ دنیا میں ہم کتنی ہی کامیابی، شہرت و شوکت

حاصل کرلیں، صرف چند روزہ ہے، اس مقدس ذات کا قرب اور رضا نامہ حاصل کرنا چاہیے جس کے یہاں

دوام و ابدیت اور ہر حالت کی معلومیت ہے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا[۵۴]۔

میرے محترم! اخلاص کے ساتھ مردانہ وار اس میدان میں قدم رکھیے، اور ہر غیر اللہ سے دل کو پاک

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) نے اپنی تاریخ میں جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلعم کسی غزوہ سے واپس آئے تو فرمایا رجعنا من الجهاد الاصغر

الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں ہو سکتا، اور نہ حدیث کی مشہور و متداول کتابوں میں حضرت شاہ

عبدالعزیز صاحب جیسے متبحر محدث نے دیکھا ہے پس محدثین کے قواعد کی رو سے احادیث و غیر احادیث کا فیصلہ کیا جائیگا کیونکہ ہر فن میں

فن والے کی رائے اگر نہ تسلیم کی جائے تو پھر امان اٹھ جائیگا اور شریعت کا بھرم جاتا رہیگا۔ بیچارے صوفیہ جن پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے

بھلا ان حضرات کو تنقید و تفتیش کی کہاں فرصت اور نہ اس کی عادت، جو سن لیا یا دیکھ لیا باور کر لیا، یا کشف و الہام سے ان کو

کچھ پتہ چل گیا۔ محدثین کی احادیث منامیہ کی طرح اس پر بھی حدیث کا اطلاق کر دیا ہے انکے اس حسن ظن سے حدیث رسول اللہ صلعم

ہونا ثابت نہیں ہو جائیگا۔ خوب غور کر لیا جائے۔ مطلب اس فقرے کا یہ ہے تمہارا سب سے بڑا دشمن نفس ہے جو تمہارے اندر ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۵۱] اگر ظاہر کروگے اپنے جی کی بات یا چھپاؤگے اس کو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ (بقرہ)

[۵۲] جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لیکر دل بے روگ (الشعراء) [۵۳] جس دن جانچے جائیں بھید تو کچھ نہ

ہوگا زور اور نہ کوئی مدد کرنیوالا [۵۴] اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے (الطور)

معاف کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی اور میری دستگیری فرمائے اور نفس و شیطان کے کید و فریب سے مجھکو اور آپ کو اور سب دوستوں کو بچائے۔ آمین۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۱۱ ذی الحجہ ۵۹ھ

## مکتوب نمبر ۱۰۶

جو کیفیات حاصل ہو رہی ہیں موجب شکر ہیں، اللہ تعالیٰ زیادہ فرمائے آمین۔ قلب کے متعلق آپ کا خیال واقعیت سے دور ہے، حدیث میں ہے کہ لا یسعنی ارضی ولا سمائی انما یسعنی قلب عبدی المومن[1] (او کما قال) یسعی کے معنی یہاں احاطہ کے نہیں ہیں، بلکہ تحمل کے ہیں، اہل تحقیق کہتے ہیں کہ قلب عالم امر ہے یعنی قلب حقیقی جسم انسانی میں روح جس کا مرکز قلب ہے یہی عالم امر کی جزء ہے، باقی جملہ اشیاء عالم خلق کی ہیں، عالم خلق تجلیات ذاتیہ کا متحمل نہیں اس لیے فرمایا گیا وَلٰكِنِ انظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ[2] (الآیۃ) قلب حقیقی میں تجلیات ذاتیہ متحمل نہیں ہے، باقی جسم میں تجلیات ظلیہ ہی کا مظاہر ہوگا، ہم کو مراقبہ میں تجلیات ذاتیہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا اور جذب کرنا ہے

ع دل گذرگاہ جلیل اکبر است

تو اگرچہ قلب کے مراقبہ میں دقت یا اشتباہ واقع ہو، مگر اس پر مداومت کرنا چاہیے، تمرین مشکلات کے ازالہ کا ذریعہ ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۲۷ رمضان المبارک ۷۱ھ

---

[1] زمین اور آسمان میرا تحمل نہیں کر سکتے بلکہ میرا تحمل مومن کا دل کر سکتا ہے۔ بقول جامیؒ ؎

بہ نوشتنت نگنجد در زمین و آسمان ... در حریم سینہ حیرانم کہ چون جا کردۂ

[2] لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھکو دیکھ لے گا۔

# مکتوب نمبر ۱۰۷

مراقبہ کی یہ حالت امید افزا ہے، اس پر پوری توجہ چاہیے۔ تا آنکہ خود بخود دوام حضور حاصل ہوجائے اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ کا سماں ہوجائے...... میں آپ کو اجازت بیعت وارشاد دیتا ہوں۔ اگر کوئی آپ سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کرے، تو آپ اس کو بیعت کرلیا کریں اچاروں خاندانوں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، اور سہروردیہ میں اجتماعاً وانفراداً اجازت ہے جو نصائح سلاسل طیبہ کے آخر میں درج ہیں ان کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ اور مراقبہ مسمی میں جس قدر ممکن ہو کوشش جاری رکھیں..... ضیاء القلوب۔ القول الجمیل، صراط مستقیم۔ امداد السلوک سے استفادہ فرماتے رہیں، ہر قول و عمل میں اخلاص اور للہیت منظور نظر ہونی چاہیے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، یکم جمادی الاول ۱۳۶۲ھ

# مکتوب نمبر ۱۰۸

توجہ الی الذات المتصفہ بجمیع صفات الکمال المنزہۃ من جمیع سمات النقص والزوال یہی امید افزا اور عنوان دوام ہے، جس قدر ممکن ہو اس میں انہماک کیجئے۔ قلب انسانی اس کا محل تجلی اور مرکز ہے "لا یسعنی ارضی ولا سمائی الا قلب عبدی المومن ای لا یتحملنی فان اللہ سبحانہ اذا تجلی بالتجلی الذاتی فلا یتحملہ عوالم الظلال الا قلب العبد المومن فانہ من عالم الامر کیف لا ولما تجلی الرب سبحانہ للجبل الطور حین سوال موسیٰ علیہ السلام یتحملہ فقد قال اللہ سبحانہ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۵

ہست رب الناس را باجان ناس اتصالے بے تکیف بے قیاس

ذالک ہم زدھوند

ھنیئا لارباب النعیم نعیمھم　　　　وللعاجز المسکین ما یتجرع[1]

اخلاص[2] اور تواضع و فروتنی کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں اور اتباع سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں ادنیٰ کوتاہی کو بھی روا نہ رکھیں۔ رزقنا اللہ وایاکم رضاہ فی الدنیا و الاٰخرۃ ووفقنا و ایاکم لما یحبہ ویرضاہ۔ اٰمین۔ لوگوں کی اصلاح و تربیت میں کوشاں رہیں۔ خواب بھی امید افزا ہیں، اس روسیاہ ننگ اسلاف کو دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ کتاب صراط مستقیم اور امداد السلوک کو زیر مطالعہ رکھیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

[1] (ترجمہ) ارباب نعیم کے لیے ان کی نعمتیں مبارک ہوں، عاجز مسکین کے لیے تو وہ چیز ہے جسے گھونٹ گھونٹ پی رہا ہے۔

[2] اخلاص پر قرآن حکیم اور احادیث نبی کریم کافی سے زیادہ موجود ہیں اور اسکی اہمیت پر بخصوص طور پر زور دیا ہے، اخلاص نام ہے تمام دل اور عقل اور روح کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں نذر کر دینے اور اس کی عبادت میں تقرب و رضا کے سوا کسی اور چیز کے مدنظر نہ رکھنے کے۔ غرض طاعت و عبادت میں ریا کا کلیۃً ترک کر دینا اخلاص ہے، اور خلوص لبن اس وقت بولتے ہیں جس میں ذرا بھی خون اور گندگی کی آمیزش نہ ہو۔ قرآن میں ہے من بین فرثٍ ودمٍ لبناً خالصاً۔ لیکن اصطلاح تصوف میں اخلاص یہ ہے کہ اپنے عمل پر سوائے خدا کے کسی کو شاہد نہ بنایا جائے۔ فضیل عیاضؒ کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے لیے عمل کا ترک کر دینا ریا ہے، اور لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرنا شرک، اور اخلاص یہ ہے کہ ان دونوں چیزوں سے اپنے کو دور رکھے۔ یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے اعلیٰ اور اشرف چیز اخلاص ہے میں نے بارہا کوشش کی کہ میرے قلب سے ریا نکل جائے۔ مگر دوسری شکل و صورت اور رنگ و بو اختیار کر کے آ گیا کرتا ہے اخلاص اور صدق میں فرق یہ ہے کہ صدق اصل ہے، اس لیے پہلا قدم ہی رکھتا ہے، اور اخلاص فرع ہے اور یہ تابع ہوتا ہے، یا یوں تعبیر کیجائے کہ عمل میں داخل ہو جانے کے بعد اخلاص کا سوال پیدا ہوتا ہے ذکر لیلے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ مخلص کے اندر ریا نہیں ہوتا اور نہ صدق کے اندر عجب و تکبر۔ پس اخلاص کی خاصیت یہ ہے کہ

# مکتوب نمبر ۱۰۹

زیارت حرمین شریفین کی صورت پیدا ہوئی مبارک امر ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور برکات معنویہ سے مالا مال کرے، آمین۔

(۱) بارگاہ نبوت سے استفادہ کرنا سوء ادب کیوں ہوگا، بارگاہ میں حاضر ہو کر بعد ادب صیغ صلوٰۃ و سلام مذکورہ ........... درود شریف کی کثرت بصیغہ خطاب زیادہ مفید ہے۔ اس کے علاوہ استفادہ کی عمدہ صورت یہ ہے کہ مراقبہ ذات الٰہیہ میں مشغول رہیں، جو کچھ فیوض پہونچنے والے ہیں وہ پہونچیں گے، اس کے قصد یا سوال کی ضرورت نہیں ہے، حاضری روضہ مبارک کے وقت میں آنحضرت علیہ السلام کی روح پرفتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی، جاننے والی، غایت جمال و جلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کیجاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے، جو لوگ مقصر آداب و سنن ہوں ان کی تحقیر و توہین کی طرف خیال نہ کیا جائے، ورنہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف بلا ضرورت شدیدہ توجہ کیجائے، فضول باتوں اور لوگوں کی مجالس میں بلا ضرورت حاضری سے گریز کیا جائے۔ اوقات کو درود شریف، ذکر، مراقبہ، قراۃ قرآن، نوافل سے معمور رکھا جائے۔

(۲) مکہ معظمہ میں بھی توجہ الی الذات بلا کیف و بلا کم ہر حال میں خواہ طواف یا سعی وغیرہ وغیرہ رکھی جائے، ادعیہ مسنونہ اگر پڑھی جائیں جیسا کہ افضل قرار دیا گیا ہے تو وہ بھی مخاطب بالذات الموجودہ فی الروح والقلب المنزہۃ من سائر الصفات النقص والزوال کے ساتھ جاری رکھا جائے۔

والسّلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۲۰ رمضان ۶۷ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۳) جہاں یہ آیا ریا، وساوس سب ختم ہو کر حکمت ربانی کے چشمے دل سے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، خلاصہ یہ کہ ساری طاعت و عبادت اور دین و مذہب کے سارے اعمال میں خلوص و للہیت کے سوا ذرہ برابر کسی غیر کی ملاوٹ نہ ہو یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن الا للہ الدین الخالص سے موسوم کرتا ہے۔

## مکتوب نمبر ۱۱۰

اذکار سریہ یا جہریہ اولاً بالذات اسماء سے متعلق ہیں اور مراقبہ مسمیٰ سے تعلق رکھتا ہے ظاہر ہے کہ مسمیٰ متبوع اور مقصود ہے اور اسماء توابع ہیں اس لیے اگر ذکر اسماء مؤید توجہ الی الذات ہوں فبہا ونعمت عمل میں لائے والا مراقبہ ہی مقدم ہے، توجہ الی الذات مع الصفات کا خیال اجمالی لیا جائے گا، ہاں سیر تفصیلی میں خاص خاص صفات قصد کی جاتی ہیں، ہم کو بالفعل سیر اجمالی ضروری ہے، اس لیے ذات مقدسہ مقصود بالذات ہونی چاہیے، صراط مستقیم کا باب ثانی جو کہ صفحہ ۱۳۲ سے بعنوان تکملہ در بیان سلوک ثانی راہ ولایت شروع ہوتا ہے، اس کو مطالعہ فرمائیں، اور اخیر تک یعنی سلوک ثانی راہ نبوت کا بھی مطالعہ کریں۔ بہرحال توجہ الی الذات میں جس قدر بھی کامیابی حاصل کریں وہی کامیابی کی چوٹی ہے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ

## مکتوب نمبر ۱۱۱

### حاجی محمد اسمٰعیل صاحب جیون بخش حویلی حسام الدین حیدر بلیماران دہلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ مزمل کی تفسیر میں روایت نقل فرمائی ہے کہ صدقہ کا ثواب ایک کا دس اور قرض حسنہ کا ایک کا اٹھارہ ہے اور پھر اسکی وجہ ذکر فرمائی ہے، ملاحظہ فرمالیں۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۱) حضرت شاہ عبد العزیزؒ تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میں نے شب معراج میں بہشت کے دروازہ پر لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص ایک درہم اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہے دس درہم کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو شخص خدا کیلئے کسی کو قرض دیتا ہے اسکا

## مکتوب نمبر ۱۱۲

کوئی عمل تسخیر کا ایسا ہوتا تو میں یہاں جیل ہی میں کیوں پڑا ہوتا، سب سے بڑا عمل تسخیر کا تقویٰ ہے، اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کیجئے، اخلاص اور للہیت و تقویٰ ہر چیز میں نصب العین قرار دیجئے۔ ؎

سیاں انکھیا پھیریاں بیری ملک جہان ٭ ٹک جھانکی اک مہر لاکھوں کریں سلام

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۱۳

### مولانا سعید علی صاحب امام مسجد درگاہ سلہٹ (مشرقی پاکستان) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج شریف۔ اسماء الٰہیہ کو ذات مقدسہ سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۵) ثواب اٹھارہ لکھتے ہیں۔ میں نے حضرت جبرئیلؑ سے قرض کی زیادتی فضیلت ثواب کو دریافت کیا، فرمایا جو شخص خدا کی راہ میں دیتا ہے تو وہ کبھی محتاج کو پہنچتا ہے اور کبھی غیر محتاج کو۔ اور انسان اسی وقت قرض لیتا ہے جبکہ ضرورت ہو۔ اسی وجہ سے قرض دینے کا ثواب صدقہ دینے کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے، جاننا چاہیے کہ اس قسم کے قرض دینے میں طبیعت پر بہت شاق گذرتا ہے اور سخت قسم کے مجاہدہ کی ضرورت ہے کیونکہ آدمی کی فطرت یہ ہے کہ بغیر امید نفع خرچ نہیں کرتا چاہے وہ نفع دینی ہو یا دنیوی، لہٰذا اس طرح کے قرض حسنہ دینے میں کسی فائدہ کا وہم بھی اس شخص کو نہیں گذرتا اور صدقہ بھی نہیں ہے کہ ثواب پائے۔ معاوضہ بھی نہیں ہے کہ اس کے عوض میں کوئی چیز اس کے مثل یا زائد ہاتھ آئے۔ بلکہ اپنے مال کو بلا وجہ قید میں ڈال دینا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرض حسنہ کا ثواب صدقہ سے زیادہ رکھا گیا ہے، اٹھارہ گنا ثواب کی توجیہ یہ ہے کہ جب ایک درم صدقہ دس درم کے برابر ہوجاتا ہے اور اس جگہ ایک درم بوجہ اس کے کہ قرض ہے اس شخص کو دینا ہوگا کہ اس کا مطالبہ باقی ہے پس گویا کہ ایک درم قرض میں دینا نو درم صدقہ دینے کے برابر ہے اور نو کو جب دونا کرتے ہیں اٹھارہ ہوجاتے ہیں (ص ۲۰۵) واللہ اعلم۔ یہی توجیہ قریب قریب ابن ہبیرہ نے الافصاح فی معانی الصحاح میں کی ہے۔

حسب قول معتمد علیہ اعین ولاغیر کی نسبت ہے اور یہی اسماء عالم میں متصرف ہیں، اشخاص کی تربیت ان کے ذریعہ سے ہوتی ہے، ہر شخص کا عروج اس اسم تک ہوتا ہے، جو کہ اس کا مربی ہے، اس سے زیادہ تفصیل اس عریضہ مختصرہ میں نہیں ہوسکتی۔ زندگی ہے تو بوقت ملاقات کچھ عرض کروں گا۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴/ ذی الحجہ سنہ ۷۱ھ

## مکتوب نمبر ۱۱۴

### مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کے نام

سیدنا المحترم، زادت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس عنایت اور مہربانی کا شکریہ کس دل اور کس زبان سے ادا کروں کہ ایام واوقات اجابت میں اس دور افتادہ نالائق کو دعوات صالحہ سے یاد فرماتے رہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے اور مقاصد دارین میں کامیاب فرمائے۔ ان دعوات سے بڑھکر اسلامی نقطہ نظر سے بھی اور واقعیت کے لحاظ سے بھی اور کوئی احسان کیا ہوسکتا ہے، فللہ الحمد والمنۃ۔ فضل خداوندی سے امید ہے کہ یہ دعوات صالحہ رائگان نہ جائے گی۔ میں بفضلہ تعالیٰ نہایت صحت اور عافیت سے ہوں، بہت زیادہ مطمئن الخاطر ہوں، رمضان شریف بھی نہایت اچھی حالت اور اطمینان سے گذرا، کاش اللہ تعالیٰ قبولیت سے نوازے، حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کو خواب میں دو مرتبہ خلاف معمول نہایت شفقت اور محبت سے دیکھ چکا ہوں، میری نالائقی ہرگز ایسی عنایت کو مقتضی نہ تھی، حضرت شیخ الہند کو بھی کئی مرتبہ دیکھا، کیا عجب ہے کہ ان اکابر کی توجہ روحانی سے میری کچھ اصلاح ہو جائے۔ دار العلوم کے واقعات یقیناً بہت زیادہ دلخراش ہیں، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۷/ ذیقعدہ سنہ ۷۱ھ

# مکتوب نمبر ۱۱۵

## مولانا فخر الحسن صاحب مدرس مدرسہ فتح پوری، دہلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کے لیے یہ اسباق مبارک ہیں، ہمت بست ہارئیے، خواب اچھے ہیں، اتباع سنت کا خیال کھیے، موجودہ مسموم فضامیں (الحاد و زندقہ اور نصرانیت کی) آپ کے قدم کو اتباع نبوی سے ڈگمگا نہ سکیں حضرت شیخ الہندؒ کے تراجم الابواب اور سندھی کا حاشیہ علی البخاری اور فتح الباری مشعل راہ بنائیے، میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، خود بخاری پر حواشی بہت کارآمد ہیں۔

روزانہ تو میں پوری سند نہیں پڑھتا تھا۔ روزانہ کے الفاظ تو حسب ذیل ہیں:۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد فان اصدق الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ وبالسند المتصل الی الامام الحافظ الحجۃ امیر المومنین فی الحدیث ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ونفعنا بعلومہ امین قال

مجھکو اجازت وقرأت وسماعت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب عثمانیؒ سے ہے اور ان کو قرأت وسماعت واجازت حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی دہلوی ثم المدنی قدس اللہ سرہ العزیز سے ہے، اور ان کو قرأت وسماعت واجازت حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی ثم المکی قدس اللہ سرہ العزیز سے ہے۔

ان سے اوپر کی سند بخاری شریف کے ابتدا میں نام لکھی ہوئی ہے، نیز اور دوسرے طرق میں میری خصوصی سندیں چھپی ہوئی ہیں، میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ اس مقدس کتاب کی نیز دوسری کتب حدیث اور دیگر فنون کی کتابوں کو پڑھائیں جیسے کہ مجھکو اسلاف کرام مشائخ اہل ہند اور اہل حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا نے اجازتیں عطا فرمائی ہیں، اتباع سنت اور اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقوں کو مضبوطی سے معمول بہ رکھیں اور تعلیمی اور علمی جد و جہد میں حتی الوسع کسل کو پاس نہ آنے دیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ

## مکتوب نمبر ۱۱۶

### مولانا احمد علی صاحب مفسر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور کے نام

سیدنا المحترم زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا، مندرجہ مضامین سے سخت تاثر ہوا، محترما! کیا آپ کے علاقہ کسی انجمن کے وجود و عدم اور اس کی ممبری پر موقوف ہے جس پر آپ متاثر ہوتے ہیں، کلا واللہ۔ ہم اور آپ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے دربار کے دریوزہ گر اور اس بناپر خواجہ تاش ہیں۔ یہ روحانی تعلق کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا، اگر مادی اسباب حائل بھی ہو جائیں تو کیا ہے، ہماری ارواح ایک ہی دربار گہربار کی حاضر باش ہیں، حفظنا اللہ وایاکم من کل سوء ورزقنا جمیعا رضاہ فی الدنیا والآخرۃ۔ آمین۔ گھر کے لوگوں اور صاحبزادوں اور دیگر احباب پرسان حال سے سلام مسنون عرض کر دیں، دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۱۶) مولانا احمد علی صاحب مفسر مظاہر کے فرستادہ ڈاک والے بنام مولانا احمد حسین صاحب لاہرپوری، راقم الحروف کو ملے جنہوں نے ۱۳۶۶ھ میں دیکھی، مولانا احمد علی صاحب کو جمعیۃ کا صدر، مولانا داؤد صاحب غزنوی کو جنرل سکریٹری اور مولانا نعیم صاحب

(باقی ص ۳۴۰ پر)

# مکتوب نمبر ۱۱۷

## مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب و الفقہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ذکر کا یہ اثر نہایت امید افزا ہے کہ بے اختیار جاری ہونے لگا۔ غیر مناسب مواقع پر خود بخود جاری ہونا اطمینان بخش ہے، امام مالک کے نزدیک تو ذکر پاخانہ اور پیشاب وغیرہ کرتے ہوئے بھی جائز اور مستحسن ہے، ائمہ ثلاثہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں، مگر ذکر غیر لسانی خواہ سانس سے ہو یا قلب سے، روح سے ہو یا سر سے یا خفی و اخفی سے، اس میں کسی کے نزدیک کوئی کراہت نہیں نماز میں خود بخود ہونے لگے تو مت روکیے، بہر حال اس کو جاری ہونا چاہیے، یہانتک کہ سوتے وقت بھی جاری ہو جائے اگرچہ سونے والے کو اس کا علم نہ ہو، مگر پاس کے جاگنے والے کو سانس کی کیفیت سے ذکر محسوس ہونے لگے، گریہ کا غلبہ ہونا نسبت چشتیہ کا ظہور ہے، اللہ تعالیٰ روز افزوں ترقی فرمائے۔ آمین

جو لمحہ اور سانس ذکر کے ساتھ گذرتا ہے، وہی حقیقت میں زندگی کا لمحہ ہے۔ باقی تو محل گفتگو ہے۔ الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللہ وما والاہ (او کما قال) اگر اسباق اور مجالس میں ہو تو اس سے

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۹) لدھیانوی کو نائب صدر تجویز فرمایا گیا تھا، اور ان دونوں والا ناموں کی عکسی نقل نہایت اہتمام و احترام سے ہم تک پہنچی ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء، جس والا نامہ کو ہم نے یہاں درج کیا ہے، اسکے متعلق مولانا احمد علی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ حسب الحکم اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم کے دو والے نامے ارسال خدمت ہیں، ایک وہ ہے جو صوبہ پنجاب کی جمعیۃ علماء کے متعلق ہے، اور دوسرا وہ ہے جبکہ تقسیم ملک کے بعد جمعیۃ علماء ہند نے اپنے ان مرکزی اراکین کو علیحدہ کر دیا تھا جو مغربی پاکستان میں رہ گئے تھے اور ہماری مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے اپنی صوابدید کے مطابق ہمیں پاکستان میں کام کرنے کیلئے آزاد کر دیا تھا، اس فیصلہ کی اطلاع کے بعد میری طبیعت بہت ہی پریشان ہوئی، میں نے اعلیٰ حضرت مدنی دامت برکاتہم کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا، میں عرض کی گئی کہ ہم جن بزرگوں کی دستگیری کی مجھے قیامت کے دن نجات کا بھروسہ تھا انھوں نے ہمیں الگ کر دیا، اس عریضہ کے جواب میں اعلیٰ حضرت مدظلہم نے یہ فرمان ارسال فرمایا تھا جو ارسال خدمت ہے۔ فقط
احمد علی ۹ شعبان ۱۳۶۹ھ ۲۰ جون ۱۹۵۰ء

بڑھ کر کیا بات ہوگی۔ دوہرہ

جب پیت بھئی تب لاج کہاں سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے
دکھ درد پڑے تو کیا چنتا اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

عشق چوں خام است باشد بستہ ناموس و ننگ
پختہ مغزان جنوں را کے حیا زنجیر پاست

اگر لوگ رنگ آمیزی کریں اور مذاق اڑائیں تو کیا پرواہ ہے، اس کا خیال بھی نہ ہونا چاہیے، اللہ مبارک کرے جو واقعات خلاف طبع پیش آرہے ہیں ان کی پرواہ بھی نہ کیجیے، اپنے کام سے کام رکھیے، میں نے سنا ہے کہ دورے میں دو سو پچاس سے زاید طلبا ہیں، پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ۱۹۰ یا ۲۰۰ سو سے زیادہ طلبہ نہیں آئے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴ ذیقعدہ ۶۱ھ

# مکتوب نمبر ۱۱۸

کل میں نے سرسری طور پر کہہ دیا تھا کہ بہار جانے میں کیا حرج ہے، بعد میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یاد آیا کہ رمضان شریف کی خاطر جمعی اور توجہ الی اللہ کو تمام سال کی خاطر جمعی میں بہت بڑا دخل ہے اور ادھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخیر عشرہ کے متعلق شدت اہتمام بہ نسبت عبادات خود فرمانا اور ترغیب شدید دینا اور فقہا و صوفیہ کرام کا عشرہ اخیرہ کی راتوں کو تمام سال کی راتوں سے افضل ترقرار دینا وغیرہ کا تقاضہ ہرگز نہیں ہے کہ ان دنوں اور راتوں کو ضائع کیا جائے، جس قدر بھی ان میں قراءۃ قرآن ذکر وغیرہ ہو سکیں بہتر از بہتر ہوگا، ادھر یہ کہ آپ کا ان ایام میں اپنے بچوں میں رہنا ان کے لیے موجب طمانیت ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ عید سے پہلے سفر نہ فرمائیں، رمضان میں ریلوں کی کھچا کھچ میں سفر کرنا اور اس کی وجہ سے تمام معمولات حتیٰ کہ فرائض تک میں خلل پڑنا تشویش خاطر وغیرہ کا ظاہر ہونا کچھ بہتر نہیں معلوم ہوتا، ہاں عید کے دن یا اس کے اگلے دن اگر آپ سفر کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

ممکن ہے اکبر پور تک میں بھی آپ کی اردلی میں حاضر باشی کا شرف حاصل کر سکوں، آئندہ جناب کو اختیار ہے۔ میرے عید کرنے کے بارہ میں کچھ ترددات پیش آرہے ہیں، یہاں کے حضرات سخت متقاضی ہیں کہ منصور پور میں عید کیجائے اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ دیوبند۔ بہر حال رسہ کشی ہو رہی ہے، دیکھیے کون غالب آتا ہے، جو مقصد یہاں کے رہنے کا قرار دیا گیا تھا اس کو بالکل انجام نہیں دے سکا افسوس دعاؤں کا سخت محتاج ہوں۔ آپ کے تیسرے قرآن کی خبر سے خوشی ہوئی، ھنیئاً لاربابِ النعیم نعیمھم ہم تو ابھی تک ایک قرآن بھی ختم نہ کر سکے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۳ رمضان المبارک ۶۶ھ از حسین آباد۔

## مکتوب نمبر ۱۱۹

سبحان من اقام العباد فیما اراد

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ — اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے سو تو چھوڑ دے وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔

۱۱ رمضان کا والانامہ ملا۔ مجھے سخت تعجب ہے، آپ کے اوہام اور لایعنی خیالات و افکار دور نہیں ہوئے، اسی پیچ و تاب میں آپ پڑے رہتے ہیں، اگر ایسا ہی ہے تو خدا سے لڑائی کیجیے، اور اس کیلیے کمر باندھیے۔ تکوینیات اسی کے ارادہ اور قدرت کے کرشمے ہیں، اس میں سرگرانی اور اپنی بیش بہا اطمینانی حالت کو ضائع کرنا قلب اور اس کے سکون کو ان لایعنی باتوں میں کافور کر دینا کس قدر کھلی فاش غلطی ہے، تکوینیات صرف اسی کے قبضہ میں ہیں،

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ — کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں

نَبْرَأَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ الآیۃ

ہم اس کو دنیا میں بیشک یہ اللہ پر آسان ہے تاکہ تم غم نہ کھایا کرو، اس پر جو ہاتھ نہ آیا اور نہ شیخی کیا کرو اس پر جو تم کو اس نے دیا (سورہ حدید)

ما اصابك لم يكن ليخطئك وما اخطاك لم يكن ليصيبك[1] الحديث کو کس روز کیلئے پڑھا تھا. العجب ثم العجب۔ میں کہہ چکا ہوں کہ ذکر کی کثرت کیجئے اور صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگا ئیے، مخلوق کو خالق کے لیے چھوڑ دیجئے، اگر کوئی مصیبت آپ پر آئے کشادہ پیشانی سے برداشت کیجئے۔ "ضرب الحبیب زبیب" سمجھیے اور قلب کو ان تمام دنیاوی اور تکوینی کدورتوں سے پاک اور صاف کیجئے۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی وصیت وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ۔ ہی نہیں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کو دیکھیے کہ کن شدائد میں گذری اور پھر ان کو اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا فرمایا جاتا ہے، آپ اپنا جائزہ لیجئے، ۲۴ گھنٹہ میں کس قدر شکر کرتے ہیں، اور کسقدر نعماء الہیہ کا استعمال کرتے ہیں، اس کے آپ مسئول ہیں، اپنے فرائض کو انجام دیجئے۔ ان دنیاوی پریشانیوں پر لات ماریے "من حفر بئرالاخیہ وقع فیہ" کے کرشمے دیکھیے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۲۰

### مولانا قاری سید اصغر علی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند سہارنپور کے نام

محترم المقام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گورنمنٹ کا ہمیشہ سے اور کارکنان مدرسہ کا عرصہ سے

---

[1] آیت مذکورہ کی تفسیر میں جس حدیث کو حضرت امام العصر نے نقل فرمایا ہے اسکا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ تم کو پہنچا اور پہنچ رہا ہے غیر ممکن تھا کہ ایسی چوک ہوجاتی اور جو تیر چوک گیا ممکن نہ تھا کہ اسکی زد پڑتی، یہ قضاء مبرم ہے جسمیں تخلف کی گنجائش نہیں ہے، تقدیر پر ایمان لانا ہے نہ کہ اسکی کھود کرید کرنا بلکہ اس سے اجتناب سلف کا مسلک رہا ہے ع "کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمار ا"۔

اور جو لوگ ماحول اہتمام و صدارت میں کام کر رہے ہیں ان کا بھی ہمیشہ سے یہی ارادہ اور جد و جہد رہی کہ حسین احمد کو یہاں سے نکلوایا جائے اور اب ان کو موقع ہاتھ آرہا ہے، اس میں انتقامی جذبات کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کو آرا سے چروا دیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرا دیا، سیکڑوں نہیں ہزاروں انبیاء موت کے گھاٹ اتروائے گئے قرآن کی نص يَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ الْحَقِّ اس پر دلالت کرتی ہے۔ حسین احمد کتنا ہی مخلص اور بے قصور ہو مگر ان انبیاء کے سامنے وہ مقدار بھی نہیں رکھتا جو ذرہ کو پہاڑ کے سامنے ہے۔

ادارۂ اہتمام و مدرسین کی یہ کشمکش اور خود غرضیاں اور لایعنی باتیں مجکو مجبور کرتی ہیں کہ اپنے دوسرے اصلی فریضہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اب آخری حصہ کے فریضہ کو اللہ تعالےٰ کی یاد اور عبادت میں خرچ کرنے کا قصد کروں۔ میرے آقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی یہی سنت ہے، اور اسی پر حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری مرحوم مغفور اور حضرت نانوتوی مرحوم مغفور آخری ایام میں گذران کرتے تھے، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ آخری ایام میں اسی کے عامل رہے۔

حقیقت میں ان حضرات کو آپ سے یا منشی شفیع صاحب یا مولانا جلیل صاحب، مولانا نافع گل صاحب وغیرہ حضرات سے کاوش نہیں ہے، سب کی آنکھوں میں کانٹا حسین احمد ہے۔ اور اسی سے سب کے جذبات منتقمانہ ہیں، کیوں نہ وہ اپنے لیے صورتیں سوچے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید قوی ہے کہ قریبی ایام میں انقلاب حکومت کی بھی ضرورت میں آئے گی۔ اس صورت میں ہماری سیاسیات کا مشغلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اب اللہ تعالےٰ کی یاد میں بقیہ عمر گذارنا ضروری معلوم ہوتا ہے، بے شک ملازمت کے ترک میں آمدنی کی طرف سے خطرات پیش ہوتے ہیں، مگر اس راستہ میں سلف صالحین کا طرز عمل اور روکھی سوکھی روٹی

فاقہ اور نیم گرسنگی کو اختیار کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ اپنی رحمت و امداد سے اعانت فرمائے گا،

ہمارا خاندان امراء اور نوابوں کا خاندان نہیں ہے، فقراء کا خاندان ہے، اگرچہ زمینداری بڑے پیمانہ پر تھی، مگر صرف آخر کی دو پشتیں دنیادار گذری ہیں، ورنہ باوجود زمینداری کے فقیرانہ طرز رہتا تھا، اور ذکر و فکر مراقبہ وغیرہ میں مشغول رہتے تھے، یہی بات میں نے والدصاحب مرحوم سے بارہا سنی ہے، خلاصہ یہ کہ مجھکو ہر وقت اس کے لیے تیار رہنا ضروری ہے، اور اب طبیعت اس ملازمت سے متنفر ہوتی چلی جاتی ہے، خصوصاً ایسے ایسے مقدسین کے یہ احوال دیکھکر۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۲۱

### مولانا ابوجعفر صاحب مراد آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ مزاج شریف ۔ ذکر کی طرف اس قدر توجہ اور اس سے بشاشت اور ناغہ ہو جانے سے طبیعت کا تأثر "ایں ہم غنیمت است"۔ مگر میرے محترم! آپکو اس راہ میں مرد بننا چاہیے، اور بہادرانہ تگ و دو کرنی چاہیے، کسی شب میں قضا کیوں ہو؟ اور مقدار ذکر میں وہی تعداد کیوں باقی رہے، جو دو تین ماہ پہلے تھی۔ "اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون"۔

جہاں اے برادر نماند بکس　　　　دل اندر جہان آفریں بند و بس

والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ

# مکتوب نمبر ۱۲۱

والانامہ مع والانامہ صوبیدار صاحب پہنچا۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں، ان کے والدین ماجدین کے تفکرات سے صدمہ ہوا، ان کی خدمات عالیہ میں سلام مسنون عرض کردیں اور توجہ دلائیں کہ جو وقت بھی اس اسارت اعداء اللہ میں گذرتا ہے اجر و ثواب سے خالی نہیں ہے، نیز صوبیدار صاحب اس فرصت میں جبکہ اپنی جد و جہد سے غافل نہیں ہیں تو خوش ہونے کا مقام ہے۔ ضرورت شدید ہے کہ صوبیدار صاحب اپنے اسلاف کرام کے مقامات روحانیہ کو حاصل کریں جس کے لیے بجز فراغ کوئی صورت نہیں، یہ فراغ ان کو باہر نہیں مل سکتا۔ ماشاء اللہ اپنی روحانی جد و جہد سے غافل نہیں ہیں، ان کو والدین ماجدین اور اعزہ کی طرف سے تاکید ہونی چاہیے۔ کہ وہ مطمئن الخاطر ہو کر اپنی روحانی اور قلبی اصلاحات میں بیش از بیش منہمک رہیں، اور اعزہ و اولاد کی فکر نہ کریں، اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَّاللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ الآیۃ ان کو مشوش نہ کیا جائے، بلکہ تنبیہ کیجائے کہ وہ اس فرصت کو غنیمت سمجھکر اپنی زندگی کے ضروری فرائض کو انجام دینے میں مصروف رہیں یہ ان کی خدمت نہ صرف اپنی ہوگی بلکہ والدین ماجدین اور اعزہ کی نہایت بیش قیمت خدمت ہوگی۔

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

اللہ سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ کریم کارساز اپنے فضل و کرم سے مصائب کے بادلوں کو چھانٹ دے اور ہمارے ساتھ ایسے معاملات نہ فرمائے جس کے ہم مستحق ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۹ از ربیع الاول ۱۳۶۳ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۱) یہ حقیقت ہے کہ مقامات تصوف و سلوک کے حصول میں فراغ خاطر اور خلوت و عزلت کو

(باقی ص ۳۴۸)

# مکتوب نمبر ۱۲۲

## مولانا غلام پیر صاحب قصبہ یوسف پور محمد آباد ضلع غازی پور کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - مزاج شریف - غلام ربانی صاحب عباسی کی گرفتاری اگرچہ بظاہر باعث تکلیف ہے، مگر ان کے متعلقین اور احباب کو مبارکباد دیجئے، اور ان کو بھی مبارکباد پہنچا دیجئے۔ زمرۂ مجاہدین میں داخل ہوا اور اللہ کے راستہ میں تکالیف جھیلنا عظیم الشان عبادت ہے، قرآن مجید میں سورہ توبہ کے آخر میں ہے ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ الآیۃ (یعنی مسلمانوں کو اللہ کے راستہ میں اگر تھوڑی بھی پیاس یا بھوک یا تھکن لگ جائے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۶) بہت بڑا دخل ہے، خلافت راشدہ کے بعد جب نظام اسلامی میں بہت کچھ برہمی پیدا ہوگئی تو صوفیائے کرام نے جگہ جگہ خانقاہیں قائم کیں جس کا ماخذ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جاتا ہے - چنانچہ پہلی خانقاہ رملہ شام میں سلجوقیوں کے دور میں تعمیر ہوئی، صوفیائے کرام جن لوگوں میں استعداد و مناسبت پاتے تھے، ان کو بیرونی دنیا کے گندے احول سے نکالکر اور اعلیٰ درجہ کی تربیت دیکر اسی کام کے لیے تیار کرتے تھے جس کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تیار کیا تھا لیکن آج خانقاہوں کا مفہوم اس درجہ گر گیا ہے کہ یہ لفظ سنتے ہی انسان کے ذہن میں ایک ایسی جگہ کا تصور آجاتا ہے، جہاں ہوا اور روشنی کا گذر نہ ہوا اور جہاں صدیوں تک جستری کا ورق نہ پلٹے، حضرت امام العصر سلف کی جیتی جاگتی تصویر اور کلمۂ حق عند سلطان جائر کے پیکر ہیں جیل خانہ آپ کی خانقاہ اور اس کی تنگ و تاریک کوٹھریاں ارشاد و اصلاح کی تربیت گاہیں، جانہ کشی کا صحیح حقیقی مفہوم آپ نے جیسے زندانیان یوسف نے سمجھا، چنانچہ قید خانہ عبادت کا گہوارہ، معرفت و بصیرت اور وعظ و حکم کا مرکز بن گیا۔ ریاضت و مجاہدہ اور قید، محض تزکیہ و تطہیر کا نشیمن ہوگیا جن کو کل تک جیل کے نام سے لرزہ آتا تھا، ان کے اندر سے جبن و بزدلی دور کرکے لَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ کے اسرار سے آگاہ کر دیا اور اسلاف کرام کی صحیح جانشینی کا حق ادا کرکے نہ جانے کتنے متوسلین کو دار و رسن کا مانوس بنادیا، آپ کے ریاضت و مجاہدہ کی شاہد حرمین کے ارض مقدسہ اور مدینۃ الرسول کے محراب و ممبر،

یا کوئی ادنی درجہ کی بھی ایسی چال چلے جس سے کافروں کو غصہ آئے یا کوئی نقصان پہنچائے ان کو تو نیک عمل لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنیوالوں کے کام کو ضائع نہیں کرتا، اور اگر کچھ خرچ کرے اللہ کے راستہ میں خواہ تھوڑا ہی ہو یا کچھ راستہ چلے تو وہ بھی لکھا جاتا ہے) میرے بھائی یہ بہت بڑی بشارت قرآنی ہے، جو کچھ تحریک ہے اس حکومت کی شوکت اور قوت کو مٹانے کے لیے ہے جس نے اسلام کی دشمنی میں کوئی فروگذاشت کبھی نہیں کی ہے، یہ توفیق خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو اس کی توفیق عطا فرمائی پہلوں نے اپنی جانیں، مال، اولاد کیا کیا نہیں خرچ کیا، ہرگز مت گھبرائیے اور نہ کمزور ہوجئے، قرآن اور حدیث بشارتوں سے بھرے ہوئے ہیں، ان کو اور ان کے گھر والوں کو اطمینان دلائیے اور مستقل ارادہ پر قائم کیجئے، اور ان کے گھر والوں کی خبر گیری کیجئے اور کرائیے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۳) اسکی جھاڑیاں اور وادیاں، برطانیہ کے قصر استبداد کی کوٹھریاں اور مالٹا کی سرزمین ہیں جنکے ذرہ ذرہ کو قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں سفارشی بنکر آنا ہوگا کہ "یہ بندہ دو عالم سے خفا تیرے لیے ہے"۔ یہ ہے وراثت انبیاء کا حقیقی مقام اور یہ ہے خانقاہ کا صحیح بنیادی مفہوم اور یہ ہے سلوک و تصوف نبوت اور یہ ہے "وفی سبیل اللہ بالنیت" کا عملی مظہر اور یہ ہے

لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الخ کی بہی اور عملی تفسیر ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

آج تن آسانی اور عیش پسندی کا نام تصوف اور رختوں ہی پر عمل کا نام سلوک رکھا گیا ہے کیا یہ رہبانیت کے قبیل سے نہیں ہے، حالانکہ جو وقت اسارت اعداء اللہ میں گذرتا ہے اسکا ایک گھنٹہ موجودہ خانقاہی عبادتوں سے بہتر اور اجر و ثواب میں افضل تھا اور ہے۔ اخی فی اللہ مولوی محمد یحییٰ صاحب اعظمی نے "نوائے حیات" میں "ایک عالم ربانی کی اسارت" کے عنوان سے اس العصر کی جو صحیح تصویر کھینچی ہے اسکے چند شعر یہ ہیں:

وہ جس کی زندگانی کا شرف ہو اسوۂ یوسف
اسے ہوگی بھلا کیا سجن و زندان سے پریشانی
پرستاران حق گھبرائیں کیوں اس بوستاں سے
یہ زنداں تو رہا ہے جلوہ گاہ یاد کنعانی
مبارک سرخوشان عیش کو کاشانۂ راحت
مجاہد کے لیے زیبا نہیں ذوق تن آسانی
صحابہ کی حیات پاک کو اس نے نہیں جانا
حقیقت میں یہ شان زندگی جس نے نہ پہچانی
شعار اس کا بزرگان سلف کا زہد و تقویٰ ہے
جہاد اس کا نہیں پابند قید بحر گردانی
جدا ہے رسم و راہ خانقاہی سے طریق اس کا
زمانے سے الگ ہے اس کا آئین خدا دانی

کسی غازی کے گھر والوں اور بال بچوں کی خبر گیری اور خدمت کرتا ہے تو اس کو بھی غزوہ اور جہاد کا ثواب ملتا ہے، اگر لیگی دشمنی کرتے ہیں تو پروا مت کیجئے، وہ اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں، اور آپ کے درجے بلند اور گناہ معاف ہوتے ہیں، یہ تو پیغمبروں کی سنت ہے کہ شیاطین اور جن ان کے دشمن ہوتے تھے، خوشی کا مقام ہے، شریعت پر مضبوطی سے قائم رہیے، پنجگانہ نماز با جماعت پڑھیے اور لوگوں کو اس کا پابند بنائیے، مجھکو بھی کبھی کبھی دعا سے یاد کر لیا کیجئے، آپ سب بھائیوں کے لیے دعا کرتا ہوں، والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۲) یہ ایک علمی مسئلہ ہے کہ فریضۂ جہاد قیامت تک کیلئے بشرائط جاری و باقی ہے، جہاد فرض کفایہ ہے، البتہ اگر کسی وقت امام کی طرف سے نفیر عام یعنی جنگی خدمت کے لیے عام بلاوا ہو جائے تو فرض عین ہو جاتا ہے، اور کسی حقیقی معذوری کے بغیر نہ نکلنے والوں کا ایمان تک معتبر نہیں ہے، حضرت امام العصر نے ۱۹۴۲ء کے مجاہدین کی فضیلت کے سلسلہ میں سورہ توبہ کی جس آیۂ کریمہ کا مفہوم تحریر فرمایا ہے وہ پوری آیت اپنے مدعا پر نص قطعی ہے، اور برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی میں جن حضرات نے حصہ لیا ہے وہ یقینی طور پر ان آیات اور احادیث کے مصداق ہیں جو اس راہ میں وارد ہیں، سورہ توبہ کی ابتدائی آیات اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کو مدنظر رکھیے تو صاف مفہوم متعین ہو جاتا ہے کہ کسی زیارت گاہ کی سجادہ نشینی و مجاوری اور چند نمائشی مذہبی اعمال کی بجا آوری جس پر دنیا کے سطحی بین لوگ بالعموم شرف و مجد اور تقدس کا ادار رکھتے ہیں، خدا کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتی۔ اصلی قدر و قیمت ایمان اور راہ خدا میں قربانی کی ہے۔ ان صفات کا جو شخص بھی حامل ہو وہ بڑا قیمتی آدمی ہے اور جو ایسا نہ ہو تو ہرگز ہرگز دینی معابد ان لوگوں کے ہاتھوں میں رہنے نہ دیا جائے اور نہ ایسے لوگوں کو خلیفہ و مجاز ان کا سمجھنا چاہیے جنکا طریق زندگی پنے پیر سے جدا رہا ہو۔ جانشینی و خلافت بغیر پیرو شیخ کہیں بھی قابل اعتبار نہیں، بار بار غور کرنیکی جو چیز ہے وہ یہ کہ بھوک پیاس لگنا یا تکالیف کا پہنچنا اختیاری کام نہیں ہیں تاہم نیت جہاد اور اعلاء کلمۃ الحق کی برکت ان غیر اختیاری چیزوں کے مقابلہ میں اعمال صالحہ اسارت اعداء اللہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے نزد حساب میں کر لیے جاتے ہیں سبحان اللہ و بحمدہ

# مکتوب نمبر ۱۲۳

## حافظ محمد یعقوب صاحب، محلہ قاضیان قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ بخار جاڑے کی شکایت کرتے ہیں! حکیم تو ایسے دن نہایت مبارک خیال کرتے ہیں، مدتوں کی تمناؤں کے بعد اطبا، اور دوا فروشوں کو کہیں ایسا موسم نصیب ہوتا ہے۔ آبادی ہوتی ہے، ادھر بھی اس کی شکایت ہے۔ بحمد اللہ ہم اور رفقاء سب کے سب بخیر وعافیت ہیں، علاوہ حافظ صاحب نگینوی اور مولانا حفظ الرحمن صاحب، قاری عبداللہ صاحب مدرس شاہی مسجد وصدر کانگرس کمیٹی مرادآباد، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ایم، ایل، اے مدرس شاہی مسجد، منشی معین الدین صاحب خلف منشی حمید الدین صاحب مرحوم سنبھلی، مولوی مہدی حسن آف سلیم پور، اور مولوی عبدالقیوم صاحب اور برخورد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب موصوف حضرات ہیں' رات کو ہم ایک بارگ میں کیے جاتے ہیں، جس میں ہم اور تین خادم گیارہ بارہ آدمی ہوتے ہیں، اور کوئی دوسرا نہیں ہوتا، سوا دس بجے (جدید ٹائم) پر تراویح کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، دو پارے میں سناتا ہوں، اب دوسرا قرآن ہو رہا ہے، ساڑھے بارہ بجے فارغ ہو جاتے ہیں، پھر سو جاتے ہیں ڈیڑھ اور کبھی دو بجے اٹھتے ہیں، نوافل میں قاری صاحب موصوف دو پارے اور مولوی مہدی حسن صاحب دو پارے سناتے ہیں، ان صاحبوں کا بھی دوسرا قرآن ہو رہا ہے۔ اگر وقت کچھ باقی ہوتا ہے تو میں بھی حسب وقت ایک یا دو پارہ پڑھ لیتا ہوں، ورنہ سحری کھانے بیٹھ جاتے ہیں، پھر نماز صبح پڑھکر اس بارک سے نکل کر قیام گاہ کے حجروں پر آجاتے ہیں، اور کھلے کمروں میں سو جاتے ہیں، دس گیارہ بجے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۳) کرپس مشن کی ناکامی کے بعد حکومت برا فروختہ تھی کہ کانگرس نے اس کے کورے چک کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، چرچل وغیرہ نے فیصلہ کر لیا کہ ہندوستان کے جذبات کو قوت سے دبایا جائے۔ چنانچہ

(باقی حاشیہ ص ۱۵۳ پر)

تک سوتے رہتے ہیں، اس کے بعد کتابوں کا مطالعہ، سیاسی مذاکرہ تصنیف، کھانے پکانے، اشیاء کے منگانے وغیرہ کا مشغلہ، نماز دن اور دور قرآن کا سلسلہ، روزانہ غسل کرنا، وغیرہ جاری رہتا ہے، ۵ بجے شام بارک مذکور میں چلے جاتے ہیں، یہ ہے معمول روزانہ۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۰) ۲۴ جنوری ۱۹۴۲ء کی شب میں حضرت اقدس مدظلہ کو وارنٹ گرفتاری پیش کر دیا گیا، اب ۲۵ جنوری ۱۹۴۲ء سے ۸ اگست ۱۹۴۲ء تک مراد آباد جیل میں تنہا رہے، ایک احاطہ میں چار کوٹھریاں ہیں، انکے سامنے برآمدہ ہے، پہلے پھانسی کے ملزمین کو ان کوٹھریوں میں رکھا جاتا تھا، حضرت کو اسی احاطہ کی کوٹھری میں رکھا گیا، مشہور یہ تھا کہ اس احاطہ میں بھوت رہتے ہیں اس لیے وارڈر بھی آنے میں ڈرتے تھے، مگر جنکا طغرائے امتیاز فلا تخافوھم وخافون ہو انکا عالم ہی اور ہوتا ہے ۹ اگست ۱۹۴۲ء کی صبح کو سب سے پہلے حافظ محمد ابراہیم صاحب وزیر صوبہ یوپی خدمت میں باریاب ہوئے، پھر دیگر رفقا جیل میں داخل ہو گئے اور حضرت کی مربیانہ شفقت میں اہل وعیال کو بھلا دیا، ہندو مسلمانوں کے علاوہ جیل کے ملازم اور افسران احترام سے پیش آتے تھے حتی کہ دعائیں تک کے طالب تھے، حضرت مدظلہ کی چھ ماہ کی سزا ۲۴ جنوری ۱۹۴۲ء کو ختم ہونے والی تھی، کہ آپ پر دفعہ ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا رولس کا نوٹس تعمیل کرا کر غیر محدود مدت تک کیلئے نظر بند کر دیا گیا، اسکے بعد جنوری ۱۹۴۳ء میں تحریک اپنی عمر طبعی ختم کر رہی تھی، لہذا سیاسی قیدیوں کو منتقل کرنا شروع کر دیا گیا، حضرت امام العصر دامت برکاتہم ۲۴ جنوری ۱۹۴۳ء کو نینی جیل الہ آباد میں داخل کیا گیا، اب رفقاء اور خدام کو معلوم ہوا کہ وہ جیل میں ہیں اور غالباً یہی احساس پیدا کرتا تھا، مگر صیاد ستمگر کی اس سے زیادہ ناکامی کیا ہو سکتی ہے کہ یہاں یہ کوہ استقامت گرفتاری میں آزادی کو برای العین مشاہدہ فرما رہا ہے اور زبان حال سے زمزمہ سنج ہے: نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر ؛ خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود۔

## مکتوب نمبر ۱۲۴

### مولانا حکیم انظار احمد صاحب انصاری دواخانہ متصل فصیل خانہ مراد آباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک بکرا ۱۵ تک میں خرید لیا جائے، میرے حساب میں، اور اس کو حضرت حاجی صاحبؒ کے لیے قربانی کر دیا جائے، اور اس میں سے ایک تہائی یا آدھا آپ حضرات رکھ لیں اور باقی ماندہ ہمارے پاس بھیجدیں۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

## مکتوب نمبر ۱۲۵

ذکر پر ہمیشہ مداومت رکھو، اثناء ذکر میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد (خواہ ایک تسبیح کے بعد یا کم وبیش کے بعد) یہ دعا دل لگا کر مانگا کرو یا رب انت مقصودی ترکت الدنیا والاخرۃ لک اتمم علی نعمتک وارزقنی وصولک التام ورضاک بعد بعد ۱۲ ابدا ۔ اس کا التزام کرو، فرصت کو غنیمت سمجھو، اور عمر عزیز کو ضائع ہونے سے بچاؤ، اور یہ لکھو کہ کیا اور کتنا ذکر کرتے ہو اور حالت کیا ہے، مخلوق کو خالق کے لیے چھوڑ دو اور اپنی لو صرف خالق سے لگاؤ، سر کا چکر رفو چکر ہوگا۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۲۶

مجھکو یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض ممبران شوری کو ان مدرسین کی تنخواہوں کے جاری رکھنے کے متعلق اعتراضات اور شبہات ہیں جو کہ ان دنوں قید وبند کے مصائب میں مبتلا ہیں، اس لیے

مین مندرجہ ذیل امور کو پیش کرنا چاہتا ہون، آپ ممبران کے سامنے میرے خیالات کو پیش کرین، ممکن ہے اس سے کوئی روشنی حاصل ہوسکے،

(۱) اس وقت جو حضرات گرفتار کیے گئے ہین، کسی اختیاری فعل قانون شکنی وغیرہ کی وجہ سے نہیں پکڑے گئے ہین، بلکہ حکومت نے محض اپنے خطرات کی بنا پر فقط مستقبل کی وجہ سے دفعہ ۱۲۹ اور دفعہ ۲۶ کے ماتحت نظر بند کردیا ہے، کسی جرم کو ان کے ذمہ نہین لگایا گیا، اور نہ باقاعدہ مقدمہ چلایا، نہ کوئی مدت نظربندی کی مقرر کی گئی، اگرچہ یہ حضرات جمعیۃ یا کانگرس کے باقاعدہ ممبر تھے، مگر فقط یہ چیز سبب نہیں ہوئی، مولانا فخرالدین صاحب نہ صرف جمعیۃ کے عام ممبر ہین بلکہ وہ ورکنگ کمیٹی کے بھی ممبر ہین، اور ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس مین بھی شریک ہوئے ہین جس مین سول نافرمانی پاس ہوئی تھی اور مولانا موصوف پاس کرنے والے بھی تھے، مگر نہ فقط گرفتار ہوئے اور نہ وہ ممبران جمعیۃ گرفتار کیے گئے، جو کہ اس اجلاس کی صدارت یا نظامت یا رکنیت کررہے تھے، مولانا عبدالحق صاحب جمعیۃ کے اجلاس کی صدارت کرچکے ہیں، مگر وہ بھی نہین گرفتار کیے گئے، خلاصہ یہ کہ یہ گرفتاری ایک آسمانی اور ناگہانی مصیبت ہی جو ان اصحاب ثلاثہ پر نازل ہوئی ہے، کانگرس کی ممبری اس کی علت تامہ نہیں ہے، بہت سے ممبران کانگرس آج بھی آزاد ہین، اسی طرح بہت آزاد خیال اشخاص موجود ہیں جو کہ آزادی کے ساتھ پھر رہے ہین، حکومت کو کیون ان کی نسبت یہ خیال پیدا ہوا، اس کی ذمہ داری حکومت اور اس کے کارکنون پر ہے، ان کے کسی فعل جدید پر نہین ہے. یہ حضرات اپنے خیالات اور ارادات کے آج بھی ویسے ہی مالک ہیں جیسے کہ اس سے پہلے سالہا سال سے تھے،

(۲) مصائب سماویہ اور اتفاقیہ مین مثل امراض وغیرہ در دسر اور اسباق وغیرہ کا تعطل ہونا بدیہی امر ہے، ذمہ داران ادارت تعلیمیہ حسب قانون اور حسب صوابدید ایسے اوقات مین

مجاز ہی نہیں ہوتے کہ اپنے مدرسین اور کارکنون کو ہمت افزائی کریں اور ان کے اہل وعیال کی خبرگیری کریں، بلکہ عملی حیثیت اختیار کرنا بھی روایات ادارات میں چلا آتا ہے، ایام حج میں اداء فریضۂ حج کے ایام تعطل کی تنخواہ کا دینا، ایام امراض مین تنخواہ کا جاری رہنا، تعطیلات عادیہ میں تنخواہوں کا دینا، بڑھاپے اور ضعف کے ایام مین پنشن کا جاری ہونا وغیرہ مشہور و معروف امر ہے (۳) ان حضرات کی گرفتاری کی مدت اور وقت کے ساتھ محدود نہیں ہے آج اگر حکومت کی پالیسی بدل جائے تو ممکن ہے کہ فوراً یہ حضرات رہا ہو جائین اور اسباق کو انجام دینے کے لیے نہ صرف مستعد نظر آئین بلکہ عملی طور پر جد و جہد کرتے ہوئے بھی پائے جائین گے، یا اگر حکومت کو یہ اطمینان ہو جائے کہ مستقبل مین ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو آج وہ ان کی قید و بند سے کنارہ کش نظر آئے گی،

(۴) ارباب ادارت تعلیمیہ کا جس طرح فریضہ ہے کہ وہ تعلیمات کو جاری کریں اسی طرح ان کا فریضہ ہے کہ وہ قابل ترین مدرسین و ملازمین کو مہیا بھی کریں، اور ان کو علیحدہ نہ ہونے دیں، خصوصاً جن سے کسی ادارہ کو سالہا سال سے تجربہ ہوا ہے، اور جنھون نے سالہا سال خدمات انجام دی ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے مخلص ماہر اور قابل اہل تدریس ہر وقت اور ہر جگہ میں دستیاب نہین ہو سکتے، اور نہ ہر عالم اور ہر مدرس ادارہ کی قابل قدر خدمات انجام دے سکتا ہے، اور جبتک ایسے مدرسین کی ہمت افزائی اور ان کے ایام مصائب مین اہل وعیال کی خبرگیری نہ کی جائے گی، یہ متاع ہاتھ نہین آسکتی۔

(۵) مسلمانون کے ادارات تعلیمیہ صرف تعلیمی خدمات انجام دینے کے لیے نہیں بنائے گئے ہین، بلکہ مسلمانون کی مذہبی اور دینی اور دوسری ضروری خدمات بھی ان کے فرائض مین سے ہے، یہی وجہ ہے کہ جنگ روم و روس کے زمانہ مین حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اور

مدرسین نے دورے کیے اور ایک عظیم الشان مقدار چندہ کی جمع کرکے ٹرکی کو بھیجی اس زمانہ مین دارالعلوم دیوبند مین تعطل رہا اور تنخواہیں دی گئین، جنگ بلقان مین حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر ارکین دارالعلوم سے تقریباً ایک ماہ یا زاید درسی خدمات بند کین اور دورے کرائے، اور چندہ جمع کرکے ہلال احمر کی شاندار اعانت کی، ایام تحریک خلافت مین حضرت مولانا حافظ احمد صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے نمایاں حصہ لیا، اجلاس گیا، اجلاس لاہور، اجلاس سیوہارہ اجلاس جمعیت، اجلاس خلافت میں خود اور مدرسین اور ملازمین شریک ہوئے اور کیے گئے، اور تنخواہین وغیرہ جاری رکھی گئین، مانٹی گو کی آمد پر جبکہ مسئلہ قفقاز وغیرہ کے لیے جد وجہد ضروری سمجھی گئی، یا شاردا ایکٹ کے پاس کرنے، رج بل، وقف بل وغیرہ کے لیے اسی قسم کی مدد و جہد کی گئی، مدرسین وغیرہ کی شرکت اور اسباق کے تعطل کی نوبتین آئین، شدھی اور سنگٹھن وغیرہ کی نحوستون کے زمانہ مین ملکانہ راجپوتون وغیرہ کے علاقون میں مدرسین اور علماء کے وفود بھیجے گئے اور ان کی تنخواہین جاری رکھی گئین، ایسے اوقات میں کام کرنے والے حصہ لینے والے یہی مدرسین اور علماء ہوئے اور ہو سکتے ہین، اگر ان کے اہل وعیال کی خبرگیری بند ہوجائے تو یقیناً اسلام اور مسلمانون کے لیے بہت نقصان اور مصائب کا سامنا ہوجائے گا، مذہبی جلسون اور مناظرات مذہبیہ کے اجلاسون وغیرہ مین علماء اور مدرسین کا شریک ہونا اور تدریسی خدمات کو معطل کرنا نہ صرف آج بلکہ اسلاف کرام کے عہود ماضیہ سے چلا آتا ہے، یادری فنڈر کے مناظرہ اکبرآباد یا مناظرہ شاہ جہان پور (میلا خدا شناسی) مناظرہ رڑکی وغیرہ کے احوال کو ملاحظہ کیجئے جمعیۃ علماء کا قائم کرنا اور آزادی ہند کی جد وجہد کرنا انھین دینی اور مذہبی خدمات کی وجہ سے اشد ضروری سمجھا گیا ہے اختلاف آراء دوسری چیز ہے، پس جو لوگ بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ کسی ادارہ علمیہ کے مقاصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد میں حصہ نہیں لے رہے ہین سیاسیات

خواہ قدیمہ ہوں یا حاضرہ مذہب اسلام سے خارج نہیں. بالخصوص آج جبکہ موجودہ سیاسی مصائب ہر قسم کے مذہبی مصائب کے سرچشمہ بنے ہوئے ہیں اور مسلمانان ہند پر ہر چہار طرف سے مذہبی بربادیوں میں مبتلا ہیں، نیز بیرون ہند کے مسلمانوں کی مصائب یکسر ہندوستان کی غلامی کے مرہون ہیں، بنائً علیہ یہ بھی جدوجہد اور اس کی ذمہ داری سے ادارات علمیہ کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

(۶) مدرسہ شاہی مسجد بالخصوص ابتداء سے مسلمانان مرادآباد کی مختلف ضروریات کا متحمل رہا ہے، اس کے مدرسین کے فرائض صرف تعلیمی نہیں رہے ہیں، بلکہ جب بھی مسلمانوں کے لیے کوئی مذہبی ضرورت پیش آئی ہے، یہاں کے مدرسین اور علماء نے انجام دی ہیں اور نہ صرف مرادآباد شہر میں انجام دی ہیں بلکہ اطراف و جوانب اور بیرون ضلع میں بھی انجام دی ہیں اور نہ صرف اپنی خواہش سے انجام دی ہیں بلکہ مسلمانوں نے ان کو مجبور بھی کیا ہے جس سے آپ لوگ بخوبی واقف ہیں،

(۷) سنہ ۳۰ء اور سنہ ۳۲ء وغیرہ میں بھی مدرسین کو ایسے واقعات قید و بند وغیرہ سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور مدرسین کو مدرسہ سے تنخواہیں دی گئی ہیں، ہاں اس زمانہ میں جبکہ حسب ہدایت جمعیۃ بعض مدرسین نے جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے سول نافرمانی کی، جمعیۃ نے مدرسین کے اہل و عیال کا تکفل کیا ہے،

(۸) ان گرفتار مدرسوں کے اسباق کا تکفل جبکہ مہتمم صاحب اور دوسرے مدرسین اس بنا پر کر رہے ہیں کہ تعلیمات کا حرج نہ ہو اور گرفتار ہونے والوں کے اہل و عیال کی خبرگیری کیجائے تو بظاہر کوئی وجہ پس و پیش کی اجراء تنخواہوں میں معلوم نہیں ہوئی مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تنخواہیں آپ حضرات جاری رکھیں اور اس کا اختیار

نیز ی مہتمم صاحب کے سپرد کر دین والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۱۲۷

## مولانا عزیز گل صاحب و مولانا محمد مبین صاحب کے نام

مخدومی و محترمی جناب فیض مآب مولانا عزیز گل و مولانا محمد مبین صاحبان۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

الحمد للہ والمنہ کہ یہ دعا گو تا دم تحریر عریضہ مع الخیر و الصحۃ اور صحت روی آپ حضرات اور دیگر اکابر کی مطلوب ہے۔ آپ حضرات آئے اور تشریف لے گئے۔ دوسری ملاقات کے شوق مین اپنی پہلی ملاقات کو ناقص چھوڑا، میں پہلے ہی بوجہ خلاف قانون دوسری ملاقات سے مایوس تھا، مگر آپ نے اعتبار نہ کیا، خیر کوئی ضرورت بھی ایسی نہ تھی، محترم حضرات! مین نے آپ کے رسالہ ارد و شدہ رسالہ کو دیکھا اور بہت زیادہ متاثر و محزون ہوا، حالانکہ مجھکو خوش ہونا چاہیے تھا، ان رسالون کے ٹائٹل پر لفظ خلیفہ، جانشین خاص کا میرے نام کے ساتھ لکھا گیا ہے، یہ کس قدر ظلم اور کذب و افترا ہے جس کو آپ حضرات خود ہی سمجھ سکتے ہین، آپ کو معلوم ہے کہ خلیفہ ہونا بغیر تخلیف ممکن نہیں پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کب اور کس وقت مجھکو خلیفہ بنایا، مین حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی نہین، اس کو میں انکار نہیں کر سکتا کہ انھون نے اپنے کرم و عنایت سے میری ظاہری و باطنی تربیت فرمائی، ان کی صحبت سے مجھکو ظاہری ہی فوائد حاصل نہیں ہوئے بلکہ میری باطنی حالت پر اس سے بہت بڑا اثر پڑا، بلکہ انھون نے ایام مالٹا میں میری باطنی اصلاح پر مخفی طریقہ پر توجہ مبذول رکھی، اور کیون نہ رکھتے ین ان کا ہی تھا اور ہون۔ اگر میری قابلیت فاسد اور استعداد کاسد نہ ہوتی تو مین آج بیشک آدمی ہوتا، اور روحانی کمالات کا ایک گلدستہ

نظر آتا، مگر بدقسمتی کا کیا علاج ہے

نہ شگوفہ نہ برگے نہ ثمر نہ سایہ دارم — در حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

جیسے...... کالے توے پر کتنی ہی روشنی ڈالی جاوے اس کا روشن ہونا اور روشن کرنا ممتنع، اسی طرح مجھ جیسے نالائق و ناکارے کی حالت واقع ہوئی ہے

کعبہ بھی گئے پر نہ چھٹا عشق بتوں کا — زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

بقول شاعر ؎ خر عیسیٰ اگر بمکہ رود الخ....... نہ علم نصیب ہوا نہ عمل، نہ فہم نہ فراست ہاتھ آئی، نہ حفظ و ذکاوت، نہ تحریر آئی نہ تقریر، نہ معرفت ہاتھ لگی نہ طریقت، غرضکہ ہر طرح ہاتھ خالی ہے

هنيئاً لأرباب النعيم نعيمهم — وللعاجز المسكين ما يتجرع

یہ افترا اور جھوٹ مجھ پر نہیں بلکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ہے، پھر آپ لوگوں نے کیوں اسکو جائز رکھا..... ذرا خدا سے ڈریے دہان پر جانا ہے، وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔ اگر خلافت یا جانشینی اور خصوصیت ایسے مقامات مین بغیر اعطاء شیخ ملتی ہوتی تو کسی شخص کو محل گفتگو ہو بھی سکتی تھی، ہان اگر کوئی جاہل کہے کہ یہ امور بوجہ استحقاق حاصل ہوئے ہین، تو اول فقط استحقاق بغیر عمل شیخ کہیں قابل اعتبار نہیں ہوا، اگر بالفرض ہو بھی تو آپ خود انصاف کر کے کہدیں کہ وجوہ استحقاق مجھ میں کہاں ہین.... میں قسمیہ کہتا ہوں کہ وجوہ خلافت اور جانشینی کسی طرح مجھ مین متحقق نہیں، یہ میرے لیے بس ہے کہ میرا حشر زمرۂ خدام مین ہو۔ کاش وہ بھی بالاخلاص ہو، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور مریدین ایک سے ایک اعلیٰ موجود ہین، دنیا کو ان کی ذات سے فیض پہنچ رہا ہے، ان میں سے اصحاب قرابت حضرت بھی ہین، اگر بوجہ استحقاق

کسی کو جانشینی اور خلافت ملتی تو ان کو ملنی چاہیے، افسوس صد افسوس حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے لیے لفظ خلیفہ خاص و جانشین خاص نہ لکھا گیا، حضرت رائے پوری اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہما کے لیے نہ لکھا گیا، مولانا اشرف علی صاحب، مولانا خلیل احمد صاحب زید مجدہما کے لیے استعمال نہ کیا گیا، تمام عمر یہ اسلاف کرام ایسے عمل سے بھی پرہیز کرتے رہے جو کہ موہم اس کا ہوتا، مگر یہ بخت و بدنصیب حسین احمد ایسا نکلا کہ اس نے ہر طرح اپنے لیے ایسے الفاظ استعمال کرائے، اور استعمال کرنے والے بھی وہ حضرات جن سے اس کو خاص تعلق ہے، تو اسفاہ..... مہربانی فرما کر اس کے انسداد کی فکر کیجیے، جتنے ڈیٹیل ہیں ان کو جلوا دیجیے، اور دوسرا ڈیٹیل چھپوا کر جس میں فقط خادم کا لفظ ہو لکھوا دیجیے، میں نے جو کچھ تحریک میں حصہ لیا تھا ضرورت زمانہ و اسلام کی بنا پر اگرچہ ممکن ہے، اور میری بداعمالیاں اسی کی متقاضی ہیں کہ میری تمام کاوشیں بھی شہرت و جاہ طلبی وغیرہ کے لیے ہوں، وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ میں حقیقت میں کسی طرح ان امور کو بوجہ استخلاف و نیابت نہیں کرتا تھا، اعاذنا اللہ من اعمال تکون لغیر وجھہ

اے میرے مقدس بزرگو! کیا آپ کو ان ہی الفاظ سے جو کہ واقع میں غلط اور کذب ہیں مقاصد میں کامیابی ہو سکتی ہے، کیا اگر آپ الفاظ مثل خادم حضرت شیخ الہند یا شاگرد حضرت شیخ الہند تحریر فرمائیں تو وہ مقصد حاصل نہ ہوگا..... میں عنداللہ اپنی برأت کر چکا آئندہ آپ جانیں، اگر یہی عملدرآمد آپ حضرات کا رہا تو میں جانتا ہوں کہ بہت جلد مجھکو ہندوستان چھوڑنا پڑیگا، اگر آپ حضرات مجھکو اپنے میں سے ایک شمار کرتے ہیں اور ایسا ہی ظاہری معاملہ ........... رکھتے ہیں تو خیر ورنہ میں یہاں سے نکلتے ہی حجاز کی فکر کروں گا، میں خود اپنے نفسی افکار میں سخت مبتلا ہوں، مجھکو اپنی ہی

خلاصی کی عند اللہ کوئی صورت نظر نہیں آتی، میں خود سخت حیرت میں ہوں کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے کس بنا پر یہ معاملہ فرمایا، اور مجھکو افسوس ہے کہ لوگوں میں یہ امر کیوں ظاہر ہوا، کاش مولوی عاشق علی صاحب وغیرہ اس کا تذکرہ نہ فرماتے، ایسی باتوں کی وجہ سے بڑوں پر سخت دھبہ ہوتا ہے، ان کی رفعت نظروں سے گر جاتی ہے، سہ

سود گشت از سجدۂ راہ بتان پیشانیم چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

خدا نے تین ایسے برگزیدہ بندے جو کہ حقیقی نائب ختم الرسل علیہ السلام تھے، مجھکو دکھلائے۔ اور کم و بیش ان کی صحبت عطا ہوئی۔ مگر محرومی کے سوا کوئی چیز ہاتھ نہ لگی، خدا کے لیے مجھ پر رحم کیجئے اور اس قسم کی تشہیروں سے مجھکو اور عالم کو گمراہ نہ کیجئے۔ قرآن کے ترجمہ کے طبع کی صورت کیجئے، مولوی احمد صاحب رامپوری کو دیجئے یا جس طرح مناسب ہو عمل میں لائیے۔ مگر جلد فکر ہونی چاہیے، میرے چھوٹنے کا خیال اور اس پر توقف نہ ہونا چاہیے، نہ معلوم میں کب چھوٹوں اور پھر کتنے دنوں آزاد رہ سکوں، ہندوستان کا معاملہ نازک تر ہوتا جا رہا ہے، اگرچہ آپ کو کہنا حکمت بلقمان آموختن ہے، مگر پھر بھی اتنا ضرور عرض کرتا ہوں کہ مولوی شبیر احمد صاحب اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو اپنے سے جدا نہ ہونے دیجئے، اسلام کی خیر اسی میں ہے، میں نے ہر چند استخارہ حسب ارشاد کیا مگر مجھکو کچھ نہ معلوم ہوا، اور نہ کسی طرف میری رائے کا رجحان ہوا، آپ خود بھی عمل کریں اور اسباب و ذرائع کی طرف توجہ کریں، جو خیر ہوگا واقع ہوگا، اس امر میں مولوی محسن صاحب، حکیم منشی منظر حسن صاحب، مفتی صاحب، مولوی حنیف صاحب مولوی یحییٰ صاحب سب کا اتفاق اور مشورہ ہونا ضروری ہے، ورنہ آئندہ تکالیف اور مشقتوں کا سامنا ہوگا، ہم لوگ پردیسی ہیں، سوچ لیجئے، قدم الخروج قبل الولوج قول بزرگان ہے ہمارے نازبردار، ہماری قدر کرنے والے، ہمارا سرتاج ہمارے سروں سے اٹھ گیا ہے، ہم

بے باپ یتیم رہ گئے ہیں، یتیم کی قوت اس کی ہمت اس کی پشت پناہی کی حالت آپ کو معلوم ہے دیوبند میں خصوصاً شیخ زادہ حضرات الا ماشاء اللہ پردیسیوں کو اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور ان کو بہ نفرت دیکھتے ہیں، اس لیے ذرا سوچ سمجھکر قدم رکھنا چاہیے، پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہم لوگوں سے ایک جماعت جیسے خوش اور بہی خواہ ہے تو دوسری اس کے خلاف بھی ہے، اس لیے جلدی کرنے سے پہلے متعدد دفعہ استخارہ مسنونہ کیجئے، اور پھر ان حضرات مذکورین کو متفق الرائے بنا کر کام کیجئے، واللہ یتولی الاعانۃ ویقدر ماقیہ الخیر۔ مجھکو وحید کی نسبت کی فکر ابتدا سے ہے، میں نے مالٹا سے واپسی کے بعد چاہا تھا کہ اول اس کے عقد کی فکر کروں، اس کے بعد اپنا سامان کروں گا، مدینہ منورہ کے خطوط منتظر ہوں کہ جب آجاوینگے تو شاید ان میں کوئی اور بات معلوم ہوجاوے، یہ خط میں خفیہ روانہ کررہا ہوں، آپ اگر جواب روانہ کریں تو وارد کا پتہ جیل ہی کا لکھیں، غالب یہی کہ مجھکو مل جاوے زیادہ بجز سلام مسنون اور کیا عرض کروں۔ والسلام ختام

حسین احمد غفرلہ از صابرمتی جیل احمد آباد گجرات

---

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲) جس کتاب یا رسالہ پر خلیفہ خاص وغیرہ لکھا گیا تھا۔ غالباً وہ رسالہ اسیر مالٹا کا پیام کے نام سے حضرت امام العصر کی وہ دو معرکۃ الآرا تقریریں ہیں جو دہلی اور سیوہارہ میں فرمائی تھیں، انصاف کا تقاضا یہی تھا اور ہے کہ حضرت امام العصر کو جانشین شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نہ لکھنا اور نہ سمجھنا کفران نعمت ہے۔ اور دوسرے امیدواروں کو جانشین کہنا اور لکھنا جانشین کے صحیح استعمال سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ، اصلاح باطنی صحبت وتربیت وغیرہ کا بین ثبوت خود یہ والا نامہ ہے، یہ فقرے تو خاص طور پر خلافت وجانشینی کی غمازی کررہے ہیں، "انکی صحبت سے مجھکو ظاہری ہی فوائد حاصل نہیں ہوئے بلکہ ایام مالٹا میں میری باطنی اصلاح پر خاص طور پر توجہ مبذول رکھی گئی اور کیوں نہ رکھتے میں ان کا ہی تھا اور ہوں۔" امام العصر کو بجا طور پر فخر ہے کہ ان ایسے بزرگوں کی کم ونیش صحبت حاصل ہوئی جو اپنے وقت کے شبلی وجنید اور امام ابوحنیفہ تھے جس کو یہ حضرت شیخ العرب والعجم

(باقی ص ۳۶۲ پر)

# مکتوب نمبر ۱۲۸

آپ کا یہ فرمانا بالکل بجا اور صحیح ہے کہ اس قسم کی فراغت کہاں نصیب ہو سکتی تھی، واقع میں بہت اچھا موقع ترقی اور کام کا ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ طبعی تکاسل و ذاتی ناقابلیت قسمت کی کوتاہی نفس کی شرارتیں مالٹا اور کراچی میں جس طرح سد راہ تھیں یہاں بھی ہمراہ ہیں ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل　　کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

؎ سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم　　چند برخود تہمت دین مسلمانی نہم

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۱) حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت قطب گنگوہیؒ، حضرت قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کے نامور اور زریں کارناموں سے قیامت تک یاد کرتی رہے گی، حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے"۔ اگر اس شجر طوبیٰ کے پھل کو دیکھنا ہے تو حضرت امام العصر کو دیکھیے اور پھر ان سہ بزرگوں کی زندگی کو سامنے رکھیے تو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان نیل کے نیچے تینوں بزرگوں کی جیتی جاگتی تصویر آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ جن بزرگوں نے جانشین و خلیفہ لکھا صحیح لکھا، اس لیے کہ حضرت امام العصر اس منصب کے اہل نہیں تھے تو اور کون تھا؟ ان ہی بزرگوں کی نظر فیض اثر اور مخصوص تربیت ہی کا پورا پورا پرتو حضرت امام العصر پر پڑا ہے، کہ تواضع و خاکساری، فروتنی و عاجزی، خلوص و للہیت کا جو بلند سے بلند مقام ہو سکتا ہے قدرت نے مخصوص طور پر ارزانی فرمایا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

باقی حضرت امام العصر کے مقام کو تو وہی جان سکتا ہے جو خود کچھ ہو، اگر اسلاف کرام میں سید جمال الدین افغانی حضرت مولانا اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا فضل حق وغیرہم زندہ ہوتے تو آپ ہی کے حق میں فیصلہ دیتے، خلافت و جانشینی بدون قربانی و جہاد کے گویا غیر تیر کو تیر کی کھال پہنا دینی ہے، کیونکہ کسی کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جس کو ظاہرا و باطنا مستخلف سے زیادہ مناسبت و مشابہت ہو، ترجمہ قرآن سے مراد حضرت شیخ الہندؒ کا وہ ترجمہ ہے جو اسارت مالٹا (باقی ص ۳۶۳ پر)

مع ذلک اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جو کچھ ٹوٹا پھوٹا ہو سکتا ہے، کر رہا ہوں۔ الطاف ربانیہ کا شکر کرتا ہوں ؎

من آں خاکم کہ ابر نوبہاری کند از لطف بر من قطرہ باری

اگر بر روید از ہر موز بانم ادائے شکر لطفش کے توانم

حسب ارشاد دعا کرتا ہوں۔ آپ بھی دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۱۲۹

## مولانا محمد عثمان صاحب بر آستانہ حضرت شیخ الہند محلہ ابو المعالی دیوبند سہارنپور کے نام

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ امور غیر متوقع نہیں ہیں اور نہ تھے، آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ میں ایک پردیسی ہوں، میری ذاتی کوئی طاقت نہیں ہے، شاہ صاحب والی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۲) میں جیل کے اندر حضرت امام العصر وغیرہم کی رفاقت میں مکمل ہوا ہے، اگر حضرت جیل کے اندر نہ ہوتے تو فوائد اور حواشی کا کام آپ ہی سے لیا جاتا، آپ کے بعد اگر کوئی اس کام کو باحسن وجوہ کر سکتا تھا تو وہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کی ذات گرامی تھی، چنانچہ مولانا عثمانی نے حواشی تحریر فرما کر دنیا پر بڑا احسان فرمایا، جزاہ اللہ خیر الجزا وجعل الجنۃ مثواہ۔ باقی اس والا نامہ میں یہ فقرہ کہ "مولوی شبیر احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو اپنے سے جدا نہ ہونے دیجئے"۔ "اسلام کی خیر اسی میں ہے"۔ اسی کے ساتھ حضرت شیخ الہند جب مالٹا سے رہا ہو کر ساحل بمبئی پر اترے تو آپ کا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم کو یہ کہکر مخاطب فرمانا کہ "کہئے اب کہاں بھیجنے کا ارادہ ہے" اس معمہ کی خود سب سے بڑی اور تفہ شرح ہے، کیا عرض کروں بڑی دردناک داستان ہے۔ اللہم لوگوں پر اپنا رحم فرمائے۔ آمین۔

تحریک کے خلاف مجھکو لایا گیا۔ مدرسہ کو اللہ تعالیٰ نے دن دونی رات چوگنی ترقی دی۔ لوگوں کی امیدوں پر بار بار خاک پڑی، لوگوں نے اپنی اغراض بڑی طاقت سے پوری کرنی چاہیں، مگر ناکام رہے، مدرسہ کی ہر قسم کی ترقی اس قدر ہوئی کہ زمانہ سابق میں اس کی نظیر نہیں ملتی، پیر پرستی کے جھگڑوں میں ناکامیاں ہوئیں، حکومت کی چالیں بے اثر رہیں، یہ سب امور ایسے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ بہت کم ہے، میں دوستوں سے بار بار کہتا رہا کہ مجھ سے تعلقات بہت کم رکھیں، جناب صدر صاحب اور جناب مہتمم صاحب سے بھی تعلقات نہ رکھیں، میں سب کا مخلص ہوں، میرا تعلق ہر حال میں قائم ہے، اور رہے گا، مگر دوستوں نے نہ مانا، واقعہ یہ ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں، جو کچھ فوائد ہوئے وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں کہ رہی ہیں، اسلاف کرام رحمۃ اللہ علیہم کی توجہات ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، جو کہ قلوب اور نیات سے واقف ہے، یقیناً سمجھ کی بات وہی ہے جو آپ نے استاذ ظہیر کی لکھی ہے آپ سب حضرات کو وہی اختیار کرنی چاہیے، میرے ساتھ تو منتقمانہ جذبات چاروں طرف سے کھیلیں گے اور کھیل رہے ہیں، مگر آپ حضرات کیوں گھن کے ساتھ پسیں، مجھ پردیسی، کمزور اور نالائق کو تو نہایت آسانی سے دودھ کی مکھی کی طرح نکالا اور ناک کی مکھی کی طرح اڑایا جا سکتا ہے، خصوصاً جبکہ بہت سے قلوب میں زخم اور آنکھوں میں میرا وجود خار ہو اور زہریلا خار اس لیے اب بھی دوستوں کو سمجھنا چاہیے، اور "کن فی حزب من علیا" پر عمل کرنا چاہیے۔

ہر دو مرکز اہتمام کی اس طرح مخلصانہ تابعداری کرنی چاہیے کہ "ایک ماہ پردیس" کا سماں ہو، ہماری فکر نہ کیجئے، ہم تو ساون کی چڑیاں ہیں، ہم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیاں سیدھی کرنے کی نعمت سالہا سال تک نصیب فرمائی ہے، ہم اس طریقہ کو نہ چھوڑیں گے۔ (انشاء اللہ) ہم کو اللہ تعالیٰ نے دربار رشیدی اور امدادی قدس اللہ اسرارہما تک پہنچایا ہم انکے طریقہ پر انشاء اللہ مرمٹیں گے، خواہ ذلت ہو یا عزت اور تکلیف ہو یا راحت، کوئی دوست بے

یا دشمن بنے، ہماری یہی دعا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے جن بزرگوں کی جوتیاں عطا فرمائی ہیں، ان ہی کے نقش قدم پر چلائے اور مارے۔ آمین۔ ہم کو دارالعلوم سے نکالا جائے ہم خوش ہیں، رکھا جائے ہم خوش ہیں، رزق کا کفیل دارالعلوم نہیں، اللہ تعالیٰ ہے، سوکھی روٹی کہیں نہ کہیں سے دیگا، گورنمنٹ مجھکو مسلمانان ہند میں اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتی ہے، میں اس کو اپنے لیے فخر سمجھتا ہوں، میں ہر مصیبت جھیلنے کے لیے رضاء باری تعالیٰ کی وجہ سے تیار ہونا چاہتا ہوں، عزیزم! ان احوال کی وجہ سے پریشان نہ ہو، واقعات حقیقۃ کو تاریخ وار قلم بند رکھو اور صبر جمیل اختیار کرو، زبان کو بند رکھو اور آنکھوں سے دیکھو کچھ نہ بولو، قدرت کو دیکھو کیا کرتی ہے، وہ بے نیاز اور بے پروا بھی ہے، اور سب سے زیادہ رافت اور رحمت والا بھی، اس کا ظاہری ہاتھ بھی ہے اور خفیہ ہاتھ بھی، کچھ فکر مت کرو، کسی کو مت ستاؤ، وَاللّٰہُ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ، اگر واقعات اور افواہات ستایا کریں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی یاد کرو،[1] اور اگر اس پر بھی قلبی سکون نہ حاصل ہو تو مزار پر جا کر تھوڑی دیر بیٹھکر ایک دو پارے پڑھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگوں کو بخش دیا کرو، یہی بات مولانا محمد جلیل اور مولانا اعزاز علی صاحب سے کہدو، اور اگر مولانا نافع گل صاحب آجائیں تو ان سے بھی یہی کہدو، یہی میری استدعا مولانا سلطان الحق صاحب اور منشی محمد شفیع صاحب سے ہے، سب کو زبان تھامنی، صبر جمیل کرنا، ادب کا لحاظ رکھنا اپنے فرائض میں مشغول رہنا، اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنا، اپنے اسلاف کرام کے طریقہ پر چلنا، اور ان سے توسل رکھنا چاہیے۔ انشاء اللہ خیبت اور خسران پاس نہ آئے گا، چند روزہ دنیا کے لیے

[1] یہ عبارت کہ "اگر واقعات اور افواہات ستایا کریں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ (مراد حضرت شیخ الہند) کی زندگی یاد کرو" الخ سے ممکن ہے کہ کسی کو شبہات لاحق ہوں، اس لیے ہم اس پر گفتگو کرنا اور غلط فہمی کا سد باب کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

یہ بات اجماعی طور پر طے ہے کہ عبادت سوائے خدا کے کسی کی جائز نہیں، ایاک نعبد وایاک نستعین (نص قطعی) ہے

زیادہ فکرمند نہ ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی اور ہماری امداد فرمائے۔ اور اپنی رحمت خاص سے نوازے۔ آمین۔ اس کی آنکھیں بند نہیں ہیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ

# مکتوب نمبر ۱۳۰

جو کچھ احوال ان مبارک مہینوں میں وہاں پیش آرہے ہیں ان کے متعلق اطلاعات ہوئیں۔ آپ حضرات اپنے فرائض پر مستقل رہیں۔ افواہوں سے متاثر نہ ہوں، بڑوں کے ادب و احترام

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۵) حدیث میں ہے الدعا هو العبادة۔ لہٰذا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی چیزے از برائے خدا بدہید کہنا اور مانگنا ہرگز جائز نہیں ہے، البتہ بزرگوں کے مزار پر حاضری کے وقت اگر یہ کہا جائے اور وسیلہ قرار دیا جائے کہ اے خدا بحرمت فلاں بزرگ یا بوسیلہ فلاں بزرگ میری فلاں حاجت کو پوری فرما تو یہ جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انا نتوسل الیك بعم نبینا کے ساتھ پانی طلب فرمایا تھا، چنانچہ ادعیہ ماثورہ میں بھی اسکی تصریح موجود ہے یعنی بحق السائلین علیك۔ ہمارے محاورہ میں طفیل بھی حرمت کے ہم معنی ہے، اسی طرح نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کا ثواب خلوص کیساتھ ارواح کو بخشنا اور اللہ تعالیٰ سے انکی محبت اور اتباع سنت طلب کرنا جائز ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر بن خطیب علی بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں ابو حنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرتا ہوں، اور ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں، اور اس کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کرتا ہوں، اس دعا کے بعد جلد میری مراد پوری ہو جاتی ہے، تاریخ الخطیب (ج ۱ ص ۱۲۳)۔ سلف کی اس زبردست شہادت کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے البتہ قبر کے پاس بیٹھکر قرآن پڑھنا اسمیں اختلاف ہے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے، ہاں اگر کوئی شبہ کیوجہ سے پرہیز کرے اور سنت کی پیروی میں اتنے ہی کہنے پر بس کرکے السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسأل اللہ لنا ولکم العافیة تو سب سے بہتر

کو بجا لائیں، تقادیر کی نیرنگیاں اگر خلاف طبع ظاہر ہوں تو صبر و شکر کریں، رزاق صرف اللہ ہے، وہ کہیں نہ کہیں سے سامان پیدا کر دیگا، "دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است"۔ اخلاص و للہیت کو ہر معاملہ میں ملحوظ رکھیے، اور جہاں تک ممکن ہو علوم دینیہ اور دار العلوم کی بہتری کی کوشش کیجئے، مظلوم ہونا ظالم ہونے سے بہتر ہے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ حضرت مولانا اپنی قید کی مدت پوری کر کے بھی آزاد نہیں ہوں گے، تو آپ حضرات کو اس پر خوش ہونا چاہیے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایسا ہوا تھا، میں تو ان ہی کا ناکارہ و نالائق غلام ہوں، اگر ایسے معاملات رونما ہو رہے ہیں تو شکر کی بات ہے، کیا تعجب ہے کہ کہیں وہی انقلاب پیش آئے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت اور ایذا رسانی کرنے والوں پر آیا تھا، بہر حال آج تو تمام ہندوستان میں قید و بند کی آندھی چل رہی ہے، اگر میں آزاد بھی ہوتا تو آزاد نہیں رہ سکتا تھا، کانگریس غیر قانونی جماعت ہے میں اس کا ممبر ہی نہیں بلکہ یو پی کا نائب صدر بھی ہوں۔ میرے خیالات اور کلمات شارع عام پر ظاہر ہیں، جب تک گورنمنٹ برطانیہ یہاں موجود ہے اور اس کی پالیسی موجودہ پالیسی ہے اس وقت تک میں کیا سارے قومی اور سرگرم کارکنوں کے لیے آزادی تقریباً مستحیل ہے، اس پر جس کا جی چاہے خوش ہو لے، اور جس کا جی چاہے کبیدہ خاطر ہو، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ہمارا فریضہ ہے، ہماری عین تمنا اور خواہش ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا سچا تابعدار بنائے اور اسلاف کرام اور انبیاء علیہم السلام اور حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہو۔ برطانیہ اور اس کے ہاتھ خواہ ناراض ہوں، ان سے تکالیف پہنچیں، وہ ہم کو برباد کریں کسی کی پروا نہیں ہے، بحمد اللہ بعافیت مطمئن الخاطر ہوں، خوش و خرم ہوں، دنیاوی مستقبل کی طرف سے مجھے پورا اطمینان ہے، آخرت کے مستقبل کی طرف سے امیدیں بہت قوی ہیں کہ اپنے اسلاف کرام کی

برکات سے محروم نہ ہوں گا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارتیں خواب میں خلاف توقع بار بار ہو چکی ہیں، جو کہ نہایت امید افزا ہیں، جو لوگ میری گرفتاری اور مزید گرفتاری کی کوشش کرتے ہیں، اس پر خوش ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی عاقبت کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ[۱]۔

ہم کو کسی سے بھی دشمنی نہیں ہے، صرف برطانیہ، اس کے اعوان دشمنان اسلام سے دشمنی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جلد سے جلد برباد کردے، اور مثل عاد و ثمود ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔ آمین۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۷ رمضان المبارک ۶۱ھ

## مکتوب نمبر ۱۳۱

### حافظ محمد یوسف صاحب انصاری ندیم گنگوہی بازار شہید گنج ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، مزاج شریف۔ والا نامہ مفصل باعث سرفرازی ہوا، جو کچھ کارروائی ظہور پذیر ہوئی بسا غنیمت ہے۔ بلکہ کامیابی ہی کامیابی ہے، جو کہ آپ کی اور مفتی صاحب اور دوسرے اصحاب کی معاملہ فہمی اور جد وجہد کا نتیجہ ہے، فجزاکم اللہ احسن الجزاء یقیناً اس معاملہ میں آپ کو علاوہ جد وجہد کے اپنے نفس امارہ کی بھی بہت سزا دینی پڑی ہے کیونکہ وہ شرکت اجلاس کے لیے راضی نہیں ہوتا تھا، خدا کرے یہ امارہ لوامہ ہی نہیں بلکہ مطمئنہ بھی ہو جائے۔ آمین۔

جو کچھ آپ نے پہلے بھی اور اب بھی طلبہ کے لیے سعی بلیغ فرمائی ہے اجر جزیل سے خالی نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ بڑا معاملہ پریشانی کا ہے، اگر آپ نے معاملہ ادھورا چھوڑا دہ تیسرا شخص

---

[۱] کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤں سے، سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔

معین نہیں فرمایا، جبکہ مولانا ابراہیم صاحب پر آپ کی رائے نہ تھی، اور مولانا اعزاز علی صاحب، صدر صاحب کی رائے نہ تھی، تو کوئی شخص تو مقرر ہونا چاہیے تھا، مولانا عبدالسمیع صاحب ہوتے یا خان بہادر ہوتے یا مولانا نافع گل صاحب ہوتے، کس قدر غضب کی بات ہے کہ ساٹھ طالب علموں کو اس طرح خارج کردیا گیا، بہرحال اب مہربانی فرماکر ذرا مولوی طیب صاحب کو بلاکر دو باتوں کے متعلق سمجھایئے۔

اول یہ کہ اس زمانہ میں جبکہ الحاد اور بیدینی کا اس قدر زور و شور ہے، دین اور اہل دین سے لوگوں کو جس قدر دوری اور تنفر پیش آرہا ہے، نہ صرف اغیار کو بلکہ اپنوں کو بھی، لیگ ایک طرف زور شور سے علماء کے اقتدار کو مٹانے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہے، علی الاعلان مجامع میں آوازے کس رہی ہے، مشرقی اور اس کی جماعت مولوی کے ایمان کے نام سے اہل دین سے انتہائی نفرت پھیلا رہی ہے، مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا کس زور سے حملے کر رہے ہیں، قادیانی ایک طرف زہریلی گیس پھیلا رہے ہیں، شیعوں کا مدرسۃ الواعظین اور اس کے متعلقین پنجاب کے اضلاع کو گمراہ کرتے جارہے ہیں، نئی نئی چالیں شیعیت کے پھیلانے کی چلی جارہی ہیں، کہیں مجلس حسینی کا جال پھیلایا جارہا ہے، کہیں تبرائی مٹنگ علانیہ کیا جارہا ہے، کہیں اہل بیت کے جلوس نکلوائے جارہے ہیں، اہل بدعت کے دجل و فریب کا جال پہلے ہی اطراف ہند میں پھیلا ہوا ہے، انگریزی یورپین تعلیم نونہالان اسلام کو برابر اسلام سے نکال رہی ہے۔ بقول ڈبلو ڈبلو ہنٹر "ہمارے کالجوں اور اسکولوں سے پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو" فوج در فوج لوگ اسلام سے برگشتہ کیے جارہے ہیں۔ آریہ علیحدہ کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو مرتد کریں۔ ایک کروڑ کا چندہ کیا جارہا ہے، دس لاکھ دہلی میں جمع ہوگئے۔

عیسائی مشنریاں اپنی چالوں سے گذشتہ سال تقریباً ایک لاکھ یا اس سے زیادہ ہندوستانیوں

کو عیسائی بنا رہی ہیں، سکھ اپنی جد و جہد سے اپنا حلقہ وسیع کرتے جا رہے ہیں، مسلمانوں اور ہندو کو سکھ بنانے اور اپنے اپنے دیہاتوں وغیرہ میں مسلمانوں کے اثنار کو مٹاتے جاتے ہیں، کیا ان حالات کے ہوتے ہوئے یہ چاہیے تھا کہ آپ کے حلقہ اثر میں آئے ہوئے لوگ خارج کیے جائیں، یا یہ چاہیے تھا کہ آپ کھینچ کھینچ کر لائیں، اور ان کو صحیح العقیدہ مسلمان بنائیں؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تمہارے پاس لوگ مشارق ارض اور مغارب ارض سے علم سیکھنے کے لیے آئیں گے ان کے متعلق میری وصیت ہے کہ ان کے ساتھ خیر اور بھلائی عمل میں لاؤ" اور صحابہ کرام جب کسی طالب علم دین کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے کہ مرحبا بوصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. کیا اس پر یہی عمل ہو رہا ہے کہ آپ معمولی سی بات پر کہ انھوں نے با امن رہ کر مظاہرات کیے اور وہ بھی آپ کے حکم کے مطابق، آپ کا مقرر کردہ شخص ان کے ساتھ رہتا تھا، کوئی بدامنی انھوں نے نہیں کی، آپ نے بالکل مظاہرہ سے ان کو منع نہیں کیا تھا انھوں نے کافر، ایک دشمن اسلام گورنمنٹ کے خلاف نعرے لگائے، اس پر انتہائی سزا دیدی، اگر سزا دینا ہی تھا تو بہت سے بہت یہ سزا دیتے کہ ایک مہینہ یا دو مہینہ کا کھانا بند کر دیتے، یا اس قسم کی کوئی اور تہدید کرتے، حالانکہ یہ کرنا ان کا نہ اہتمام کی دشمنی میں تھا. اور نہ مدرسہ کی قانون شکنی میں، اگر تھانہ دار کا خوف تھا تو اس کی دوسری صورتیں تھیں، خلاصہ یہ کہ طلبہ کے داخل کرنے میں وسعت حوصلہ اور وسعت قلب سے کام لیں،

دوم یہ کہ جن پانچ اشخاص سے منشی محمد شفیع صاحب، مولوی عبدالوحید صاحب مولوی محمود گل صاحب، مولوی سلطان الحق صاحب، مولوی محمد عثمان صاحب کی برطرفی کا فیصلہ کرنا چاہیے تھا، (حالانکہ یہ پہلی غلطی تھی، مشہور تو یہ ہے کہ ۲۲ آدمیوں کو برطرف کرنا چاہیے تھا اور ڈابھیل کے مدرسین بلائے گئے تھے، اور دوسرے ملازمین کو بھی روکا گیا تھا کہ مجلس شوریٰ

کے بعد تمھارا بیان تقرر کیا جائے گا) واللہ اعلم۔ ان سے مولانا طیب صاحب کی صفائی کرا دیجئے
انھون نے صدر صاحب سے طلبہ کے اخراج کے وقت فرمایا تھا کہ جو لوگ اصل اصول فساد ہین
ان کو نکالیے صدر صاحب نے فرمایا کہ ان کی رپورٹ اور مسلین پیش کر و مین ابھی نکالوں گا ....
بہر حال ان لوگون کی صفائی مولانا طیب صاحب سے کرا دیجئے، تعجب ہے کہ آج منشی شفیع صاحب
کے لیے یہ کیا جا رہا ہے، حالانکہ اس سے پہلے بارہا انھون نے فرمایا کہ جدید ملازمین مین دو شخص نہایت
اچھے اور کام کرنے والے ملے ہین، ایک منشی محمد سعید صاحب اور دوسرے منشی محمد شفیع صاحب،
منشی محمد شفیع صاحب جہانتک مجھے علم ہے کبھی بھی کوئی خلاف ورزی یا ایذا رسانی نہین کی، بجز
اس کے کہ ترک موالات مین ان کا عقیدہ سخت ہے، اگر بیچارے ہمیشہ عمل مین دوسرون کی طرح
دبے رہے، اور علی ہذا القیاس باقی ماندہ حضرات بھی عقیدہ ترک موالات مین متفق ہین، اس کے
علاوہ جو قصور بھی بتائیں اس کو ثابت کرین، اور نہ کر سکیں گے، اور ان حضرات سے اس کی
پرسش کرا دیجئے۔

...

عقیدہ ترک موالات مین اور شرکت تحریک مین خود مولانا طیب صاحب غور کریں
کہ اگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ زندہ ہوتے تو کیا کرتے، اور ان کا عمل کیا ہوتا، علی ہذا القیاس
اگر حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز زندہ ہوتے تو کیا کرتے جن کی نسبت حضرت گنگوہی قدس اللہ
سرہ العزیز کے الفاظ کہ "جبتک مولوی قاسم صاحب موجود تھے مجھکو یقین تھا کہ پہلے ہمارا سر کٹوائینگے لیکن
اب تو جہاد کی امید بھی جاتی رہی (او مافی معناہ)
۵۷ء کے مجاہدین کی اسپرٹ کیا وہ تھی جو آج دائرہ اہتمام دکھا رہا ہے، یا حلقہ
بگوشان خانقاہ نخانہ بھون عمل مین لا رہے ہین، میں متقدمین اسلام اور قرون اولیٰ کی اسپرٹ
کی طرف توجہ نہیں دلاتا، نیز نصوص قرآنیہ اور آیات متعلقہ بالجہاد کو پیش نہین کرتا، میں حضرت

سید احمد شہید اور مولانا اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما کے واقعات کو نہیں دہراتا۔ میں ابھی قریبی زمانہ اور اپنے مخصوص بزرگون کی جذبات اور اعمال کو پیش کرتا ہون۔ کیا تعجب کی بات نہین ہے کہ گورنمنٹی کالجون اور اسکولون کے طلبہ ہندو یونیورسیٹی بنارس اور گرد کل کانگڑی کے طلبہ تو یہ جذبات رکھین اور وہ کھلی کھلی تشدد آمیز خلاف قانون کارروائیان کرین اور مسلمان طلبہ نوجوان اگر غیر تشدد آمیز کاروائیان اور احاطہ قانون مین پابند رہکر گز موجودہ حکومت متسلطہ کے متعلق جذبات رکھین تو اس پر طرح طرح کے تشددات اہل حل وعقد کے کئے جائین اور کہا جائے کہ اور مدارس کے طلبہ اس قسم کے جذبات نہیں رکھتے ہین۔ کیا یہ انقلاب حقائق اور تعلیمات نبویہ کی صریح خلاف ورزی نہین ہے ع "پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمۂ وناز"، اسی طرح کے یہ ملازمین و مدرسین فقط جذبات ہی تو رکھتے ہین۔ اہل حل وعقد کی تشدد آمیز کارروائیون سے ڈر کر علانیہ حصہ تحریکات مین نہین لیتے تاہم ان کو اصل اصول فساد کہتے ہین، اصل اصول فساد حسین احمد ہے جو کہ علانیہ تحریکات مین حصہ لیتا ہے اسکو نکالنا چاہئے۔ اصل اصول فساد حضرت شیخ الہند تھے جنھون نے وہ کر دکھایا جسکو دیکھکر بڑے بڑے قومی لوگ دنگ رہ گئے۔ اصل اصول فساد حضرت نانوتوی اور ان کے رفقاء تھے جنھون نے حقیقی تابعداری آیات جہاد کی کی اور اسی جذبہ پر وفات پائی۔ حضرت شیخ الہند کے قلب مین چنگاری پیدا کر دی۔ .....

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۸ شوال سنہ ۶۱ھ

## مکتوب نمبر ۱۳۲

### یکے از ممبران مجلس شوریٰ، دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف، قوی امید ہے کہ

اب آپ بھی مع متعلقین منصوری سے واپس تشریف لے آئے ہون گے، اور صوفی جی بھی آ گئے ہوں گے، اور یہ بھی قوی امید ہے کہ سب حضرات بخیر و عافیت ہون گے، صوفی جی کی بیماری بھی جاتی رہی ہوگی، قاری اصغر علی صاحب مجھ سے جب ملنے آئے تھے تو انھون نے جناب کی ہمدردی بھرے ہوئے الفاظ اور عنایات بے غایات کا تذکرہ کیا تھا، مین اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا، اگر ضرورت پیش آئی تو آپ جیسے مربیون کا دروازہ کھٹکھٹانا ہم ناکارون کے لیے باعث شرف ہی ہوگا، پروردگار کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے خزانہ غیب سے بلا وہم و گمان تمام مصارف کا انتظام کر دیا ہے، جو نظام میں نے قرض کا بنایا تھا، اس کی ضرورت ہی نہین پڑی، اور بغیر استدعا کے تمام ضرورتیں پوری ہو گئیں، اور ہوتی جا رہی ہین، فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

یہ خبر تو جناب کو پہنچ بھی گئی ہوگی کہ اپیل مین صرف چھ ماہ کی قید محض باقی رہ گئی تھی، جرمانہ اور ایک سال کی قید جاتی رہی تھی، پھر ہم نے جلد آپ کی خدمت میں حاضری کی غرض سے اختیاری طور پر مشقت لے لی، کیونکہ اس کی وجہ سے نیک چلنی کے رمیشن کے ساتھ ڈیڑھ مہینہ کیلیے چھوٹنے کی امید ہوتی ہے، بعض حضرات کا اس کے بعد ہی ارادہ تھا کہ ہائی کورٹ میں نگرانی کر دیجائے، مگر اہل الرائے اور حافظ ابراہیم صاحب کی رائے ہوئی کہ اگرچہ فیصلہ میں جان نہین ہے اور ہائی کورٹ کی نظیرون کا تقاضا ہے کہ بالکل برأت ہو جائے، مگر اس وقت کی فضا گورنمنٹ کی پالیسی کا تقاضا یہ ہے کہ اگر برأت بھی ہو گئی تب بھی نہ رکھا جائیگا اور دفعہ ۱۲۹ کے ماتحت گرفتار کر لیا جائے گا، نیز اس کے دوران بحث مین ورکنگ کمیٹی جمعیۃ کا فیصلہ بھی یہی ہوا ہے کہ نگرانی نہ کی جائے، فضا مناسب نہیں ہے، اور حسب تجویز ورکنگ کمیٹی رہائی کے بعد سول ڈس اوبیڈینس کرنا ہوگا، پھر گرفتاری ہوگی، اس لیے ہائی کورٹ کی نگرانی کے لیے مصارف اور جد و جہد بیکار ہو جائے گی بمدت میں زیر باری ہوگی، چنانچہ معلوم ہوا

یہ کہ اپیل کے فیصلہ سے پہلے ہی دفتر جیل میں دفعہ ۱۲۹ اور دفعہ ۲۶ کے ماتحت وارنٹ بھی آ گئے تھے، اس لیے نگرانی چھوڑ دی گئی، اب اگر عارض پیش نہ آئے تو ممکن ہے کہ بقرعید کی نماز میں آپ کے سایہ میں ادا کروں، والعلم عند اللہ۔ خدا کے فضل و کرم سے نہایت آرام سے ہوں، ۹ راگست کو حافظ محمد ابراہیم صاحب زیر دفعہ ۲۶ آ گئے ہیں اور اسی طرح مولانا حفظ الرحمن صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی ایم۔ ایل۔ اے اور دوسرے اشخاص نے آ کر جیل میں جشن کی صورت پیدا کر دی ہے، دفعہ ۱۲۹ والے تو عنقریب چلے جائیں گے متعلقین سب بخیر و عافیت ہیں اور دہیں رہنا ان کا مناسب معلوم ہوتا ہے، البتہ اسعد اور فرید انشاء اللہ تعالیٰ دس بار۔ شوال تک دیوبند پہنچ جائیں گے، تاکہ تعلیمی مشاغل انجام دے سکیں۔

جو فیصلہ جناب نے ابتدائی شعبان میں امتحان کے بند کرنے اور مطبخ کو یکبارگی یکلخت موقوف کرنے اور تقریباً چالیس طلبہ کو بالکل نکال دینے اور اکثر کو بالکل سند سے محروم کر دینے وغیرہ کا کیا ہے نہایت ہی تعجب خیز ہے، اور سب سے زیادہ تعجب مجھکو آنجناب پر ہے، آپ تجربہ کار، سرد و گرم کو دیکھے ہوئے، زمانہ اور اس کی رفتار سے واقف مستقل مزاج، قوی القلب، بھاری بھرکم، معاملات کو بخوبی سمجھنے اور جانچنے والے تھے، مگر آپ نے ایسا فیصلہ کیسے کر دیا، اور اس رَو میں کس طرح بہہ گئے، نہ نتائج و عواقب پر غور فرمایا نہ زمانہ کی روش اور ماحول پر توجہ فرمائی نہ اسلاف کے طرز عمل اور دارالعلوم کی سابقہ تاریخ کو دیکھا مہتمم صاحب کا بیان اخباروں میں شائع ہوا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ نہایت سکون کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک تھے، پھر ایسا فیصلہ کیوں کیا گیا، اور اگر بالفرض کوئی شورش بھی ہوتی تب بھی ایسا نہ کرنا تھا، اسٹرائک کے زمانہ میں تو شورش نہیں ہوئی آج کیوں ہوئی ہے۔ جن طلبہ نے خواہ وہ سب کے سب ہی ہوتے نہ امتحان ترک امتحان کی تھی، ان کو سخت جواب دینا چاہیے تھا کہ ہم ...

نظام کو نہیں بدل سکتے، ہم امتحان ضرور لیں گے، جو شریک امتحان نہیں ہوگا وہ حسب قواعد دارالعلوم اس سزا کا مستحق ہوگا، جو پہلے سے مقرر چلی آتی ہے، مطبخ کی بندش کا یکبارگی اعلان اس سے جو سراسیمگی پھیل گئی، اگر یہ معاملہ انتقاماً تھا اور ظاہر یہی ہے تو جبکہ طلبہ نے تشدد آمیز کارروائی نہیں کی تھی، جو بھی ان سے اعمال ظہور پذیر ہوئے تھے، وہ امن وامان کے حدود میں رہ کر ہوئے تھے اور جبکہ وہ ان جلسون اور جلوسون کی بھی بندش چھوڑ کر بالکل سکون کی حالت مین آچکے تھے، تو پھر کیون یہ انتقام لیا گیا، اور کیون ایسی بھیانک صورت اختیار کی گئی، اور اگر بالفرض ان سے کوئی صورت تشدد اور خلاف قانون کارروائی ہوتی بھی تو دارالعلوم کو اس سے کیا واسطہ گورنمنٹ کی پاور کام کرتی۔

اور اگر بالفرض انتقاماً نہ تھی، تو معاملہ نہایت عجیب وغریب ہے، تمام ہندوستان کی یونیورسٹیون اور کالجون، اسکولوں، اور مدرسون مین باوجود انتہائی شورشون اور سخت سے سخت تشددات کے نہ ان کے کارکنون نے ایسی کارروائی کی اور نہ گورنمنٹ نے وہان اتنی مداخلت کی جتنی کہ آپ نے کی، حالانکہ دارالعلوم آزاد تھا، گورنمنٹ کا دست نگر نہ تھا، اور نہ ہے، پھر اس قدر ٹوڈیت اور اظہار وفاداری کے کیا معنی جو کہ حدود عقل سے بھی تجاوز کر گئی، کیون اس قدر گھبراہٹ آپ کو پیدا ہو گئی، کیا یہ طلبہ اس سے زیادہ کر سکتے تھے، جو بمبئی، پونہ، مدراس ناگ پور وغیرہ کے کالجون اور یونیورسٹیون کے طلبہ نے کیا، اور کیا یہ ویسا ہی کرنے یا کر سکتے ہرگز نہیں، مہتمم صاحب خود فرماتے ہیں کہ نہایت امن وسکون تھا، اور اگر بالفرض احتمال ہی کی بنا پر یہ سب ہوا تو پھر ایسا احتمال ہمیشہ ہے، مدرسہ کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیجئے، آج اور کل کا کیا اطمینان ہے، منتظمین مدرسہ کا فریضہ تھا کہ اگر ایسے واقعات پیش آتے تو روک ٹوک کرتے اور اتنی قوت نہ پاتے تو دوسری قوت متسلطہ سے مدد لیتے، نہ یہ کہ محض احتمال یا ظن پر

تمام ادارہ بند کر دیا جائے ، اور کارکنوں کو مفت کی تنخواہ شعبان و رمضان کی بانٹی جائے طلبہ تو بھوکے مانگتے پھریں اور ملازمین عزاتے پھریں ، طلبہ نے جلسے اور جلوس بے شک کیے ، ادارہ اہتمام نے روکا تو نہیں رُکے ، اس سے زیادہ اور کیا جرم ان کا تھا یا یہ کہ اس کی وجہ سے یہ دور دراز کے طلبہ دینی تعلیم سے ہمیشہ کے لیے محروم کیے جا رہے ہیں ، پھر جبکہ ملک کی عام فضا اس قدر مسموم ہو رہی ہے ، کہ وہ ملک کے نوجوان طلبہ جنکی تمام امیدیں گورنمنٹ کی غلامی پر بندھی ہوئی ہے ، وہ ملک کے لیڈران کی گرفتاری پر اپنے آپے سے باہر ہو گئے ، (حالانکہ ان لیڈروں سے ان کو کوئی خصوصی تعلق نہ تھا اور اگر تھا تو بہت دور کا تھا) اور انھوں نے جان اور دھن کی بازی لگا دی ، اور تقریباً ایک ہزار بار اس سے زیادہ پروانہ وار جان بحق ہو گئے اور کئی ہزار زخمی ہوئے ، اور اب بھی ہو رہے ہیں ، اگر ایسی صورت میں گورنمنٹ کے اس شرمناک معاملہ پر جو کہ اس نے ابتدائی طریقہ پر ان کے ایک نالائق خادم پر جاری کیے تھے ، اگر کچھ مظاہرہ کر بیٹھیں (جو کہ ہر کالج اور یونیورسٹی میں آئے دن پیش آتا رہتا ہے ، جب بھی وہاں کے اساتذہ ، مدرسین ، پرنسپل کے ساتھ کوئی ایسا سلوک پیش آتا ہے) تو وہ اسقدر موجبِ غیظ و غضب اور سزا اور انتقام کیوں قرار دیا جاتا ہے ، بیشک حکم ادارہ اہتمام نہ ماننا جرم ہے اور غلطی ہے ، مگر وہ بھی مجبور ہیں طبعی جذبات ہیں ، ان پر حسن تدبیر سے قابو کیجیے اور پھر جب کہ وہ حضرت مفتی صاحب ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور دوسرے حضرات کے سمجھانے کی وجہ سے پر امن ، مطیع و فرمانبردار ہو چکے ہیں اور با ایں ہمہ جد و جہد کو بھی چھوڑ چکے ہیں ، پھر آپ کو یہ منتقمانہ کارروائی اور اس قدر تشدد کہاں روا تھا ، یا ہے ۔

اور اگر بالفرض آپ کا انصاف اسی کو مقتضی ہے تو آپ میں سے مرحمت اور غربا پروری علوم نبویہ کے حاصل کرنے والوں کی خصوصی مراعات جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

استوصوا بھم خیراً فرماکر مہر لگا رہے ہین، کہان چلی گئی. آپ اس کو کیون بالکل بالائے طاق رکھ رہے ہین، یہ مسلمانون کے نوجوان بچے ہین، ناتجربہ کار ہین، کم عقل ہین، کیا ان کی مذہبی پرورش (جو کہ اس دور الحاد و زندقہ مین ازبس ضروری اور قابل توجہ ہے) کا یہی طریقہ رہ گیا تھا، اپنے گھرانون اور خاندانون کے نوجوان بچون کو دیکھئے. ان سے کس قدر نافرمانیان، نالائقیان آئے دن صادر ہوتی رہتی ہین، اور آپ طرح بطرح دیتے رہتے ہین، یہ بھی تو آپ ہی کے بچے ہین. ان پر ایسا نادرشاہی حکم کیون صادر فرماتے ہیں، اور ہمیشہ کے لیے علوم دینیہ اور معارف الٰہیہ سے محروم کر رہے ہین. بیشک ان کی تربیت کیجئے، سرد اور گرم معاملہ برتیے مگر نہ اس طرح جیسا کہ کر چکے ہین، اور غالباً آگے بھی کرنے کا ارادہ رکھتے ہین، کیا وہ طلبہ جنکو ہمیشہ مہمانان رسول علیہ السلام کہا جاتا تھا، اور لوگون کو چندہ اور کھانے کی ترغیب ایسے ایسے الفاظ سے دیجاتی تھی. ان کی یہی گت ہونی چاہیے، جو آپ نے مطبخ بند کرکے دو تین دن کی مہلت سے جبری حکم دیکر ان کی تمام اشیا نیلام کراکے ظاہر فرمائی ہے. ایسا انوکھا حکم نہ ہم نے کسی عربی مدرسہ مین دیکھا اور نہ سنا، نہ انگریزی مدارس مین نہ مسلمانون کی درسگاہون مین، نہ ہندؤن کی درس گاہون مین، آج ذرا آنکھیں اٹھاکر اہل بنارس کی ہندو یونیورسٹی کو دیکھ لیجئے، انھون نے کیا کیا، طلبہ نے کیا کیا، گورنمنٹ نے کیا کیا. پھر میں نہین سمجھ سکتا کہ وہ درسگاہ جو کہ تین لاکھ روپیہ سالانہ گورنمنٹ سے لیتی ہے وہ تو اسقدر بے حواس نہ ہو اور آپ اس قدر مضطرب فاقد الحواس ہو جائین، یہ کیا معاملہ ہے۔

کیا یہی طریقہ حضرت شیخ الہند کا تھا. کیا یہی طریقہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ کا تھا، کیا یہی طریقہ عام مسلم پبلک اور آپ حضرات اپنی اولادون اور چھوٹون سے برت رہے ہین، اور اگر ایسا نہین ہے تو دارالعلوم کے نادار غریب الوطن نوجوان طلبہ

کے ساتھ یہ سلوک کیوں روا رکھ رہے ہیں، معاف فرمائیں یہ کلمات مخلصانہ شکایات ہیں، معاذ اللہ آپ کے وقار اور پرسٹیج پر حملہ نہیں ہے، اگر میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں تو آئندہ کے لیے جلد سے جلد اصلاح فرمائیے، اور اگر آپ کے نزدیک میری عرائض گوز خر ہونے کے لائق ہیں تو کالائے بد بریش خاوند۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی ذمہ داری ہے، آپ بھی عند اللہ و عند الرسول جواب دہ ہوں گے۔ خلقت بھی آپ سے سوال کرے گی، اب آپ کا سالانہ اجلاس ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳ اکتوبر کو ہو رہا ہے، سوچ سمجھ کر گرد و پیش کو دیکھ کر فرائض انتظامیہ کو غور کر کے علوم دینیہ اور ان کی اہمیت اور ضرورت پر نظر ڈال کر عمل در آمد کیجیے۔ اغراض اور اپنی پچ کو چھوڑیے، محض افواہوں، اور بے تحقیق باتوں پر خاک ڈالیے، نہ صرف عدل و انصاف کو بلکہ شفقت اور رحم کو بھی ہاتھوں میں مضبوط پکڑیے، کسی شخص کی ذاتی رعایت کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو قومی اور مذہبی، علمی اور دینی ضرورت اور مفاد پر مقدم نہ کیجیے، اور وہ کام کیجیے جو کہ آپ کو کل یوم قیامت میں کام آسکے، حکومت کا خطرہ، لوگوں کی بدگوئی کا خیال، آپ کو حق و انصاف، رحمت اور الطاف سے مانع نہ آئے۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۲۶ تا ۱۳۲) یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کفر نے کبھی اسلام کے ساتھ رواداری نہیں برتی، بلکہ اسلام نے ہمیشہ اپنی ہمہ گیر وسعت سے کام لینا اپنا فریضہ سمجھا، اگرچہ ہر زمانہ میں طاغوتی قوتیں اور شیطانی فوجیں اہل حق کی راہ میں آڑے آئیں، مگر ان نفوس قدسیہ نے اپنی ہمتیں بلند رکھیں۔ اس آخر زمانہ میں جبکہ حسب ہدایت کلید ستون اسلامی اقتدار، تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کو دنیا سے مٹا دینے کی بڑی حد تک جد وجہد کی گئی تو علمار حق اور مسلمانان ہند نے اجتماعی ادارے ۱۸۵۷ء کے جاں گداز واقعات کے بعد قائم کیے، یہ ان علمار کی خداداد فراست ہی تھی کہ جس نے سارے کام چھوڑ کر علم دین کو قائم رکھنا وقت کا اہم ترین مقصد سمجھا، چنانچہ مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد و دار العلوم دیوبند

(باقی حاشیہ ص ۳۸۰ پر)

# مکتوب نمبر ۱۳۳

## جناب بابو فضل الرحمٰن خان صاحب سید ھاری اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف والانامہ مورخہ ۰۰ ذیقعدہ باعثِ سرفرازی ہوا تھا، مگر اس مدت مین اسقدر مصروفیت تھی کہ جواب نہ لکھ سکا۔ خیال تھا کہ کسی فرصت کے وقت مین لکھونگا۔ ۲۰ نومبر کی شام کو بعد از مغرب جب مین اعظم گڈھ پہنچا، تو اس ارشاد کی بنا پر جو کہ پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ ان اطراف میں جب بھی آنا ہو تو سدھاری ضرور آنا چاہیے تھوڑی مدت کے لیے ہو، اور میں نے قبول کر لیا تھا، ارادہ تھا کہ اگر ممکن ہو تو رات کو آپ کے یہان قیام کروں، اور اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو چند منٹ کے لیے حاضر ہی ہو جاؤں مگر افسوس کہ ایسے واقعات پیش آئے کہ ہر دو مین کامیابی نہ ہو سکی، آپ نے جن امور کو دریافت فرمایا ہے ان کے متعلق تفصیل تو زبانی ہی ہو سکتی ہے، مگر اس وقت اجمالی طور پر اتنا عرض کرتا ہون کہ تحریکات آزادی ہند مین ۱۹۱۴ء سے شریک ہون اور اس کو مسلمانون کا مذہبی اور انسانی فریضہ سمجھتا ہون، پہلے مین تشددانہ والی انقلاب پارٹی میں شریک تھا، اور حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز ہمارے امام تھے اور اسی سلسلہ میں ہمارا مالٹا کی اسیری کا واقعہ پیش آیا، وہان سے واپسی پر خلافت کمیٹی، جمعیۃ، کانگریس مین شرکت اور عدم تشدد کی پالیسی میں دخول ہوا۔ اسی زمانہ مین آزاد خیال ترقی پسند مسلمان لیگ سے علیحدہ ہو کر خلافت مین شریک ہوئے، اور کانگریس مین بھی رہے، کیونکہ ۱۹۱۶ء سے لیگ اور کانگریس متحد ہو چکے تھے، لیگ مین ان کے نکل جانے کی وجہ سے جان باقی نہیں رہی تھی۔ موجودہ عنادہ کا بڑا حصہ تقریباً امن سبھا کا ممبر اور گورنمنٹ کا کلمہ پڑھنے والا تھا، ہم نے اسی بنا پر کبھی لیگ کی طرف رخ

نہین کیا، انقلاب پیش آئے، خلافت کمزور پڑ گئی، بہت سے سرگرم اور آزاد خیال ترقی پسند مسلمان رفتہ رفتہ وفات پا گئے، ۱۹۳۶ء کے قریبی زمانہ مین مسٹر جناح نے لیگ کو زندہ کرنے کی کوشش کی، رجعت پسند عناصر سے تنگ آ گئے تھے اور انھون نے جمعیتہ اور احرار اور دوسری ترقی پسند جماعتون سے اتحاد و اشتراک کیا، خود مسٹر جناح نے بمبئی کرانیکل مین جون ۱۹۳۶ء مین ایک مضمون شائع کیا تھا، اور اس کا خلاصہ مدینہ بجنور مین ۵ فروری ۱۹۳۸ء مین حسب ذیل شائع ہوا تھا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۷۸) آزادی ہند کی چھاؤنی بن گئے۔ اور دار العلوم کا یہ مقصد قرار پایا کہ یہاں سے مسلمانان ہند کے نونہال روح اسلام سے سرشار ہو کر نمونۂ اسلام بنکر نکلین۔ اور مردانہ وار اعداء اللہ کا مقابلہ کرین۔ یہی مقصد بانیان دار العلوم کا ہمیشہ رہا اور اسی وجہ سے گورنمنٹ کی استعمار آگین نگاہین برابر اسکی طرف رہین، تاکہ دار العلوم کے اندرونی و بیرونی نظام مین اپنا بر گورنمنٹ کو دخل نہ تھا، مگر اسی کے ساتھ اس چیز سے انکار بھی نہین کیا جا سکتا کہ برطانوی ذہنیت اپنا کام کر رہی تھی۔ اور ان علماء حق کے رد عمل مین موقع کی متلاشی تھی، چنانچہ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت شیخ الہند ادھر مالٹا ہی کے اندر تھے کہ ادھر برطانیہ نے میدان خالی پاکر مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم مہتمم دار العلوم دیوبند کو شمس العلماء کے خطاب بلکہ خلعت فاخرہ سے سرفراز کرکے دار العلوم کی ساٹھ سالہ روایات پر تیشہ چلا دیا، راقم الحروف کو یہ روایت بطریق ثقات پہنچی ہے کہ جب شیخ الہند مالٹا سے رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھکو دار العلوم مین برطانوی سازش کی بدبو محسوس ہو رہی ہے یعنی شمس العلمائی خطاب جسکو واپس کرنا پڑا مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کے آخری دور مہتمم برقریباً ۱۳۴۵ھ مین فتنۂ انجذبی پیدا ہو گیا۔ اہتمام کی بحث نے طول کھینچا، پارٹیان قائم ہو گئیں، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ وغیرہم نے دار العلوم کو خیر باد کہا، شعبۂ صدارت جو دار العلوم کا آب رہا ہے، خیریت ہوئی اس کو حضرت امام العصر دامت برکاتہم کی غیر معمولی شخصیتؒ نے آکر سنبھال لیا اور اپنے زمانہ تک کیلئے محفوظ کر دیا، مگر سرپرستی وغیرہ کے جھگڑون نے جماعت مین تفریق اور بدمزگی پیدا کر دی، پہلے سے دار العلوم دیوبند کی موافق و مخالف دو جماعتین باوجود اتحاد عقائد قصبہ کے اندر تھی ہی، نتیجہ یہ نکلتا رہا کہ ان تمام باتون کا اثر دار العلوم پر مختلف شکلون مین پڑتا رہا، بر حضرت امام العصر کا وجود گورنمنٹ کی نظرون مین سب سے بڑا روگ تھا، اور اسی کے ساتھ کتنے مقدسین کی نگاہون میں ... امام العصر

(باقی ص ۳۸۱ پر)

(۱) مسلم لیگ کی پالیسی کا مقصد ایسے نظام کا بر روئے کار لانا ہے جس کے ماتحت ترقی پسند اور آزاد خیال مسلمانوں کے ادارے متحد ہو جائیں۔

(۲) مسلم لیگ موجودہ دستور سے بہتر ایسا دستور حاصل کرنے کے لیے جو سب کو پسند ہوگا کانگرس کا ساتھ دیگی اور حکومت پر دباؤ ڈالے گی۔

(۳) مسلم لیگ اس اصول کو برقرار رکھتی ہے کہ بطور اقلیت مسلمانوں کو کافی تحفظ حاصل ہو۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۰) کانٹوں کی طرح کھٹکتا رہا، حتی کہ دیوبند کے بعض نادان دوستوں نے اس کانٹا کو نکالنا چاہا اور گورنمنٹ کی پشت پناہی بھی ساتھ تھی۔ مگر جو وجود گرامی انقلاب سلطنت کرنے اور برطانیہ کے ڈیڑھ سو سالہ قصر استبداد کو ڈھانے کا بیڑا اٹھا چکا تھا بھلا آزادی ہند کا خاتم، ولی اللہی پرچم کو سرنگوں ہونے دیتا؟ اور کس مائی کے لال کو ہمت تھی کہ اس شیر بیشۂ استقامت کو برطانیہ کے نکلنے سے پہلے دارالعلوم سے نکال سکتا تھا، زمانہ شاہد ہے کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مشن کامیاب رہا، ساتھ ہی تاریخ اس کو بھی فراموش نہیں کر سکتی کہ جو پارٹ آخری دور غالباً ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم کے اندر ادا کیا گیا کہ چالیس سے زائد مہمانان رسول کو خارج کیا گیا۔ کھانے بند ہوئے، گھر سے خرچ منگانے کی مہلت نہیں دی گئی۔ سند دن سے محرومی کی دھمکی، خالدمیاں کی گورنمنٹ میں شکایت کر کے دفعہ ۱۰۵ کے تحت گرفتاری، طلبہ کو صفائی کا موقع نہ دینا، مطبخ کی بندش کا اعلان، امتحانات کے داخلہ میں پابندی اور حسب بیان اخبارات منجانب اہتمام "طلبہ نہایت سکون کے ساتھ علمی مشاغل میں منہمک تھے" پھر نادر شاہی حکم تو در پردہ کسی اور چیز کی غمازی کر رہا تھا "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں" مکتوبات مذکورہ کو بغور پڑھنے پر حضرت امام العصر کی یہ عبارت بھی واقعہ بنکر سامنے آجاتی ہے کہ "جو حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ حضرت مولانا اپنی قید کی مدت پوری کر کے بھی آزاد نہیں ہوں گے" سب سے بڑا ثبوت ہے۔ دارالعلوم کے اندر دا ہر کیا کھیل کھیلا جا رہا تھا اور ہمدردان دارالعلوم خود امام العصر کے مقام سے کس درجہ نابلد تھے۔ حالانکہ حافظ بہت پہلے ان ہی بزرگوں کے بارے میں فرما گئے تھے

مبین حقیر گدایان عشق را کین قوم — شہان بے کمر و خسروان بے کلہ اند

(۴) اسمبلی میں لیگ تمام قومی معاملات میں کانگرس سے تعاون کریگی اور اس کے ساتھ رہیگی۔

(۵) لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ ایسے چالاک لوگوں کو جن کا مقصد حکومت کے ماتحت عہدے حاصل کرنا ہے، اور جنھیں عوام کے حقوق، ضروریات اور مفاد کی مطلق پرواہ نہیں، سیاسی میدان سے نکالدیا جائے۔

مندرجہ بالا مضمون کی لیگ کے مینوفسٹو کی عبارت ذیل مندرجہ صفحہ ۸ پوری تائید کرتی ہے۔

مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کے قیام اور عملدرآمد سے کچھ ایسی مختلف قومیں پیدا ہوگئی ہیں، جنھوں نے اپنا اثر صوبوں میں قائم کرلیا ہے، اور ان ہی جماعتوں کے ساتھ ایسے اشخاص و افراد کی ٹولیاں بھی بن گئی ہیں جن کا مقصد و غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ صوبوں میں جہاں کہیں اور جب کبھی ممکن ہو بڑی بڑی سرکاری ملازمتوں اور محکموں پر دست درازی کریں، اور ان پر اپنا قبضہ جمائیں، یہ تجویز چونکہ گورنمنٹ کے مقاصد کے معین ہے لہذا ایسی جماعتوں کو ہر طرح کی مدد حمایت گورنمنٹ سے ملی جس سے یہ لوگ نہ صرف ملک کی اصلی ترقی و بہبود کے مزاحم ثابت ہو رہے ہیں، بلکہ سمجھدار اہل ملک کو ان کی خود غرضانہ حرکتوں سے نقصان پہنچ رہا ہے، مختصر یہ کہ یہ جماعتیں اور یہ اشخاص گویا ملک میں اپنی ایک شخصی جابرانہ حکومت قائم کیے ہوئے ہیں، اور لیگ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس جبر و استبداد کا پوری طرح انسداد بلکہ قلع قمع کیا جائے۔“

عبارتہائے مذکورہ سے آپ اندازہ کرسکیں گے کہ مسٹر جناح اور لیگ کی پالیسی اس وقت کیا تھی، اور وہ کس قدر آزادی خواہ اور ترقی پسند مسلمانوں کے قریب تر تھی، اس وقت اگرچہ وہ مکمل آزادی اور وطن کے لیے ڈائرکٹ ایکشن کے مدعی نہ تھی، مگر رجعت پسندوں اور خوشامدی لوگوں سے بالاتر تھی۔ مسٹر جناح نے ۱۹۳۶ء کے الیکشن کے لیے جمعیۃ علماء ہند سے اتحاد و تعاون چاہا، وہ زمانہ ولنگٹن کی حکومت کا تھا، اور آزادی خواہ جماعتوں کی ہر قسم کی غیر قانونی

جد و جہد پر تحت قانونی پابندیاں عاید تھیں، مسٹر جناح نے چند گھنٹہ ہم سے گفتگو کی اور درخواست پر زور دیا اور کہا کہ میں ان رجعت پسندوں سے عاجز آگیا ہوں، اور ان کو رفتہ رفتہ لیگ سے خارج کرکے صرف آزاد خیال ترقی پسند لوگوں کی جماعت بنانا چاہتا ہوں، تم لوگ اس میں داخل ہو جاؤ۔ ہم نے عرض کیا کہ اگر آپ ان لوگوں کو خارج نہ کرسکے تو کیا ہوگا تو فرمایا کہ اگر میں ایسا نہ کرسکا تو میں تم لوگوں میں آجاؤں گا۔ اور لیگ کو چھوڑ دوں گا۔ اس پر مولانا شوکت علی مرحوم اور دیگر حضرات نے اطمینان کیا اور تعاون کرنے پر تیار ہوگئے۔ چنانچہ ہم نے پورا تعاون کیا اور تقریباً پونے دو مہینہ کی رخصت بوضع تنخواہ دار العلوم سے لی اور انتہائی جد وجہد کی کہ انگریز نیشنلسٹ پارٹی اور دوسرے رجعت پسند امیدواروں کو شکست ہوئی اور تقریباً تیس یا اس سے زاید ممبر لیگ کامیاب ہوگئے۔ جس پر چودھری خلیق الزمان نے مجھکو خط میں لکھا کہ تیس برس کی مردہ لیگ کو تونے زندہ کیا۔ ہم نے لیگ کا تعارف عام مسلمانوں سے کرایا۔ اور لیگ کی آواز ہر ہر جگہ پہنچا دیا۔ اس وقت مسٹر جناح نے جمعیتہ کا تیار کیا ہوا مینو فسٹو قبول کیا۔ اور اسی کو تیج میں شائع کیا۔ جس کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ اسمبلیوں اور کونسلوں میں اگر کوئی خالص مذہبی مسئلہ پیش ہوگا تو جمعیتہ علماء ہند کی رائے کو خاص وقعت اور اہمیت دیجائے گی۔

مگر افسوس ہے کہ لیگ نے کامیاب ہونے کے بعد پہلے ہی اجلاس لکھنؤ میں اپنے عہود اور اعلانات کو توڑ دیا، اور ان رجعت پسند خوشامدی، انگریز پرست لوگوں کو لیگ پارٹی میں داخل کرنے کے خواستگار پرزور طریقہ پر ہوئے، جن کو خارج کرنیکا اعلان کیا تھا۔ اور ان کی پرزور مذمت کر رہے تھے، اور جن کے متعلق ہر شخص کو معلوم تھا کہ ہمیشہ ان کی زندگی قومی تحریکات کی مخالفت اور انگریز پرستی میں گذری ہے، ان سے وہیں کہا گیا کہ آپنے تو وعدہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو نکال دیا جائے گا، آج ان کو لیگ میں لانے

اور پارٹی میں جگہ دینے کی آپ کوشش کر رہے ہیں، تو تکرار کر کہا کہ "وہ پولیٹکل وعدے تھے"
علاوہ اس کے اور متعدد اعمال خلاف اعلان وعہود کیے، جس کی بنا پر سخت مایوسی ہوئی
اور بجز علیحدگی اور کوئی صورت سمجھ میں نہ آسکی، انھوں نے مرکزی اسمبلی میں شریعت بل
پاس نہ ہونے دیا، قاضی بل کی سخت مخالفت کی، انفساخ نکاح کے متعلق غیر مسلم حاکم
کی شرط قبول کر لیا، آرمی بل پاس کیا، وغیرہ وغیرہ

الحاصل ایسے معاملات اس دس سالہ مدت میں کئے جن سے ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ
حضرات مسلمان اور ملک کی مصالح کے لیے نہیں، بلکہ سرمایہ داروں، رجعت پسندوں، جاہ
پرستوں کے ساتھ ہمدردی اور تعاون کرنے والے ہیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے بھی
حامی اور مددگار ہیں، اور حسب تصریحات بیوفٹ گورنمنٹ بھی ان کی حامی ہے، اب آپ ہی
غور فرمائیں کہ ان کے ساتھ رہنا اور ان کی مدد کرنا کس طرح پر جائز ہے؟

ہندوؤں کے ساتھ اتحاد اور دوستی بڑھانا خود ان کے دستور اساسی کا مستقل دستور ہے،
چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دستور اساسی کے صفحہ ۳ میں دفعہ ۲ ضمن ۳ میں حسب ذیل الفاظ
ہیں: "دیگر اقوام ہند کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات اور اتحاد کو بڑھانا۔"

مذکورہ بالا احوال پر غور فرمایئے، پھر دیکھیے کہ آپ حضرات کا لیگ اور اس کے
امیدواروں کی امداد اور جمعیۃ اور مسلم پارلیمنٹری بورڈ کو ناکامیاب بنانا کس طرح صحیح
ہو سکتا ہے، نیز آپ کا کانگریس سے تنفر جیسا آپ تحریر فرما رہے ہیں کہاں تک صحیح ہے، اگر
یہ تنفر کسی خاص شخص سے اس کی غلط کاریوں کی بنا پر ہے تو وہ دوسری چیز ہے، اور اگر نفس
کانگریس اور اس کے اصولوں سے ہے تو میری سمجھ میں نہیں آیا، میں امیدوار ہوں کہ جب
کبھی ملاقات کی نوبت آئے تو آپ مجھکو واضح طور پر سمجھا دیں تاکہ میں اپنے خیالات اور

اعمال کی اصلاح کر لون،

صاحبزادہ کے متعلق جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے، اس میں بھی میری ہمیشہ سے رائے یہی رہی ہے اور اس پر عامل ہون کہ نوجوان طلبہ کو اپنی تعلیمات کو پورا کرنا چاہیے، ایام طالبعلمی مین کسی عملی سیاست مین حصہ نہ لینا چاہیے، ہان اوقات فارغہ میں علمی سیاست مین حصہ لینا صحیح اور درست ہے، صاحبزادہ صاحب نے جو وتیرہ اختیار فرمایا ہے بالکل غلط ہے، ان کو اپنی استعداد علمی کی بالفعل جد وجہد کرنی چاہیے۔ تعلیمی پروگرام پورا ہوجانے کے بعد جو چاہیں کریں ان کو اختیار ہے، علی ہذا القیاس یہ بھی آپ کا خیال بالکل صحیح ہے کہ اس مین ان ناعاقبت اندیش مصاحبون کی وجہ سے زبان درازی کی عادت ہوتی جاتی ہے جس سے آیندہ اخلاق اور اعمال سخت خطرے مین ہین،

محترما! اس کو جہانتک ممکن ہو" بالتی ہی احسن" ایسی صحبتون سے بچایئے اور صرف تعلیم اور اعمال صالحہ ضروریہ کا متعود بنایئے، یہی زمانہ اس کے سنبھالنے کا ہے، اگر اس وقت میں سنبھل گیا اقوال و اعمال، اخلاق درست ہوئے اور رہے تو مستقبل درخشان ہوگا، مولانا اصلاحی صاحب واقع مین اصلاحی، نہایت نیک طینت اور مخلص شخص ہین، جہانتک مین نے ان کا تجربہ کیا ایسی طبیعت والے مخلص، سچے، دیندار، ذی علم و عمل اس زمانہ مین کم ملتے ہین، اور ان کو آپ کے ساتھ اور آپ کے تمام خاندان کے ساتھ جو تعلق ہے، مخلصانہ ہے، وہ تو اپنے خاص اعزہ اور خاندانون کے مربیون مین بھی فی زمانا بہت کم پایا جاتا ہے، میں تو ان کی آپ کے یہان موجودگی آپ کے اور آپ کے خاندان کے لیے نعمت عظیمہ اور قابل رشک خوش قسمتی سمجھتا ہون، ناسمجھ اور ناتجربہ کار بچون کا مولانا موصوف کے منہ آنا اور گستاخی کرنا انتہائی ذلیل حرکت ہے، ایسی حرکات سے روکنا اشد ضروری ہے مبادا کہیں مولانا برداشتہ خاطر ہوکر علیحدہ ہوجائین گے تو نہ صرف ان بچون کا بلکہ آپ کے تمام خاندان اور تمام گاؤن کا نقصان عظیم ہوگا، ایسے ماحول میں بچون کو سرزنش کیجیے اور اس قسم کی

نازیبا حرکات سے سختی سے روکیے، اور مولانا پر زور ڈالیے کہ وہ متاثر نہ ہوں، مولانا کا ادب و احترام ہر چھوٹے بڑے کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اور ان کے دل و دماغ پر ذرہ برابر کدورت نہ آنے دیجیے، نیز اپنے ملازمین وغیرہ پر بھی تاکید کر دیجیے کہ مولانا کی پاسداری اور خدمتگذاری میں کسی کوتاہی کو روا نہ رکھیں، گھر میں بھی اس کی تاکید کر دیجیے،

آپ نے سید پور، کٹھیار، بھاگلپور کے واقعات کے متعلق دریافت فرمایا ہے، تو میں اڈیٹر زمزم کی پرسش پر لکھ چکا ہوں کہ وہ واقعات صحیح ہیں، مولانا ریاض الدین صاحب جنھوں نے اخبار میں اس کو شائع کیا تھا، وہ خود سید پور کے باشندہ ہیں، وہ اور ان کا لڑکا مولوی محمد صالح اس سفر میں ساتھ تھے، سونا رائی سے ساتھ واپس ہوئے تھے، ان سے تعارف مجھکو تقریباً پندرہ بیس برس سے حاصل ہے، میں سونا رائی اپنے ایک مخلص دوست آفندی، احسان الحق مرحوم کی تعزیت کے لیے گیا تھا جن کا ۱۰ شعبان میں اسی سال انتقال ہو گیا تھا، وہاں سے واپس ہوتا ہوا چند گھنٹوں کے لیے سید پور میں بعض احباب کے اصرار پر اترا تھا، وہ سفر میرا کسی سیاسی غرض یا پروپیگنڈہ کی بنا پر نہ تھا، بغیر میری اطلاع کے احباب نے جلسہ اور تقریر کا اعلان کر دیا تھا، ایسا پہلے کئی مرتبہ سید پور میں ہو چکا تھا، وہ تقریریں میری عموماً وعظ و نصیحت ہی ہوتی تھیں، مگر لیگیوں کو یہ خیال ہوا کہ اس کا یہ دورہ سیاسی پروپیگنڈہ کی بنا پر ہے، انھوں نے جو معاملہ کیا وہ نہ صرف خلاف اسلامیت تھا بلکہ خلاف انسانیت بھی تھا، مجھے افسوس ہے کہ قدرت نے اس کی پاداش سختی سے کی، میں نے کوئی بد دعا نہیں کی تھی، بلکہ اس کا خیال بھی نہیں آیا تھا، ہاں ان کی ناشائستہ اور خلاف انسانیت حرکات پر طبعی طور پر صدمہ ضرور ہوا تھا، اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم کو ہدایت عطا فرمائے، آمین آپ اس کا خیال نہ فرمائیں اور نہ کبیدہ خاطر ہوں، انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص ہمارے آقا حضرت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کی قوم نے کیا کیا نہیں کیا، ہم کیا چیز ہیں، ہم کو بھی صبر

استقلال اور دعا ان ہی کی طرح میں لانا چاہیے،

مجھکو عدیم الفرصتی اور پے درپے اسفار کی وجہ سے جواب میں تاخیر کثیر کی نوبت آئی، کئی مرتبہ سفر ہی میں جواب لکھنا شروع کیا، مگر پورا نہ کر سکا، آج بھی سفر ہی میں ذرا فرصت پالینے پر ضلع گوالپاڑہ آسام سے یہ عریضہ پورا کر رہا ہوں جس کی ابتدا تقریباً بیس روز ہوئی تھی، اہلیہ محترمہ اور صاحبزادہ صاحب اور دیگر متعلقین و احباب بالخصوص مولانا اصلاحی صاحب سے سلام مسنون عرض کر دیجئے، دعوات صالحہ اور اتباع شریعت پر مداومت رکھیے، ذکر اور تسبیحات میں غفلت نہ کیجئے۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۳) مولانا محترم۔ السلام علیکم۔ قبل اس کے کہ حضرت کی مزاج پرسی کروں یا ایکریمفرما مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی پیر بھائی کے حالات تحریر کروں، یہ عرض کرتا ہوں کہ خصوصاً سید پور بنگال اور بھاگلپور کے جھگڑے جلانے کا کیا واقعہ ہے، تاکہ ہم لوگوں کو حضرت سے معلوم کر کے یکسوئی اور تشفی ہو، دوسری گذارش یہ ہے کہ آجکل الیکشن کا ہمہ وقت ہر جگہ چرچا ہے، اور تقریباً ہر جگہ کم وبیش دو پارٹیاں ہیں، بحث مباحثہ اکثر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسرے پارٹی کے لیڈر و پیشوا کی شان میں چند لوگ برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں، اکثر ناقابل برداشت ہوتا ہے، باوجودیکہ مجھے خود کانگریس سے سخت نفرت اور اس کا سخت مخالف ہوں مگر جہاں تک تعلق حضرت کا ہے اس سے ایک انچ بھی الگ نہ ہوں اور نہ انشاء اللہ تا حشر ہو سکتا، حالانکہ میرے بڑے لڑکے کو بھی اس کے چند اسکول کے ساتھی و دوست دیگر و خاندان کے لوگوں نے باوجودیکہ اس کے سالانہ امتحان کا وقت سر پر ہے، جو بورڈ سے تعلق رکھتا ہے، گرا وٹر وغیرہ بنانے کے کاموں میں لگا دیا گیا ہے جس سے علاوہ اسکول کے وقت کے بقیہ سارا وقت اس میں جا رہا ہے جس سے میرے دیکھنے میں فی الحال نقصان تو بظاہر ایک تو تعلیم کا جو کہ مقدم، دوسرا یہ کہ لوگوں کے ساتھ میں پڑ کر بڑوں کے منہ آکر بے حیا و بے شرم ہو جانا جس سے کہ والدین تک بھی اولاد سے بیزار ہو جانا ہو جاتا ہے، باوجودیکہ وہ ایسے ماحول میں پڑ گیا ہے، اور بہت آزاد

(باقی ص ۳۸۸ پر)

# مکتوب نمبر ۱۴۴

## بابو سراج الحق خانصاحب سیدھاری، ضلع اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مزاج شریف، والا نامہ ۲۶ رمضان ۲ شوال کو موصول ہوا، یاد آوری کا شکر گذار ہوں، مولانا وحید الدین صاحب مرحوم سے بخوبی واقف ہوں، بارہا ان کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا، اس نالائق پر بہت کرمفرما تھے،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۷) طبیعت پیدائشی ہے یعنی جو اسکی سمجھ میں آگیا پھر اس سے جلدی ہٹتا نہیں۔ مگر پھر بھی میں کسی طرح پر اس جماعت مین اسکا پڑنا ہر اعتبار سے خلاف سمجھتا ہوں، اور اس سے الگ رکھنے کی کوشش کررہا ہوں، کیونکہ اسکے وجہ سے اور بہت قسم طبع لوگ اکٹھا ہوجاتے ہیں اور اکثر ایسے وقت پر میرے بڑے بھائی اور محسن مولانا اصلاحی صاحب بھی ہوتے ہیں، تو ان سے باتیں بڑھ جایا کرتی ہیں، اسمیں وہ لوگ نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کرنا شروع کرادیتے ہیں، اور اس سلسلہ میں اصلاحی صاحب کے درپئے آزار ہورہے ہیں، لہذا ایسی شکل مین جناب والا سے درخواست ہے کہ ہم خادمان کو کیا حکم ہوتا ہے، تاکہ اس کے لفظ بلفظ تعمیل کی کوشش کیجاوے۔ والسلام خادم فضل الرحمن خان سیدھاری ۲۰ ذیقعدہ ۶۴ھ

قارئین بابو فضل الرحمن صاحب کے سوال اور حضرت امام العصر دامت برکاتہم کے مفصل اور صحیح جواب کو ملاحظہ فرمائیں چاہیے تو یہ تھا کہ بابو صاحب موصوف اپنی زبان کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے امیدوار کی حمایت کرتے یا خاموش بیٹھ جاتے، کیونکہ بھلے کا سر جلا جائے گر زبان کیسے جائے، مگر بڑی دردناک داستان ہے۔

فارغ ہوکر بابو فضل الرحمن صاحب کے خط مورخہ ۲۰ ذیقعدہ ۶۴ھ کے روانہ کرنے کے وقت میرا قیام بابو صاحب موصوف کے یہاں تھا، بابو صاحب کے خط کی نقل میں نے لے لی تھی، حضرت کا جواب بھی نہ آیا تھا کہ ان کے بڑے صاحبزادے محسن اور ان کے غلط کار دوستوں کی شرارت سے تنگ آکر کچھ سامان ساتھ لیا اور کچھ بابو سراج الحق صاحب کے یہاں رکھکر مکان چلا گیا کہ تیرا اٹھا لیجاؤ ننگا ۱۲ یوم ہوئے تھے کہ بابو سراج الحق صاحب کا محبت نامہ بجناب بابو حاجی نور الہدی و بابو نور الحسن خانصاحبان پہونچا کہ

(باقی ص ۴۶۹ پر)

درباره ملوک آپ کو اوّلاً استخارہ[ف] مسنونہ سات مرتبہ کرنا چاہیے، اور اگر اس کے بعد خواب مین کوئی اشارہ کسی طرف معلوم ہو تو فبہا ورنہ اپنے رجحان قلبی کو دیکھنا چاہیے، اس کے بعد اطلاع دین، مین ایک نالائق شخص ہون، بجز حسن ظن احباب کوئی ذخیرہ نہیں ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۸) مجھ کو سدھاری آنا اور رہنا ہوگا ہم سب جمعیۃ کے ممبر اور علم دین کے قدر دان ہیں، اگر تو نہیں آیا تو حاضر ہوکر سیدہ رحمانا کر رہے گے۔ اور مذمت کو سعادت سمجھیں گے۔ وغیرہ مجبوراً چلا آیا اور جب تک سدھاری آپ اور دانہ سب رہے ہونگے۔ حضرت امام العصر کا جوابی والا نامہ میرے ہی نام آیا تھا جس کی نقل رکھ کر مین نے بابو صاحب کو بھیج دیا تھا۔ اس موقع پر ہم ایک مسئلہ صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہین جس کی تصریح حضرات صوفیہ نے فرمائی ہے کہ ارادت فعل مرید کا ہے نہ کہ پیر کا۔ اس لیے اگر پیر ناخوش ہوکر فرما دے کہ تو میرا مرید نہیں یا اور کسی بات سے ناخوش ہوجائے تو اس سے بیعت شکست نہیں ہوتی، ہاں اگر مرید انکار کردے اور ارادت قائم نہ رکھے تو بیعت فسخ ہوجاتی ہے، خوشی کی بات ہے کہ بابو فضل الرحمن صاحب نے ۱۹۳۰ء مین روانگی حج کے سلسلہ مین اپنی گذشتہ زندگی پر نادم ہوکر حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم سے اپنے تعلقات قائم کر لیے۔ مگر بعد حج بھی مذہبی حالت جیسی کی تیسی رہی، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [ف] استخارہ کے معنی خدا سے بھلائی مانگنا اور ان امور کے متعلق آگاہی پانا جو پردۂ غیب میں ہیں، اور انسان شرعاً و عقلاً کسی فیصلہ کن نتیجہ پر پہنچ نہیں سکتا ہے۔ ایسے امور مین بلاشبہ اپنے تذبذب اور تردد کے ازالہ کیلیے اللہ تعالیٰ سے مسنون طریقہ پر استخارہ کرنے کا عمل آنحضرت صلعم نے بتا دیا ہے، وہ طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز بہ نیت استخارہ الگ سے پڑھے، مگر اوقات مکروہہ میں نہیں، اور کسی خاص سورت کی تعیین بھی نہیں ہے، البتہ بعض روایتون میں قل یا اور قل ھو اللہ آیا ہے۔ نماز پڑھکر ذیل کی عبارت پڑھی جائے اور چپکے داہنی کروٹ پر سو جائیے دعا میں جہاں پر ھذا الامر آیا ہے اپنی حاجت کا نام لے یا دل میں تصور کرے، انشاء اللہ سات مرتبہ تک ضرور دل مین خدا کی طرف سے القا ہو جائے گا، یا خواب ہی میں اشارہ ہوجائے گا۔ استخارہ مباح اور خیر محض میں ہوگا، نہ کسی

(باقی ص ۳۹۰ پر)

# مکتوب نمبر ۱۳۵

حضرت مولانا نجم الدین صاحب تشریف لائے. آپ کا والانامہ بھی ملا. بابو وہاج الحق صاحب کی اہلیہ مرحومہ کی وفات حسرت آیات پر صدمہ جملہ نیازمندوں اور متعلقین کو ہونا طبعی بات ہے. اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے. اور پسماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے. آمین. مولانا سے بھتیجے صاحب کے حافظ ہو جانے اور تراویح میں قرآن شریف سنانے کا حال معلوم ہوا. اس سے بہت خوشی ہوئی. میں نہ صرف ان کے والدین اور آنجناب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، بلکہ خاندان کو مبارکباد دیتا ہوں، احادیث صحیحہ دیکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ یہ ایک عظیم الشان نعمت ہے کہ جس پر جسقدر بھی اظہار مسرت اور شکرگذاری ہو وہ کم ہے. سیدھا ری کے احوال کچھ تو والانامہ سے اور زیادہ تر مولانا کی زبانی معلوم ہوئے. دوسرے لوگوں کی غلط کاری سے صدمہ ہوا اور آپ کی استقامت اور خوش اسلوبی سے

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۹) واجب کرنے کے لیے. اور اسی طرح کسی حرام اور مکروہ کے ترک کرنے کے لیے استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے. مشہور بات ہے "در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست". سفر، تجارت اور نکاح وغیرہ کے متعلق استخارہ کیا جا سکتا ہے. حضرت امام نعصر استخارہ کرنے کا حکم اپنے معتقدین کو اکثر فرمایا کرتے ہیں، تاکہ حکم نبوی کی تعمیل بھی ہو اور برکت در وشنی آدمی کے اندر پیدا ہو. اور یہی طریقہ سلف کا بھی رہا ہے. (دعا استخارہ) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ ۔ استخارہ کی اور ترکیبیں قول الجمیل اور ضیاء القلوب میں موجود ہیں.

بہت زیادہ خوشی ہوئی، میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ کریم کارساز آپ چاروں بھائیوں اور ان کے جملہ متعلقین کو تمام آفات دنیاویہ اور اخرویہ سے محفوظ رکھتا ہوا کامیاب و بامراد بنادے اور ہمیشہ اپنی مرضیات پر چلائے، آمین۔ مولانا موصوف کا وہاں رہنا بہت ہی غنیمت، انکے اخلاص وللہیت، اعلیٰ اخلاق وسچائی کو غنیمت کبریٰ سمجھنا چاہیے، اور اس کی قدردانی سے استفادہ حاصل کرنا چاہیے جو کہ محض فضل خداوندی سے آپ کو حاصل ہوئی ہے، میں اور دوسرے بھائیوں اہل سید دھاری کے لیے بھی دعا کرتا ہوں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# مکتوب نمبر ۱۳۶

## مولانا عبدالباری صاحب قاسمی، مبارکپور اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مجھکو یہ معلوم کرکے صدمہ ہوا کہ دارالعلوم کی موجودہ گڑبڑ کی وجہ سے آپ وہاں کے چندہ بند کرا رہے ہیں، اور تمام اطراف وجوانب میں اس امر کے لیے دورہ کر رہے ہیں، میں خیال کرتا ہوں کہ یا تو آپ کو خبریں غلط پہنچائی گئی ہیں یا کچھ غلط فہمی ہوئی ہے، یا یہ خبر ہی غلط ہے، بہرحال انتظامی معاملات میں کوئی فریق غلطی پر ہو یا دونوں غلطی پر ہوں، چندہ تو تعلیم علوم دینیہ کی بنا پر ہے، وہ بحمداللہ علیٰ اکمل الوجوہ جاری ہے، زید پڑھائے یا عمرو۔ اس لیے چندہ جاری رہنا ضروری ہے، اور اس کی ساکھ میں فرق نہ آنا چاہیے، اس لیے میں امیدوار ہوں کہ اگر آپ نے اس قسم کا کوئی اقدام کیا بھی ہے تو اس سے رک جائیے، اور خود نہ جاکر وہاں بے طرف ہو کر تحقیقات کیجئے، یا میری آزادی پر موقوف رکھیے، واقعہ یہ ضرور ہے کہ اگر میں آزاد ہوتا تو غالباً یہ دلخراش انقلابات نہ پیش آتے، یہ یقینی بات ہے کہ اس میں

حکومت کا ہاتھ ہے، اور خود غرض اور غلط کار لوگ اس کے اغراض پورا کرنے کے آلات بنے ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۴۷

## مولانا شمس الدین صاحب مبارک پور اعظم گڈھ کے نام۔

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک۔ مولوی صاحب موصوف جبکہ میں ایک جلسہ کے سلسلہ میں تقریر کرنے جا رہا تھا، تو سڑک پر ملے، میں نے ان کو کہا کہ مکان پر چلیے میں ایک گھنٹہ کے بعد آؤں گا، مگر وہ وہاں نہیں گئے، اور جا کر کسی مسجد میں بھوکے سو گئے صبح مجھکو سفر کرنا تھا۔ جب یہ حال معلوم ہوا، میں نے گھر پہنچ کر دریافت کیا تھا، اور کھانے کے وقت تلاش کیا تھا، مگر پتہ نہ چلا، اب مجھے اس کا افسوس ہے، ان سے معافی طلب کرتا ہوں[۵]،

والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۴۸

## میاں جی محمد یوسف صاحب مبارک پور، ضلع اعظم گڈھ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف، آپ ذکر پر مداومت فرمائیں، اور جہاں تک ممکن ہو اپنے نفس اور قلب پر قابو رکھیں اور اگر بے قابو ہونے لگیں، تو درود شریف پڑھتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کریں، کاروبار معیشت کا

---

[۵] حضرت امام العصر کے اخلاق کا یہ ادنیٰ پر تو ہے کہ مہمان خود غلطی کر کے تکلیف کا مورد ہے اور الٹے حضرت ہی اس سے معافی چاہیں۔ اللہ اکبر یہ ہیں خلق ابراہیمی اور یہ ہیں اللہ والوں کی شفقت کہ جس کو سمجھنا اور سمجھانا دشوار ہے۔

چھوڑنا بالخصوص جبکہ والدین ماجدین پیرانہ سالی میں ہیں اور ان کو ضروریات زندگی درپیش ہیں کسی طرح قرین عقل و مروت نہیں ہے۔ ان کی تابعداری اور خدمت گذاری نہ صرف فریضہ انسانی ہے بلکہ عبادت بھی ہے۔ نماز تہجد اگر ہو سکے فبہا ورنہ فرض نہیں ہے۔ سونے سے پہلے چار رکعت پڑھ لینا اسی نیت سے مبارک امر ہے۔ سوتے وقت اواخر سورہ کہف[۵] پڑھ لینا آنکھوں کے کھل جانیکا ذریعہ ہے

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۳۹

## سید اسلم حسین صاحب رئیس نگرام۔ ضلع لکھنؤ کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس وقت میرے سامنے آپکا والانامہ محررہ ۲۹ صفر ہے

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۳۸) درود شریف کے برکات پر مستقل کتابیں موجود ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ فقرہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ وَجَدْنَا مَا وَجَدْنَا فرماتے ہیں ہم کو جو کچھ بھی ملا اسی درود شریف کی برکت سے حاصل ہوا۔ چنانچہ مشہور ہے "ہر مرض کی دوا درود شریف" ہاں یہ واضح رہے کہ درود شریف کے اثرات اسی وقت ہوتے ہیں جب پڑھنے والا پابند شریعت اور بدعت سے دور ہو ورنہ بجائے خوشنودی کے اسے آنحضرت صلعم کی خفگی اور ناراضی کا باعث ہوگا۔ پھر کہاں ٹھکانہ ہوگا۔ ۵ سورہ کہف کی آخری آیات یہ ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا۔ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ ان کو پڑھکر کہے کہ خدایا مجکو فلاں وقت جگا دیجئے۔ مجرب ہے۔

امور مسئولہ عنہا کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ فتوی اور تقوی مین فرق ہے۔ بحیثیت فتوی جو زمین مورث سے حاصل ہوئی ورثا کو آپس مین تقسیم کرنا حسب شرع ضروری ہوگا۔ اس کی تفتیش کہ مورث نے کل جائداد یا بعض جائداد جائز طریق پر حاصل کی ہے یا ناجائز طور پر ضروری نہیں ہے۔ اور اس کو حلال ہوگا کہ جو کچھ اس کا حق حصہ رسد پہنچتا ہے اس میں مالکانہ تصرف کرے۔ اگر اس کے کسی حصہ میں یا سب میں مورث ناجائز طور پر مالک ہوا تھا وہ اس کا ذمہ دار ہے۔ ہان اگر کسی مخصوص جائداد پر قطعی طریقہ پر علم ہو جائے کہ یہ جائداد حرمت صریحہ رکھنے والی ہے، کوئی صورت جواز کی نہین ہے تو البتہ وارث پر واجب ہوگا کہ مالک پر رد کر دے۔ ہمارے دیار کی موروثہ زمینون مین بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ بہنون اور بیٹیون نے اپنے حصص کو بخوشی یا بخوف بدنامی معاف کر دیا ہے۔ اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ان کے باپون اور بھائیون نے اپنے اوپر لڑکیون کے اس قدر مالی حقوق لازم کر لیے تھے جو کہ بہت مرتبہ ان کے حصص سے بھی مجموعی طور پر زیادہ ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شرعی طور پر بیٹی کو زیور، جوڑے، جہیز وغیرہ دینا اور ہر تیوہار اور ہر تقریب ولادت، ختنہ، خطبہ (منگنی) نکاح وغیرہ پر لڑکیون اور ان کی اولاد پر اخراجات عمل مین لانا شرعی حیثیت سے لازم نہیں ہے، اور دیار عربیہ میں اس پر عملدرآمد بھی نہیں ہے، بلکہ تقریباً تمام ممالک اسلامیہ مین اس کا وجود نہیں ہے، اگر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو بہت کم۔ تو متقدمین بطور حساب دوستان در دل اس کو عمل میں لاتے ہین، لڑکیان بھی اس کا احساس کرتی تھین، اور بھائیوں پر اپنے اس قسم کے حقوق لازم جان کر بزور مطالبہ کرتی تھین، اس قسم کے اور بھی بہت سے احتمالات ہین ان کے موجود ہوتے ہوئے مفتی قطعی طور پر فتوی نہیں دے سکتا کہ ہمارے اسلاف کی جائداد ین حرام محض ہیں، ہاں بحیثیت تقوی جس مین دع ما یریبك الی ما لا یریبك کا ارشاد ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ممکن درجہ تک احتیاط برتی جائے اور دختری رشتہ دارون

میں سے جو موجود ہوں یا تو ان کا حصہ حسب فرائض دیا جائے یا ان سے معافی طلب کیجائے اور
اسلاف کے لیے حسن ظن اور استغفار دونوں کو عمل میں لایا جائے ۔ والسلام
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۴۰

### مولانا محمد فہیم صاحب ، نگرام ، ضلع لکھنؤ کے نام

محترم المقام زید مجدکم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، خواب دونوں اچھے ہیں ، انشاء اللہ
فائدہ پہنچے گا ، دلائل الخیرات ، حزب البحر اور مناجات مقبول سب کی اجازت ہے جسمیں
سہولت سمجھیں پڑھیں ، تمام ادعیہ مطلوبہ کی اجابت کی دعا کرتا ہوں ،
مزار پر جاکر جو ذکر ہمیشہ کرتے ہیں اس کو کرنا چاہیے ، ان کی برکت سے اسمیں ترقی ہوگی ،
والسلام ۔ ننگ اسلاف حسین احمد ۔ از دیوبند

## مکتوب نمبر ۱۴۱

### نواسہ ساجد حسین صاحب ، محلہ میاں سرائے قصبہ سنبھل مرادآباد کے نام

محترم المقام زید مجدکم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، مبلغ ۱۲ کا منی آرڈر بھی موصول ہوا
جو کہ حسب الحکم جہاں جہاں مناسب سمجھا گیا بطور صدقہ نافلہ دیدیا گیا ، میں امیدوار ہوں کہ آئندہ
اس کے تقسیم کا ثقل مجھ پر نہ رکھیں گے ، بلکہ اپنی صوابدید سے سنبھل وغیرہ میں تقسیم کردیا کرینگے ،
جو زمین کنتا سے خریدی گئی ہے ، اس میں عشر نہیں ہے ، اگر بطور استحباب دیدیا جائے بہتر ہے
جو لگان گورنمنٹ وصول کرتی ہے وہ حربی زمین میں کافی ہے ، البتہ اگر اس کی آمدنی خواہ

غلہ ہو نقد بطورِ تجارت کام میں لائی جائے، اور اس پر سال گذر جائے تو اموالِ تجارتیہ کی زکوٰۃ کے طریقے پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ، ا/رمضان المبارک سنہ ۶۹ھ

# مکتوب نمبر ۱۴۲

## محمد منشی صاحب، شوز کوٹھی، سرائے دانشمند خان، سبزی منڈی، دہلی کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آنجناب کسی غلطی میں نہ رہیں، میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے نہیں ہوں، حضرت کی اولاد کے لوگ رامپور میں اور خود دہلی میں خانقاہ مجددیہ میں موجود ہیں، نیز میرے مرشد و آقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز ہیں، انھوں نے اگرچہ مجھکو چاروں طریقوں میں بیعت فرمایا تھا جن میں سے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ بھی ہے، مگر اصلی طریقہ اور عام تعلیم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی چشتیہ صابریہ کی تھی، بنا بریں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آنجناب حسبِ مرام کسی اور بزرگ کا قصد فرمائیں، جو کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز سے روحانی اور جسمانی دونوں نسبتیں رکھتا ہو۔ یا صرف روحانی اور متبعِ شریعت اور ماہرِ طریقت ہو، میری ظاہری معذوری تو ظاہر ہے، باطنی حیثیت بھی نہایت گندی ہے، اور پھر یہ اصلی مقصد جس کو آپ تلاش فرما رہے ہیں وہ مفقود ہے، خان محمد صاحب کی خدمتِ اقدس میں بھی بعد از سلام مسنون یہی عرض پہنچا دیجئے، یہاں اگر کوئی صاحب تشریف لائیں بھی تو ملاقات نہیں ہو سکتی، معذوری ظاہر ہے۔ والسلام

دعاگو قدیم چراغ محمد غفرلہٗ

۱۲/ جمادی الثانی سنہ ۶۳ھ

# مکتوب نمبر ۱۴۳

## مولانا محمد طیب صاحب ساکن جلیل ڈاکخانہ بارہاٹ ضلع بھاگلپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ ڈاکٹری علاج مین کوئی حرج نہین ہے، ہان اگر کسی دوا کے متعلق بالیقین یا بغلبۂ ظن یہ معلوم ہوجائے کہ وہ ناپاک اور ناجائز ہے تو اس دوا کو استعمال نہ فرمایئے، مطلق ڈاکٹری علاج مین کوئی مضائقہ نہین حضرت شیخ الہند ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب مرحوم وغیرہ کا علاج کرتے رہے ہین۔ والسلام۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

# مکتوب نمبر ۱۴۴

## مولوی عبدالحکیم صاحب مرحوم، بھاگلپور (بہار) کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کی پہلی حالت کا تغیر غالباً کسی گناہ کا نتیجہ ہے۔ جس سے استغفار کی ضرورت شدید ہے۔ اس استغفار مین اس قسم کے الفاظ ہونے چاہیے۔ اللّٰھُمَّ اغفر ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما انت اعلم بہ منی یاکریم۔ ان الفاظ کے معانی کا خیال کرتے ہوئے، علاوہ ان الفاظ استغفار کے جو آپ کے لیے بتائے گئے تھے جس قدر ممکن ہو روزانہ کرلیا کریں۔ علی الاقل سو مرتبہ تو ضرور ہوجانا کرے۔ جبکہ آپ کو ضعف دماغ تھا، اور ذکر بالجہر پر آپ قادر نہ تھے، تو اس وقت کیون نہ فرمایا کہ مین کوئی دوسرا ذکر بتاتا۔ غالباً مین نے آپ کو پاس انفاس بتایا تھا آپ اسپر عمل کرین۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۱ ذیحجہ ۵۲ھ

# مکتوب نمبر ۱۴۵

میرے محترم! اس ذلیل و خوار عالم دنیا میں اگر مستحق لذت و راحت ارباب خیر و تقویٰ ہوتے تو سب سے زیادہ منعم اور غنی اور راحت میں بسر کرنے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ ہوا کرتے، مگر ان ہی کی پاک زندگی کو دیکھئے، وہ سب سے زیادہ تکالیف شاقہ میں نظر آتے ہیں، پس ان تکالیف سے گھبرانا نہ چاہیے اور نہ حرف شکایت زبان پر لانا چاہیے بلکہ شکر کرنا چاہیے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ چیز عطا فرمائی ہے جو اپنے انبیاء اور خاص خاص اولیا کو عطا فرمائی ہے، اور باوجودیکہ اس کی قدرت میں اس مصیبت سے بڑھکر عظیم الشان مصائب تھیں مگر ان سے محفوظ رکھا، اور ایک چھوٹی مصیبت میں مبتلا کیا اور بالفرض شکر نہ کریں تو کم از کم صبر تو ضرور ہی کریں، جزع فزع شکایت شکوہ سے بچیں، دل اور زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رکھیں، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ گناہوں کی خواستگاری ملحوظ نظر رکھیں، غیر اللہ خواہ وہ زن فرزند ہی کیوں نہ ہوں، ان کو دل میں جگہ نہ دیں، دل میں جگہ اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ کو دینی چاہیے، اس کے سوا کوئی بھی دل لگانے کے قابل نہیں ہے، ہاں حقوق سب کے ادا کرتے رہیں، اور سب کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں، سب کا متکفل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

(حاشیہ مکتوب نمبر ) حضرت امام العصر دامت برکاتہم نے عجیب عارفانہ وحکیمانہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے، کہ "باوجودیکہ اس کی قدرت میں اس مصیبت سے بڑھکر عظیم الشان مصائب تھیں، مگر ان سے محفوظ رکھا اور چھوٹی مصیبت میں مبتلا کیا" اگر آدمی کی نظر اسی بات پر مستحکم ہو جائے تو مصیبت میں بھی معرفت خداوندی کے ساتھ خدا سے لگاؤ میں لطف آنے لگے اور مقام وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ میں پھر کوئی کھٹک نہ رہجائے اور ساری محبتیں عارضی ہو کر رہ جائیں۔ دوسری

# مکتوب نمبر ۱۴۵

## مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوری امام جامع مسجد منصور پور ضلع مظفر نگر کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ مراقبہ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ یعنی مسمی ذات مقدسہ بلا کیف وکم کما یلیق بشانہ مع غایۃ التعظیم والجلال قلب میں موجود ہے۔ اس میں جس درجہ ممکن ہو جد وجہد جاری رکھیے۔ ذکر اسم کو بھی اسی کا وسیلہ کیجئے ؎

ہر آں کو غافل از وے یک زمان است   ہماں دم کافر است اما نہان است

مبادا غائبی پیوستہ باشد   در اسلام بروے بستہ باشد

مراقبہ میں لذت کا محسوس ہونا بہت امید افزا ہے۔ اللھم زد فزد۔ مگر مقصد اصلی وہی ذات

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹۸) جو چیز اس امام شریعت وطریقت نے حل فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ قرب خداوندی اور خوشنودی باری کی دلیل مصائب وتکالیف کا بندہ پر آنا ہے۔ چنانچہ رنج وغم، تکلیف ومصیبت، بیماری اور فقر وفاقہ حتی کہ اللہ کی راہ میں معمولی سا کانٹا بھی چبھتا ہے، وہ بندے کے گناہوں کا کفارہ اور قرب خداوندی کا سبب ہوتا ہے۔ بقول حضرت ابراہیم خواصؒ مصائب پر صبر کرنا نام ہے کتاب وسنت پر ثابت قدمی کا اور جب یہ چیز حاصل ہو گئی تو مصیبت خود ایک بڑی نعمت بن جاتی ہے جو نادانی سے کچھ اور سمجھ لی گئی ہے اسی عام غلط فہمی کو حضرت امام العصر نے دور فرما کر ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا ہے۔ اور خدا سے اتنا قریب کر دیا ہے کہ جس طرح ذکر اور کثرت نوافل سے بندہ زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کر لیتا ہے، مصائب وآلام کے وقت ملحد اور بے دین تک کو دیکھا گیا ہے کہ آخر میں خدا ہی کو یاد کرتا ہے۔ دریاؤں میں جب گھر جاتا ہے اور خشکی میں جب بگڑ جاتا ہے تو سوائے خدا کوئی اور یاد نہیں آتا۔ آخر یہ یاد کیا چیز ہے۔ وہی نا کہ خدا، اللہ، رحمن، رحیم کی ذات یاد رکھے۔ جو ٹوٹا ہوا تھا آخر کار جڑا تو اسی سے جس سے جڑنا چاہئے تھا، اور جسکو دنیا کی کوئی طاقت اور وعظ قریب نہ کر سکا۔ اس کو مصیبت نے بالکل قریب کر دیا۔ تل کے اوٹ میں پہاڑ، اور مصیبت کے پردہ میں قرب، عجیب فلسفہ ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

فاطر السمٰوٰت والارض اور اس کی رضا ہونی چاہیے اور بس نہ لذت اور نہ کوئی مرتبۂ ولایت قطبیت وغوثیت وغیرہ

دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کن کاین ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

والدہ صاحبہ کو صبح وشام تسبیحات ستہ بتلادیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

## مکتوب نمبر ۱۴۶

### مولانا سید انظار احمد صاحب قاسمی دہلوی کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف۔ احوال معلوم ہوئے پاس انفاس کا جاری ہونا مبارک ہو۔ اس کا خیال رکھیے چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھڑے غرضکہ ہر وقت میں خیال رہے، آپ جس وقتِ خصوصی میں اس کی مشق کرتے تھے، اس میں ذکر قلبی شروع کر دیجئے۔ اس میں زبان کو حرکت نہیں دیجائیگی، نہ سانس کی طرف توجہ کیجائے گی، بلکہ قلب سے لفظ اللہ نکالا جائے گا، یعنی یہ خیال باندھا جائے گا کہ قلب جو کہ بائیں پستان سے چار انگل نیچے واقع ہے اور جہاں ہر وقت دھڑکن محسوس ہوتی ہے، یہاں سے یہ اسم مقدس نکل رہا ہے، اور اسی کو شمار کرتے جائیے، ایک مجلس میں یا چند میں، اولاً دن رات میں دو ہزار بار کیجئے، اور پھر آہستہ آہستہ بڑھا کر پانچ ہزار تک کر لیجئے، سانس کا ذکر جاری ہو تو اس کو بند نہ کیجئے، اس کو جاری ہونے دیجئے، مگر قلب کا ذکر بالخیال جاری کیجئے، اور یہ تصور سامنے رہے کہ قلب کا مقصود اور محبوب حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ بے چین ہو کر اس کو یاد کر رہا ہے، "من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ" باقی اعمال حسب دستور جاری رہیں۔ اگر

صبح سے پہلے آنکھ نہیں کھلتی ہے تو سونے سے پہلے بہ نیت تہجد جس قدر نوافل ہوسکیں پڑھ لیا کریں، وقت غنیمت سمجھیں اور ذکر میں تکاسل نہ کریں۔ ع من نکردم شما حذر بکنید۔

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ،

## مکتوب نمبر ۱۴۷

### مولانا حمید الدین صاحب سابق شیخ الحدیث ندوۃ العلما لکھنؤ کے نام

"چنانکہ سلاطین ذوی الاقتدار سماحت شعار اموال نذر و نیاز را در مخارج خاص خود صرف نمی نمایند بلکہ در مخارج سائر اہل عزت و افتخار مثل شاہزادہ ہائے عالی مقدار و امرائے کبار تجویز بدل نمی فرمایند۔ بلکہ مصارف این اموال نزد ایشان ذوی الحاجات و انعامات اند وبس ہمچنین حضرت ملک الاملاک اموال زکوٰۃ را برپیمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہ مخارج آنجناب فی الحقیقت از مخارج خاصہ حضرت رب الارباب است و بر سائر بنی ہاشم کہ علاقہ اخوت و بنوت بآن جناب می داشتند تحریم فرمودہ مصارف آن اموال از ذوی الحاجات معین نمودہ۔ پس کسانیرا کہ برایشان صدقات تحریم فرمودہ اند عزت و افتخارے حاصل شدہ کہ شکر آن ہیچ زبان ادا نمی تواند کرد اگر فقط در مقابلہ ہمین نعمت صدہا انواع عبادات و ہزارہا اقسام طاعت بجا آرند ایشان را می سزد و نسبت مقابلہ مثل این نعمت عظمیٰ بکفران و ارتکاب عصیان بکدام پایہ می رسند"[1] (صفحہ ۹۳ صراط مستقیم، ملفوظات حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ)

---

[1] عبارت صراط مستقیم کا مفہوم درج ذیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح بڑے بڑے سخاوت پیشہ بادشاہ نذر و نیاز کے مالوں کو نہ اپنے ذاتی خرچ میں لاتے اور نہ دوسرے معزز لوگوں جیسے شہزادگان اور امرا کرام پر صرف فرماتے ہیں، بلکہ ان مالوں کا مصرف ضرورت مند ہی اور انعام و اکرام ہی تک محدود رہتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کو اپنے پیغمبر اور

باقی ص ۴۰۲ پر

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، ابوعصمہ کی روایت کو تم اس زمانہ میں ترجیح دینا مناسب سمجھتے ہو ، اسماء رجال میں ابوعصمہ کو غیر معتبر شمار کیا گیا ہے، فقہا اس روایت[1] کو خود شاذ لکھتے ہیں، جو علت اس روایت کی ذکر کی گئی ہے وہ خمس سے بنی ہاشم کا محروم ہو جانا ہے، جس کا سبب بیت المال کا فساد ہے، مگر یہ تعلیل نص کے معارض ہے، نص میں اسکو اوساخ ناس کہا گیا ہے، روایات صحیحہ دیکھو، کیا محتاج سے محتاج کے لیے اوساخ کھانا کوئی صاحب عزت ومروت جائز کریگا ؟ مضطر کے لیے تو میتہ بھی حلال ہے، مگر بحث غیر مضطر میں ہے، پس یہ تعلیل جو اس فتوی کی بعض متاخرین ذکر کرتے ہیں اور خود اس روایت کی وجہ امام سے کتب میں دکھائی گئی ہے، قابل اعتماد نہیں، ہم اگر اس سے قطع نظر کریں تو بھی بنی ہاشم اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت فقر وفاقہ آج کل کے فقراء بنی ہاشم سے دنیاوی معیشت کی حیثیت سے بہت زیادہ گری ہوئی تھی ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کا چکی پیسنا جس سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۱) تمام بنی ہاشم پر صرف کرنا بسبب رشتہ آنحضرت صلعم حرام قرار دیدیا ہے، کیونکہ آنحضرت صلعم کے مصارف حقیقتاً مصرف خاص اللہ تعالیٰ کے مانند ہیں، لہذا ان امور کا صحیح مصرف حاجتمندوں کو قرار دیدیا ہے، پس جن لوگوں پر صدقات ناجائز قرار دیدیا ہے یہ عین انکی عزت افزائی کا باعث ہے جس کا شکریہ کسی زبان سے ادا نہیں ہو سکتا ۔ اگر اسی ایک نعمت کے عوض سیکڑوں عبادتیں اور طرح طرح کی نیکیاں بجا لائی جائیں تو سزاوار ہے اور اس نعمت غیر مترقبہ کے مقابلہ میں کفران نعمت اور گناہوں کے ارتکاب کا انجام بھی سوچ لیا جائے۔

[1] ابوعصمہ کی اس روایت کے متعلق علامہ بحر العلوم ارکان میں فرماتے ہیں" وقد افتی بعض المتاخرین بھذا الرأی وہذا اکبر خطاء وغلط لانہ مخالف للنصوص القاطعۃ " ۔ کیونکہ ابوعصمہ کے متعلق اسماء رجال میں بھی جرح موجود ہے، چنانچہ امام بخاری ابن معین دارقطنی ، ابوحاتم ، مسلم ، دولابی ، ابوعلی وغیرہم ذاہب الحدیث منکر الحدیث کذاب اور یضع تک کے الفاظ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں،

ہاتھون میں گھٹے پڑجاتے، پانی بھرنا جس سے کندھون پر گھٹے پڑجاتے اور اس وجہ سے خادم طلب کرنا اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو خادم نہ دینا احادیث مین مذکور ہے۔ کتاب اللقطہ مین فاقون پر گذران کرنا اور دینار لقطہ پانا وغیرہ مذکور ہے جس سے انکی تنگی معیشت کی انتہائی حالت معلوم ہوتی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پوستین پہنکر فاقہ سے تنگ ہوکر نکلنا اور یہودی کے باغ مین ایک ایک کھجور پر ڈول بھرنا وغیرہ اسقدر واقعات ہین کہ جن کو اگر دیکھا جائے کہ خود زمانہ سعادت مین آجکل کے فقر وفاقہ سے نہایت زیادہ سخت حالت بنی ہاشم کی معلوم ہوتی ہے، مگر اس وقت مین اجازت نہین دی گئی۔ اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ آج اس پر فتوی دیکر مقابلہ نصوص کیونکر کیا جائے اور ظاہر الروایات اور احادیث صحیحہ کو ترک کیا جائے اور اگر بالفرض ایسا کرنا ہی ہے تو صدقات نافلہ کی اجازت دیجانی چاہیے، اور اگر ضرورت ہی ہو تو تملیک کا طریقہ کیون نہ اختیار کیا جائے، صراط مستقیم کی عبارت کو مین اسی واسطے پیش کر رہا ہون تاکہ سمجھ مین آئے کہ کتنی عظیم الشان نعمت بارگاہ الٰہی سے بنی ہاشم کو عطا کی گئی ہے، اس کے ہوتے ہوئے ہزار فاقہ بھی تحمل کیے جاسکتے ہین، ہان اگر حالت شرعی اضطرار کو پہنچی ہو تو البتہ بمقدار اضطرار مثل میتہ اجازت ہوگی۔

ہماری مدت اسارت قاعدہ سے ۲۶ جنوری کو ختم ہونی چاہیے، مگر مین نے شقت لے لی تھی، اس بنا پر حسب قاعدہ تقریباً ایک ماہ کی تخفیف ہو سکتی ہے یعنی ۲۶ دسمبر تک چھوٹ سکتا ہوں، مگر دوران اپیل مین پہلے دفعہ ۱۲۹ آگئی تھی اور پھر دفعہ ۲۶ سے بدلی گئی یہ دونون نظربندی کی ہین، پہلی فقط مقامی حکومت کے زیر حکم ہوتی ہے جس میں دو مہینہ تک نظربند کیا جاسکتا ہے، اور دفعہ ۲۶ گورنمنٹ آف انڈیا کے زیر حکم ہوتی ہے جسمیں جنگ کے

اختتام تک نظر بند رکھا جا سکتا ہے عموماً کانگریسیوں کی دفعہ یہی ہے اس بناپر نہیں کہا سکتا کہ کب رہائی ہو گی۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

## مکتوب نمبر ۱۴۸

## مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب صدر القراء دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے مندرجہ ذیل کلمات صدمہ کے باعث ہوئے۔

"یہ غلام ناکارہ جو کہ حضرت کی خدمت سے باوجود اس علم کے کہ حضرت والا کی خدمت اس نالائق پر فرض و باعث فلاح دارین ہے، یکسر عاری ہے، بمد خداوندی دس روپے کی نہایت حقیر رقم حضرت والا کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے، اور نادم ہے کہ خدمت پیرا در باین رقم حقیر اور اپنے حال پر افسوس کرتا ہے"۔ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ تعلقات بین المرید والمرشد خدمات مالیہ کے لیے ہیں جن میں زیادہ سے زیادہ قربانی کی ضرورت ہے، حالانکہ یہ بالکل خلاف ہے، اگر آپ کا یہی خیال ہو تو نہایت افسوس کی بات ہے، اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو ان مشائخ کے لیے ہو سکتا ہے جو کہ محض توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور ذرائع معاش سے خالی ہوں، نہ کہ اس شخص کے لیے جو کہ ننگ دنیا ہو، علوم دینیہ پر اجرت لیتا ہو، اور اجرت بھی اتنی بڑی جو کہ تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار ہوتی ہے، ایسے شخص کو مرشد بنانا ہی غلط ہے، کاش آپ بجائے اس کے اپنے ذکر و شغل کی بلند حالتیں ذکر فرماتے تو بہت خوشی کی بات

ہوتی، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں ۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۲۵ رمضان ۱۳۶۹ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۴۸) امام العصر دامت فیوضہم کا یہ والانامہ بھی اپنے اندر غیر معمولی معنویت رکھتا ہے، اور عہد حاضر کے دکاندار اور پیری مریدی کا ڈھونگ چلانے والے دلالوں اور مکاروں پر ایک شدید تازیانہ ہے، جو نہ علم دین اتنا جانتے کہ مدارس دینیہ میں اس کی خدمت کر سکیں اور نہ علم دنیا کہ اسکولوں اور کالجوں میں پیٹ پالیں، ان کی شان دھوبی کے اس کتا کی ہے جو نہ گھر کا اور نہ گھاٹ کا۔ باقی صحیح توکل، قناعت اور ایثار کی زندگی، سادگی اور بے نفسی، علم و عمل میں جامعیت اور کمال حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا پیکر، خُلق نبوی کی جیتی جاگتی تصویر، اعلاء کلمۃ الحق اور حریت جہاد میں سلف کا کامل ترین نمونہ، جو سچے مشائخ اور شیخ کامل کی علامت و پہچان ہے، حضرت امام العصر کے سوا ان کے معاصرین میں من کل الوجوہ کس پر یہ تعریف صادق آتی رہی ہے؟ مگر زمانہ کی ستم ظریفی کہ دنیاوی کاموں اور جسمانی امراض کے لیے اپنے مقدور بھر اچھے وکیل و مختار اور تجربہ کار طبیب و ڈاکٹر کی تلاش ہوتی ہے اور اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور پھر آنکھ بند کر کے اس کو آمنا و صدقنا کہا جاتا ہے لیکن طبیب روحانی کے لیے اچھے مشائخ اور کامل مرد کے ہوتے ہوئے تھرڈ کلاس کے نام نہاد جن کا مبلغ علم اردو کی کتابوں ہی تک محدود ہے اور عربی کی اتنی استعداد نہیں کہ متقدمین صوفیہ کی کتابوں کو سمجھ سکیں، عربی بولنا اور لکھنا تو ان کی اس زندگی میں ممکن ہی نہیں، سو اگر ایسوں کو پیر بنایا گیا تو یقیناً وہی حشر ہوگا جو مشہور ہے "نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان"۔ پیر کی تلاش کے واقعات فارسی تذکرون وغیرہ میں بہت سے موجود ہیں، ممکن ہے لوگوں کو فرصت نہ ملے اس لیے ہم ایک زبردست اور ثقہ شہادت خود الحمدللہ پیر اور مرید دونوں بقید حیات ہیں اور خدا کرے تا دیر باقی و قائم رہیں اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں تاکہ عبرت کے ساتھ بصیرت بھی ہو، وہو ہذا:

عمدۃ القراء مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کے والد بزرگوار سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی دامت برکاتہم کو خاص تعلق تھا، اس لیے حضرت مدنی کا آنا جانا بھی ہوا کرتا تھا، قاری حفظ الرحمٰن صاحب کو بھی اس تقریب سے تعلق تھا، مگر وہ عقیدت کے درجہ تک نہ تھا۔ اور حضرت کے علم و اخلاق کے اعتراف کے باوجود سیاسی

(باقی ص ۴۰۶ پر)

## مکتوب نمبر ۴۹

## مولانا عزیز الرحمن صاحب علیم آباد ڈمرولی ضلع دربھنگہ ڈاکخانہ مکتول کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا ، اور جماعت پنجگانہ کی پابندی اور اس میں چستی باعث فرحت وسرور ہوئی ۔ اللھم زد فزد ۔ خطرات اور وساوس قلبیہ اور احادیث نفس طبعی امور ہیں ۔ شیطان اس میں بہت غلو رکھتا ہے ، کثرت ذکر اور قلبی توجہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۵) مشاغل زیر کنٹرول عیینی حدود کے اندر رہا کرتی تھی ، چونکہ مزاج میں آزادی تھی ، اس لیے دار العلوم میں رہتے ہوئے بھی اکابر کی خدمت میں حاضری کا بہت کم اتفاق ہوتا تھا ، اور اصلاح نفس کا خیال تو آتا ہی نہ تھا ، چند سال بعد پیر کی تلاش کا جذبہ دل میں پیدا ہوا ، مگر کسی بزرگ کی جانب طبیعت کا میلان نہیں ہوا ، اصل ہادی خدا کو یقین کر کے اپنے طیر پرواز کا رشروع کر دیے اور راتوں کو نفلوں میں یہ دعا کرنے لگے ۔ کہ اے اللہ ! اگر بلا مرشد کے میرے حال کی اصلاح ہو جائے تو مرشد کی ضرورت نہیں اور اگر مرشد کی ضرورت تو میرے لیے سمجھتا ہے تو پھر میرے لیے ایسے مرشد کا انتظام فرما جو کہ رشد و ہدایت اور علو مرتبت میں تمام عالم کے اندر فائق ہو ۔ یہ دعا تقریباً آٹھ سال جاری رہی جس وقت حضرت مولانا مدنی جیل میں تھے ، ایک رات خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگ کر قاری صاحب سو گئے ۔ خواب میں کیا دیکھا کہ موصوف مع اپنی اہلیہ کے کسی غیر معلوم جگہ سفر فرما رہے ہیں ، اتفاقاً وہ جگہ مدینہ منورہ تھی ، موصوف نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا ضروری ہے ، پھر بلند آواز سے کسی اور کے درود شریف پڑھنے کی آواز سنائی دی ۔ چنانچہ جوں ہی پردہ کے قریب پہنچے آنحضرت صلعم بلا اطلاع تشریف لائے اور اپنے سینۂ مبارک سے چمٹا لیا ۔ قاری صاحب پر گریہ طاری تھا ، اور یہ درود اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما تحب او ترضی دس مرتبہ کے بعد نماز کا وہ دو بھی ایک مرتبہ جاری تھا ، خواب کا یہ سلسلہ ایک گھنٹہ سے زائد تھا ، موذن نے فجر کی اذان دی اور آنکھ کھل گئی ، دل نے دعا کی قبولیت پر گواہی ثبت کی کہ انشاء اللہ رہبر کامل عنایت کیا جائے گا ۔

(باقی ص ۴۰۷ پر)

دل معانی الذکر اس کے دفعیہ کے لیے تریاق ہیں۔ ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطاناً فھو لہ قرین۔ بہرحال ذکر پر مداومت کیجیے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۶) دوسرا خواب یہ دیکھنے میں آیا کہ اس پہلے خواب کے تین دن بعد جمعہ کا دن تھا، سب سے پہلے جامع مسجد میں قاری صاحب موصوف داخل ہوئے، کیا دیکھا کہ وسط صحن میں ایک بڑا تخت ہے اور اس پر مولانا مدنی کلام مجید تلاوت فرما رہے ہیں، دیکھتے ہی حضرت مولانا بعد روح کھڑے ہوگئے، قاری صاحب بھی جلدی سے آگے بڑھے، حضرت مولانا مدنی نے اپنے سے چمٹا لیا اور وہی کیفیت پیدا ہوگئی جو کہ پہلے خواب میں مذکور ہوئی، پھر آنکھ کھل گئی اور دل نے حقیقی طور پر محسوس کیا کہ تمام شرائط کے مطابق بیعت فرمایا گیا، اور یہ سلسلہ رویائے صالحہ ایک دو روز کے وقفہ کیساتھ جاری رہا، آنکھیں کھل گئیں اور اب جذبۂ شوق کی بے پایانی حیطۂ تقریر و تحریر سے باہر ہے۔ اسوقت مولانا مدنی اسلام مرتبہ کیلیے نینی جیل میں تھے، اس لیے حضرت کے خادم خاص کو اپنے حصول بیعت کیلیے قاری صاحب نے وسیلہ بنایا جنھوں نے خط لکھا اور شدید انتظار کے بعد جو جواب حضرت امام العصر سے شرف صدور ہوا یہ تھا کہ اس سے کہدو کہ کوئی کامل پیر تلاش کرلے میرے پاس کیا رکھا ہے، اس جواب سے خرمن امید پر بجلی گر گئی، پھر درخواست دی کہ معافی کا خواستگار ہوں بیعت فرمائی جائے، جواب آیا جیل سے بیعت نہیں ہوسکتی۔"

پھر تیسرا خواب قاری صاحب نے یہ دیکھا کہ ایک کمرے میں سوئے ہوئے ہیں جسمیں قدآدم تختے جڑے ہوئے ہیں، ایک رکعت نماز ادا کرکے دوسری رکعت کیلیے اٹھے کہ پاؤں کے نیچے کا ایک تختہ ٹوٹ گیا۔ اس میں گر کر گردن ایسی پھنسی کہ نکلنا دشوار تھا، دفعتہً ایک بزرگ نے آکر سنبھال دیا، نماز پوری کرلی تو دیکھا کہ وہ حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی تھے، نظر پڑتے ہی حضرت نے تیز لہجہ میں فرمایا چلو بیعت ہو۔ چنانچہ حضرت نے قاری صاحب کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لیکر بیعت فرمایا۔ پھر ارشاد ہوا کہ کچھ بیان کرو، ایک بڑے مجمع کے سامنے قاری صاحب نے زبردست تقریر شروع کردی، اور ان تمام باتوں کی تردید بھی کرتے جاتے تھے جو بعض ناعاقبت اندیش بربنائے تعصب وجہالت کیا کرتے ہیں، تقریر کا یہ سلسلہ تقریباً دو گھنٹہ رہا، اور پھر آنکھ کھل گئی، تمام حجابات اٹھ گئے چنانچہ سب سے اشرف وارفع پیر کی تصدیق خانۂ دل میں جاگزیں ہوگئی، فللہ الحمد والمنۃ۔ اس باطنی بیعت کے بعد ظاہری بیعت بھی ۲۴ رمضان المبارک ۶۳ھ یوم پنجشنبہ ۹ بجے دن دیوبند آستانۂ مدنی پر حاصل ہوئی جبکہ حضرت والا جیل سے تشریف لائے تھے۔ (باقی ص ۴۰۸ پر)

علاوہ ان تسبیحات ستہ[ل] کے پاس انفاس کیجئے یعنی محض سانس کے ساتھ بغیر حرکت زبان و حرکت ہونٹھ بلا آواز یہ ذکر آئندہ ہوا کرے یعنی جو سانس اندر داخل ہو اس کو اس طرح کھینچے کہ لفظ اللہ پیدا ہو، اور جو سانس باہر نکلتا ہے اس طرح نکالیے کہ لفظ ھُو پیدا ہو، زبان کو اس وقت میں تالو سے لگا لیا کیجئے تاکہ اس میں حرکت نہ ہو، سانس حسب عادت نہ تیز نہ زور زور ہو کہ کوئی سن لے اور نہ جلدی جلدی ہو، روزانہ با وضو قبلہ رو مسجد میں یا مکان میں علٰحدہ بیٹھکر تقریباً ایک گھنٹہ اس ذکر کو کیا کیجئے، جو وقت مناسب اور فرصت کا ہو اس کو معین کر لیجئے، اور برابر اس پر مداومت رکھیے، اگر اس وقت پر کسی روز مجبوراً نہ کر سکیں تو اس روز کسی دوسرے وقت میں حتی کہ پائخانہ پیشاب کرتے ہوئے بھی سانس کو اسی طرح جاری رکھیے تاآنکہ عادت ہو جائے اور بغیر قصد ہونے لگے، کثرت اوراد مبتدی کیلیے مفید نہیں، اس کو تو ذکر کی کثرت کرنی ازبس ضروری ہے۔ والسلام

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۷) قاری حفظ الرحمن صاحب محترم کا خواب میں آنحضرت صلعم کی زیارت سے اس طرح مشرف ہونا زہے قسمت۔ یہ خواب حق ہے، صحاح میں یہ روایت موجود ہے "من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطن لا یتمثل بی" (او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) یعنی آنحضرت صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے مجھکو خواب میں دیکھا گویا اس نے مجھی کو دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا، قاری صاحب موصوف کی طلب صادق قدم صدق کا پیش خیمہ ہوئی، اور آٹھ سالہ پیر کی تلاش ٹھکانے لگی، اور واقعی ایسا پیر عنایت کیا گیا کہ جو خانہ ساز سکہ نہیں کہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو، بلکہ ایسا سکہ جس پر شاہی مہر ثبت ہو چکی ہو سه

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

[ل] تسبیحات ستہ یہ ہیں جو بعد نماز فجر و بعد نماز مغرب پڑھی جاتی ہیں، سبحان اللہ سو بار، الحمد للہ سو بار، لا الٰہ الا اللہ سو بار، اللہ اکبر سو بار، استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ سو بار، اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و صحبہ و بارک و سلم کما تحب و ترضی و عدد ما تحب و ترضی سو بار

میں ہر منزل کے ساتھ اسماء حسنہ اور اسماء جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں ہیں، بلکہ صرف دو شنبہ کی منزل میں ہیں،

ترمذی شریف جلد ثانی کتاب الدعوات میں قرآن شریف کے حفظ ہونے کی ایک نماز اور دعا ذکر کی گئی ہے[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی شکایت کی تھی اس پر آپ نے یہ طریقہ بتلایا تھا، اس سے ان کو بہت فائدہ ہوا، شراح حدیث اس پر اپنا تجربہ ذکر فرماتے ہیں اس پر آپ بھی عمل کریں۔ والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۴ رجب ۵۹ھ

[1] حفظ قرآن مجید کی نماز اور دعا یہ ہے کہ جمعرات کی آخر رات کی تہائی یا وسط یا اس رات کے اول میں چار رکعت نماز اس طرح پر ادا کیجائے کہ پہلی رکعت میں بعد سورہ فاتحہ، سورہ یٰسین اور دوسری میں بعد فاتحہ سورہ حٰم الدخان اور تیسری میں بعد فاتحہ سورہ الم تنزیل السجدہ، اور چوتھی میں بعد فاتحہ سورہ تبارک المفصل پڑھی جائیں۔ پھر تشہد پڑھ کر خدا کی ثناء وصفت اور درود شریف پھر تمام انبیاء و مومن اور مومنہ اور ان بھائیوں کیلئے جو گذر گئے ہیں بخشش طلب کیجائے، بعد سلام یا نماز ہی کے اندر یہ دعا پورے اطمینان وسکون کے ساتھ پڑھی جاوے، اللھم ارحمنی بترک المعاصی ابدا ما ابقیتنی وارحمنی ان اتکلف مالا یعنینی وارزقنی حسن النظر فیما یرضیک عنی اللھم بدیع السموٰت والارض ذالجلال والاکرام والعزۃ التی لاترام اسئالک یا اللہ یا رحمٰن بجلالک ونور وجھک ان تلزم قلبی حفظ کتابک کما علمتنی وارزقنی ان اقرأہ علی النحو الذی یرضیک عنی اللھم بدیع السموٰت والارض ذالجلال والاکرام والعزۃ التی لاترام اسئالک یا اللہ یا رحمٰن بجلالک ونور وجھک ان تنور بکتابک بصری وان تطلق بہ لسانی وان تفرج بہ عن قلبی وان تشرح بہ صدری وان تغسل بہ بدنی لایعیننی علی الحق غیرک ولا یؤتیہ الا انت ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ حضرت ابن عباسؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچ یا سات جمعرات کے بعد آنحضرت صلعم کی خدمت میں تشریف لا کر بیان کیا کہ اس نماز اور دعا کے پہلے میں ۴ آیات بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا، اور دل سے جاتی رہتی تھیں، اور اب مجمد اللہ چالیس کے قریب سیکھتا ہوں اور وہ اس طرح دل میں محفوظ ہو جاتی ہیں گویا قرآن میرے سامنے کھلا رکھا ہے اور یہی حال احادیث کا بھی تھا اور ہے، آنحضرت صلعم نے سنکر فرمایا اے ابوالحسن تو مومن ہے رب کعبہ کی قسم۔

# مکتوب نمبر ۱۵۰

بیں میں جواب لکھ رہا ہوں پاس انفاس پر مداومت کیجئے تا آنکہ طبیعت ثانیہ ہو جائے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے لیٹتے غرضکہ ہر حال میں خواہ وضو ہو یا نہ ہو۔ بدن میں لرزہ پیدا ہونا بہترین علامت ہے نیز دنیا اور اہل دنیا سے بے رغبتی اور نفرت بھی عمدہ بات ہے، اللھم زد فزد۔ اپنے آپ کو ریل یا کسی دوسری تیز سواری پر دیکھنا بھی عمدہ بات ہے، ہرگز ہرگز ذکر میں کمی نہ کیجئے اور جس قدر بھی زیادتی اور مداومت ہو سکے غنیمت سمجھیے ؎

| | |
|---|---|
| ہر نفس بہرت مسیحا ست چست | گر نداری پاس او از جہل تست |
| این چنین انفاس خوش ضایع مکن | غفلت اندر شہر جان شایع مکن |
| دیگرے چیزیا د دوست ہر چہ کنی عمر ضایع است | جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است |
| سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق | علمیکہ راہ حق نہ نماید جہالت است |

اے عزیز! عمر عزیز کا لمحہ لمحہ غنیمت ہے، اور جواہرات بے بہا سے زیادہ قیمتی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی میں خرچ کیجئے، الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاھا عند ملیککم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذھب والفضۃ وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم ویضربوا اعناقکم قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال ذکر اللہ۔ (الحدیث) اس سے غافل ہرگز مت ہوجئے ع من نہ کردم شما حذر بکنید۔

چونکہ قرآن شریف پر جو آفت آئی اس سے صدمہ ہوا، مگر مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں مقویات استعمال کیجئے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا، میں دعا کرتا ہوں، مدرسہ کے لیے دعا کیجئے، اگر ہو سکے تو یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع، روزانہ بعد عشاء بارہ سو بار ہر مرتبہ اول آخر درود شریف ۱۱ مرتبہ پڑھ کر دعا کیجئے، اگر گھر جانا اور کاشتکاری کرنا بعد از استخارہ سات مرتبہ مرغوب طبع ہو تو اسی کو

اختیار کیجئے، دیہات میں جمعہ نہیں ہوتا۔ اگر اختلاف اور فسادات رونما ہوں تو پڑھ لیا کیجئے، مگر پڑھایئے ہرگز نہیں اور ان کو کہہ دیجئے کہ حضرت ابوحنیفہؒ کے یہاں جمعہ دیہات میں نہیں ہوتا اس لیے میں نہیں پڑھاؤں گا، اختلافات اور فسادات کی بنا پر میں تمھارے ساتھ پڑھ لیتا ہوں اور اوراد وظائف دوسرے درکار نہیں ہیں، ذکر پاس انفاس جب جاری ہوجائے گا تو آگے بڑھائے جائیں گے، والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

[1] جمعہ فی القریٰ کے بارے میں حنفیہ کے تین گروہ ہیں، ایک مطلقاً دیہات میں جمعہ پڑھنے کو ناجائز بتاتا ہے، دوسرا گروہ مصر اور قریہ کی تفریق کرتا ہے، تیسرا گروہ مطلقاً جواز کا قائل ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ ص ۵۲۳ میں فرماتے ہیں: فی مجمع الانہر انہ جائز مطلقا فی زماننا لانہ وقع فی تاریخ خمس واربعین وتسعمأۃ اذن عام وعلیہ الفتوی۔ ترجمہ: ہمارے زمانہ میں جمعہ (گاؤں کے اندر پڑھنا) مطلقاً جائز ہے، کیونکہ ۹۴۵ھ ہجری میں اذن عام ہوگیا ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔ امام تاج الشریعۃ فیصلہ کرتے ہیں مالا یسع اکبر مساجدہ اہلہ مصر (شرح وقایہ) مفہوم یہ ہے کہ جہاں کی سب سے بڑی مسجد میں اگر وہاں کے تمام لوگ، داخل ہوجائیں تو گنجائش نہ رہے، وہ بھی مصر کے حکم میں ہے، یہی تعریف حنفیہ کے نزدیک مختار تعریف ہے، کیونکہ مصر اور سلطان کی قید احتیاطی ہے نہ کہ شرعی۔ حضرت شاہ ولی اللہ مصفی میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ دو رکعت است در وقت ظہر با جماعت عظیمہ از مسلمین در قریہ یا در شہر، دوسری جگہ لکھتے ہیں "ظاہر آنست کہ در دیہے اگر دون اربعین جمعہ خوانند نماز ایشان صحیح باشد و متخلفان آثم شوند ..... (مصفی) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فیوض قاسمیہ میں فرماتے ہیں کہ "اگر کسے در دیہے جمعہ قائم کند دست گیر بیانش نہ زنند" حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی مجموعہ مکتوب قلمی نمبر ۲۴ میں فرماتے ہیں "جمعہ فرض ہونا قطعی اور شروط اختلافی ہیں، ایسی جائے احتیاط دشوار ہے، علماء حنفیہ نے اس مسئلہ میں تقلید ائمہ باقی کی کی ہے، البتہ علماء دیوبند دیہاتوں میں جمعہ نہیں پڑھتے ہیں جیسا کہ حضرت امام العصر نے فتوی دیا ہے۔ دلائل دونوں جانب ہیں اور سب حق پر ہیں۔

# مکتوب نمبر ۱۵۱

## مولانا فخر الدین صاحب ضلع گیا کے نام

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بہت سے قریب[1] رہنے والے ناکام رہتے ہیں، اور دور کے بسنے والے مثل اویس قرنی رضی اللہ عنہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اپنی تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیاں جو کچھ آپنے ذکر فرمائی ہیں، بہت زیادہ امید افزا ہیں، اوقات ذکر کے علاوہ جس قدر بھی آپ اس میں سرگرمی رکھیں، بہتر اور مفید ہے۔ یقیناً فتنۂ خاکساری بہت بڑا فتنہ ہے، جو کہ عسکریت کے روپ کی بنا پر قلوب کو جذب کرتا ہے، اور ان میں انگریزی غلامی کا زہر حلول کرتا ہے، اس کے سامنے کوئی صحیح نصب العین موجود نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جائے، اس کے مٹانے میں جس قدر بھی حصہ لیا جائے ازبس ضروری ہے، اور چونکہ وہ عسکریت قوت و نظام بھی کم و بیش پیدا کر رہا ہے اسلیے آیندہ چلکر شریعت کیلیے اس سے زیادہ نقصان رسان ثابت ہوگا۔ جتنا کہ انگریزی اسکول، کالج، یونیورسٹی کلچر وغیرہ ثابت ہوا، اسکو ابھرنے دینا سخت غلطی ہے، والسلام

| | |
|---|---|
| جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است | جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است |
| سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق | علمیکہ راہ حق ننماید جہالت است |

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

---

[1] اللہ والوں کی صحبت پر کتاب وسنت وآثار است کافی سے زیادہ موجود ہیں کہ مؤثر ہوتی ہیں، ھم الجلساء ولا یشقی جلیسھم یعنی اللہ والے ایسے لوگ ہیں جنکا ہم صحبت بدبخت نہیں ہوتا۔ محض بیعت بھی کوئی چیز نہیں، جبتک کہ افادہ واستفادہ طرفین سے نہ ہو اور یہ اعتقاد رکھے کہ مجھکو جو کچھ دینی فائدہ ہوگا اسی شیخ سے ہوگا۔ اعتراض ونکتہ چینی اس راہ میں سم قاتل ہیں، خدمت مد نظر ہو نہ کہ حاشیہ نشینی۔ حضرت منصور مغربی سے لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت ابو عثمان مغربی کی صحبت میں کتنے زمانہ تک رہے

# مکتوب نمبر ۱۵۲

## جناب مجتبیٰ حسین صاحب جہان آباد پرائے بریلی (اودھ) کے نام

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف۔ والانامہ ریل کی روانگی کے بعد میں نے دیکھا، افسوس کہ وہاں اتنی فرصت نہ مل سکی کہ آپ سے باتیں کرتا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر شئے کے لیے دو چیزیں ہیں ایک اسم دوسرا مسمیٰ، حقیقی کمالات مسمیٰ یعنی ذات اور شخص میں ہیں جن کا نام مثلاً عبداللہ ہے، اس کو مسمیٰ کہا جاتا ہے، وہی قوت رکھنے والا اور وہی سننے والا ہے، اسم یعنی نام میں دراصل کوئی کمال اور قوت نہیں ہے، مگر مسمیٰ کی طاقت کا اثر اسم میں کم و بیش آتا ہے، شہنشاہ کا نام بھی اگر لے لیا جاتا ہے تو لوگ کانپ اٹھتے ہیں، اگر مجمع میں کہدیا جاتا ہے کہ فلاں صاحب نواب صاحب کے ندیم یا غلام یا بیٹے ہیں، تو لوگ مرعوب ہوجاتے ہیں اور اس نام کی وجہ سے تعظیم و تکریم کرنے لگتے ہیں، مگر حقیقت میں یہ بھی اثر مسمیٰ ہی کا ہوتا ہے، مثل مشہور ہے کہ فلاں بادشاہ یا فلاں حاکم کا نام حکومت کرتا ہے، الغرض نام اور اسم میں بھی تاثیر اور قوت ہوتی ہے، مگر بہ نسبت مسمیٰ کے بہت کم ہوتی ہے اور مسمیٰ ہی سے آتی ہے، لفظ اللہ یا رحمٰن یا رحیم وغیرہ جناب باری تعالیٰ کے نام ہیں، ان ناموں میں بھی قوت اور تاثیر ہے۔ ان ناموں کی بھی تقدیس اور تنزیہہ اور ذکر کا حکم کیا گیا ہے، ان ناموں کو زبان سے یا دل سے یا سانس سے یاد کرنا، بار بار لینا اثر پیدا کرتا ہے، اور مسمیٰ کی طرف کھینچتا بھی ہے، مگر

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۲) تیز نظر کیساتھ فرمایا کہ میں صحبت میں نہیں تھا بلکہ خدمت میں تھا۔ بسا اوقات صحبت بھی غیر موثر ہوتی ہے اور دوری و بعد قرب کا سبب بنجاتا ہے جیسا کہ حضرت امام العصر کی تحقیق ہے، قرب دیکرا اگر دل مخلوق کیساتھ ہے تو یہ قرب، س بعد سے بدتر ہے جو دوری رکھ کر محبوب حقیقی سے ملکر رہے اور یہی وہ چیز ہے جسکو حکیم سنائی نے فرمایا ہے ع گر نفہ جینیاں احرام دگی خفتہ در بطحا۔

حقیقی کمالات لفظ اللہ اور رحمان وغیرہ کے مسمیٰ میں ہیں جو کہ بیچون وبیچگون ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں لیس کمثلہ شئی وہ نور ہے، نار سے پاک ہے، نور ونار اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں وہ جسم اور مادہ صورت اور شکل، رنگت اور روپ سب سے منزہ ہے، یہ سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، وہ مکان اور زمان۔ جہت اور جانب، دائیں بائیں، آگے پیچھے، آسمان وزمین سب سے منزہ اور بلند ہے، یہ سب چیزیں محدودات کے لیے ہیں، اجسام کے لیے ہیں، وہ لامحدود اور غیر مجسم ہے، یہ چیزیں کمزوری کی وجہ سے ہیں، وہ ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک اور اعلیٰ ہے وہ سب جگہ ہے، اور کسی جگہ مقید نہیں ہے، وہ سب کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے، اور کوئی اسکا احاطہ نہیں کر سکتا۔ وہ سب سے قوی تر اور بلند ہے، کوئی اس جیسی قدرت اور بلندی نہیں رکھتا، وہ ہر قسم کی شوکت اور عظمت رکھتا ہے، کوئی اس کے سامنے شوکت اور دبدبہ نہیں رکھتا ہے، وہ سب کے قریب ہے، مگر ہر مکان سے منزہ ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے مخلوق اور اس کا محتاج حادث اور فانی ہے، وہ سب کا پیدا کرنے والا، سب سے مستغنی ابدی اور ازلی ہے، اب تک جو کچھ آپ ذکر کرتے رہے اور جس قدر بھی آپ نے یاد کی ہے اس ذات مقدسہ کے نام اور اسم کی کی ہے، اور چونکہ اس کے نام میں بھی بہت زیادہ کمالات اور قوتیں ہیں اسلیے اسکے آثار بحمد اللہ ظاہر ہورہے ہیں، شکر کیجیے، مگر میرے محترم اب آپ کو اصل اصول اور حقیقت الحقائق[1] کی طرف توجہ کرنا چاہیے، اگرچہ اس کے نام کی طرف توجہ کرنا بھی اسی کی طرف توجہ جیسے کہ بادشاہ کے غلام یا بیٹا کی تعظیم وتکریم ہے، مگر بواسطہ اور بلا واسطہ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے، اب

[1] اس مکتوب گرامی میں حضرت امام العصر نے ایک اصطلاحی لفظ حقیقۃ الحقائق استعمال فرمایا ہے جس کو صوفیہ حضرت الجمع اور حضرت الوجود سے تعبیر فرماتے ہیں، مراد مسمیٰ اور ذات مقدسہ کی طرف کلیۃً متوجہ ہونا ہے، جو کہ مرتبۂ احدیت جامع جمیع حقائق ومعارف ہے جس کو حضرت امام العصر نے اس مکتوب گرامی میں اچھی طرح واضح فرما دیا ہے۔

آپ سمیع اور ذات مقدسہ کی طرف توجہ کریں، قرآن شریف میں فرمایا جاتا ہے وھو معکم اینما کنتم (وہ ذات مقدسہ اپنی حشمت اور جلال اور اپنے تمام حقیقی کمالات کے ساتھ یا ساتھ جہاں بھی تم ہو تمہارے ساتھ ہے) روزانہ ایک گھنٹہ کسی معین وقت میں اس دھیان کو باندھئے اور اس تصور و خیال کو پیدا کرکے اس قدر بڑھائیے کہ دائمی ہو جائے، اسی کو مراقبہ کہتے ہیں، وہ اذکار جو کہ اسمار کے ہیں، خواہ قلبی ہوں یا نفسی یا لسانی ان کو اس مراقبہ کے لیے موئد بنایئے۔ اگر تسبیحات اور وہ اذکار پورے ہو سکیں، تو بہتر ہے، اور اگر اس کے کرنے کی وجہ سے ان میں کوئی کمی وقت کی وجہ سے ہو تو حرج نہیں ہے، نہ مقصود اصلی ہے۔ ان میں تسبیحات ستہ یا اور کسی ذکر کو کم کر دیں، مگر اس مراقبہ میں کوتاہی نہ کریں، دعوات صالحہ سے اس روسیاہ کو بھی یاد کر لیا کریں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

## مکتوب نمبر ۱۵۲

مراقبہ[1] کی یہ کیفیت امید افزا ہے، اللہ تعالیٰ اور ترقی عطا فرما دیں، ذات باری عز و جل

[1] مراقبہ کے معنی امید رکھنا، نگاہ رکھنا، حفاظت کرنا، گردن نیچے ڈالنا اور اصطلاح تصوف میں مراقبہ نام ہے دل کا پوری طرح خدائے تعالیٰ کی حضوری میں ہو جانا، مگر خد اس کا قرآن کریم کی آیات اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْباً۔ اور حدیث جریر بن عبد اللہ بجلی جو متفق علیہ ہے اور حدیث عمر بن الخطاب ونیہ قال فاخبرنی عن الاحسان قال تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" ہے۔ جس سے مراقبہ کی حالت کی جانب اشارہ نکلتا ہے، یہی چیز تمام خیر کی اصل ہے جو محاسبہ یعنی اپنے نفس کا حساب کرنا اور گذشتہ اعمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصلاح حال کی طرف لگ جانا اور طریق حق کو لازم کر لینا وغیرہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، گویا بندہ نے بنیادی تعلق خدا سے مضبوط کر لیا، اور ہر سانس خدا کی نگہبانی میں دیدیا اور مشن ہو گیا کہ

(باقی ص ۴۱۶ پر)

تمام زنگ ورد پ، جسمانیت اور مادیت سے منزہ اور پاک ہے، اور تمام کمالات اور بڑائیوں کے ساتھ موصوف ہے، اب آپ یہ دھیان باندھیں کہ یہ ذات مقدسہ اپنی عظمت اور جلال اور تمام پاکیزیوں کے ساتھ میرے قلب میں جلوہ افروز ہے، جیساکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (اور تمھاری جانوں میں ہے کیا تم نہیں دیکھتے) دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ (ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسے اس کا نفس کرتا ہے، اور ہم اس سے اس کی رگ زندگی (حبل الورید) سے بھی زیادہ قریب ہیں، غرضکہ اس ذات مقدسہ کو بلا کیف وبلا کم بہ مقدار اس کی شان وعظمت کے مطابق قلب میں تصور کیجئے ؎

اتصالِ بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

اس تصور اور دھیان میں پوری طرح جد وجہد کیجئے، معیت کا مراقبہ اس کے مخالف نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۵) وہ ذات اقدس اس کے قلب سے قریب ہے، لہذا حال وقال اور افعال سب کو دیکھتا اور سنتا رہتا ہے۔ پس جو شخص اس حالت وکیفیت سے غافل ہوگا یا غفلت کریگا، وہ عمل کی ابتدائی مراتب سے دور ہوگا۔ حقائق تک پہنچنا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے، اسی لیے ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سب سے افضل عبادت تمام وقت دل کا خدا کی حضوری میں لگا رہنا۔ جریری تو یہاں تک فرما گئے ہیں کہ مراقبہ کے بغیر کشف اور مشاہدہ تک آدمی پہنچ ہی نہیں سکتا، ابو عثمان مغربیؒ بھی ان ہی بزرگوں کے ساتھ ہیں تفصیل ریاض المرتاض وغیرہ میں موجود ہے ؎

حضوری گر ہمی خواہی از و غائب مشو حافظ متیٰ ما تلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

غرض لفظ کے مفہوم میں اس طرح ڈوب جانا کہ سوائے اس کے کوئی چیز خیال و دھیان میں نہ رہے جس کی بہت سی صورتیں ہیں، جیسے مراقبہ معیت کہ بغیر تلفظ کے اللہ تعالیٰ کی حضوری، نظر اور اس کے ساتھ ہونے کو خوب مضبوطی سے تصور کرے اور وجود ذات باری کو جہت اور مکان سے پاک تعین کرے، آیۃ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

(باقی ص ۱۱۷ پر)

قلب میں دھیان اس تصور کا پوری طرح کیجئے ........ معیت کا مراقبہ اس کے مخالف نہیں ہے، قلب میں دھیان اور وجود کے ساتھ معیت لازمی چیز ہے، پاس انفاس جاری رہے، کوئی حرج نہیں ہے، اس کو مست رو کئے، اب آپ کی توجہ اصلی اس دھیان کی طرف پوری طرح رہنی چاہیے، پاس انفاس اور دوسرے اذکار ممد و معاون ہوں گے، مگر اصلی مقصود یہ مراقبہ اور اس کا دوام ہے، لذت حاصل ہو یا نہ ہو، حرکت جسم میں پیدا ہو یا نہ ہو، ان چیزوں کو مقصود نہ سمجھنا چاہیے، ذات مقدسہ جل و علی شانہ کی حضوری اور اس کی رضا و خوشنودی غرض اصلی ہے، اسی کے لیے تمام سعی اور کوشش جاری رہنی چاہیے، اصلی ذکر یہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو یہ نعمت مکمل طور پر عطا فرما دیں، حسب ارشاد سرور حسین صاحب کے لیے دعا کرتا ہوں جو لذتیں یا حرکتیں وغیرہ معلوم ہوتی ہیں بہتر ہیں، اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔ مقصود کے لیے وسائل ہیں۔ دعوات صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۱۷ صفر ۶۳ھ (راز جیل)

## مکتوب نمبر ۱۵۴

سانس کو حسب دستور اور عادت آنا چاہیے، آواز پیدا نہ ہونی چاہیے، اگر غلبہ حال کی بنا پر کبھی خود بخود ہو جاوے، حرج نہیں ہے، یہ فرمائیے اب بغیر قصد اور عدم توجہی کے وقت بھی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۶) کو یا تو مدنظر رکھے یا آیت اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ یا آیت اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى یا آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ یا آیت وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ یا آیت اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ یا آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ یہ مراقبات اللہ تعالیٰ کے ساتھ دلی تعلق کیلئے مفید اور مجرب ہیں، اسی طرح مراقبہ فنا، آیت كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ اللہ کو باقی اور سب کو فنا خیال کرے اور اس تصور پر دیر تک قائم رہے ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مراقبہ محو اور فنا فی الہستی کے لیے مفید ہوگا۔

ذکر جاری رہتا ہے یا نہین، محبت خداوندی یا خوف خداوندی کے غلبہ کی وجہ سے غلبہ گریہ کا ہوتا ہے یا نہین بدن مین غیراختیاری حرکت کبھی معلوم ہوتی ہے یا نہین، قلب مین ذکر یا اس کی حرکت محسوس ہوتی ہے یا نہین۔

مسلمانون کی عبادت خالصہ مثل جماعات خمسہ ظہر وعصر وغیرہ مین غیر مسلم قائد نہین ہو سکتا، مگر جس طرح جسمانی معالجات، بنا، عمارات دینیہ، مثل مساجد و مدارس وغیرہ و عمارات دنیویہ مثل مکانات وچاہہا وغیرہ و زراعات و اسفار دینیہ و دنیویہ، و حروب سیاسیہ وغیر سیاسیہ وایجاد و اصطباغ آلات حروب وجہاد وغیرہ مین غیر مسلم کی رہنمائی بالاتفاق جاری وجائز ہے، اسی طرح آزادی وطن کی جنگ مین بھی جائز ہونی چاہیے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اریقط دیلی جو کہ مشرک تھا ہجرت مدینہ کے وقت اسی کو اپنا قائد اور رہنما بنایا تھا، وہ تمام راستون سے واقف تھا، اور وعدہ کا سچا اور پکا تھا، اسی کے ساتھ آپ (علیہ السلام) ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور سے مدینہ منورہ پہنچے ہین، لَا يَتَّخِذِ الْكَافِرِينَ اَوْلِيَا کا ترجمہ قرآن مین دیکھ لیجئے، آیا یہان وہ تضاد آتا ہے یا نہین، علاوہ ازین موجودہ تحریک مین غیر مسلم کو طریق جنگ مین قائد بنایا گیا ہے نفس جنگ مین نہین، جنگ تو حسب نصوص شرعیہ واجب وفرض تھی ہی، جیسے مسجد بنانے مین، بیماری دور کرنے مین غیر مسلم کو قائد بنایا جاتا ہے، آیت مین دلی دوست بنانے کی ممانعت ہے، یہ لفظ بمعنی محبوب یا ناصر ہے، ان سے دلی دوستی کو آیت مین منع کیا گیا ہے، یا ان سے مناصرت طلب کرنا منع کیا گیا، وہ اور چیز ہے اور اشتراک عمل اور چیز ہے، سوچ لیجئے۔ والسلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۱۹ ذی الحجہ

# مکتوب نمبر ۱۵۵

## مولوی عبدالوہاب خان گمتھلوی بلڈنگ ریلوے روڈ لاہور کے نام

محترم المقام زید مجدکم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - والانامہ باعث سرفرازی ہوا، میں نہایت عدیم الفرصت ہوں، آپ کا مضمون تفصیل طلب ہے، کاش اگر کوئی ملاقات کا موقع ہوتا تو تبادلہ خیالات کی پوری صورت ہوسکتی، تحریر بہت زیادہ طول چاہتی ہے، جس کی فرصت نہیں مودودی صاحب کا مضمون احوال حاضرہ کے ہوتے ہوئے سمجھ میں نہیں آتا۔

میرے محترم! کوئی ایسا مسلمان نہ ہوگا، جو کہ مسلم راج کا طالب اور خواہشمند نہ ہو۔ جیسے کہ کوئی ہندو اور سکھ اور کوئی پارسی اور عیسائی ایسا نہ پایا جائے گا جو اپنے مذہب اور قوم کی حکومت کا خواہشمند نہ ہو۔ مگر اس کے نصب العین اور قلبی خواہش سے روکنے والے گردوپیش کے احوال ہوا کرتے ہیں، اگر احوال مساعد ہوتے تو یہ ہندوستان کی چھ سو برس کی مسلم حکومت ہی کیوں فنا ہوتی، اور کیوں مسلمانوں کی عام پبلک غیروں کی غلام ہوتی، آج روئے زمین پر بقول نیویارک ٹائمز مسلمانوں کی مردم شماری ستر کروڑ ہے مگر آزاد مسلمان بمشکل چار پانچ کروڑ نکل سکیں گے، صرف ہندوستان ہی کے مسلمان غلام نہیں ہیں، بلکہ تمام براعظم افریقہ اور یورپ اور اکثر حصہ ایشیا کے مسلمان مجبور مقہور اور غلام اغیار و اعدا ہیں، اور جہاں یہ آزاد بھی ہیں وہاں بھی حکومت الہیہ مودودی صاحب کی تقریباً معدوم ہی ہے، ہندوستانی مسلمان تو سب سے زیادہ مجبور و مقہور ہیں، ادھر تو حکومت اعداء اللہ کی ہے ہی، اُدھر غیر مسلم اکثریت جس نے ہر طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے، اس کے علاوہ اکثریت غیر مسلم بھی معمولی نہیں ہے، (فیصدی ۷۵) تمام ہندوستان میں غیر مسلم ہیں، اور فیصدی ۲۵ مسلمان ہیں، علاوہ تفرق ظاہری و باطنی کے ان کی خواہشات اور ڈیوائڈ اینڈ رول نے وہ تشتت پیدا

کیا ہوا ہے الامان اور الحفیظ، پھراس پران کا فقر و فاقہ، افلاس و انعدام اسلحہ وغیرہ اور بھی ان کو بے بس کیے ہوئے ہے، مگر اس پر بھی علماء کی جماعت نے بار بار ازمنہ سابقہ میں کامیابی کی انتہائی کوشش کی، مگر سوائے ناکامی کچھ ہاتھ نہ آیا حضرت سید احمد صاحب شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما نے کیا کچھ نہین کیا، مگر کیا ہوا، ۱۸۵۷ء مین حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم نے کیا کیا نہین کیا مگر کیا ہاتھ آیا ۱۹۱۴ء مین حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کیا نہیں کیا مگر کیا پیش آیا۔

محترما! سیاسیات صرف فلسفیات سے انجام نہیں پاتین بلکہ تاریخ بھی ان کے ساتھ ضروری ہے، مجبوریتیں اسی اہون البلیتین کی طرف کھینچ کر لاتی ہین اور لائی ہین، مذہب اسلام بھی احوال کی بنا پر احکام کو بدلواتا ہے، احوال گرد و پیش سے چشم پوشی ہلاکت اور خودکشی ہے، آج ہم اگر تشدد پر قادر ہوتے تو کہا جاسکتا کہ مسلم اقلیت اپنے مقاصد پر کامیاب ہوجائے گی، مگر یہ چیز ناممکن ہوگئی، آئینی تحریک مین اگر کامیابی طلب کیجائے گی تو بجز اشتراک عام آبادی اور صورت ہی کیا ہو سکتی ہے، آج ہر ہر قدم پر انگلستان سے یہی راگ الاپا جارہا ہے، کہ ہندستانیوں کو آزادی صرف اس وجہ سے نہیں دیجاسکتی کہ وہ آپس مین متحد نہین ہین، نہ مذہبیات میں نہ سیاسیات مین، ایک جماعت اگر مکمل آزادی کی خواہشمند ہے تو دوسری ڈومینین اسٹیس کی تیسری برطانوی راج کی، چوتھی رام راج کی، پانچوین ڈیموکریسی کی چھٹی بالشویزم کی، وغیرہ وغیرہ۔ ان مین آپس مین فرقہ وارانہ جذبات کے شعلے بھڑک رہے ہین، ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہے، گائے اور باجا پر روزانہ خون کی ندیاں بہا کرتی ہیں ـــــ اگر ہمارا ظل عاطفت اٹھ جائے گا تو ہندوستان جہنم نشان بنجائے گا۔ آئے دن کے واقعات استدلال مین پیش کیے جاتے ہین، اور پھر اپنی مقصد براری کے لیے تمام ہندوستانیون کو خواہ مسلم ہون یا غیر مسلم۔

اس طرح پیسا جاتا ہے کہ تمام ہندوستان قالب بے جان ہو کر رہ گیا، فقر و فاقہ کا چارون طرف طوفان بپا ہے، بے کاری اور بے روزگاری کی گھنگھور گھٹائین چھائی ہوئی ہین، اور اپنے سخت اندھیرون سے سب کو برباد کر رہی ہے،

تجارت، زراعت، حکومت، ملازمت، دین و دولت سب کو ہی برباد کیا گیا ہے، اور کیا جا رہا ہے، ہندوستان کے چشمہ ہاے زندگی و سرمایہ داری اپنے قبضہ مین کر کے ہندوستانیون کو مفلوج بنا دیا گیا ہے، نہ مفاد عامہ ان کے ہاتھ مین ہین، نہ مفاد خاصہ۔ پس اگر بالفرض آٹھ کروڑ مسلمان رہکے سب یک جان اور متحد قالب بھی ہو جائین تو کیا وہ اپنی متفقہ آواز سے بھی کامیابی حاصل کر سکتے ہین اور جس چیز کو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہین اس کے ذریعہ سے اس غلامی کی لعنت سے گلو خلاصی ہو سکتی ہے، اور کیا پردیسی آہنی پنجہ کو یہ اتفاق اور اتحاد (اگر پیدا بھی ہو گیا) توڑ سکتا ہے، اور کیا اس کے ذریعہ سے ملک کی اندرونی فتنے صرف اس کی وجہ سے مندفع ہو سکتے ہین، عالم اسباب مین اسباب و ذرائع لغو نہیں کیے جا سکتے، نہ شریعت نے اس اعتراض کرنے کو روا رکھا ہے، اور نہ عقل اور تاریخ اس کی اجازت دیتی ہے۔

اگر امامت کے یہی معنی ہین اور غیر مسلم کی امامت مسلمانون کے لیے ناجائز اور حرام ہے تو میونسپل بورڈون، ڈسٹرکٹ بورڈون، اسمبلیون، کونسلوں، تجارتی، صنعتی، انتظامی بورڈوں وغیرہ مین مسلمانون کی شرکت ہندوستان مین بالکل حرام ہونی چاہیے۔ کیونکہ اکثر ان سب کا پریسیڈنٹ اور سکریٹری غیر مسلم ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جملہ شعبہائے حکومت کو خواہ فوجی ہوں یا انتظامی، علمی ہوں یا صنعتی، مالی ہوں یا تجارتی وغیرہ وغیرہ۔

سب کی ملازمت بہر نوع ممنوع اور حرام ہوگی۔ کیونکہ ان سب کا امام غیر مسلم ہے، وہ جو قانون چاہتا ہے بناتا ہے۔ اور جس طرف چاہتا ہے چلاتا ہے، تمام ملازمون کو اسی کے حکم پر

چلنا پڑتا ہے، ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا اور فقر و فاقہ کے گھاٹ گڑھوں میں تمام خاندان اور بچوں کو فنا کے گھاٹ اتارنا ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اشخاص فنا کے گھاٹ اترتے ہیں۔ بلکہ قوم مسلم کو ہر قسم کی بربادی گھیرتی ہے، ذرا غور فرمایئے اور تفصیلی نظر ڈالیے، نیز اگر غیر مسلم کی امامت محرّمہ کے یہی معنی ہیں جو کہ مودودی صاحب بتلا رہے ہیں تو آپ ہی بتلایئے کہ غیر مسلم ڈاکٹر کا معالجہ غیر مسلم انجینیر اور معمار کی تعمیر، غیر مسلم منتظم کی انتظامی کارروائیاں، اس کی قیادت کے ماتحت سب کی سب ناجائز ہوتی ہیں، کیا ان سب کو قلم تحریم سے لکھکر ممانعت کے حکم سے فنا کیا جا سکتا ہے، اور اگر ایسا ہے تو اس ملک میں فلاح اور بہبودی کی کیا صورت ہوگی۔

محترما! کیا اس وقت تک کہ آپ اپنی اتحادی قوت پیدا کریں، آپ اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو ان تمام درطات سے محفوظ رکھ سکیں گے۔ اور تمام اتحادی قوت پیدا ہو جانے کے بعد بھی آپ قوم اور اشخاص کو اس ملک میں نجات کے رستہ میں گامزن کر سکیں گے ذرا سوچیے؟

اس کے بعد دوسرا سوال یہ پیش آتا ہے کہ آیا آپ کی مسلم قوم کو صرف ایک راستہ ہی پر لایا بھی جا سکتا ہے، جبکہ آپ کے پاس مجبور کرنے والی کوئی قوت نہیں ہے، جبکہ ہر ایک آزاد ہے اور ہر ایک عقل اور ہمت، قوت ارادہ دوسرے کے تابع ہونے کو قبول کرنا نہیں چاہتا ہمارے پاس بجز وعظ و نصیحت و ارادۂ طریق و رہنمائی کوئی چیز ہے، جس سے سب کو راہ پر لا سکیں اگر ایک طرف مغربیت نے اپنا فریفتہ بنایا ہے تو دوسری طرف مشرقیت اپنا ڈورا ڈالے ہوئے ہے ایک طرف شیعیت کا دور دورہ ہے تو دوسری طرف قادیانیت کا۔ تیسری طرف خاکساریت کا چوتھی طرف عدم تقلید کا، وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک اپنی عقل کو افلاطون اور ارسطو سے بالا سمجھ رہا ہے، پھر اس کی سبیل کیا ہے، سیاسی افکار ایک نہیں ہیں، انتظامی خواہشات جدا جدا ہیں "اغراض اور خود ستائی کا وہ غلبہ ہے کہ الامان والحفیظ۔ بایں ہمہ جمعیت نے جو نصب العین اور دستور

اساس پیش کیا ہے اور جس کی طرف وہ مسلم قوم کو بلا رہی ہے کیا وہ یہی نہیں ہے، پھر بتلائیے کہ کیوں وہ ناکام ہے، اور کیوں آپ کا طوفان ملامت اس کی طرف امنڈ رہا ہے، آپ اسکے دستور اساسی کو ملاحظہ فرمایئے۔

یہ بالکل غلط ہے کہ جمعیتہ نے غیر مسلم کو قائد اور امام بنایا ہے۔ وہ مستقل ادارہ ہے، جو بات بھی کانگریس یا دیگر سیاسی جماعتیں اختیار کرتی ہیں اس کو جمعیتہ کے ارباب حل وعقد اپنی مشعل ہدایت کے سامنے لاکر جو کہ قرآن وحدیث وفقہ ہی سے بنی ہوئی ہے غور وفکر کرتے ہیں اور صحیح چیز کو اختیار کرتے ہیں، غیر صحیح کو رد کر دیتے ہیں۔ جمعیتہ مسلمانوں کے سامنے اس کو نہ پیش کرتی ہے نہ خود عمل کرتی، اس کے ریکارڈ کو جانچئے، ایسے متعدد واقعات اور پروگرام آپ پائیں گے جن کی نہ صرف عدم موافقت جمعیتہ کی طرف سے ہوئی ہے، بلکہ مخالفت اور سرگرمی بھی عمل میں آتی رہی ہے، جمعیتہ ان امور سیاسیہ اور آزادی کی جد وجہد میں صرف اشتراک عمل کر رہی ہے، کسی غیر مسلم جماعت یا غیر مسلم قائد کی آنکھ بند کر کے تابعداری نہیں کر رہی ہے، اشتراک عمل اور چیز ہے اور اقتدار و تابعیت اور چیز ہے، یہاں نہ تو غیر مسلم کا اقتدار پایا جاتا ہے نہ اس کی امداد و اعانت پائی جاتی ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے لاہور جانے والی سڑک پر دو شخص مسلم اور غیر مسلم ایک گاڑی میں چل رہے ہیں، اور قزاقوں اور چوروں اور راہ کے گم کرنے سے ہر ایک دوسرے کا تحفظ کر رہا ہے اور بس ایسی صورت میں امامت مفروضہ کہاں پائی جاتی ہے، اور اس کا الزام کہاں تک صحیح ہے، احوال حاضرہ کو جانچ کر کوئی حکم کیجئے؟

میرے محترم! نماز جیسی قطعی اور لازمی چیز ہے۔ احوال سے متبدل ہوتی رہتی ہے، حالت اقامت اور حالت سفر کی نمازوں میں کس قدر تفاوت ہے، حالت صحت اور حالت مرض کی نمازوں میں کتنا بون بعید ہے، معذور اور غیر معذور کی نمازوں میں کس قدر فرق ہے؟

احوال کے تبدل سے روزہ، زکوٰۃ، حج، وضو وغیرہ سب ہی متبدل ہوتے رہتے ہین، کیا آپ آج ہندوستان مین حکومت الٰہیہ کا حکم رجم زانی کے لیے قطع ید سارق کے لیے، اسی کوڑون کا حکم شرابخوار اور قاذف کیلئے قصاص اور دیت کا حکم قاتل کیلئے قطع ایدی وارجل کا حکم قزاقوں اور باغیوں کے لیے جو کہ قرآن مین منصوص ہیں جاری کرینگے، اور کیا اس دار الحرب مین اور موجودہ احوال میں یہ جاری ہو سکتے ہین، اور کیا ہم پر ان کا اجراء ان احوال مین فرض ہے یا نہین، کیا میتہ کے کھانے اور شراب کے پینے خنزیر کے گوشت کے احکام اکراہ اور اضطرار کی حالت میں ویسے ہی رہتے ہین، جیسے کہ طوع اختیار یا غیر اضطرار مین تھے، کہ اگر کوئی اضطرار یا اکراہ ملجی کی حالت مین ان چیزون کو اختیار نہ کرے اور قتل ہوئے تو گنہگار نہ ہوگا، اس قسم کی سیکڑون نہین ہزارون نظیرین شریعت مین پائی جاتی ہین، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا نہیں جا سکتا، کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عبد اللہ بن اریقط دیلی کو بوقت ہجرت اپنا راہبر بنانا جبکہ کفار جان کے درپے تھے، اس پر روشنی نہیں ڈالتا، وہ جس راستہ پر سب کی نجات سمجھتا تھا لیجاتا تھا، آپ اس کے ساتھ تھے، اور اتباع کرتے تھے، اس پر اعتماد کیے ہوئے تھے، وہ رہنما تھا، اور راہوں سے واقف تھا، ہجرت فرض تھی، پھر اس رہنمائی اور اتباع اور اس رہنمائی اور اتباع مین کیا فرق ہے، بدرجہ کفر اس کو ٹالدینا کونسی عقل وانصاف کیونکر ہو سکتا ہے، مدینہ منورہ مین پہنچکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے حلف کیا اور مشرکین سے جنگ جاری رکھی، حدیبیہ مین مشرکین سے صلح کیا اور یہود سے جنگ کی، کیا ان مین ہمارے لیے روشنی نہیں ہے، ہم ہرگز اس کو روا نہیں رکھتے کہ احکام شرعیہ مین ادنیٰ سا بھی تغیر کیا جائے اور کسی غیر مسلم یا مسلم کی قیادت کے ماتحت کوئی بھی شرعی حکم چھوڑا یا بدلا جائے، اور اسی وجہ سے جمعیۃ العلماء کا قیام ہر زمانہ مین ضروری اور لازم سمجھتے ہین، اور مسلمانون کے لیے واجب جانتے ہین، کہ اس کی ہدایت پر عمل کریں، ہاں یہ بھی ہم ضروری سمجھتے ہین کہ احکام شرعیہ مین ان کے

ماہرین کا غور و خوض ہو اور اپنی پوری قوت دماغی اور عملی سے کام لے کر مسلمانوں کی رہنمائی کیجاوے جہانتک ہم سمجھ سکتے ہیں جمعیۃ نے آج تک یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ وہ نہ قوت باطل سے دب کر کوئی تغیر احکام میں کرتی ہے، نہ آج تک اس نے کی ہے، اور نہ وہ کسی طمع اور لالچ میں آکر کسی کی مداہنت کرتی ہے، نہ اس نے آج تک کی ہے، ناواقفین شریعت اپنے اپنے خیال کے مطابق تنقیدات اور اعتراضات کی بوچھار کرتے رہے ہیں، مگر انھوں نے مراکز رسالات علیہم الصلاۃ والسلام کو کب معاف کیا تھا، جو آج ان سے کوئی امید کی جائے۔ والسلام

میری معروضات سابقہ سے آپ خود سمجھ جائیں گے کہ مسلم جماعتوں کا آپس کا اختلاف خود رائی، خود غرضی، نفس پروری، خود بینی اور عدم اتباع شریعت اور حکومت وقت کی تفرقہ اندازی، لیڈروں کے ہوس اقتدار وغیرہ کی وجہ سے ہے جس کو تجربہ ہی سے بھانپا جا سکتا ہے، افسوس ہے کہ اخلاص و للہیت بہت ہی کم یا عنقا ہے، دعوے بہت ہیں، الفاظ بہت زیادہ ہیں حقیقت اور معنی تقریباً مفقود ہیں۔ بھولے بھالے لوگ دھوکھوں میں آئے ہوئے ہیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ یکم محرم سنہ ۱۳۶۱ھ

---

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۵) مکرمی معظمی جناب مولانا صاحب زادعنایتکم۔ السلام علیکم۔ بعد آداب مسنون کے عرض ہے کہ مجھے یہ خیال بہت دنوں سے گھیرے ہوئے تھا کہ کیا ہم کانگریس میں شامل ہو کر ہی آزادی حاصل کر سکتے ہیں، علیحدہ ہو کر اس عظیم کام کو سرانجام نہیں دے سکتے، اور کیا مسلمان ہندوؤں کی قیادت میں ہی حصول آزادی کیلئے کوشش کر سکتے ہیں۔ جب آج میں نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا مضمون پڑھا تو مجھ پر کلی طور پر یہ یقین طاری ہو گیا کہ مسلمان اگر غیر مسلم کی قیادت میں کوئی کوشش کرینگے تو وہ بے سود ثابت ہوگی اور اگر کچھ کامیابی بھی ہوئی تو وہ صرف سطحی ہوگی، اور اسلام کے اصولوں کے خلاف ہوگی، لیکن میرے دماغ میں اسی وقت یہ خیال آیا کہ جب ہمارے سب علماء کانگریس میں شامل ہو گئے ہیں تو ہم کیونکر پیچھے رہ سکتے ہیں، لیکن شامل ہونے سے پہلے میں نے یہ سوچا کہ پہلے اہل مجھکو وجہ تو معلوم ہونی چاہیے جس کی وجہ سے

(باقی ص ۴۲۶ پر)

# مکتوب نمبر ۱۵۶

## مولانا ابو سعید خدا بخش صاحب ملتانی کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف ۔ ابو الاعلیٰ صاحب ایک اخبار نویس ہیں

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۷) ہمارے معتقد علما کانگریس میں شامل ہوتے ہیں، ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ از راہ نوازش یہ بتا کر آپ سب حضرات کانگریس میں کیوں شامل ہوئے اور کیوں علیحدہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے ہندوؤں سے آگے بڑھ کر حصول آزادی کے لیے کوشش کو پس پشت ڈال دیا ہے، ہمزور ممنون وشکر گذار ہونے کا موقعہ عنایت فرمائیں گے عین نوازش ہوگی، میری اپنی حقیر رائے یہ ہے کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جس شکل سے بھی جمع ہوسکیں جمع کرکے جنگ آزادی لڑیں اور پھر دوسری اقوام ہمارے پیچھے چلیں اور ہر کام میں ہم ہی پیش پیش ہوں۔ مجلس احرار مسلم لیگ، جمعیۃ العلماء ہند کا ایک ہی مقصد اور وہ ہے مسلمانان ہند کو بحیثیت مجموعی ہندوستان میں آبرومندانہ اور خود مختارانہ زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا جائے اور انکے جائز حقوق اور مفاد کی حفاظت کیساتھ سیاسی ترقی کے لیے میدان وسیع کیا جائے۔

جب ایک ہی مقصد ہے تو یہ نفاق واختلاف کی خلیج اتنی وسیع کیوں ہے، یہ جو خلیج اتنی وسیع تر ہوتی جا رہی ہے اسکو روکنے کی تدبیر کو کیوں معرض وجود میں لایا نہیں جاتا۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا مضمون ساتھ ہی بھیج رہا ہوں، مہربانی فرما کر جواب دیکر مزید ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

احقر عبد الوہاب خاں کنجاہی

حضرت امام الہند دامت برکاتہم کا یہ ملفوظ ذرا مزید شرح کا محتاج ہے، یہود مدینہ سے حلف کا واقعہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے جس پر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل بحث فرمائی ہے، ان میں سے چند دفعات کو ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں

(۱) یہ تمام معاہد جماعتیں (قریش، مہاجرین، انصار، یہود مدینہ) دوسری غیر مسلم غیر معاہد جماعتوں کے مقابلہ میں ایک امت ایک قوم شمار ہوں گی۔ (۲) مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ہر ایسے شخص کی علی الاعلان مخالفت کریں جو کہ فتنہ وفساد برپا کرتا ہے

(باقی ص ۴۴۷ پر)

تحریر، مضامین اور تراجم وغیرہ سے کوئی شخص صاحب فتویٰ نہیں ہو سکتا، نہ صرف واقفیت زبان اس کے لیے کافی اور نہ کسی کو اپنی زبان زوری سے لوگوں کو بہالینا قابل اعتماد قرار دیا جا سکتا ہے، آپ روزانہ دنیاوی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۶) اور خلق خدا کو ستاتا ہو تمام مسلمانوں کو متفق ہو کر اس کے خلاف کام کرنا لازم ہے، اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا فرزند ہی کیوں نہ ہو۔ (۳) کسی مسلمان کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ مسلمان کے خلاف غیر مسلم محارب کو مدد دے اور اسکی اعانت کرے۔

کہا گیا ہے کہ اس معاہدہ میں باہمی تنازعات کے متعلق رسول اللہ صلعم کے فیصلہ کو آخری تسلیم کیا گیا ہے، مگر ظاہر ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے اشتراک عمل کے لیے اس کو شرط کی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ اگر کسی موقع پر مسلمانوں کی یہ حیثیت نہ ہو اور غیر مسلم قوم سے اشتراک عمل کے بغیر خود مسلم مفاد تباہ و برباد ہو رہا ہو اور ایک تیسری قوم کو تقویت پہنچتی ہو جو مسلم اور غیر مسلم دونوں کو کچل رہی ہے تو کیا مذہب اسلام کے لیے جائز ہوگا کہ وہ خاموشی کے ساتھ مسلمانوں کے ملی اور اجتماعی مفاد کی بربادی کا تماشہ دیکھتے رہیں، اور کیا الحرب خدعة وغیرہ نصوص کا تقاضا نہ ہوگا کہ وہ غیر مسلم سے اشتراک کرکے اس تیسری جماعت کو ختم کر دیں!

اسی کے ساتھ ہندو اور انگریز دونوں کی مثال سامنے رکھنا چاہیے اور پھر غور کرنا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کس نے ختم کی، کس کے قوانین نے مسلمانوں کو مفلس اور قلاش بنایا، اور کس کے کورس و نصاب تعلیم نے مسلمان نوجوانوں کو زندقہ اور الحاد کے طوفان کی نذر کر دیا۔ حجاز مقدس، شام، عراق، ایران، فلسطین وغیرہ ممالک اسلامیہ کی تباہی اور قحط بنگال جیسے جگر خراش حوادث و سانحات کے شرمناک دھبے کس کے دامن پر ہیں وغیرہ؟ اور غیر مسلم محارب کون تھا؟ کیا مشرک اور کافر غیر محارب، اگر کوئی مشورہ یا خیر خواہی کی بات کرے تو اسکو اسلام نے قبول نہیں کیا ہے؟ کیا صلح حدیبیہ میں بدیل ابن ورقا جو بنی خزاعہ کے سردار تھے اور مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کے مشورہ کو نہیں قبول کیا گیا؟ امام زرقانی رحمۃ اللہ نے اسی واقعہ کے تحت تحریر فرمایا ہے:

| | |
|---|---|
| ویستفاد جواز استنصاح ملوک العدو استظہارا علی غیرھم ولا یعد ذلک من الموالاۃ للکفار ولا من موادۃ اعداء اللہ | اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کافر بادشاہوں سے دوسرے محارب کے مقابلہ میں خیر خواہی کی باتیں قبول کرنا جائز ہے، اور یہ امر کسی طرح موالات کفار اور خدا دشمنوں سے محبت نہیں مانا جا سکتا |

(باقی ص ۴۲۸ پر)

معاملات میں ججوں اور ہائیکورٹوں میں وکلا، اور بیرسٹروں کے اقوال کو جو کہ لا کی تعلیم حاصل کر کے سرٹیفکیٹ حاصل کر چکے ہیں قابل اعتبار قرار دیتے ہیں، غیر سند یافتہ وکیل یا بیرسٹر کو خواہ وہ کتنا ہی فیلسوف اور لا کے علاوہ دوسرے فنون میں کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو کورٹ میں کسی لا اور قانون اور فیصلہ کے متعلق بحث کرنے کی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۷) مذکورہ بالا ثبوت کے مدنظر حضرت امام العصر نے ۱۹۳۷ء میں دہلی کے اندر متحدہ قومیت پر زور دیا کہ ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی اور بحیثیت متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے جنگ کر کے اپنے حقوق حاصل کریں الخ

اس تقریر کا پس منظر یہ تھا کہ جب انگریزوں نے عربوں کو ترکوں سے باغی بنایا تو یہ زہر پلایا کہ آج قومیں مذہب سے نہیں بنتی بلکہ آج قومیں سیاسی اور اقتصادی مصالح کے پیش نظر بنتی ہیں، لہٰذا ترک جدا قوم ہے اور عرب جدا قوم ہے، عربوں کیلیے ترکوں کی غلامی عار ہے، وغیرہ۔ یہ اسلامی ممالک کی بربادی کا ایسا حربہ تھا کہ اگر اس کے خلاف کچھ نہ کیا جاتا اور خاموشی برتی جاتی تو اس گناہ عظیم کی پاداش ناممکن ہوتی، امام العصر کی فراست نے انگریزوں کی اس خطرناک چال کو تاڑ لیا اور جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا۔ واعادالہم ما استطعتم کے پیش نظر ایسا توڑ کیا کہ سفید فاموں کے چھکے چھوٹ گئے، اختلاج شروع ہو گیا اور سیاہ فام انگریز پرستوں کی زبانیں دراز ہو گئیں مستقل ادارے تردید کے لیے قائم ہو گئے جس کے لیے بڑے بڑے دست غیب لوگوں کو نصیب ہوئے کہ ہندوستان کے اندر سے متحدہ قومیت کے تخیل کو دور کریں۔ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب نے مسئلہ قومیت پر جو کچھ لکھا وہ اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔ اگر مولانا کا غیر مبصرانہ قلم گردش میں نہ آتا تو طلوع اسلام وغیرہ رسالوں اور انکے اڈیٹروں میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ وہ کچھ بھی لکھ سکتے۔ اور نہ مسلم لیگ کو الکشن ۱۹۴۵ء میں سارا ہاتھ آتا کہ وہ دل کھول کر جمعیۃ علماء کے خلاف انگریز کی دلی آرزو پوری کرتی۔ خلاصہ یہ کہ امام العصر کی تقریر کی گہرائیوں کو دانستہ نظر انداز کیا گیا۔ بجائے داد دینے کے اسلام کو بیچ میں ڈال کر فریاد شروع ہو گئی، افسوس ؎

تمھیں بھی نہ کی شیریں نے اس تیشہ زنی پر  پتھر پڑے فرہاد تری کوہ کنی پر

حضرت امام العصر کے اس والا نامہ میں ایک اصولی بات یہ آگئی ہے کہ نماز جیسی قطعی چیز بھی احوال سے متبدل ہوتی

اجازت ہی نہیں دیتے بلکہ اگر غیر سند یافتہ کچھ کہنا چاہے تو کورٹ کے کٹگھرے سے نکلوا دیتے ہیں، وہ جس نے لاکالج میں تعلیم حاصل کی ہو، مگر فیل ہوگیا ہو اس کو بولنے کی اجازت نہیں دیجاتی، ایسے لوگوں کو جج کے فیصلہ میں گفتگو کرنا قانونی جرم قرار دیا جاتا ہے، ان کی بات کو ماننا تو در کنار۔ مگر کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ انسانی لاکی اور دنیاوی قوانین کی تو اتنی پابندی ہو اور خدا وندی لا اور اسلامی قوانین میں ہر شخص رائے دینے اور اور بڑے بڑے ان حاملین قوانین شرعیہ کے فیصلہ کو جنھوں نے دس دس بیس بیس تیس تیس سال تک اس لا کی خدمت اور اس عرق ریزی کی ہوا سے ٹھکرا دیتے ہیں، مودودی صاحب نے کس عربی مدرسہ میں تکمیل کی؟

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۸) رہتی ہے جس کے چند نظائر خود مکتوب میں موجود ہیں، باقی چند کا اور اضافہ کیا جاتا ہے، تاکہ غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں بتایا ہے کہ زمان و مکان اور حالات و نیات اور عوائد کے بدل جانے سے احکام شرعیہ میں کس طرح اور کن اصول پر تغیر ہوتا ہے، اس بحث کو کتاب مذکور میں ملاحظہ کیا جائے۔ مثالاً ذیل کے واقعات و نظائر کو مد نظر رکھا جائے۔

(۱) نبی صلعم نے جنگ کے موقع پر چور کا ہاتھ کاٹنے سے منع فرمایا ہے (رواہ ابو داؤد) (۲) علماء اسلام نے فتویٰ دیا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر حدود جاری نہ کیے جائیں۔ (۳) ابو محجن ثقفی پر اقامت حد میں تاخیر کی گئی۔ (۴) حاملہ عورت پر حد کی اقامت ملتوی کر دیجاتی ہے جبکہ بچہ دودھ پیتا ہو (۵) مرض کی حالت میں بھی اقامت حد ممنوع ہے، (۶) اسی طرح اقراری جرم سے بھی حد کا اسقاط بعض صورتوں میں موجود ہے۔

خلاصہ مکتوب یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی ضرورتوں کی سب سے بڑی ضامن رہی ہے اور کبھی بھی اس نے احکام شرعیہ میں اصول شرعیہ کے خلاف نہ کیا ہے، اور نہ باطل قوت سے دبکر شریعت کے احکام میں کوئی تغیر کیا ہے، اور اگر احیاناً کبھی ایسا کیا ہے تو تغیر احکام بلحاظ ازمنہ و احوال کے نظائر کے تحت، کیونکہ جمعیۃ علماء ماہرین شریعت کے غور و خوض سے مرکب اور عبارت ہے، نہ کہ ابو الاعلیٰ صاحب کی سیاسیات جو کہ نری تلبیسات پر مبنی ہے اور تاریخ کا کہیں پتہ نہیں۔ جماعت اسلامی پاکستان و ہند کے بارے میں علماء حق نے جو فتویٰ دیا ہے کہ

(باقی ص ۴۳۰ پر)

کون سرٹیفکٹ ان کے پاس ہے؟ علوم عربیہ اور فقہ اسلامی (اسلامک لا) میں ان کا کیا پایہ ہے؟ کتنے دنوں انھوں نے عربی علوم و فنون اور فقہ اسلامی کے اصول و فروع کی خدمت کی؟ ہم تک اس کی کوئی تفصیل نہیں پہنچی ہے۔ بیشک ان کے سینہ اور دل میں اسلامی ہمدردی اور مذہبی جوش بہت کچھ بھرا ہوا ہے، تحریرات زوردار کرتے ہیں، مگر فتویٰ کے لیے یہ مقدار کافی نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سے ہمارا سیاسی اختلاف ہے، اور بہت زیادہ اختلاف۔ مگر وہ جزئیات اور فروع اسلامک لا جن کو سیاسیات سے تعلق نہیں ہے، ان میں ان کا قول قابل اعتماد ہوگا۔ مولانا موصوف کا اسلامی تفقہ اور علوم و فنون میں تمام عمر مصروف رہنا ان کی تعلیم دینا، ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری حاصل کرنا، ان میں بے شمار مفید اور کارآمد تصانیف و تالیف کرکے عالم اسلامی اور خلائق کو فیضیاب بنانا، آفتاب کی طرح دنیا میں روشن ہے اور ہو چکا ہے، اس بارہ میں مودودی صاحب کا قول ان کے سامنے ایسا ہی شمار کیا جائے گا جیسے کہ ایک کامیاب بیرسٹر کے سامنے چوتھی پانچویں کلاس کے طالب علم کا قول ہوگا۔ آپ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ "مودودی صاحب زمانہ کی سائنٹفک ایجادات اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے ہوتے ہوئے ہدایہ اور بدائع کی روشنی میں مسائل کو حل کرنا نوجوان طبقہ کو اسلام سے بدظن کر دینا اور الحاد کے شکار کر دینے کے مرادف ہوگا" الخ نہایت تعجب خیز مقالہ ہے، پھر تو آپ بجائے ہدایہ اور بدائع کے قرآن و حدیث کو بھی لائیں گے۔ اگر ان چیزوں کی موجودگی میں ہدایہ اور بدائع کی روشنی میں حل نہیں کیا جا سکتا تو یہ بھی کہنا کیوں نہیں درست ہے کہ پھر آج قرآن و حدیث کو اسی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۲۹) یہ جماعت اسلامی مسلمانوں کے لیے مفید نہیں ہے، وہ اپنی جگہ پہ صحیح ہے۔ کیونکہ علوم دینیہ میں ان کی معلومات ناقص اور عقل اس سے بھی کم ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے، دوسری جلد میں اور بہت سارے مکتوبات در بارۂ جماعت اسلامی درج کرکے فیصلہ اہل دیانت پہ چھوڑیں گے۔ (اصلاحی)

بالائے طاق رکھ دینا چاہیے، ورنہ نوجوان طبقہ اسلام سے بدظن ہو جائے گا۔ الخ

میرے محترم! آپکے ارشادات اور حضرت تھانوی کے فتوی مین منافات نہین معلوم ہوتی، مولانا صرف نماز کے متعلق منع فراتے ہیں خطبہ، وعظ، لکچر وغیرہ مین منع نہیں فرماتے، نماز مین کوئی تبلیغ نہیں ہوتی، عبادت الٰہی ادا کی جاتی ہے، وہ آلہ کبر الصوت کی محتاج نہیں ہے۔ وہ اور رکوع اور قعود کے انتقالات اس سے معلوم نہیں ہوتے، قرأۃ عربی زبان مین ہوتی ہے، نماز کی صحت کے لیے قرأۃ کا سننا ضروری نہیں، ظہر اور عصر مین تو کوئی نہیں سنتا، جہری نمازون مین دور کے لوگ نہیں سنتے، اور اگر سنائی بھی دے تو اس کا سمجھنا جبکہ عربی میں ہوتی ہو بجز عربی دان کے کسی کو نہیں ہو سکتا خواہ لاؤڈ اسپیکر ہی ہی کیون نہ ہو۔ اس لیے یہ تحریر اور فلسفہ بے موقع ہے اور غلط ہے، نماز کو لاؤڈ اسپیکر سے پاک کیجئے اس مین خارج نماز آواز وغیرہ امور خارج ہین، نماز کی ضروریات تکبیرات انتقال کی ترتیب سے باحسن وجوہ پوری ہوتی اور ہو سکتی ہے، بے ترتیبی سے تو لاؤڈ اسپیکر بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ خطبہ مین آپ اسکو خوشی سے استعمال کر سکتے ہین۔ بنا برین امور سئول کے جوابات تفصیل سے حسب ذیل ہین

(۱) اس آلہ سے تبلیغ اور وعظ و نصیحت کرنے مین کوئی مضائقہ نہین اور نہ کوئی اسکو حرام کہتا ہے۔

(۲) اس کا جواب کلام سابق سے معلوم ہو گیا یعنی تہذیب باطل پر تہذیب حق کو کیسے کامیاب بنایا جائے

(۳) یقیناً وہ آواز جو امام کے منہ سے نکلی تھی نہین ہے۔ بلکہ اس میں دوسری چیز کا اشتراک ہوا ہے جس کا آپ کو بھی اقرار ہے۔ کہ بجلی کی طاقت نے بہت بلند کر دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام کی آواز کی وہ کیفیت من کل الوجوہ باقی نہیں رہتی جو کہ اس کے منہ سے نکلنے پر ہوئی تھی، احکام شرعیہ میں اتنا اشتراک بھی تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ جس کی نظیرین کتب فقہ میں موجود ہین۔

(۴) نماز کے لیے بحیثیت عبادت مقصود حضور قلب اور توجہ الی اللہ مطلوب ہے، نہ سماع صوت قابل تعلیم اور تسخیر ہے، میری سمجھ میں خطبہ میں لاؤڈ اسپیکر کی ممانعت نہیں آئی ہے، اسکو بین جائز

سمجھتا ہوں، مولانا تھانوی صاحب کا خطبہ کو منع کرنا میں نے نہیں سنا ہے، اسکی ممانعت آپ کے یہاں کے علماء نے فرمائی ہوگی۔ میں اس کے سمجھنے سے بالفعل اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں، والسلام حسین احمد غفرلہ۔ ۲۹ ررمضان ۶۵ھ

## مکتوب نمبر ۱۵۷

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب مدظلہ کی ذہانت اور علوم عربیہ کی واقفیت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ انکی تصانیف اور مضامین اسکے گواہ ہیں۔ میں نے بارہا انکے ساتھ نماز بھی پڑھی ہے، اور جماعت میں شریک ہوا ہوں، میں نے کبھی انکو شراب پیتے ہوئے دیکھا نہیں اور نہ شراب کے نشہ میں پایا۔ جو لوگ ان پر اس قسم کے الزام رکھتے ہیں کوئی چشم دید واقعہ ذکر نہیں کرتے۔ ایسے اعتراضات اپنے مخالف پر کرنے مسلمانوں میں ہمیشہ سے ہر زمانہ تحریک میں مشاہدہ ہوتے رہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ مولانا آزاد صاحب مدظلہ میں بعض کمزوریاں بھی ہیں کہ وہ پنجگانہ جماعت کے مساجد میں پابند نہیں ہیں، داڑھی بھی ایک قبضہ کے مقدار میں نہیں رکھتے۔ فوٹو کھچواتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر وہ مقصد اہم جو کہ فریضۂ اسلامی ہے اسمیں یقیناً وہ نہایت استقلال اور عالی ہمتی سے جفاکش اور جانباز ہیں۔ انکو دینی ہمدردی بھی بڑے پیمانہ پر حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی امداد فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے، آمین۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۱۳ر شعبان ۶۵ھ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۶) نماز میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال کے بارے میں حضرت مولانا تھانویؒ سے جو استفتا کیا گیا تھا وہ سوال اور جواب ذیل میں کم اضافہ کی غرض سے درج کر دیتے ہیں جس پر مولانا ابوالاعلیٰ صاحب نے رسالہ ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ۱ ماہ ستمبر ۳۸ء میں بحث کی ہے، حضرت امام العصر نے جو تبصرہ فرمایا ہے وہ صحیح اور حق ہے۔ سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مشین ایسی ایجاد ہوئی ہے کہ مقرر کی آواز کو بہت فاصلہ تک اسی طرح پہنچا دیتی ہے جسطرح پاس کے اشخاص کو پہنچتی ہے پس کیا جائز ہے کہ ان مشینوں کے ذریعہ خطیب کی آواز کو تمام سامعین تک پہنچا دیا جائے۔ الجواب۔ اول ایک قاعدہ سمجھ لیا جائے جو عقلی بھی ہے اور نقلی بھی اور فقہاء حنفیہ نے اس قاعدہ پر بہت احکام کو متفرع کیا ہے۔ وہ یہ کہ جو مباح یا مندوب درجہ ضرورت و مقصودیت فی الشرع تک نہ پہنچا ہوا اور اس میں کوئی مفسدہ یا احتمال قریب محتمل ہو تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے، عقلی ہونا تو اس طرح ظاہر ہے اور قبول فقہاء کے بعد اسکے ماخذ نقلی کے نقل ضروری نہ تھی، مگر تبرعاً اسکو بھی نقل کرتا ہوں سو اسکے نقل کرنے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغیر علم سب الہۃ مشرکین تو ضرور ہے کہ اور بعض حالات میں مندوب بھی مگر مقصود مستقل نہیں، کیونکہ اسکی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے یعنی حکمت و موعظت و جدال حسنہ اور اس میں مفسدہ سب مشرکین للاله الحق کا ہے اس لیے اس سے نہی فرمائی گئی اور اس قاعدہ کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر محدود ذریعہ سے تبلیغ ضروری ہے۔ اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جائیں تھے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی۔ لہٰذا ترک اور منع لازم ہوگا، یہ تو اس وقت ہے جب خطیب کا مراد مطلق واعظ اور [illegible]

# مکتوب نمبر ۱۵۸

## بنام زاہد حسین صاحب عفا فرلوکو شیڈ، پاتھر ڈیہہ ڈاکخانہ پاتھر ڈیہہ ضلع مانبھوم (مشرقی پاکستان)

میرے بھائی دنیا میں جو وقت بھی مل جائے وہ نہایت غنیمت ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے، اور اسکو ضائع نہ ہونے دینا چاہیے۔ یہ زمانہ کھیتی کا ہے، اس کا ہر ہر سکنڈ ہیرے اور زمرد سے زیادہ قیمتی ہے، جس قدر بھی ہو اس کو ذکر الٰہی میں صرف کیجئے ؎

ہر نفس بہر مسیحا یست چست — گر نداری پاس او از جہل تست

این چنین انفاس خوش ضائع مکن — غفلت اندر شہر جان شائع مکن

اتباع سنت کا ہمیشہ خیال رکھیے، یہی کمال ہے، یہی مطلوب ہے، یہی رضاء خداوندی کا موجب ہے؛

ع من نہ کردم شما حذر بکنید

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۲) لکچرار ہو، اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ و عیدین کا ہے تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے، اس لیے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ قوی ہے، کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہو گا جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے، نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ۔ اسی تشبہ کی بناء پر فقہا نے غرس اشجار فی المسجد کو منع فرمایا ہے، اور تشبہ بالبیعہ والکنیسہ سے معلل کیا ہے۔ واللہ اعلم

(مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ)

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۰) بعض لوگوں نے حضرت امام العصر سے استفسار فرمایا تھا جس پر یہ منتوب گرامی سب سے بڑی سند شرف و مجد ہے، مولانا آزاد مسلمانوں کے ایک ایسے رہنما ہیں جنکی نظیر تمام دنیا میں موجود نہیں، علمی اور ادبی حلقوں میں مولانا کی جو عزت ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی۔

"مسلمان قوم کی بدقسمتی ہے کہ وہ مردہ کو تو پوجتی ہے اور کھو جانے کے بعد ہائے ہائے کرتی ہے لیکن زندہ کو نفعا اس کے مصنوعی دھرم میں گناہ ہے، چنانچہ اس کا یہی رویہ مسلم رہنماؤں کے ساتھ رہا اور ہے، باقی آزاد کو سمجھنا خود حماقت دشوار ہے اور کہنا پڑتا ہے "آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں"

حضرت مولانا تھانوی کے مواعظ خرید لیجئے، اور ان کو بھی دیکھا کیجئے۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۸) صحابہ کرام اور جملہ بزرگانِ دین کا محورِ عمل صرف رسول اللہ صلعم کی ذات تھی، اس لیے وہ تمام اعمال میں آپ کی سنت کا اتباع کرتے تھے، کیونکہ صفائی قلب اور تزکیۂ نفس براہِ راست تعلیمات مصطفوی کا ثمرہ ہے، جب بندے میں اتباع نبوی ہونے لگتا ہے تو حجابات خود بخود اٹھتے جاتے ہیں، اسی لیے متابعت رسول فرض اور عین محبت الٰہی کی علامت ہے، اور اتباع رسول کا صلہ ہی محبت الٰہی قرار دیا گیا ہے، بس جو شخص جتنا زاید متبع رسول ہے اسی قدر زاید محبت الٰہی کا بھی حصہ دار ہے، حضرات صوفیہ صافیہ نے اتباع کا حق ادا کیا ہے اور اسی کی تائید فرمائی ہے، شیخ عبد القادر جیلانی کا ارشاد ہے "اتبعوا ولا تبتدعوا" سنت کی پیروی کرو اور بدعت نہ نکالو۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں "اجعل الکتاب والسنۃ امامک واعمل بھما ولا تغتر بالقال والقیل" (فتوح الغیب) قرآن اور سنت کو اپنا پیشوا بنالو اور ان پر عمل کیا کرو، اور لوگوں کی کہی سنی باتوں پر دھوکا نہ کھایا کرو۔ شیخ احمد عبد الحق رودولوی باوجودیکہ مجذوب تھے، لیکن اتباع سنت نبوی کا یہ عالم تھا کہ جامع مسجد میں سب سے پہلے جاکر اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے اور چالیس سال تک جماعت سے نماز پڑھی مگر یہ نہ جانا کہ جامع مسجد کون ہے اور کدھر ہے (مسالک السالکین) ابو سعید بن ابی الخیر جو جمال اہل طریقت تھے، آپ ہی کا واقعہ ہے کہ ایک شخص آیا اور مسجد میں سب سے پہلے (خلاف سنت) بایاں پیر رکھا، آپ نے فرمایا پھر جا، میں اس سے ملنا نہیں چاہتا جو دوست کے گھر میں جانے کا طریقہ نہیں جانتا (الدر المنظم) سید الطائفہ جنید بغدادی فرماتے ہیں "ہمارا سارا علم کتاب و سنت کا پابند ہے، دوسری جگہ فرماتے ہیں خلق پر تمام راستے بند کردیے گئے ہیں بجز اس کے کہ سنت نبوی کے نقش پر چلا جائے (رسالہ قشیریہ) خواجہ اجمیری کا ارشاد ہے کوئی شخص کسی عبادت سے قرب الٰہی حاصل نہیں کرسکتا جبتک کہ نماز بطریق سنت نہ پڑھے، کیونکہ نماز ہی معراج المومنین ہے۔ (تاریخ اجمیر ) ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام بھلائیوں کا سرچشمہ اور خیر کا دروازہ محمد رسول اللہ صلعم کی اطاعت اور اتباع سنت میں ہے، اس سے باہر نہ تو کوئی راستہ ہے اور نہ کتاب و سنت سے بہتر کوئی نسخۂ شفا اور روحانی علاج دریافت ہوسکتا ہے، کیونکہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے جہاں سے چشمہ پھوٹتا (باقی ص ۴۲۵ پر)

# مکتوب نمبر ۱۵۹

## بنام مولانا عزیز الرحمن صاحب تکیہ کلاں رائے بریلی (اودھ)

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امراض قلبیہ کے متعلق جد وجہد ہمیشہ جاری رکھیے مگر سب سے زیادہ مقدم ذکر اور مراقبہ ہے، اس میں انتہائی محنت اور توجہ ہونی چاہیے، اگر اس میں کامیابی ہو گئی تو آہستہ آہستہ اخلاق بھی درست ہو جائیں گے، ورنہ ضرر کم ہوگا۔ متقدمین تہذیب اخلاق کی جد وجہد اولاً

---

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۴) اور قاعدہ ہے کہ پانی سرچشمہ سے دور جا کر گدلا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا اصلی رنگ قائم نہیں رہتا ہے، جہاں حضرات صوفیائے کرام نے حق کی متابعت کا حق ادا کیا ہے، وہیں ان کے کاموں پر صد ہا بدعات متوسلین نے ایجاد کر دیں جو ان کے مقدس ناموں کی آڑ میں پھل پھول رہی ہیں اور گویا سانپ اور چھچھوندر کا سا معاملہ ہے کہ نہ اگلتے بنتا نہ نگلتے بنتا۔ امام العصر نے اپنے اس والا نامہ میں اتباع سنت پر بڑا زور دیا ہے کیونکہ آپ کی زندگی کا طغرائے امتیاز اتباع سنت ہی ہے، چونکہ آپ سلسلۂ صابریہ امدادیہ کے خاتم ہیں اس لیے اور بھی اپنے متوسلین میں اتباع نبوی کا جذبہ اور شوق مختلف صورتوں سے پیدا فرما رہے ہیں، آپ کے ان الفاظ کو ہرگز فراموش نہ کرنا چاہیے، ارشاد ہوتا ہے "یہی کمال ہے، یہی مطلوب ہے، یہی رضاء خداوندی کا موجب ہے"۔

جس طرح ان صوفیائے کرام نے اتباع پر زور دیا اور عملی نمونہ پیش فرمایا ہے اسی طرح ان ہی کا متفقہ ارشاد ہے کہ تصوف وسلوک دوسرا نام ہے اتباع سنت کا۔ جس کو راقم الحروف نے کتابی صورت میں مرتب کر رکھا ہے،

مواعظ حضرت مولانا تھانوی کا مطالعہ مفید ہے کیونکہ اس میں تصوف اسلام وسلوک پر جگہ جگہ نکات موجود ہیں، حضرت امام العصر اور حضرت مولانا تھانوی دونوں ایک ہی خمستان معرفت کے جرعہ نوش ہیں اسلیے جہاں تک تعلیم وتربیت سلوک کا تعلق ہے دونوں مشترک ہیں اس اعتبار سے ایک کو دوسرے پر کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے، باقی حضرت امام العصر کی مجاہدانہ زندگی تو یہ ہمارے حضرت کا وہ مقام ہے جہاں آپ سے قبل شاید ہی کوئی ہستی موجود رہی ہو بہرکیف اس والا نامہ سے دوسرا پہلو یہ پتہ چلتا ہے کہ دونوں بزرگ بیک وقت سلوک و تصوف کی اہم ذمہ داری دیتے ہیں جو تعلیم و تربیت سلوک پر متحد الخیال تھے۔

کراتے تھے، پھر سلوک بالذکر والمراقبہ کراتے تھے۔ مگر بسا اوقات ایسا ہوا کہ سالک کی عمر تہذیب اخلاق ہی میں ختم ہوگئی اور وصول الی اللہ کے بعد اخلاق رذیلہ کا ازالہ کرتے ہیں۔ اسمیں اگر سالک کی عمر درمیان میں ختم ہوگئی تو محروم نہیں جاتا، نیز وصول الی اللہ کے بعد اخلاق رذیلہ کا ازالہ نہایت آسان ہوجاتا ہے، اسی طریقہ کو بہت سے اکابر پسند فرماتے ہیں، بنابریں آپ کو پوری جد وجہد ذکر میں جاری رکھنی چاہیے، معانی کا لحاظ رکھتے ہوئے دل لگا کر ذکر میں کوشش فرمائیے۔ اسکے بعد انشاء اللہ اصلاح اخلاق رذیلہ ہوجائیگی، اسکے یہ معنی نہیں کہ ان کے اصلاح سے منہ پھیر لیا جائے بلکہ اسکی طرف کو مقصد اصلی نہ سمجھا جائے، اور وصول الی اللہ ہی کو مقصود اصلی قرار دیکر شدید جد وجہد جاری رکھی جائے، بنابریں عرض ہے کہ ذکر کی کیفیت باعتبار نتائج تحریر فرمایئے اور اس کی مداومت و استحضار قلب میں پوری کوشش جاری رکھیئے۔ والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

(حاشیہ مکتوب نمبر ۱۵۹) تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قرب خداوندی کے اسباب میں سب سے زبردست سبب خدا کو اپنے بندوں کو اپنی جانب کھینچنا ہے، یہ جذب کبھی بلاواسطہ ہوتا ہے اسکو اجتباء سے موسوم کرتے ہیں، اور کبھی متوسط ہوتا ہے مثلاً عبادت و صحبت انسان کامل۔ ایک کو برکات عبادت اور دوسرے کو تاثیر شیخ کہا جاتا ہے یہ گفتگو علت فاعلی کی بنا پر ہے علت قابلی استعداد کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ودیعت فرمائی ہے اور کتاب و سنت اس پر گواہ ہے، البتہ یہ استعداد انسانوں کے اندر فرق مراتب رکھتی ہے پس معلوم ہوا کہ نفس کی تکمیل بدون کسب و صحبت شیخ کامل کوئی اور چارہ کار نہیں ہے، اس لیے حضرات صوفیہ نے رفع موانع کو تحصیل مقاصد پر مقدم رکھا ہے اور مرید کو اذکار و ریاضات اور مجاہدات کی اولاً تلقین فرمائی ہے، اب اگر مرید درمیان ہی سے رخصت ہوجاتا ہے تو مطلقاً وصول الی اللہ سے محروم نہیں رہتا، کیونکہ تزکیہ قلب پہلی ہی صحبت میں اسکو حاصل ہوچکا ہے، خلاصہ یہ کہ حضرات شاہ (منہم کلہم مرشدی وسیدی دامت فیوضہم) اپنے مریدوں کو جو پہلے پہل ریاضت و مجاہدہ اور ذکر کا امر فرماتے ہیں۔ اس کا مقصد تزکیہ نفس وحصول قرب ہوتا ہے، اگرچہ جب تک صحبت شیخ اس کی پشت پرنہ ہو یہ تصفیہ و تزکیہ محض عبادات سے کما حقہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے سلوک بالذکر والمراقبہ کو مقدم رکھا جاتا ہے، اور یہی فیصلہ حضرت امام العصر کا بھی ہے۔ واللہ اعلم

# مکتوب نمبر ۱۶۰

## خاکسار مرتب کے نام

سیدنا المحترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(۱) سراج الحق صاحب کی اصلاح و ہدایت کے لیے نیز دیگر حضرات کے لیے جو کچھ مساعی آپ عمل میں لارہے ہیں ہر طرح مشکور ہے۔ (لان یھدی اللہ بک رجلاً خیر لک من حمر النعم (او کما قال علیہ السلام) کچھوچھہ میں ان کا تشریف لیجانا اگر غیر عرس کے موقع پر ہو تو اطمینان سے ایصال ثواب اور حصول برکات کا موقع ہوگا، اور عرس کے موقع پر تو سوائے تشویش اور سیر تماشہ کوئی چیز نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ ایسے عقلمند اور تجربہ کار ہو کر کیسے اس کو پسند کرتے ہیں، اس موقع پر تو اجتماع فواحش اور سیئات کا ہوتا ہے اور اگر ان کو اس پر اصرار ہی ہے تو تحریری تصریح ہی کیوں چاہتے ہیں، بغیر پوچھے اور کہے سے بیسیوں چیزیں انسان عمل میں لاتا رہتا ہے، ہم کو کیوں شریک معصیت کرنا چاہتے ہیں، بہر حال اگر اللہ تعالیٰ نے کسی قریب زمانہ میں حاضری کا موقع دیا تو عرض معروض کی مزید نوبت آئے گی۔

عہ امام المعبرات ہر سوتھ ہر کے صدر یہ تین حصوں میں خوشی کو جاتا ہوں ... آپ خود میں بڑی گئی ... حضرت صلعم نے خواب میں حضرت بلال کی آہٹ سنی ... سو ذرا یا تھا۔ [marginal handwritten note, partly illegible]

---

لہ اللہ تعالیٰ بدعات و محدثات کا ناس کرے۔ اس چھوت چھات کی بیماری نے جسکو چھو لیا پھر اسکو توبہ نصیب ہونا دشوار ہوجاتا ہے۔ بدعتی نادانوں کا علماء حق پر بھی اعتراض ہوتا رہتا ہے۔ تاکہ اسکی آڑ میں اپنی بددینی کو چھپائیں، چنانچہ ان کا تمام پروپگنڈہ ہے کہ یہ حضرات نہ پیر کے قائل نہ اولیا کی بزرگی کے معترف نہ زیارت قبوران کا مذہب وغیرہ، حالانکہ حضرت امام العصر نے سلاسل طیبہ میں صاف صاف لکھدیا ہے" نیز اولیاء اللہ اور مشائخ کے مزاروں کی زیارت سے مشرف ہوا کرے اور فراغت دلی کے اوقات میں ان کے مزاروں پر مبتکران کی روحانیت کی طرف توجہ کرے اور اس کی حقیقت اپنے مرشد کی صورت میں تصور کرے اور فیضیاب ہوا کرے اور برکت حاصل کرے اور کبھی کبھی عام اہل اسلام کے مزاروں پر جاکر موت کو یاد کرے، اور فاتحہ پڑھکران کو ثواب پہنچائے"۔ رہ گیا عرس میں جانا تو یہ صریح بدعت ہے اور

(باقی ص ۳۲۸ پر)

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر ہم جیسے بدنام کنندہ نکو نامان کو خیال فرمانا ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

کا مصداق ہے، ہمارا حال تو حسب قول شاعر ہے ؎

یظن الناس بی خیرا وانی　　لشر الناس ان لم یعف عنی

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق مشکل کشا کا لفظ نہ معلوم کس وجہ سے طبیعت کو گراں ہوتا ہے، زمانہ سابق مین یہ لفظ بمنزلہ لقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے مستعمل ہوتا تھا، اسی زمانہ مین شجرہ تصنیف کیا گیا ہے، ہم نے زمانہ طفولیت مین سن رسیدہ لوگون کی زبان پر اس کو بہت زیادہ جاری پایا، مگر یہ لفظ عربی کے 'حلال المعاقد' کا ترجمہ ہے، حسب معنی لغوی خصوصیت ذات خداوندی کے ساتھ نہین رکھتا، معانی شرعیہ کے اعتبار سے مشکل قسیم مجمل و متشابہ ہوتا ہے، جس کا مصداق ہر فقیہ صاحب الرائے ہو سکتا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بوقت ارسال یمن جبکہ انھون نے شکایت فرمائی کہ مین حدیث السن ہون اور آپ مجھکو قاضی اور حاکم بنا کر بھیجتے ہین تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینۂ مرتضویہ پر دست مبارک مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین فما شککت فی قضیۃ بعد، پھر ان کے وہان کے مشکل سے مشکل فیصلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

(باقی حاشیہ ص ۴۳۷) راقم الحروف کو عرسوں میں قبرون پر سجدہ کرنا تک مشاہدہ ہے، حالانکہ ان بزرگوں کی ارواح اس سے بیزار ہوتی ہے نہ کہ خوش، چنانچہ ان عرسوں کو ہماری زبان مین میلا جانا کہا جاتا ہے، اور وہ تمام خرافتین وہاں ہوتی ہین جو میلا ٹھیلہ میں ہوا کرتی ہین، کہین کم کہین زیادہ جس سے شریعت نالان اور ناطقہ سر بگریبان، اگر مقصود زیارت سے حصول برکت و استفادہ فیوض ہے تو یہ چیز غیر عرس میں حاصل ہونا اور دلجمعی پیدا ہونا کھلے طور پر ثابت ہے۔ یہ کیون نہ کیا جائے۔ اگر کسی کو بڑا اصرار ہو تو پھر فتوی لینے کے کیا معنی، فتوی کے بعد اگر خلاف کیا تو دوہرا گناہ ہوگا، اور مفتی بھی لپیٹ میں آسکتا ہے جبکہ اس نے مستفتی کی رعایت فرمائی۔ اس دلالامہ میں حضرت امام العصر نے اپنی طرف اشارہ فرمایا ہے خوب سمجھ لیا جائے۔

ذکر کیے گئے ہیں جن پر آپ نے اظہار خوشنودی فرمایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ولولا علی لھلک عمر" یہ ایسے مشکل مقام میں تھا جو کہ مشہور ہے، مشکلات کے حل کرنے میں زمانۂ صحابہؓ میں حضرت علی مشہور ہو گئے تھے، تا آنکہ سخت فیصلہ میں یہ مثل صحابہ کرام کی مشہور ہے۔ "قضیۃ ولا ابا حسن لھا" بہر حال سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا وجہ اس لفظ کے اباکی ہے۔ اگر کوئی خصوصی الوہیۃ یا نبوۃ ہوتی تو محل کلام تھا۔[۱]

(۴) علماء و صلحا کو خواب میں دیکھنا رویا رصالحہ میں ہے اور مبارک امر ہے۔

(۵) آپ فرماتے ہیں بسا اوقات بہت سے شغل اور اذکار سے صوفیہ پر بدعت کا گمان ہونے لگتا ہے، کیونکہ صاحب شریعت تزکیہ و اصلاح نفوس کے لیے جو معتد نسخہ تجویز کیا تھا اسکے اجزا کے تناسب میں رد و بدل کرنا اور بعض چیزوں کی مقادیر کو صاحب شریعت کی تجویز کردہ مقدار سے بڑھا کر بعض دوسرے اجزا کی مقداروں کو اسی نسبت سے گھٹا دینا من احدث فی امرنا ھذا

---

[۱] خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشکل کشا محض اسلیے کہا جاتا ہے کہ آپ آنحضرت صلعم کی توجہ اور دعا سے بڑے بڑے امور کو صحیح طور پر طے فرما دیتے تھے، اور صحابہ کی جماعت میں آپ کا لقب "حلال المعاقد" یعنی گرہوں کے کھولنے والے ہو گیا تھا، ایسے معنی نبوی کے اعتبار سے کوئی خصوصیت ذات الٰہی کی نہیں ہوتی اور یہ چیز تو ضرب المثل کے طور پر ہو گئی تھی کہ کوئی ایسا معقدہ اور قضیہ نہیں کہ جس کو حضرت علیؓ نے صاف نہ کر دیا ہو، چونکہ بدعتی اور روافض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا اس خصوصیت کے ساتھ مانتے ہیں جو ذات بحت کا خاصہ ہے اسلئے ان ہی نے اس لفظ کی ترکیب فارسی قرار دیکر اہل سنت والجماعت میں اس فقرہ کو پہنچایا جس میں قطعی طور پر رفض کی بو آتی ہے۔ راقم الحروف نے حضرت امام العصر سے اسی خیال خام کی تشفی چاہی جو بحمد اللہ اچھی طرح ہو گئی اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت علیؓ کو مشکل کشا کہنا اور اس سے مراد مشکل مسائل کا حل کرنا ہو تو اسکے بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے، باقی اچھی بات یہ ہے کہ لفظ مشکل کشا کا استعمال حضرت علیؓ کے لیے اگر ترک کر دیا جائے تو اور زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ عوام اس فرق کو کیا جانیں۔

منہ فھو رد" کے تحت "سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں" محترما! اگر کوئی چیز کسی نے ایسی کہی ہے یا لکھی ہے جو صراحتاً خلاف شریعت ہے، وہ تو یقیناً مردود ہے ہی، مگر جو چیز اباحت و استحباب کے ماتحت داخل ہو، اسکا اس کا فرمانا معادیر کی یا اعراض وغیرہ کی کمی بیشی ایسی ہی ہے جیسے قرآن میں اعراب لگانا، اس کو طبع کرنا، اس کی جلد باندھنا، اس کی تدریس و تعلیم اور مکاتیب اور ان کے لوازم کو عمل میں لانا جس کو حکماء امت نے ضروریات زمانہ اور مقتضیات و استعدادات اقوام کے مطابق فرائض یا واجبات کے عمل کرنے کے لیے موقوف علیہ یا ضروری سمجھکر وضع فرمایا ہے۔ قاعدہ ما یتوقف علیہ المامور بہ فھو مامور کا قاعدہ سب کو ماننا ضروری ہے، کیا اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد کے لیے آپ توپ، اشین گن اور اسلحہ جدیدہ کو بدعت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ نفوس زمانۂ سعادت میں جس قدر استعداد رکھتے تھے اس کے مطابق اور ماحول کے اثرات کے ماتحت خیر القرون میں عدد و قیود اور کیفیات درکار تھیں، مگر ان میں واجب ذکر اور تقرب الی اللہ کے لیے حکماء ارواح کو ازمنہ متاخرین اعداد و قیود ضروری معلوم ہوئیں انکو بدعت فرمانا اور علم ظاہر و جہاد کے اسلحہ کے لیے مشروع و مسنون ہونے کا حکم دینا کیا ظلم نہیں قرار دیا جائے گا، پہلے والا نامہ کا جواب کسی سفر میں یہاں تک لکھ چکا تھا کہ کوئی مانع پیش آیا اور جواب پورا نہ ہو سکا، پھر اس امید میں کہ کوئی فرصت ہو، یہ وقت آگیا، معاف فرمائیں۔

ہاں اگر کسی مامور بہ میں اعداد اور اوضاع اگر مقصود بالذات ہوں جیسے اعداد رکعت صلوٰۃ مفروضہ اور اوضاع و ہیأت قیام و قعود و رکوع وغیرہ تو ان میں کمی زیادتی تغیر و تبدل یقیناً ناجائز اور حرام ہوں گے، ظہر کو پانچ رکعت یا زیادہ اسی طرح ممنوع ہوگا جس طرح تین رکعت یا اس سے کم، مگر اشغال و اذکار میں اس کا وجود نہیں بلکہ اگر تتبع فرمائیں گے تو ان میں کماً و کیفاً اطلاق اور ازدیاد ہی کا پتہ چلتا ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا الآیۃ اگر

کمیت کے اطلاق پر دلالت کرتا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ الآیۃ۔ یہ کیفیت کے اطلاق کو بتاتی ہے، وعلیٰ ہذا القیاس۔ آیات واحادیث اس بارہ میں اگر تلاش کیجائیں تو مندرجہ بالا مضمون کا عظیم الشان ذخیرہ ہاتھ آئے گا۔ بہرحال یہ اشکال بالکل بے موقعہ ہے، امراض باطنیہ کے تفاوت کی بنا پر علاج اور ادویہ میں تفاوت کا ہونا ضروری ہے۔ زمانہائے مشہود لہا بالخیر پر اس زمانہ کو جو کہ مشہود لہا بالشر ہے، مساوی قیاس کرنا غلطی ہوگی۔[۱]

---

[۱] راقم الحروف نے اپنے عریضہ میں جو شکوک ظاہر کئے تھے، وہ مکتوب ہذا میں حضرت امام العصر نے اصل فقرے نقل فرمائے ہیں اور پھر جو تحقیق فرمائی ہے وہ بھی موجود ہے، الحمد للہ کہ مجھکو اس سے پورا اطمینان ہوگیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطلب کی خوبی کا اندازہ حضرت امام العصر کے ارشادات اور حضرت مولانا تھانوی کے مواعظ سے کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ہر دو بزرگوں اور روحانی طبیبوں کا ایک ہی نقطہ نظر ہے، الفاظ میں فرق ہوا کرتا ہے۔ دوسری بات جو حضرت امام العصر کے والا نامہ سے معلوم ہوئی وہ آیت سورہ آل عمران وآیت سورہ نساء میں بصراحت موجود ہے، یعنی کثرت ذکر اور دوام ذکر۔ ظاہر ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں کی یاد اٹھتے بیٹھتے، جاگتے سوتے قائم رہتی ہے تو اس سے مراد کثرت اور دوام ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید واحادیث میں ذکر کی فضیلت واہمیت پر اتنی آیات واحادیث صحیحہ موجود ہیں کہ کہنا پڑتا ہے کہ ذکر خدائے تعالیٰ ایک بلند اور قوی ترین رکن ہے۔ سلوک اور معرفت الٰہی کا اور کوئی ہرگز ہرگز بغیر دوام ذکر کے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت دقاق فرماتے ہیں "ذکر منشور ولایت است"۔ نماز بہترین عبادت اور بلند ترین ذکر ہے، مگر بعض اوقات ایسے ہیں کہ اس وقت اس کو نہیں ادا کیا جاسکتا۔ بخلاف اس کے ذکر یعنی یاد یا یادداشت یہ ہر وقت رکھی جاسکتی ہے، حضرت امام مالکؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ ایسے مواقع جہاں ذکر زبان سے نہیں کرسکتے وہاں دل سے ذکر نا موقوف نہیں۔ بعض لوگوں کو خیال ہے کہ ذکر بلا فکر صحیح نہیں، ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ذکر فکر سے کامل چیز ہے اللہ تعالیٰ ذکر سے موصوف ہے، فکر اسکی شان کے منافی ہے۔ یہ ذکر ہی کے خصائص میں سے ہے فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ یہاں ذکر کا تبادل ذکر ہی سے فرمایا گیا۔ کفٰی باللّٰہ شہیدا۔ یعنی تم مجھکو یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ مٹھاس اور حلاوت

اب مین آپ کے اس والا نامہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہون جو کہ آپنے ۱۹ رجب کو ارسال فرمایا ہے۔ بابو معین الحق صاحب کے متعلق غالبًا اسی وقت عرض کر دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ بہرحال مین نے اس وقت بھی دعا کی تھی اور اب بھی دعا کرتا ہون۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے آمین۔ مبارکپور مین اس زمانہ مین بابو فضل الرحمٰن صاحب کی اہلیہ محترمہ کا والا نامہ ایک صاحب لیکر آئے تھے جس مین مندرج تھا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تو ہم لوگون سے بہت کبیدہ خاطر ہے، اس کا ہم کو بہت افسوس ہے۔ ہماری بڑی خواہش ہے کہ تو واپسی پر ہمارے یہان چند گھنٹہ قیام کرتا ہوا واپس ہو۔ (یہ روایت بالمعنی ہے) مین نے جواب مین لکھا کہ آپ سے خفگی کی کوئی وجہ نہین، ہان بابو صاحب کے متعلق کچھ باتین معلوم ہوئی تھین۔ سو ان سے کبیدہ خاطر ہو کر مین کیا کر سکتا ہون۔ اور چونکہ واپسی پر مجھکو مہلت نہین ہے، اس لیے حاضری سے معذور ہون (غالبًا یہی مضمون تھا) بہرحال بابو صاحب کی اہلیہ محترمہ سے تو رنجش کی وجہ کوئی ہو ہی نہین سکتی تھی، البتہ اگر بابو صاحب سے مجھکو رنجش نہ ہوتی تو مانع کیا تھا۔ جبکہ واپسی پر موٹر ان کے گھر کے سامنے سے گذرتا ہوا اسٹیشن پر گیا تھا کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۱) ایمان تین چیزون مین تلاش کیا کر: نماز، ذکر اور تلاوت، پس اگر حلاوت محسوس ہو تو سمجھ لو کہ بہتر ہے ورنہ یقین رکھو کہ دروازہ بند ہو چکا ہے۔ حضرت استاذ امام مولانا فرنگی محلی مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے سوال کے جواب مین عجیب حکمت قرآنی بیان فرمائی ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ "عبادات کے دو اصل الاصول ہین ایک ذکر اللہ دوسرے مواسات خلق خوب بات ہے کہ ساری شریعت وطریقت کا ماحصل اسی قدر ہے، تیسری بات جو راقم الحروف کو ہدایت فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ سال ارباب ثروت مین قیام کرنے سے حرف بحرف حقیقت بنکر سامنے آئی کہ اصحاب مال اور رؤسا سے اتصال پیدا کرنے مین یہ خطرہ پیش آتا ہے کہ یہ لوگ بہت جلد مجازی رازق بنکر بندگی کا مطالبہ کرنے لگتے ہین، اس کے سدباب کرنے کے لیے خودداری، تعفف اور بے لاگ راست روی سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر ذرا بھی خامی برتی جائے گی، تو نہ صرف یہ کہ ان کی خداوندی مسلط ہو جائے گی بلکہ دین بھی ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتا ہے، الحمدللہ کہ بزرگون کی توجہ اپنے شریک حال ہوئی اور بتدریج اصول دین اور فروع اسلام کی دعوت دی گئی اور غلط رسم ورواج اور (باقی ص ۴۴۴ پر)

میں آدھ گھنٹہ یا اس سے کم و بیش کے لیے وہاں نہ ٹھہرتا، بہرحال ان کے غلط اعمال پر مجھکو یقیناً صدمہ ہے
مگر واقعہ یہی ہے کہ میں کر ہی کیا سکتا ہوں، میں ایک معمولی غریب آدمی ہوں، اور وہ ایک رئیس
زمیندار ہیں۔ میں ان سے رنجیدہ ہوکر ان کا کیا بگاڑ سکتا ہوں، اور ان کی طبیعت پر میرے
کبیدہ خاطر ہونے کا کیا اثر ہوسکتا ہے، ان کی اہلیہ محترمہ بیچاری عورت ہیں، عورتوں کو
ضعف قلب کی وجہ سے کچھ اثر ہو جاتا ہے، بہرحال بابو صاحب ایک امیر آدمی ہیں اور
وہ اپنے گھر خوش رہیں، میں ایک غریب آدمی ہوں اپنی غربت میں خوش ہوں۔ میرا فریضہ
ہے کہ ان کے لیے، ان کے کنبہ کے لیے اور تمام اُمت محمدیہ کے لیے دست بدعا ہوں،
اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے، اور سبھوں کو مقاصد دارین میں کامیاب فرمائے۔

حضرت مولانا! معلوم ہونا چاہیے اہل دنیا رؤساء سرمایہ دار صرف مادیت اور اس کی
قوت کے معترف اور دلدادہ اور پرستار ہوتے ہیں، ہم جیسوں کو تو وہ اپنے جوتہ کی خاک
کے برابر بھی نہیں سمجھتے، میرے تعلقات اہل ثروت سے نہایت ہی کم بلکہ تقریباً معدوم
ہیں، یہ لوگ نہ پیر کے ہوتے ہیں نہ فقیر کے ...... بہرحال جو کچھ پیش آنا تھا وہ آچکا ہے
آپ کو بھی کبیدہ خاطر نہ رہنا چاہیے۔

(۲) اول وقت پر نماز بیشک بہتر ہے، مگر جن روایات میں اول وقت کا ارشاد ہے ان میں اول
وقت جواز مراد ہے یا اولیٰ وقت استحباب۔ بر تقدیر شق اول بہت سی روایات صحیحہ کا ترک لازم آتا ہے
اور بر تقدیر شق ثانی پر جمع بین الروایات ہو جاتا ہے، وھو الاوفق لظاہر الروایۃ عن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۲) غلط رسم و رواج اور بدعات جن نے مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے، اس سے آگاہ کیا گیا، اور آپ
حلوے اور مانڈے کی فکر میں اسلام کو بدنام نہیں کیا گیا اور صاف کہدیا گیا ؎

بروایں دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

(۷) آدمی کتنا ہی بزرگ ہوجائے مگر پھر بھی انسان ہے، انسانی کمزوریاں علم یا سلوک سے فنا نہیں ہوتیں، البتہ نفسانی خباثات میں کمی آجاتی ہے، انقلاب ماہیت ہوجائے تو پھر مضاعفت اجر و ثواب کیونکر ہو۔ ملک جو کہ ان کمزوریوں سے طبعاً خالی ہے، مستحق اجر و ثواب نہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بات ہی نرالی ہے، مگر ہمہ شما میں یہ کمزوریاں ضروری ہیں، مشاجرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی شاہد عدل ہیں، بہرحال ایسی کمزوریاں اپنے سے حتی الوسع دفع کرنا چاہیے، اور دوسروں میں ان پر نظر نہ ڈالنی چاہیے، بلکہ اس کے وصف کمال کو تلاش کرنا چاہیے، اگر مل جائے تو اس کی قدر کرنی چاہیے۔ انسان ممکن بالامکان الخاص ہے، اور اصل ممکنات کی عدم ہے، اور عدم ہی تمام شرور و نقائص کا مبداء اور منشاء ہے، بنابریں ممکنات کا نقص طبعی اور اصلی ہے البتہ کمال موہبی ہے، وہی قابل توجہ ہے، اس لیے کبھی نقائص سے دلگیر اور متاثر نہ ہوں، ہدانا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ۔ آمین

؎ احادیث و آثار کے تعارض کی صورت میں جمع و توفیق کی راہ مجتہدانہ راہ ہے اور یہ بہت مشکل چیز ہے جس کو وہی نباہ سکتا ہے جس کی نظر اسفار حدیث پر گہری ہو، یہی تفقہ فی الدین ہے، باقی بخاری و مسلم سے چند احادیث نکال کر عمل درآمد کرنا یہ وہی کرسکتا ہے جس کا مبلغ علم، فہم و فراست سے خالی ہے، اس مکتوب میں حضرت امام العصر نے جمع و تطبیق کی صورت اختیار فرمائی ہے، جو ہمارے لیے بہترین اسوہ ہے، جہاں تک ہماری نظر نہیں۔

دوسری چیز کہ انسانی کمزوریاں علم یا سلوک سے فنا نہیں ہوتیں البتہ نفسانی خباثات میں کمی آجاتی ہے اس عارفانہ تحقیق نے مدعیان سلوک اور تصوف کی بہت غلط فہمیوں کو دور کردیا ہے یعنی یہ کہ ریاضت و مجاہدہ سے استیصال رذائل نہیں ہوتا بلکہ رخ بدل جاتا ہے، اور ہماری یہ کمزوریاں ہی اجر و ثواب کا سبب بنجاتی ہیں، اور پھر توبہ، ریاضت اور انابت سے اخلاق ذمیمہ میں کمی آجاتی ہے لیکن انقلاب ماہیت اور متبدل سو نہیں ہوتا ہے، اسی لیے حکم ہے کہ لوگوں کی خوبیوں پر نظر ہونی چاہیے نہ کہ برائیوں پر، کیونکہ خالی کا کرنا

(باقی ص ۴۴۶ پر)

(۸) صلوٰۃ الاوابین کے متعلق اختلاف مسمٰی مین نہین ہے، تسمیہ مین ہے۔ مشہور یہی ہے کہ نوافل بعد المغرب کو صلوٰۃ الاوابین کہا جاتا ہے، اور ضحوۂ کبریٰ کی نوافل کو صلوٰۃ الضحٰی اور چاشت کہا جاتا ہے مگر صحاح مین ہے صلوٰۃ الاوابین حین ترمض الفصال[له]۔ اس لیے اقرار کرنا پڑے گا کہ نوافل بعد المغرب کا تسمیہ غلط العوام مین سے ہے۔[له]

(۹) قنوت نازلہ کے لیے الفاظ مخصوص نہین ہین، حسب نازلہ او حسب حضور قلب الفاظ استعمال کیے جائیں۔[عه]

---

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸۴) یہ انسان کا طبعی اور اصلی نقص ہے، اور یہ خوبیان عطیۂ خداوندی ہین جو لائق توجہ ہین۔ مگر مجبوراً ہے یہ کہ برائیون کی تلاش کیجا رہی ہے اور خوبیون کو بھی برائیون مین تبدیل کرنا سب سے بڑی دینی خدمت قرار دیا جارہا ہے اور یہ وہی زیادہ کر رہے ہین جنکو تصوف و سلوک کا ہیضہ ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ انکو اور انکو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

[له] صلوٰۃ الاوابین اس وقت ہے کہ اونٹون کے بچے گرم ہون یعنی ان کے قدم شدت آفتاب سے قریب دوپہر جلنے لگین۔ مسلم شریف کی اس روایت نے فیصلہ کر دیا کہ صلوٰۃ الاوابین کا وقت بعد مغرب یا رات کے کسی حصہ میں نہین ہے بلکہ وہ دن میں دوپہر کے قریب ہے۔ چنانچہ شارحین حین ترمض الفصال کے تحت لکھتے ہیں حین تحترق اخفافها من شدة حر الشمس وهي عند مضي ربع النهار، فتدبر۔

[عه] قنوت نازلہ آنحضرت صلعم نے بئر معونہ کے واقعہ کے بعد قراء صحابہ کے قاتلین پر ایک مہینہ تک نماز فجر مین رکوع کے بعد بددعا اور لعنت کی، چنانچہ تمام روایات اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر دلیل ہے کہ نازلہ کے وقت قنوت پڑھنا مشروع ہے، حتی کہ جمہور اہل حدیث کے نزدیک نوازل کے وقت ہر نماز مین قنوت جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب کوئی مصیبت مسلمانوں پر آجائے تو بحر الرائق، بنایہ، اشباہ وغیرہ مین صلوٰۃ جہریہ کے اندر بھی قنوت پڑھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ البتہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے فقہا سے روایت ہے کہ صرف صلوٰۃ فجر میں قنوت پڑھی جائے۔ قال الامام محمد اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهيم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یر قانتا فی الفجر حتی

(باقی ص ۴۸۶ پر)

(۱۰) نمازوں کے قضا ہونے کی وجہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک وہ گناہ جو عدول حکمی کی بنا پر ہوتا ہے، دوسری چیز اشتغال ذمہ جو کہ وجوب نماز اور وقت کی بنا پر ہوا تھا، توبہ اور اس کی قبولیت کی بنا پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے، زائل ہوجائے گا۔ مگر امر ثانی یعنی فراغت ذمہ تو جب ہی ہوگا جبکہ واجب کو ادا کردیا جائے گا۔ اس لیے قضا ضروری ہے۔ دنیاوی دیون نا اس پر خیال فرمائیے۔[له]

(۱۱) جملہ امور میں نیت کو دخل ہے جوکہ اعمال کے لیے بمنزلہ روح ہے۔ اور عمل ظاہری شبیہ ہے، اگر شبیہ مقصد سے مناسبت رکھتا ہے اور نیت ابتدائی لوجہ اللہ بالخلوص ہے تو وہ عمل صحیح ہے۔ اگرچہ بعد میں کوئی شائبہ ریا یا سمعہ کا پیش آگیا ہو اور اگر نیت ابتدائی لوجہ الغیر ہے تو اس عمل کے شیطانی ہونے میں شک نہیں، خواہ کتنا ہی اس عمل کو سنوارا جائے۔[سه] واللہ اعلم

(بقیہ حاشیہ ص ۴۶۵) فارق الدنیا الا شہرا واحدا قنت یدعو علی حی من المشرکین لم یقنت قبلہ ولا بعدہ (کتاب الآثار) اس سند کے متعلق ابن امیر الحاج فرماتے ہیں لا غبار علیہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے فجر میں کبھی قنوت نہیں کیا، سوائے ایک مہینہ کے، غالباً اسی روایت کی بنا پر امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں صلوٰۃ فجر میں قنوت نہیں چاہیے لیکن اگر کوئی فتنہ ہوجائے یا مسلمانوں پر کوئی بلا نازل ہوجائے، تو کوئی مضائقہ نہیں حضرت امام العصر کی تحقیق یہی ہے کہ حسب نازلہ اور حسب حضور قلب الفاظ استعمال کیے جائیں جیسا کہ حضرت ممدوح کا عمل پایا گیا ہے۔

له وسه راقم الحروف نے حضرت امام العصر سے قضا عمری کے متعلق یہ شبہہ پیش کیا تھا کہ جب توبہ کرکے کوئی نماز کا پابند ہوگیا اور اب قضا نہیں ہوتی تو پھر توبہ نے ماقبل کو بھی ذمہ سے ساقط کردیا، اب پھر قضاء عمری کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر حضرت امام العصر نے یہ والا نامہ ارسال فرمایا اور ناچیز کو تشفی ہوگئی۔

دوسرا شبہہ یہ پیش کیا تھا کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں عمل شیطانی ہے اور فلاں غیر شیطانی؟ اس پر بھی حضرت نے ایک اصولی تحقیق فرمائی جو نہ صرف اسی مسئلہ کے بارے میں ہو سکتی ہے بلکہ صدہا مسائل دینی کو حاوی ہے۔ فتامل۔

(۱۲) روایات کے وضع اور سقم وصحت کا مدار سند اور رواۃ کے احوال اور صفات پر ہے۔ امام بخاری اور دیگر محدثین اس کو معیار قرار دیتے ہیں، متن کی معقولیت اور غیر معقولیت ان کا نصب العین نہیں ہے۔ بخلاف ائمہ کلام واصول ان کا نصب العین متن ہے، جو روایت ان ائمہ کی نظر میں قطعیات اور اصول دین اور مجمع علیہ کے خلاف ہوگی اس کو موضوع قرار دیں گے۔ خواہ رواۃ کیسے ہی بلند پایہ کیوں نہ ہوں، اور محدثین اگر سند کو معیار وثاقت وحفظ وغیرہ پر کامل پائیں گے تو صحت کے مقرر ہوجائینگے خواہ متن کا کچھ حال ہو، ائمہ کلام جن متون کو قطعیات کے خلاف سمجھکر ان کے منکر ہوجاتے ہیں ان میں بسا اوقات غور وفکر کی کوتاہی یا صاحب نظر کا ضعف فکر بھی باعث بنجاتا ہے، اور یہی امر باعث تفاوت مراتب ہے، رب مبلغ اوعی من سامع[۱] اور من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین[۲] اور فقیہ واحد اشد علی الشیطن من الف عابد[۳] اس کے شواہد ہیں، بنا برین تحقیق اور مکمل توجہ اور تفتیش کی ضرورت ہے، اس بارہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدر ومنزلت معلوم ہوتی ہے، چونکہ میں سفر ریل میں الہ آباد اور کانپور کے درمیان یہ جواب لکھ رہا ہوں کتابیں پاس نہیں ہیں اس لیے اجمال پر اکتفا کرتا ہوں، الغرض روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ دربارہ عبد اللہ بن اُبی اور روایت لا یبقی علی ظہر الارض میں گفتگو محض ظاہری فہم اور قلت تدبر کی وجہ سے منکر ہے، ورنہ ہر دو میں کوئی مخالف قطعیات کا موجود نہیں ہے۔

(۱۳) تصور ذات پر اور ۱۵ کے مراقبہ پر جناب کا اشکال میری سمجھ میں نہیں آیا، اگر تصور ذات بحت ایسا غیر ممکن ہے تو پھر صفات کا اثبات اور توحید کا اعتقاد اور تصدیق سب باطل ہوجائینگے کیونکہ حکم بغیر تصور محکوم علیہ اور محکوم بہ ناممکن ہے، اور جب حکم بالصفات کے لیے تصور محکوم بہ فی الجملہ

---

[۱] بہت سے پہنچائے گئے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں [۲] اللہ جس کے ساتھ بھلائی مدنظر ہوتی ہے اسی کو دین میں سمجھ عنایت فرماتے ہیں۔ [۳] ایک فقیہ سخت تر ہے شیطان پر ہزار عبادت گذار سے

سوا، کان تا لکنہ او بکہنہ با توجہ کافی سمجھا جاتا ہے تو یہی تصور ذات بحت، مین کیون نہ کافی ہوگا۔ اس کو یہ فرمانا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ یا بعض متاخرین کا استخراج ہے، اس سے مجھکو اتفاق نہیں ہے۔ لفظ (اللہ) جبکہ اسم ذات ہے اور اس کے ذکر کا حکم آیات واحادیث مین موجود ہے، اور جبکہ ذکر حقیقۃً قلبی اور روحانی امر ہے جس کو ہم اپنی زبان مین یاد کرنے سے تعبیر کرتے ہین تو ان احکام کا مقتضی اعلیٰ تو تصور ذات ہی ہوگا، اسم کا زبان سے کہنا نہ تو یاد اور نہ ذکر حقیقتاً ہے اور نہ مدلول، لفظ اللہ یعنی مسمی کا ذکر ہے۔ نیز اغور فرمایئے۔ اسم کو زبان سے یا قلب اور سر خفی وغیرہ سے کہنا یہ تو مجازاً ہے، مسمی اور اسم مین تفاوت عظیم ہے، اگرچہ لاعین[1] ولاغیر کا مسلک قوی ہے۔

(۱۴) حبس دم کی نسبت یہ ارشاد کہ جوگیوں سے لیا گیا ہے، یہ بھی محل غور و فکر ہے، اس کا ثبوت کیا ہے، کیون نہیں کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح ریاضات اور طرق ذکر وسلوک اور زکی نیو و غیرہ اہل تصوف نے اپنے زمانہ مین اپنے اجتہاد اور تجربہ سے استخراج کی ہین ان ہی مین سے یہ بھی ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے ہمعصر اس فن کے مجتہد اعظم ہین، انھون نے یا ان کے شاگردون اور احباب نے مثل دیگر اشیاء اس کا بھی استخراج کیا ہو، اور جس طرح ایک شاعر کا قول دوسرے کے قول کے مطابق پڑجاتا ہے، اسی طرح یہ بھی ہوا ہو، علاوہ ازین جبکہ نفوس انسانیہ ایک ہی ہین، ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہین تو ان نفوس کی اصلاح کا طریقہ اگر متحد ہو جائے، بالخصوص جب کہ فرمایا گیا ہے کہ

[1] عینیت کے معنی ہین دو چیزون کا ہر طرح سے ایک ہونا کہ اس مین کسی قسم کا فرق نہ ہو، اور غیریت یہ کہ دونون مین کسی قسم کا تغایر و امتیاز یا فرق ہو۔ دونون میں تناقض ہے، اور یہی معنی لغوی بھی ہین۔ لہذا یہ بات مد نظر رہنی چاہیے کہ کوئی شے باری تعالیٰ کی ذات نہیں ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً[۱] تو یہ امر بھی شرعی طور سے متحد ہو گیا ہو، بالاخص اس تقریر پر جو کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں قدس سرہ العزیز ہندؤں کے دین وملت کے متعلق اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں تو اس میں مضائقہ ہی کیا ہے، مگر آپ غور فرمائیں گے تو صوفیہ کے حبس دم اور جوگیوں کے حبس دم میں بہت فرق ہے، اور صوفیہ نے دفع وساوس وخطرات کے لیے ان میں تھوڑا تھوڑا حسب تجربہ مقرر کرکے ذریعہ توجہ الی الذات اور انہماک فی المراقبہ قرار دیا ہے۔ جوگی اس میں بہت زیادہ غلو کرتے ہوئے مقصود بالذات قرار دیتے ہیں۔

محترم المقام: اوامر شرعیہ کے اقسام متعدد ہیں، بعضے تو ایسے ہیں جن میں قیود اور خصوصی احوال متصورات اصلیہ میں سے ہیں۔ ان میں اطلاق اور تغییر درست نہیں، جس طرح نماز ہے اور بعض ایسے ہیں جن میں قیود اور کیفیات ملحوظ ہی نہیں ہیں جیسے جہاد ہے، انہیں اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہے۔ خواہ بالسیف ہو یا بالسنان والرماح، خواہ ہوائی جہازوں اور توپ اور بندوق سے ہو، آج اگر جہاد کے لیے حسب ضرورت وقت آلات جدیدہ مہیا کیے جائیں ان کو بدعت اور منہی عنہ قرار دینا سخت غلطی ہوگی۔ جیسے کہ نماز کو بلا رکوع وبلا سجدہ یا کیفیات غیر منقولہ قرار دینا غلطی ہوگی۔ ذکر اور سلوک از قسم ثانی، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کسی قید اور خصوصیت کے اس میں طالب نہیں ہیں، اس لیے مشائخ سلوک نے جو اقسام ذکر وفکر کتب سلوک میں ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے کسی کو ناجائز یا بدعت قرار دینا اسی طرح غلط ہوگا، جس طرح جہاد بالآلات الجدیدہ کو ناجائز قرار دینا غلطی ہے۔

محترما! آپ کا یہ ارشاد کہ میں تو اس کو صریح غلط سمجھتا ہوں اور پورا یقین ہے کہ جو تصوف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، وہ مکمل اور کسی کا محتاج نہیں ہے الخ۔ یہ بھی قابل غور ہے قرأۃ قرآن

---

[۱] تھے سب لوگ ایک دین پر۔

زمانۂ نبوت میں نحو و صرف معانی و بیان تجوید و فن قرات کی محتاج نہیں تھی، مگر کیا آج ہم یا اہل عرب و مصر اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ وہ اہل زبان تھے ان کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی، مگر آج ہم عجمی ہوئے یا اہل حجاز و عرب اختلاط باعجم کی وجہ سے اس کے محتاج ہو گئے اور اس کی ضرورت قرن ثانی ہی میں محسوس ہو گئی تو یہی حال طبائع بشریہ کا بھی ہے، "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم" اس کا شاہد عدل ہے، زمانہ سعادت میں وہ قوت امانت نازلہ کی تھی جو کہ اس کی تدریجی کمی اور ارتفاع کی وجہ سے بعد کے زمانوں میں نہیں رہی "ان الامانۃ نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال" (الحدیث) نیز ظہور شمس نبوت کی وجہ سے جو ظلمتیں طبائع بشریہ سے اس زمانہ میں زائل ہوئیں مابعد کے زمانہ میں ان کا زوال ویسا نہیں ہے، صحابہ کا مجالس نبویہ میں احوال مشاہدہ کے ساتھ موصوف ہو جانا اور اپنے اہل و عیال کے اختلاط میں اس کا زائل ہو جانا اس کی گواہی دیتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہر چیز روشن ہو گئی تھی مگر در و دیوار "وما نفضنا ایدینا عن التراب الا وقد انکرنا قلوبنا"

لے سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر اسکے بعد کے دو دیگرے۔ سے حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ امانت الٰہیہ کا نزول آسمان سے قلوب رجال میں ہوا یعنی تہ نشین کیا گیا سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۲۰۲ کتاب المناقب میں مفصل موجود ہے یعنی حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ صلعم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو وہاں کی تمام چیزیں روشن ہو گئیں اور جس دن آنحضرت صلعم نے وصال فرمایا تمام چیزیں تاریک ہو گئیں اور ہم نے اپنے ہاتھوں کو گرد و غبار سے پاک بھی نہیں کیا تھا بلکہ دفن میں تھے کہ ہمارے دل بدل گئے اور وہ بات باقی نہیں رہی، اس حدیث سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ قرب جسمانی اور وجود ظاہری برکات قلبیہ و نورانیت ظاہرہ اور روحانیہ کا موجب ہے اور بعد اس کے برعکس ہے پھر جس قدر بھی بعد زمانی اور حسی ہوتا جائیگا اسی قدر ظلمات بڑھتی جائیں گی۔ خوب سمجھ لیا جائے۔

پس کار دشن شغل ہے. بہرحال جس قدر بھی زمانہ دور ہوتا جاتا ہے، اوساخ اور ادناس طبائع بشریہ پر مسلط ہوتے چلے جاتے ہیں، ظلمتیں اور کدورتیں بڑھتی جاتی ہیں. اس لیے ان کے دور کرنے کے لیے وہ اعمال ہرگز کافی نہ ہوں گے جو کہ اس زمانہ میں کافی تھے، اس لیے آپ کا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے.

حضرت شیخ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بجا اور صحیح ہے، وہ حقائق اور مکشوفات وغیرہ کے لیے ہے. ان میں اگر کسی صاحب کشف والہام کو کوئی چیز خلاف اخبار نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو تو مردود ہے. اور یہ حبس دم وغیرہ طرق معالجہ امراض روحانیہ کی بات ہے، یہ وسائل وذرائع ہیں حقائق نہیں ہیں، دونوں میں بون بعید ہے. میں نے ریل میں مختصر طور سے یہ لکھا ہے اگر شکوک کا ازالہ ہو جائے، فبہا، ورنہ اطلاع دیجئے، جو کچھ سمجھ میں آئے گا پھر عرض کروں گا۔[1]

(۱۵) تصور شیخ اگر عبارت میں موجود ہے تو مراد وہ تصور ہے جس کو شیخ نے تعلیم دیا ہے، یعنی تصور لفظ اللہ کا جو کہ زریں اور قلب میں لکھا گیا ہے، وہ تصور مراد نہیں ہے جسکو شغل برزخ کہتے ہیں.

شغل برزخ کو اگرچہ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب قدس سرہ العزیز نے سداً للذریعہ منع فرمایا ہے

[1] (۱۲ تا ۱۴) راقم الحروف نے روایت صحیحین جو عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن سلول منافق کے جنازہ کی بابت روکا تھا، اور آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا "سازید علی السبعین". اس روایت کو قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہ ائمہ نے موضوع قرار دیا ہے. اور اسی طرح حدیث صحیحین کا "یبقی علی ظہر الارض بعد مائۃ سنۃ نفس منفوسۃ" کو بھی بعض ائمہ حدیث نے اس لیے موضوع قرار دیا ہے کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، اور بھی بعض مسائل سلوک وغیرہ تھے جو جواب میں موجود ہیں. اسی پر حضرت امام العصر نے اصولی گفتگو فرمائی جس سے شکوک اور شبہات زائل ہو گئے. حضرت کی اس تحقیق کو بار بار بغور ملاحظہ کرنا چاہیئے. عجیب مکتوب ہے ع

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

اگر حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے مجھکو یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ اسکو منع نہیں فرماتے تھے۔ ان سے بعض حضرات نے اسکے جواز کے متعلق پوچھا تو انھوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے الفاظ کو استدلال میں پیش فرمایا جس میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا سے پوچھنے کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا (جسمانی اعضا اور رنگ وغیرہ) کے بابت دریافت کرتا رہتا تھا کہ تعلق بہ ۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخ اور مثال کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا مقصود ہے اور یہی شغل برزخ ہے۔ نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم (علیہم وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام) کے برزخ اور تمثال کو ذکر فرمانا متعدد احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اس سے متعدد مقاصد ہو سکتے ہیں۔ مگر سب کے اندر ان کے برزخ کو ذہن میں لانا اور اس کو محفوظ رکھنا ضرور پایا جاتا ہے۔ بہرحال اس کا جواز پایا جاتا ہے۔ اور استدلال حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ سے تکلف سے اس پر استدلال لایا جاتا ہے۔ برزخ شیخ دفع خطرات اور احادیث نفس کے منع کرنے میں بہت تاثیر رکھتا ہے۔ مگر چونکہ غلط کاری کا اندیشہ اس میں بہت ہے اسلئے احتیاط کیجاتی ہے جو کہ ضروری ہے۔[1]

والسلام۔ ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲ جمادی الاول ۶۹ھ۔

# جلد اول تمام شد

[1] تصور شیخ پر قطب العصر حضرت مولانا مدنی عمت فیوضہم کا یہ والا نامہ اور مکتوب نمبر ۱۱۶ بجائے اپنی جگہ پر قول فیصل ہے۔ البتہ بعض اکابر کی توجیہات میں اختلاف پایا جاتا ہے جو نسبت باطنی کہ پرورش میں اختلاف مشائخ کے قبیل سے ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ارشاد رحیمیہ در طریق حضرات نقشبندیہ۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

ننگ جماعت نجم الدین اصلاحی۔ یکم جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ

# مرتبِ مکتوبات کی زیرِ طبع دوسری تصنیفات

(۱) دلائل القرآن: قرآنِ پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مرتب ہوچکا تھا، اس کتاب میں اس کو قرآن پاک ہی سے ثابت کیا گیا ہے ضمناً بعض اور علمی مسائل بھی آگئے ہیں،

(۲) دلائل السنن والآثار: اس عنوان کے تحت عرصہ ہوا اردو کے مشہور مذہبی وعلمی رسالہ ترجمان القرآن میں ایک سلسلہ مضمون شائع ہوا تھا جس کو خواص علم نے بہت پسند کیا تھا اسی کو اب کتابی شکل میں مرتب کر دیا گیا ہے اس میں حدیث نبوی کے حجت ہونے پر قرآن کی روشنی میں بڑی سیر حاصل بحث کی گئی ہے

(۳) دلائل السلوک: تصوف وسلوک اسلام سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ تمامتر قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے اسی چیز کو اس میں تفصیل سے پیش کیا گیا ہے اردو میں اس موضوع پر بالکل منفرد کتاب ہے،

(۴) بدعت: بدعات محدثات پر قرآن حکیم احادیث نبی کریم، فقہائے امت اور صوفیائے ملت کے ارشادات کی روشنی میں بحث کی گئی ہے جس میں کہیں بھی اختلافی مسائل سے تعرض نہیں کیا گیا ہے؛

(۵) قرآن حکیم کا بین الاقوامی اصول: اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے اندر بین الاقوامی اصول موجود ہیں جن پر بین الملی وبین الملکی تعلقات وروابط کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے،

(۶) مجموعۃ الفتاوی: یہ حضرت مولینا سید محمد امین نصیرآبادی کے ان فتاوی کا مجموعہ ہے جو اب تک کہیں چھپے نہیں ہیں، ان کو بڑی عرق ریزی اور جانفشانی کیساتھ مرتب وجمع کیا گیا ہے

(۷) صوفیائے کرام کا اجتماعی نظام: صوفیائے کرام نے صرف انفرادی تزکیہ واصلاح ہی نہیں کی ہے بلکہ اجتماعی تزکیہ وتطہیر تہذیب واصلاح کا فریضہ بھی انجام دیا ہے اور ان کے روحانی فیوض وبرکات سے ہر عہد کی معاشرت سیاست واجتماعی زندگی اثر پذیر ہوئی ہے اس کتاب میں ان کی اسی طرح کی مساعی اور کوششوں کی تفصیل کی گئی ہے

(۸) انتخاب رباعیات مولانا رومؒ: حضرت مولینا رومؒ کی مثنوی سے تو سارا زمانہ واقف ہے لیکن ان کی رباعیات سے بہت کم لوگ واقف ہیں محمد لیاقندی نے ان کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا جس میں ۰۵ دا رباعیاں ہیں انہی میں سے ۔۔ رباعیاں منتخب کرلی گئی ہیں؛

مرتب کی بعض دوسری کتابیں

# یادگار سلف

کتاب اور سنت کی تعلیم، صحیح عقائد کی تلقین، رسوم جاہلیت کی تردید اور بدعات سیئہ کے محو کرنے میں حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو، جو حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کے پیر و مرشد حضرت مولینا سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہم کے خانوادے سے تھے، بڑا امتیاز حاصل تھا، مولانا کے حلقۂ ارشاد میں ملک کے دوسرے خصوصاً اطراف رای بریلی کے علاوہ ہمارے ضلع اعظم گڈھ کے دیہات بھی داخل تھے، وہ کبھی کبھی اپنے مسترشدین و متبعین کے اصرار سے ان دیہاتوں میں تشریف لاتے تھے، اور اپنے وعظ و پند اور ارشادات و نصائح سے لوگوں کو متاثر اور ان کی اصلاح کرتے تھے، اُن کی تلقین و ہدایت سے کتنے گھروں سے بدعات سیئہ اور مراسم فاسدہ کا ازالہ ہوا، اور کتنے دیہاتوں میں دین کی روشنی پھیلی، یادگار سلف ان ہی جنید وقت، بایزید زمان و مصلح اُمت کی سوانح عمری ہے، اس میں شروع میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی سابق ناظم دار المصنفین اعظم گڈھ کے قلم فیض رقم سے ایک مقدمہ ہے، اس کے بعد دیباچہ، اور پھر ولادت سے لیکر وفات تک مولینا سید امینؒ کے سوانح و حالات زندگی ہیں جس کے ضمن میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ خاندان کی پوری تاریخ آگئی ہے، قیمت :- عہ

# کتاب العبرات و لیوم الحسنات

علامہ مصطفےٰ لطفی منفلوطی، مصر کے ایک مشہور انشا پرداز و افسانہ نگار ہیں، یہ انہی کے ایک افسانہ کا سلیس و شگفتہ اردو میں ترجمہ ہے، افسانہ دلچسپ و عبرت انگیز ہے، بمبی کے ایک ناشر نے بمبی ہی کے ایک پریس میں چھپوا کر شائع کر دیا ہے،

(ابو علی صدیق احمد)

... الطبع السلفی لیوٹ آف [illegible]
بعجکونیان روڈ نئی دہلی